ماہنامہ جامِ نور دہلی کا

رئیس القلم نمبر

سید منور علی شاہ بخاری قادری رضوی

سید منور علی شاہ بخاری قادری رضوی

خوشتر نورانی

رئیس القلم مناظر اسلام فاتح

فاتح ایشیاء و یورپ، بانی مدارس کثیرہ

حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان کو

خراج عقیدت

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مجاہدانہ زندگی کے آخری سال دہلی میں گذارے جہاں انہوں نے ایک عظیم ادارہ ''جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء'' قائم کیا ان کے اس مشن میں انجمن رضا کے احباب نے بھر پور تعاون دیا۔ یہ ناچیز بھی اُن کی اس تحریک سے جُڑ گیا اور اُن کا ہر وقت کا معاون بن گیا۔ اُن کی تہہ دار شخصیت کے اوراق دیکھتا رہا۔ اُن سے سیکھا کہ دینی تحریک کیسے چلاتے ہیں اور دینی تعلیمی ادارہ کیسے قائم کرتے ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ حضرت علامہ بڑی فکر کے بعد منصوبہ بناتے ہیں اور وہ ایسے گوشے تلاش کرتے ہیں جہاں جماعت اور ملت کو کمزور دیکھتے ہیں اور پھر اس کے تدارک کے لئے بہت غور و فکر کے بعد منصوبہ بناتے ہیں۔ اور منصوبے کی تمام تفصیلات پر اُن کی گہری نظر ہوتی ہے۔ اُن کی شخصیت کا اہم ترین عنصر میری نظر میں یہ تھا کہ وہ سراسر علمی آدمی تھے۔ انہوں نے مناظرے کی زبان بدل دی۔ اِسے علمی بنا دیا۔ گالی گلوچ یا سطحی زبان کے بجائے مدلّل طریقے سے مخالفین کے بطل کو بے نقاب کر دیا۔ ''زلزلہ'' اس پر شاہد ہے۔

حضرت علامہ کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ اُنکا ملت کی نبض پر ہاتھ رہتا تھا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ اعدائے دین و ملت سے نمٹنے کیلئے روایت سے ہٹ کر علماء اہل سنت کو نئے ہتھیاروں سے لیس کرنا ہوگا۔ اسلئے انہوں نے علم دین اور دعوت کو جوڑ کر ایک نیا نصاب تیار کیا اور اُس پر عمل درآمد کیلئے راجدھانی میں نیا دار العلوم قائم کیا یعنی ''جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء'' دعوت کے کام کیلئے عربی اور انگریزی زبانوں اور دوسرے عصری علوم پر عبور حاصل کرنے ہی کیلئے ''جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء'' وجود میں آئی۔ لیکن یہ کام ابھی شروع ہوا ہے۔ اس کام کو آگے بڑھانا ہے، مستحکم کرنا، اور اسکے استحکام کیلئے صاحب نظر و دانشوروں کو اس سے وابستہ کرنا ہے۔ حضرت علامہ کی ظاہری قیادت سے بے شک ہم سب محروم ہو گئے ہیں لیکن ہمیں یقین ہے کہ اُنکے روحانی فیوض جاری رہیں گے اور اُنکی روحانی قیادت ہمیں ہمیشہ حاصل رہے گی۔ میں اپنی طرف سے، انجمن رضا کی طرف سے حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روح اقدس کو خراجِ عقیدت پیش کرتا ہوں اور رب تبارک تعالیٰ کے حضور دعاء کرتا ہوں کہ وہ اُنکے مراتب بلند فرمائے۔ (آمین) آپ سب کے غم میں میں برابر کا شریک ہوں۔ دعاء ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہم سب کو اِس غم کو برداشت کرنے کی قوت عطا فرمائے۔ (آمین) ہم سب حضرت علامہ ارشد القادری کے وارث ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اُنکی وراثت کو سنبھالنے اور اسے آگے بڑھانے کی توفیق اور صلاحیت عطا فرمائے۔ (آمین)

سید منور علی شاہ بخاری

حافظ زبیر احمد رضوی
رکن انجمن رضا
ٹرسٹی و خازن جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء نئی دہلی

جان کر من جملہ، خاصانِ میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

ماہنامہ جامِ نور دہلی

بانی: رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری نور اللہ مرقدہ

جلد۔۱ جون، جولائی، اگست ۲۰۰۲ء شمارہ۔۱

مراسلت و ترسیلِ زر کا پتہ

ماہنامہ جامِ نور

۴۲۲ مٹیا محل، جامع مسجد دہلی فون ۳۲۴۳۰۱۹ - ۳۲۸۱۴۱۸

JAAM-E-NOOR MONTHLY
422, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi - 6
Ph : 3281418, 3243019
E-mail : k_noorani@yahoo.com

پرنٹر، پبلیشر، پروپرائٹر غلام ربانی نے انیس بک بائنڈر اینڈ پرنٹرس چھتہ لال میاں دریا گنج نئی دہلی۔۲ سے طبع کرا کر آفس ماہنامہ جام نور دہلی 422 مٹیا محل اردو مارکیٹ جامع مسجد دہلی۔۶ سے شائع کیا

فی شمارہ :	10/=
زر سالانہ :	100/=
قیمت رئیس القلم نمبر :	100/=
خصوصی ممبر شپ :	500/=
بیرون ملک (ہوائی ڈاک)	20 $ امریکی ڈالر
بیرون ملک (عام ڈاک)	10 $ امریکی ڈالر
لائف ممبر شپ (اندرون ملک)	3000/=
لائف ممبر شپ (بیرون ملک)	300 $ امریکی ڈالر

CamScanner

انتساب

ہم اپنی اس کاوش کو اپنے

نانا جان

ساقیٔ کوثر مسلک اعلیحضرت، پیر طریقت فیض العارفین حضرت علامہ الشاہ **غلام آسی پیا** چشتی جہانگیری

کی ذات بابرکات کی طرف معنون کرتے ہیں

جنہوں نے

ایک غیر معروف بچے کو اپنی آغوش تربیت سے اٹھا کر استاذ العلماء جلالۃ العلم حضور حافظ ملت کے گہوارۂ علم و عمل میں ڈال دیا

جہاں سے

رئیس القلم، قائد ملت، مناظر اعظم اور بانی مدارس کثیرہ کی شکل میں

ایک خورشید کمال طلوع ہوا

جس نے

اپنی لافانی خدمات اور کارنامے سے ملت اسلامیہ کا نرخ اونچا کر دیا

اور

جن کی دعائے سحرگاہی نے انہیں بحر و بر کی وسعتوں میں تاجدار اقلیم رسالت کی تعلیمات کا غلغلہ بلند کرنے کا حوصلہ عطا کیا۔

موج مئے، رنگ شفق، لالہ و گل، مطلع صبح
چند عنواں ہیں مرے شوق کے افسانوں کے

اسیر بارگاہ اولیاء
خوشتر نورانی (علیگ)

فہرست مضامین

باب نمبر (۴) منزل بہ منزل (تبلیغی ودعوتی اسفار)

باب نمبر (۵) زاویہ نظر (مکتوبات)

باب نمبر (۶) مشاہدات (رئیس القلم کی رحلت پر تاثراتی نگارشات)

باب (۷) گلہائے عقیدت (منظوم خراج)

باب (۸) نالۂ درد (تعزیتی کلمات)

علامہ ارشد القادری ایک نظر میں

نام : غلام رشید (ارشد القادری)

جائے پیدائش : سید پورہ بلیا (یوپی)

تاریخ پیدائش : ۵؍مارچ ۱۹۲۵ء

والد ماجد : مولانا شاہ عبدہ عبداللطیف رشیدی

اکابرین خانہ : حضرت مولانا عظیم اللہ (جد امجد)
حضرت مولانا غلام محی الدین (چچازاد بھائی)
حضرت مولانا محمد یحییٰ (چچازاد بھائی)
حضرت مولانا شاہ غلام آسی پیا حسنی (برادر اکبر)
حضرت مولانا مفتی ظفر علی نعمانی (برادر نسبتی)

بسم اللہ خوانی : ۱۹۳۰ء

ابتدائی تعلیم : گھر پر والد ماجد سے ہی حاصل کی

تکمیل درس نظامیہ : الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں ہوئی

فراغت : ۱۹۴۴ء

اساتذہ : حافظ ملت حضرت مولانا
عبدالعزیز محدث مبارکپوری
مولانا محمد سلیمان بھاگلپوری
مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری
مولانا ثناء اللہ مئوی

بیعت : خلیفۂ اعلیٰ حضرت صدرالشریعہ حضرت
مولانا امجد علی اعظمی

اجازت وخلافت : خلیفہ اعلیٰ حضرت قطب مدینہ حضرت
مولانا ضیاء الدین احمد مدنی و سرکار
پٹنہ حضرت سید شاہ فدا حسین رحمۃ اللہ علیہ

درس وتدریس : (۱۹۴۵ تا ۲۰۰۱) جامعہ شمس العلوم ناگپور،
مدرسہ فیض العلوم جمشید پور

تلامذہ : ۸؍ہزار

ممتاز شاگرد : فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی

قیام تعلیمی ادارے (بیرون ممالک)

(۱)	جامعہ مدینۃ الاسلام	ہالینڈ
(۲)	اسلامک مشنری کالج	انگلینڈ
(۳)	دارالعلوم علیمیہ	سرینام امریکہ

قیام تبلیغی ادارے (بیرون ممالک)

(۱)	ورلڈ اسلامک مشن	انگلینڈ
(۲)	دعوت اسلامی	کراچی پاکستان

قیام مذہبی تنظیم (اندرون ملک)

(۱)	ادارۂ شرعیہ	پٹنہ
(۲)	مسلم پرسنل لاء کانفرنس	سیوان
(۳)	کل ہند مسلم متحدہ محاذ	رائے پور

قیام تعلیمی ادارے (اندرون ملک)

(۱)	جامعہ فیض العلوم	جمشید پور
(۲)	دارالعلوم ضیاء الاسلام	ہوڑہ
(۳)	دارالعلوم مخدومیہ	گوہاٹی
(۴)	مدرسہ مدینۃ العلوم	بنگلور
(۵)	مدرسہ مفتاح العلوم	راورکیلا
(۶)	مدرسہ اسلامی مرکز	رانچی
(۷)	دارالعلوم گلشن بغداد	ہزاری باغ
(۸)	جامعہ غوثیہ رضویہ	سہارن پور
(۹)	مدرسہ مدینۃ الرسول	کوڈرما
(۱۰)	مدرسہ مظہر حسنات	رام گڑھ

(۱۱)	دارالعلوم رشیدیہ رضویہ	بلیا
(۱۲)	جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء	نئی دہلی
(۱۳)	فلاحی مرکز	جمشید پور
(۱۴)	مدرسہ تنویر الاسلام	جمشید پور
(۱۵)	فیض العلوم مڈل اسکول	جمشید پور
(۱۶)	فیض العلوم ہائی اسکول	جمشید پور
(۱۷)	مدرسہ عزیز الاسلام	جمشید پور
(۱۸)	مدرسہ اصلاح المسلمین	جمشید پور
(۱۹)	مدرسہ تعمیر ملت	تلیا کرما ٹانڑ
(۲۰)	مدرسہ امداد الحنفیہ	دمکا
(۲۱)	مدرسہ سراج الاسلام	مدھوپور دیوگھر

قیام مساجد

(۱)	فیض العلوم مکہ مسجد	جمشید پور
(۲)	نورانی مسجد	جمشید پور
(۳)	قادری مسجد	بہار شریف
(۴)	مسجد مفتاح العلوم	راورکیلا
(۵)	مسجد غوثیہ	رانچی
(۶)	مسجد اہل سنت	کوڈرما
(۷)	مدینہ مسجد	جمشید پور
(۸)	مدینہ مسجد	موی بنی

کانفرنسوں میں بحیثیت مندوب شرکت (بیرون ممالک)

(۱)	کلچرل کانفرنس	ایران
(۲)	اسلامی عالمی کانفرنس	لیبیا
(۳)	حجاز کانفرنس	انگلینڈ
(۴)	امام احمد رضا کانفرنس	پاکستان
(۵)	مولانا عبدالعلیم کانفرنس	ہالینڈ
(۶)	عالمی اسلامی کانفرنس	عراق
(۷)	عالمی میلاد کانفرنس	پاکستان

کانفرنسوں میں بحیثیت مندوب شرکت (اندرون ملک)

(۱)	سنی جمعیۃ العلماء کانفرنس	کانپور
(۲)	کل ہند تعلیمی کانفرنس	مبارک پور اعظم گڑھ
(۳)	عالمی مفتی اعظم کانفرنس	ممبئی
(۴)	کل ہند مسلم پرسنل لاء کانفرنس (برائے گرفتاری)	لکھنؤ

قیام کانفرنس

(۱)	بہار سنی صوبائی کانفرنس	سیوان
(۲)	کل ہند سنی ٹرسٹ کانفرنس	دہلی
(۳)	مسلم پرسنل لاء کانفرنس	سیوان
(۴)	کل ہند سنی کانفرنس	نئی دہلی
(۵)	کشمیر کانفرنس	جمشید پور

تصنیفات وتالیف

(۱) زلزلہ
(۲) زیروزبر
(۳) جماعت اسلامی
(۴) تبلیغی جماعت
(۵) رسالت محمدی کا عقلی ثبوت
(۶) انوار احمدی
(۷) زلف وزنجیر
(۸) محمد رسول اللہ قرآن میں
(۹) دورحاضر کے منکرین رسالت
(۱۰) دل کی مراد
(۱۱) جلوۂ حق
(۱۲) شریعت
(۱۳) لسان الفردوس
(۱۴) مصباح القرآن (۳ حصوں میں)

(۱۵) نقش کربلا
(۱۶) فن تفسیر میں امام احمد رضا کا مقام
(۱۷) ایک سفر دہلی سے سہارن پور تک
(۱۸) لالہ زار
(۱۹) سرکار کا جسم بے سایہ
(۲۰) تعزیرات قلم
(۲۱) دعوت انصاف
(۲۲) تاریخ فقہ حنفی
(۲۳) تاریخ فن حدیث
(۲۴) حیات خواجہ قطب الدین بختیار کاکی
(۲۵) تفسیر سورۃ فاتحہ
(۲۶) عقیدۂ علم غیب پر قرآنی دلائل
(۲۷) مطالعہ دیوبندیت (زیر ترتیب)
(۲۸) عقیدہ توحید پر عقلی دلائل

صحافت

(۱)	جام کوثر (پندرہ روزہ)	کلکتہ
(۲)	جام نور (ماہنامہ)	کلکتہ
(۳)	شان ملت (پندرہ روزہ)	پٹنہ
(۴)	رفاقت (ماہنامہ)	پٹنہ

قید و بند

(۱) پہلی بار ۱۹۶۴ء (۲ ماہ کیلئے) ساکچی جیل جمشید پور
(۲) دوسری بار ۱۹۶۷ء (۹ ماہ کیلئے) آرہ جیل آرہ بہار
(۳) تیسری بار ۱۹۷۹ء (۶ ماہ کیلئے) ساکچی جیل جمشید پور

(اسی ۶ رماہ کی مدت میں جیل کے اندر حضرت رئیس القلم نے اپنی مشہور کتاب زیروزبر، تحریر فرمائی)

مناظرہ

پہلا مناظرہ :-	علامہ ارشد القادری	ہمراہ	مولوی عبداللطیف نعمانی دیوبندی بمقام : کٹک (اڑیسہ)
دوسرا مناظرہ :-	علامہ ارشد القادری	ہمراہ	مولوی عبدالسلام لکھنوی دیوبندی بمقام : بتھوا بازار، چھپرہ (بہار)
تیسرا مناظرہ :-	علامہ ارشد القادری	ہمراہ	مولوی ارشاد احمد دیوبندی بمقام : نیر ضلع امراوتی (مہاراشٹر)
چوتھا مناظرہ :-	علامہ ارشد القادری	ہمراہ	مولوی ارشاد احمد دیوبندی بمقام : بولیا، مندسور (راجستھان)
پانچواں مناظرہ :-	علامہ ارشد القادری	ہمراہ	مولوی طاہر گیاوی بمقام : جھریا، ضلع دھنباد (جھارکھنڈ)
چھٹا مناظرہ :-	علامہ ارشد القادری	ہمراہ	مولوی طاہر گیاوی بمقام : کٹک (اڑیسہ)

پیغام امین ملت

ڈاکٹر سید محمد امین میاں قادری برکاتی نوری سجادہ نشین خانقاہِ عالیہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ۔ ضلع ایٹہ (یوپی)
ریڈر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ یوپی

صاحب تصانیف کثیرہ مناظر اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری کا انتقال ملت اسلامیہ کے لئے کسی عظیم حادثے سے کم نہیں ہے۔ ہندوستان کا مشہور ومعروف آستانہ خانقاہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مقدسہ ضلع ایٹہ کے جملہ وابستگان اس غم میں برابر کے شریک ہیں۔

ماہنامہ جامِ نور۔ دہلی

کو تاریخی رئیس القلم نمبر نکالنے پر میں اپنے اور وابستگانِ سلسلۂ عالیہ قادریہ برکاتیہ نوریہ کی طرف سے قلبی مبارک باد دے رہا ہوں۔ اور اس ماہنامے کی کامیابی وکامرانی کے لئے بارگاہ ربّ العزت میں دعا گو ہوں۔

(امین ملت) ڈاکٹر سید محمد امین میاں قادری برکاتی نوری
سجادہ نشین بڑی خانقاہ آستانہ عالیہ برکاتیہ مارہرہ شریف

اداریہ **خوشتر نورانی (علیگ)**

پہلا جام

لگا رہا ہوں مضامین نو کے پھر انبار
خبر کرو مرے خرمن کے خوشہ چینوں کو

رحمت یزدانی کی وہ کونسی مبارک گھڑی تھی جب میرے دل میں ''ماہنامہ جام نور'' کی احیاء کا خیال گذرا.....وہی جام نور جس نے انیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں حضرت رئیس القلم نوراللہ مرقدہٗ کی ادارت میں کلکتہ کی سرزمین سے نکل کر دلوں کے آفاق پر سپیدۂ سحر کی طرح چمک رہا تھا.....جس نے مسلسل کئی برسوں تک مذہبی اردو صحافت کی آبیاری کر کے اردو زبان کے انحطاط کا ماتم کرنے والوں کے منہ پر قفل لگا دیا..... جس نے بے ہنگم نقد ونگارش کے جلو میں ''تعزیرات قلم'' کے نام سے مستقل عنوان کے تحت ایک نئے مذہبی اسلوب کی داغ بیل ڈال کر بارگاہ رسالت کے شہ زوروں کے نامۂ حیات پر سیہ بختی کی مہر لگا دی.....مگر اب ہم دیوانگانِ شوق کا یہ قافلہ ''جام نور'' کی وہ روایات برقرار رکھ سکے گا.....؟ ظالم وجابر حکومت سے اپنی زیست کی آشفتہ سری کے اظہار وتعبیر کے لئے اردو زبان کی تنگ دامنی کا گلہ کرنے والے ''مغرب زدہ'' کو ''مشرقیت'' اور اپنی مادری زبان کی طرف مائل کر سکے گا...؟ اسی سوچ وفکر میں کئی مہینے گذر گئے ....آخر ۲۹/اپریل ۲۰۰۲ء کا وہ منحوس دن آیا جب وقت کی ایک عظیم المرتبت ہستی جس نے بڑے بڑے مسند نشینوں کو اپنے علمی جاہ وکمال کی خیرات عطا کی تھی، شوریدہ سروں کا یہ قافلہ سالار جس نے ملتِ اسلامیہ کی ایک نئی تاریخ مرتب کی تھی، جادۂ عشق عرفاں کا ہادی ورہنما جس نے بحر وبر کی وسعتوں میں دینی شوکتوں کا پرچم لہرایا تھا، جسے دنیا ''قائد ملت'' ''رئیس القلم'' ''مناظر اعظم'' کے القاب سے یاد کرتی تھی، پوری امت مسلمہ کو روتا بلکتا چھوڑ کر ہم سے بچھڑ گیا۔ نالۂ درد اور آہ وفغاں کا ایک نہ ختم ہونے والا شور عالم اسلام کی گلیوں میں سنائی دینے لگا، ایسے میں میری روح نے پکارا کہ جس کی تن جاں کا آرام اور جس کے قلم کی روشنائی تاجدارِ اقلیمِ رسالت کی پاسبانی سے وابستہ ہو، اس کی بیقرار روح کی تسکین کے لئے اس سے بہتر خراج اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس قلمی مشن کا آغاز انہوں نے کلکتہ سے ''جام نور'' نکال کر کیا ایک بار پھر دہلی کی سرزمین سے اسی ''جام نور'' کو نکال کر اس کاروانِ شوق کو آگے بڑھانے کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ نیز پہلا شمارہ حضرت رئیس القلم کی لافانی خدمات اور کارناموں پر مشتمل ہوتا کہ ملت اسلامیہ کا انجماد قائد ملت کی ''داستان شوقِ رہ نوردی'' پڑھ کر ٹوٹ سکے.....کیا معلوم تھا کہ مجھ بیکس کی پکار اتنی جلد درجۂ قبولیت کو پہنچ جائے گی۔ لیجئے ایک دیوانۂ شوق کی داستان بنام ''رئیس القلم نمبر'' آپ کے ہاتھوں میں ہے، دل میں رکھیئے، آنکھوں سے لگایئے اور ہو

سکے تو اس کی نورانی کرنوں میں نہا لیجئے۔ تنہائی کی بے بسی میں میری کاوشوں کا یہ مجموعہ اگر آپ کے معیار پر نہ بھی اترے تو مجھے اس کا کوئی ملال نہیں کہ جہاں ظاہری چمک کی نمائش ہی پسندیدگی کا معیار ہو وہاں نقش ونگار کی جاذبیت معنی رکھتی ہے مگر جہاں دل کا اخلاص اور نیتوں کا شوق قبولیت کی ضامن ہو وہاں، ہم جیسے بے مایۂ علم وفن بھی بار پا جائیں تو مقام حیرت کیا ہے؟؟؟

کسی بھی شمارہ کا ''خصوصی نمبر'' نکالنا نہایت جاں گسل اور دشوار ترین امر ہے، خصوصاً جب کہ وہ کئی سو صفحات پر مشتمل ہو، قلمکاروں سے مختلف موضوعات پر مضامین لکھوانا، معلومات کے فقدان کی صورت میں انہیں مواد فراہم کرنا، مضامین کا انتخاب کرنا اور ان کی ترتیب دینا، کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کرنا، اور پھر اسکے بعد طباعت کا مرحلہ طے کرنا، ان تمام امور کی انجام دہی کے لئے راتوں کی نینداور دنوں کا آرام تج دینا پڑتا ہے، جو صرف چند ایام پر ہی محیط نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کے لئے کئی مہینوں کی عرق ریزی بھی کم پڑتی ہے، خصوصاً وقت کی کمی اگر دامنگیر ہو تو یہ مرحلۂ شوق اور بھی سنگین ہو جاتا ہے، ان راہوں کی آبلہ پائی جن کا مشن ہو وہ اچھی طرح درد کی اس زبان کو محسوس کر رہے ہوں گے..... کچھ ایسا ہی واقعہ ہمارے ساتھ بھی ہوا اور پچیس دنوں کی کڑی محنت کے بعد بارگاہِ رئیس القلم میں ''عقیدت کا یہ خراج'' ایک مجموعہ کی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ سرتاسر احسان ہے اس خالق لوح وقلم کا جس نے ہماری دستگیری اور چارہ سازی کے لئے کشور ولایت کے سلاطین وقت کو اس خاکدان گیتی پر جلوہ افروز فرمایا ورنہ ہم جیسے تہی دستانِ علم وعمل کی کیا مجال؟

انکا سایہ اک تجلی نقش پا ان کا چراغ
وہ جدھر گزرے ادھر ہی روشنی ہوتی گئی

قارئین اس تاریخی ''رئیس القلم نمبر'' کے مطالعہ سے کہیں کہیں پر یہ محسوس کریں گے کہ کچھ مضامین ایسے بھی ہیں جن سے حضرت قائد ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حیات ظاہری کے آثار نمایاں ہیں مگر اب وہ ہمارے درمیان نہیں رہے کیونکہ ان میں سے کچھ ایسے بھی قلمکار ہیں جنہوں نے حضرت علامہ کی ظاہری حیات میں، ہی ان کی ذات پر خامہ فرسائی کی ہے اس لئے ایسے مضامین کے مطالعہ سے قارئین بار گراں محسوس نہ کریں۔

اخیر میں ہم دست بدعا ہیں کہ پروردگار عالم ہماری اس کاوش کو درجۂ قبولیت سے سرفراز فرمائے اور جد امجد حضرت رئیس القلم رضی المولیٰ عنہ کی قلمی تحریک کو فروغ دینے کا حوصلہ عطا فرمائے۔ (آمین)

راستہ ایک ہے ہم عشق کے دیوانوں کا
قد گیسو سے چلے دار و رسن تک پہنچے

نوٹ

قارئین کرام ماہنامہ **جامِ نور** کا اگلا شمارہ تواتر کے ساتھ ماہِ ستمبر ۲۰۰۲ء سے ملاحظہ فرمائیں۔

باب
۱

گریۂ الم

رئیس القلم کی رحلت پر ایک عینی شاھد کی زبانی

واقعات کی رقت انگیز تفصیل

سید منور علی شاہ بخاری قادری رضوی

★ ★ ★ ★ ★ ★

روز آئے مدینے سے بادِ صبا، ہجر میں دل ہمارا بہلتا رہے!
ہر گھڑی تم ہمیں یاد آتے رہو، عالم شوق میں دل مچلتا رہے

وقت آ جائے ارشدؔ کا جب آخری، رنگ لائے مری نسبتِ قادری
گوشۂ دامنِ پاک ہو ہاتھ میں، سامنے تم رہو دم نکلتا رہے

(رئیس القلم)

زندگی کیا ہے ظہور عناصر کی ترتیب
موت کیا ہے انہیں اجزا کا پریشاں ہونا

تاریخی شہر آگرہ کے مرکزی تعلیمی وثقافتی ادارہ، سنی مرکز، نگلہ میواتی، تاج گنج، آگرہ۔ یوپی کے اراکین

قائد اہل سنت، مناظر اعظم، مبلغ اسلام، فاتح یورپ و ایشیاء، بانئ مدارس و مساجد کثیرہ، صاحب تصانیف علمیہ حضرت علامہ مولانا ارشد القادری کی سانحۂ ارتحال کو ملت اسلامیان ہند کیلئے ایک عظیم سانحہ تصور کرتے ہیں۔
انکی دینی ملی اور علمی خدمات کے پیش نظر ان کی بارگاہ میں بچشم نم خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے اللہ کریم کی بارگاہ میں رسول رؤف الرحیم کی توسل سے حضرت علامہ کی بلندئ درجات کیلئے دعا گو ہیں۔
ماھنامہ جام نور کے جملہ وابستگان واراکین کو حضرت علامہ کے عرس چہلم کے موقع پر اتنا خوبصورت میعاری وقیع اور تاریخی رئیس القلم نمبر نکالنے پر دل کی گہرائیوں سے نذرانہ عقیدت ومحبت پیش کرتے ہوئے انتہائی لطف وسرور سے محظوظ ہو رہے ہیں، اللہ کریم جملہ خاصان خدا کے وسیلے سے ادارے کے پر خلوص جدوجہد کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے (آمین)

منجانب:

- (مولانا) مدثر خان قادری، صدر و مہتمم سنی مرکز آگرہ
- (ڈاکٹر) نوشاد عالم چشتی سکریٹری، سنی مرکز آگرہ
- قاری محمد شمشیر برکاتی مدرس سنی مرکز آگرہ
- و جملہ اراکین واساتذہ وطلباء

سنی مرکز نگلہ میواتی، تاج گنج، آگرہ، یوپی

رئیس القلم
بستر مرگ سے لحد کی منزل تک
ایک عینی شاہد کی زبانی واقعات کی رقت انگیز تفصیل

............خوشتر نورانی (علیگ) کے قلم سے............

رئیس القلم، مناظر اعظم ہند، مبلغ یورپ و ایشیاء، بانیٔ مدارس کثیرہ حضرت علامہ ارشدالقادری دام اقبالہٗ ونوراللہ مرقدہٗ کی شہرہ آفاق شخصیت کو قرطاس وقلم سے مقید کرنا میرے نزدیک ایک ناگزیر مسئلہ ہے۔ ایک ہی ذات میں فکروفن، شعروسخن، لوح وقلم، علم وادب، عقل وفراست، مناظرہ ومحاضرہ اور سیاست وحکومت کی جملہ صلاحیتوں کا سمٹ جانا شخصیت کی عبقریت کی توثیق کرتا ہے۔ عقل غلط اندیش انگشت بدنداں ہے کہ کیسے مذہبی فصیل کا ایک پروردہ آج سے پچاس سال قبل تن تنہا جمشید پور کی ایک سنگلاخ سرزمین سے اپنے دعوتی مشن کا آغاز کیا اور کچھ ہی عرصے میں دلوں کی سرزمین پر مدارج ایمانی کے حصول کی قندیلیں روشن کردیں، اور کس طرح زمین کے اس کنارے تک اسلام کی صدائے بازگشت پہونچانے کے لئے مدارس ومکاتب کا ایک جال بچھا کر شریعت محمدی کی ابدی تعلیمات کو جاوداں کردیا۔ اور اپنے نوک قلم سے گم گشتگان رہرو منزل اور گستاخان نبی کے ایوانوں میں شگاف ڈال کر مسلمانوں کے معصوم اعتقادوں کو تحفظ کی ضمانت فراہم کی، ان کے باغی دلوں کو عشق مصطفیٰ کی اسیری کا ایسا جذب دروں عطا کیا کہ وہ رسول عربی ﷺ کے قدم ناز تلے اپنی پلکیں بچھانے کے بعد بھی اہتمام شوق کی تشنگی محسوس کرنے لگے۔ ان کے احساس دل کی ترجمانی انہیں کے ایک شعر سے ملاحظہ کریں۔ فرماتے ہیں کہ.........

نہ ہو گر داغ عشق مصطفیٰ کی چاندنی دل میں
غلام با وفا محشر میں پہچانا نہ جائے گا

یہ حضرت علامہ کی ہی ذات گرامی ہے جنہوں نے بے ہنگم نقد ونگارش کے جلو میں ایک لطیف اسلوب کی داغ بیل ڈالکر جماعتی سطح پر لسانی فقدان کے اتہام پر قدغن لگانے کی ایک کامیاب کوشش کی جس کا اعتراف کمال نہ صرف جماعت کی قدرآور شخصیتوں نے کیا بلکہ اکناف عالم میں پھیلے تاجدار اقلیم کائنات کے اُن تمام رہزنوں نے بھی کیا جن کے خلاف علامہ نے اپنی ہوشربا تصنیف ''زلزلہ'' لکھ کر ان کے ایمان زعم وتعصب کی بوالعجبیوں کا پردہ چاک کردیا۔

دیوبند کے مشہور ادیب ونقاد مولانا عامر عثمانی کا ''زلزلہ'' پر یہ تبصرہ پڑھنے کے قابل ہے۔ لکھتے ہیں کہ

''مصنف نے ایسا ہرگز نہیں کیا ہے ادھر ادھر سے چھوٹے موٹے فقرے لیکر ان سے مطالب پیدا کئے ہوں بلکہ پوری پوری عبارتیں نقل کی ہیں اور اپنی طرف سے ہرگز کوئی معنی پیدا نہیں کئے ہیں۔ اگرچہ ہم حلقۂ دیوبند ہی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ہمیں اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں کہ اپنے ہی بزرگوں کے بارے میں ہماری معلومات میں اس کتاب نے اضافہ کیا اور ہم حیرت زدہ رہ گئے کہ دفاع کریں تو کیسے؟ دفاع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی بڑا سے بڑا منطقی اور علامۃ الدہر بھی ان اعتراضات کو دفع نہیں کرسکتا جو اس کتاب کے مشتملات متعدد بزرگان دیوبند پر عائد کرتے ہیں'' (زلزلہ صفحہ ۱۷ مطبوعہ مکتبہ جام نور، دہلی)

ویسے تو حضرت علامہ کی ملک وبیرون ملک میں علمی، ادبی، فکری سیاسی، تربیتی، قلمی، دعوتی، تنظیمی اور تحریکی سرگرمیوں کا سلسلۂ ذہب نصف صدی کے طویل عرصے پر محیط ہے مگر پھر بھی ان کے لازوال و تاریخ ساز کارناموں پر وقت کی دھول نہیں جم سکی حالانکہ تبدیلی فطرت

کاائل قانون ہے ،وقت کی رفتار کے ساتھ کارناموں کی تصویریں دھندلی پڑنے لگتی ہیں، ہرشئی پر زوال آتا چلا جاتا ہے اور کاموں کے انداز بدل جاتے ہیں مگر بارگاہ یزدانی کی کرشمہ سازیوں کے ڈھنگ نرالے جس نے اپنے ایک معمولی بندے کوحقیقتوں کا وہ عرفان بخشا اور منصب الوہیت ورسالت کی پاسبانی کا وہ وجدان عطا کیا کہ ان کا ہر کارنامہ ہر دور کی نزاکتوں کی پوری رعایت کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی دلربا تحریریں آج بھی قارئین کے ہوش وخرد پر اپنا قبضہ جمالیتی ہیں اور ان کے ذوق طبع کو مذہبی تنقید میں ایک نئے اسلوب وادب کا احساس دلاتی ہیں، اطراف عالم میں پھیلے ان کے تعمیر کردہ وہ لاتعداد تعلیمی، مذہبی، ثقافتی، تنظیمی، دعوتی ادارے جو آج تبلیغ دعوت اسلامی کے ناقابل تسخیر قلعوں میں تبدیل ہو چکے ہیں عصری تقاضوں کے پیش نظر باطل نظریات کی ریشہ دوانیوں کے خلاف مصروف عمل ہیں اور عالمی پیانے پر ہندوستان کے مختلف خطوں میں وہ تاریخ ساز کانفرنسیں جن کا انعقاد کر کے حضرت علامہ نے بے لگام حکومت کے خلاف ایک کمزور اقلیت کے تابناک مستقبل کے لئے اپنی صدائے کرب کو پارلیمنٹ کی دہلیز تک پہونچایا جس کی دھمک آج بھی ہندوستان میں محسوس کی جاتی ہے۔ ذرا حقیقت سے قریب ہو کر دیکھیں تو اس ذات گرامی نے ہر محاذ پر امت محمدی کے شبستاں کی محافظت کر کے پوری جماعت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا ہے۔

استاذ العلماء جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ......

''علامہ ارشد القادری دور حاضر میں اپنے آپ ہی ایک نظیر ہیں، علمی قابلیت کے ساتھ تدبر وبلند ہمتی، عظائم میں پختگی، ایثار واخلاص اور دین پروری میں ان کو وافر حصہ ملا ہے۔'' (مکتوب بنام علامہ شاہ سراج الہدیٰ صاحب گیاوی علیہ الرحمۃ)

حضرت علامہ کی شخصیت کا یہ ایک نرالا پہلو تھا کہ اکابرین سے لیکر اصاغرین تک اور اساتذہ سے لیکر تلامذہ ومعاصرین تک ہر شخص آپ کی نادر الوجود ہستی کا دیوانہ تھا، مبالغہ آرائی سے ہٹ کر آپ کی شخصیت کا اگر گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو علم دجوہر کا وہ کون سا میدان ہے جس میں آپ کا سکہ نہیں چلا۔ یہی وجہ ہے کہ عوام وخواص یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ تن تنہا ایک ذات نے اسلام کی سربلندی کے لئے جتنا کام کیا پوری جماعت ملکر نہ کر سکی۔

بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب کی نوک قلم سے نکلا ہوا یہ خراج قابل مطالعہ ہے......

''حضرت مولانا ارشد القادری صاحب جن کا دلربا اور گلکار قلم ایسے توبرتو پردوں کے پیچھے بھی دیکھ لیتا ہے اور بڑی ژرف نگاہی کے ساتھ حقائق کو بے نقاب کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتا اور جس کی لطیف نشتریت ہر جویائے حق کے لئے تریاق سے کم نہیں۔ مولانا موصوف انحطاط کے اس دور میں نئی پود کے اندر حق پرست اور شوریدہ سروں کے قافلہ سالار ہیں بلکہ خود قافلہ بھی اب تو ابتدا اور انتہا سب انہیں پر ختم ہے اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے۔'' (تبلیغی جماعت صفحہ ۱۳ مطبوعہ مکتبہ جام نور، دہلی)

آخری شاہکار

1995ء میں حضرت علامہ نے ہندوستان کی سلطنت دہلی میں کل ہند سنی کانفرنس کا اہتمام کیا اور لاکھوں فرزندان توحید ورسالت کو اسلام کے پرچم تلے کھڑا کر کے یہ ثابت کر دیا کہ دہلی تبلیغی جماعت اور اہل نجد کا کارخانہ نہیں جہاں ایمان واعتقاد کے رہزن ڈھالے جاتے ہیں بلکہ بائیس خواجہ کے روحانی مشن کا مرکز ہے جہاں روزانہ ہندوستان کے کونے کونے سے ہزاروں افراد ان روحانی مراکز پر اپنی ناکام آرزؤں کے ساتھ آتے ہیں اور بامراد واپس جاتے ہیں مگر یہ کانفرنس ان کی زندگی کی آخری شاہکار تھی، اس کے بعد ہی سے حضرت مستقل علیل ہو گئے اور نئے نئے امراض نے انکی دعوتی وتبلیغی زندگی پر ایک روک لگا دیا اور وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ دھیرے دھیرے چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو گئے مگر میں ان کی عزم وہمت اور دین پروری کی داد دیتا ہوں کہ ہاتھ میں اتنی طاقت کی رمق نہیں کہ قلم بھی ٹھیک سے پکڑ سکیں اور پیروں میں اتنی جان نہیں کہ وہ دوقدم چل سکیں مگر واہ رے جذبۂ ایمانی! کہ اس کے باوجود ہمہ وقت نئے مراکز و مساجد کے قیام کی فکر دامن گیر ہے۔ اس ضعف العمری میں دعوتی مشن پر جس نے جب جہاں طلب کیا ڈاکٹروں اور معالجوں کے

ہزار ہا منع کرنے کے باوجود دوڑے چلے گئے۔
میں اپنی قسمت کی ارجمندی پر جتنا بھی ناز کروں کم ہے کہ پچھلے تین سالوں سے حضرت جد امجد کے شریک سفر وحضر رہا کیوں کہ ان کے حکم سے ان کے قائم کردہ ادارے جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء نئی دہلی اور مشرقی ہند کی عظیم درسگاہ جامعہ فیض العلوم جمشید پور کی نگرانی میرے ناتواں کاندھوں پر ڈال دی گئی ہے جس کی وجہ سے اکثر ایسا اتفاق ہوتا کہ میں انہیں کہیں سفر پر روانہ ہونے سے روکتا تو فرماتے کہ ''اسلام کی سربلندی کے لئے اب ہمارے پاس اسکے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے کہ فقیروں کا بھیس بدل کر تماشائے اہل کرم دیکھیں'' اور میری زبان گنگ رہ جاتی، کبھی تو ایسا محسوس ہوتا کہ بیمارگی کے عالم میں مبادا ان کی ہمتوں نے جواب دے دیا تو کیا ہوگا مگر نصرت خداوندی کا اعتقاد انہیں ہزاروں ہلاکتوں پر فتح یاب و سرخرو کردیتا، ایسے میں کئی بار وہ اپنے مشن پر روانہ ہوئے اور سخت علیل ہوگئے مگر پھر بھی ان کے بلند عزائم ان کے دعوتی اسفار کو مہمیز لگاتے رہے۔

بیرون ملک کا آخری تبلیغی سفر

مجھے آج بھی یاد آتا ہے کہ گیارہ جنوری 2001ء کی وہ خنک شام تھی جب جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی میں حضرت نے جامعہ کی تعمیری وترقیاتی منصوبے کی پایۂ تکمیل کے لئے مجھے اپنی معیت میں لے کر پاکستان جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا، مجھے حیرانگی ہوئی کہ ملکی سفر تو ٹھیک ہے مگر بیرون ملک وہ بھی ان حالات میں جہاں چند گھنٹے مستقل بیٹھنا بھی حضرت کے لئے پریشانیوں کا پیش خیمہ ہے مگر ان کی فلک پیا ہمتوں کے سامنے میری ایک نہ چلی اور مزید اس سفر کو تقویت اس وقت ملی جب کراچی سے جناب الحاج رفیق صاحب پردیسی کا ۲۷؍جنوری کو کراچی میں عالمی میلاد کانفرنس میں شرکت کا دعوت نامہ موصول ہوا، پھر کیا تھا نہایت ہی عجلت میں سفر کی تیاریاں مکمل کی گئیں اور ۲۴؍جنوری کو پی۔آئی۔اے کی فلائٹ سے ہم لوگ کراچی جانے کے لئے اندرا گاندھی انٹرنیشنل ائیر پورٹ پہونچے جہاں یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ اس کانفرنس میں شرکت کے لئے ہمارے ساتھ جانشین اعلیٰ حضرت حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری صاحب قبلہ، عزیز ملت مولانا عبد الحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور، بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب قبلہ ودیگر اصحاب علم وفن ہمارے شریکِ سفر ہیں۔ ہم لوگ ایک گھنٹہ بیس منٹ کے قلیل عرصے میں کراچی کے قائد اعظم ائیر پورٹ پر پہونچ گئے جہاں پاکستان کے عوام وخواص نے علمائے ہند کا تاریخی خیر مقدم کیا، دوسرے ہی دن سے حضرت جد امجد کونشن، نجی محفلوں اور سیمنار وجلسوں میں مسلسل مصروف ہوگئے، پاکستان میں حضرت کی مقبولیت کا اندازہ لگانا ذہن وعقل کی حدود سے باہر ہے، جہاں اکابرین علمائے پاکستان اپنے دینی، تعمیری، ملی اور مذہبی مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے چشم منتظر تھے وہیں عوام کا عالم یہ تھا کہ ہر شخص حضرت کے قدموں سے اپنے گھر کی دہلیز کو آباد کرنے کی تمنا لئے بیٹھا تھا، اسی بے ہنگم مصروفیات میں حضرت سخت علیل ہوگئے جہاں کئی دنوں کی تگ ودو کے بعد آپ کی طبیعت سنبھلی اب تو ان کی زندگی کا یہ معمول ہوچلا تھا کہ وہ اپنے کی تبلیغی سفر پر نکلتے اور بستر علالت پر چلے جاتے اس طرح حضرت کی زندگی کا یہ غیر ملکی سفر آخری تھا اس کے بعد وہ کہیں بھی نہ جاسکے۔

رئیس القلم ہاسپٹل میں

کچھ نامساعد حالات اور ان کی سخت علالت کی وجہ سے حضرت کا قیام پچھلے کئی مہینوں سے جمشید پور میں ہی تھا، ۱۹؍مارچ ۲۰۰۲ء کی صبح دس بجے ہمیں دہلی میں فون پر یہ افسوس ناک اطلاع ملی کہ حضرت کا پیشاب بند ہوجانے کی وجہ سے انہیں (T.M.H.) ٹاٹا مین ہاسپٹل میں داخل کردیا گیا ہے (پچھلے کئی سالوں سے گلٹی ہوجانے کے وجہ سے حضرت کا پیشاب بند ہوجاتا یا پھر تسلسل بول کی شکایت ہوجاتی تھی جس کی وجہ سے انہیں دل کی بیماری ہوگئی تھی اور ان کا گردہ بھی کمزور ہوگیا تھا) ہاسپٹل میں ڈاکٹروں کی ہزاروں کوششوں کے باوجود پیشاب نہیں ہوسکا تو ان لوگوں نے ناف کے نیچے ایک ہلکا سا چیرا لگا کر وہاں پیشاب نکالنے کے لئے ایک پائپ ڈال دیا اور یہی انکی وفات کا سبب بنا، کچھ دنوں کے بعد وہ ہاسپٹل سے گھر تو تشریف لے آئے مگر اسی حالت میں جہاں ان کی ناف کے نیچے ہمیشہ پیشاب کی نلی لگی رہتی تھی۔ ڈاکٹروں کی بے توجہی کی وجہ سے کچھ ہی دنوں

کے بعد وہ جگہ جہاں ان لوگوں نے چیرا تھا زخم کی شکل اختیار کرلیا اور حضرت کی طبیعت مزید بگڑ گئی، یہاں تک کہ ہم لوگ انہیں ۲؍اپریل ۲۰۰۲ کو پرشوتم ایکسپریس سے لیکر دہلی پہونچے جہاں انہیں ۵؍اپریل ۲۰۰۲ صبح دس بجے ہندوستان کے مشہور ہاسپٹل ملہوترا ہارٹ انسٹی ٹیوٹ میں داخل کردیا گیا وہاں ڈاکٹروں نے یہ روح فرسا خبر سنائی کہ پیٹ کی وہ جگہ جہاں چیر کر پائپ ڈالا گیا ہے زخم بن کر اس کا زہر پورے بدن پر پھیل رہا ہے جس کی وجہ سے ان کی حالت کافی نازک ہے، یہ سنتے ہی ہمارے والد محترم جناب غلام ربانی و دیگر اہلِ خانہ پریشان ہوگئے۔ حضرت کی نازک حالت کی خبر ہندوستان کے مختلف اخبارات میں دے دی گئی پھر کیا تھا پوری دنیا کی خانقاہوں، مساجد و مدارس و دیگر تنظیموں کی جانب سے حضرت کی صحت یابی کے لئے جماعتی و انفرادی طور پر دعائیں ہونے لگیں مگر صورت حال اور ابتر ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ ڈاکٹروں نے ان کے خون کا تبدیل کرنے (Dylasis) کا فیصلہ کیا جس کے لئے انہیں ملہوترا ہارٹ انسٹی ٹیوٹ سے ۸؍اپریل ۲۰۰۲ء کو مول چند ہاسپٹل میں داخل کیا گیا اور وہاں حضرت کا Dylasis شروع ہوا، مستقل کئی بار خون تبدیل کرنے کے باوجود صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، بلکہ حالات مزید بگڑتے چلے گئے یہاں تک کہ حضرت کے ہوش و حواس گم ہوگئے اور ان پر غشی کی کیفیت طاری ہوگئی اور پھر وفات تک ہوش میں نہ آسکے، آنکھیں کھلی رہتیں مگر نہ تو کسی سے گفتگو کرپاتے اور نہ ہی کسی کو پہچان پاتے۔ ملک و بیرون ملک سے لوگوں کا ایک جم غفیر تھا جو ہاسپٹل میں اپنے قائد و محسن کی عیادت کے لئے آرہا تھا، ہر آنکھ اشکبار تھی اور رب کی بارگاہ میں اپنے رہبر کی صحت یابی کے لئے ملتجی تھی، ان میں بالخصوص جانشینِ اعلیٰ حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری صاحب قبلہ، فیض العارفین حضرت علامہ غلام آسی پیا حسنی جہانگیری مدظلہٗ، محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ، عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب قبلہ، جناب الحاج سعید نوری صاحب چیئر مین رضا اکیڈمی ممبئی، حضرت مولانا عبید اللہ خان اعظمی صاحب ممبر پارلیمنٹ، محسن قوم جناب سی ایم ابراہیم صاحب سابق مرکزی وزیر برائے اطلاعات ونشریات حکومت ہند، جناب الحاج سید ثناء اللہ صاحب رضوی ناظم اعلیٰ ادارہ شرعیہ پٹنہ، حضرت مولانا غلام رسول بلیاوی مہتمم ادارہ شرعیہ پٹنہ، مولانا قطب الدین رضوی سکریٹری جھارکھنڈ علماء کونسل رانچی، حضرت یٰسین اختر مصباحی چیف ایڈیٹر ماہنامہ کنزالایمان دہلی، ڈاکٹر فضل الرحمٰن شرر مصباحی طبیہ کالج قرول باغ دہلی و دیگر ارباب علم و سیاست کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

وقت گزرتا رہا، ڈاکٹروں کی انتھک کوششیں جاری رہیں، روپے پانی کی طرح بہتے رہے مگر روز بروز حالات خراب ہوتے چلے گئے، بالآخر راقم السطور اور میرے والد جناب غلام ربانی صاحب نے حضرت کو ہندوستان کے مشہور ہاسپٹل آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنس (AIIMS) میں داخل کرنے کا منصوبہ تیار کیا مگر ہمارے لئے یہ ایک ناگزیر مسئلہ تھا کیونکہ یہ گورنمنٹ کے زیر نگرانی ہے یہاں روزانہ ہزاروں کی تعداد میں ہندوستان کے کونے کونے سے مریض اپنے مفت علاج کیلئے آتے ہیں، ملک کے اچھے ڈاکٹروں، دواؤں نیز میڈیکل کے جدید آلات کی وجہ سے اچھا علاج تو ہوجاتا ہے مگر مریضوں کی ایک نا ختم ہونے والی لمبی قطار کی وجہ سے مشکلات و مصائب کے کئی مراحل سے انہیں گذرنا پڑتا ہے اور مہینوں کے انتظار کے بعد انہیں اپنے علاج کا موقعہ میسر آتا ہے مگر وہ حضرات جنکا حکومت و سیاست میں ایک دبدبہ ہے وہ ارباب حکومت کی سفارشات پر جملہ سہولتوں سے نواز دیئے جاتے ہیں، انہیں عمدہ ائیر کنڈیشنڈ کمرے دیئے جاتے ہیں، ان کے آگے پیچھے ملک کے بڑے ڈاکٹروں کی ایک ٹیم ہوتی ہے جو ہمہ وقت انکی نگرانی کرتی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ہم نے ۲۱؍اپریل ۲۰۰۲ء کو شام ۷ بجے جناب سی ایم ابراہیم صاحب سابق مرکزی وزیر برائے اطلاعات و نشریات سے ان کے مکان اکبر روڈ دہلی میں ملاقات کی، اس ملاقات میں میرے ساتھ میرے والد محترم جناب غلام ربانی صاحب، میرے عم محترم مولانا غلام زرقانی صاحب جو امریکہ سے تشریف لائے تھے، مولانا غلام رسول بلیاوی صاحب و مولانا قطب الدین رضوی صاحب تھے، ہم بھی جناب ابراہیم صاحب کے نہایت ممنون و مشکور ہوئے جب انہوں نے ہمارا خندہ پیشانی سے خیر مقدم کیا اور نہایت توجہ سے پوری روداد سنی اور فرمایا کہ ''میں خود بھی حضرت کا ایک معتقد

ہوں جوان کے لازوال کارناموں کو اپنی ماتھے کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور حیران ہوں کہ کس طرح ایک ذات نے ملک و بیرون ملک میں لاتعداد دینی وسماجی مراکز قائم کر کے اسلام کا غلغلہ بلند کیا'' اور پھر انہوں نے حکومت کی جانب سے امداد وتوجہ کا یقین دلایا اور فوراً ہی وزیراعظم ہند جناب اٹل بہاری واجپئی کو ایک خط فیکس کیا جس میں انہوں نے حضرت کو ''ملک وقوم کی امانت'' کہہ کر وزیراعظم سے AIIMS میں ان کے بہتر علاج کی پرزور اپیل کی۔

۲۲ راپریل ۲۰۰۲ء کو شام ساڑھے سات بجے ہم نے ۲۴ اکبر روڈ دہلی پر کانگریس آئی کے ہیڈ آفس میں سابق گورنر جناب موتی لال ورا ممبر پارلیمنٹ وخازن کانگریس آئی ورکنگ کمیٹی سے ملاقات کی، انہوں نے بھی توقع کے عین مطابق ہمارا خیر مقدم کیا اور حضرت کی علالت پر اظہار تاسف کیا اور کہا کہ ''حضرت کی عظیم شخصیت کا میں بھی معترف ہوں، چند سالوں پہلے جب میں گورنر کے عہدے پر فائز تھا حضرت کی دعوت پر میں ان سے ملاقات کے لئے بلایا گیا تھا'' اور پھر حکومت کی توجہ کی یقین دہانی کروائی اور آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنس کے ڈائرکٹر کو حضرت علامہ کے داخلے کے لئے ایک پرزور خط روانہ کیا۔ اس خط کا عکس قارئین کی نذر ہے۔

3792375
Phone : 3017137
3019080
Extn. : 432

ALL INDIA CONGRESS COMMITTEE

MOTILAL VORA, MP
Treasurer

24, AKBAR ROAD
NEW DELHI-110011
April 23, 2002

Dear Prof. Dave,

Shri Allama Arshadul Quadri, a renowned Muslim Scholar, has been seriously ill and struggling between life and death. He has been kept in the intensive Care Unit of Mool Chand Hospital.

I shall be grateful if Shri Quadri is given admission in the ICU of AIIMS for further treatment.

With best wishes,

Yours sincerely,

(Motilal Vora)

Prof. P.K. Dave,
Director
All India Institute of Medical Sciences
New Delhi

ہم نے یہ بات اپنے دل میں گرہ کر لی تھی کہ حضرت کے علاج کے سلسلے میں کوئی بھی دقیقہ فروگذاشت نہیں چھوڑیں گے اور نتیجہ مشیت ایزدی پر چھوڑ دینگے اسی عہد کو ہم لوگ اپنے دل میں لئے ۲۲ راپریل کو ۹ ربجے شب مرکزی وزیر برائے شہری ہوابازی جناب سید شہنواز حسین سے ملاقات کے لئے پہونچے مگر ان کی بے انتہا مصروفیات ملاقات سے مانع رہی اور ہم مایوسی کے عالم میں لوٹ آئے مگر ۲۳ راپریل کی شب میں ملاقات کا وقت مقرر ہوا، جب وقت مقررہ پر ہم وہاں پہونچے تو موصوف نے خندہ پیشانی سے ہمارا استقبال کیا اور حضرت کی تمام تفصیلات کو نہایت غور سے سننے کے بعد ان کے حق میں دعائیں کیں اور فوراً ہی AIIMS کے مڈیکل سپرنٹینڈینٹ کو علامہ صاحب کے داخلے کے سلسلے میں ۲۴ راپریل کو ایک خط روانہ کیا جس کا عکس ہدیہ قارئین ہے۔

सैयद शाहनवाज़ हुसैन
SYED SHAHNAWAZ HUSSAIN

मंत्री
नागर विमानन
भारत सरकार
नई दिल्ली-110 003
MINISTER
CIVIL AVIATION
GOVERNMENT OF INDIA
NEW DELHI-110 003

April 24, 2002

Dear Dr. Sarma Ji,

Shri Allama Arshadul Quadri, the founder of several religious, social and educational institutions and a renowned Muslim scholar, is suffering from cardiologic disease and presently struggling between life and death. **He is in a precarious condition and needs immediate hospitalization.**

I shall be grateful if you could kindly admit Shri Quadri in AIIMS for providing necessary medical aid.

With regards,

Yours sincerely,

(SYED SHAHNAWAZ HUSSAIN)

Dr. R.K. Sarma
Medical Superintendent,
AIIMS,
New Delhi.

واقعات کی ان تمام تفصیلات سے حضرت کی علمی جلالت، منصوبہ سازی اور قیادت کی دھمک کا اندازہ ہوتا ہے کہ اپنے تو اپنے اغیار بھی حضرت کی وجیہ شخصیت کے قائل تھے ورنہ ایک بوڑھا مجاہد بستر فراش پر ہے اور وسائل کے دروازے خود بخود کھلتے چلے جارہے ہیں......

یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

انتقال پر ملال

بالآخر شبانہ روز کی انتھک جدو جہد کے بعد ۲۹/اپریل ۲۰۰۲ء کو راقم اور میرے والد جناب غلام ربانی صاحب AIIMS گئے جہاں میڈیکل سپریٹینڈینٹ نے حضرت کو پانچویں منزل پر کمرہ نمبر ۱۵۰۱ الاٹ کیا، یہ وہ کمرہ تھا جہاں حکومت کے وزراء علاج کے سلسلے میں رکھے جاتے ہیں، دنیا بھر کی وہ کون سی آسائش تھی جو اس کمرے میں نہیں تھی، بہر کیف اسی دن داخلے کے سلسلے میں AIIMS کی ساری کاغذی کاروائی مکمل کرنے کے بعد دن کے ۱۲ بجے ہم دونوں شاداں وفرحاں مول چند ہاسپٹل کی طرف روانہ ہوئے تاکہ حضرت کو جلد سے جلد AIIMS میں داخل کیا سکے، اس سلسلے میں ہم کانگریس آئی کے مشہور رہنما جناب ارجن سنگھ کے ممنون ہیں جنہوں نے AIIMS میں اپنے فیملی ڈاکٹر مسٹر این کے گپتا جو کہ میڈیکل کے DEAN بھی ہیں اور جناب ارجن سنگھ کا آپریشن بھی کر چکے ہیں فون کر کے حضرت کی طرف توجہ دینے کی تلقین کی، مگر جیسے ہی ہم مول چند ہاسپٹل پہونچے یہ دیکھ کر ہم پر بجلی گر پڑی کہ حضرت پر نزاع کا عالم طاری ہے اور گرگراہٹ کے ساتھ سانس کی رفتار بھی تیز ہے اور پورا جسم کپکپا رہا ہے، جب ڈاکٹروں سے ہم نے رجوع کیا تو انہوں نے کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے یہ صرف بخار کا اثر ہے مگر ہم مطمئن نہیں ہوئے اور حضرت کو AIIMS میں منتقل کرنے کے لئے نہایت سرعت کے ساتھ کاغذی کاروائی میں مصروف ہوگئے، اس وقت ہمارے ساتھ ہمارے والد محترم جناب غلام ربانی صاحب، جناب فیض ربانی صاحب، جناب حاجی سید ثناء اللہ صاحب ناظم اعلیٰ ادارہ شرعیہ پٹنہ، مولانا قطب الدین رضوی صاحب اور محمد اسرائیل فیضی صاحب تھے، مؤخر الذکر تینوں حضرات نے شبانہ روز جس تندہی کے ساتھ حضرت کی خدمت وعیادت کی وہ انہیں کا حصہ ہے۔ ساری کاروائی مکمل کر لینے کے بعد شام تین بجکر پینتالیس منٹ پر ہم لوگ حضرت کو بذریعہ ایمبولینس مول چند ہاسپٹل سے لے کر AIIMS روانہ ہوئے اور ٹھیک چار بجے AIIMS پہونچ گئے، حضرت کی نازک حالت کے پیش نظر فوراً انہیں روم میں منتقل کیا گیا اور ڈاکٹروں و نرسوں کی ایک ٹیم حرکت میں آگئی، ابھی ہم لوگ ڈاکٹروں سے حضرت کے مرض اور اس کے علاج پر تبادلہ خیال کر ہی رہے تھے کہ ان کی سانسیں اکھڑنے لگیں یہ دیکھ کر فوراً ہی ایک ڈاکٹر نے حضرت کے سینۂ مبارک کو اپنے دونوں ہاتھوں سے دبانا شروع کر دیا تاکہ اکھڑی ہوئی سانس بحال ہو سکے مگر ساری کوششیں بے سود ثابت ہوئیں اور ۲۹/اپریل ۲۰۰۲ء کو شام چار بجکر پینتیس منٹ پر وقت کی ایک عظیم المرتبت ہستی سارے جہاں کو روتا بلکتا چھوڑ کر اس جہان فانی سے رخصت ہوگئی (انا للہ و انا الیہ راجعون) اس موقع پر حضرت جد امجد کا وہ قطعہ میرے دماغ میں گونجنے لگا جس کے لئے فرماتے تھے کہ ''میری ایک تمنا بھی ہے، آرزو بھی اور دلِ مبتلا کی پکار بھی'' کہ۔

روز آئے مدینے سے بادِ صبا ہجر میں دل ہمارا بہلتا رہے
ہر گھڑی تم ہمیں یاد آتے رہو عالم شوق میں دل مچلتا رہے
وقت آجائے ارشد کا جب آخری رنگ لائے میری نسبت قادری
گوشۂ دامن پاک ہو ہاتھ میں سامنے تم رہو دم نکلتا رہے

واقعاتی تناظر میں اگر عہد رسالت کا مطالعہ کیا جائے تو ایسے ہزاروں دیوانے ملیں گے جن کے نامۂ حیات میں ایک سجدۂ بندگی کا بھی اندراج نہیں تھا مگر پھر بھی شہنشاہ کشور رسالت نے ان کی آرزوؤں کو اپنے دامنِ کرم میں سمیٹ لیا تو پھر وہ شخص جس نے ہمہ وقت اپنی بھیگی پلکوں کے سائے میں اپنے محبوب کردگار کی رضاجوئی تلاش کی ہو اس کی بیکل تمناؤں کو کیونکر ٹھکرائے ہوں گے۔

آنا فانا میں بجلی کی طرح یہ خبر پوری دنیا میں پھیل گئی کہ وقت کا ایک عظیم مسند نشیں اب اس دنیا میں نہیں رہا، یتیمی کا داغ صرف نسبی اولادوں کو ہی نہیں ملا بلکہ پوری جماعت اہل سنت یتیم ہوگئی، ایک سایہ دار شجر تھا جو ہم سے بچھڑ گیا اب تو صرف جھلسا دینے والی تپتی دھوپ ہے جہاں دور دور تک سر چھپانے کے لئے کوئی جگہ نظر نہیں آتی، کچھ ہی عرصے میں لوگوں کا ازدحام ہاسپٹل پہنچ چکا تھا جن میں بالخصوص جناب سی ایم ابراہیم صاحب سابق مرکزی وزیر، عزیز ملت مولانا عبد الحفیظ صاحب، مولانا عبید اللہ خاں اعظمی صاحب، مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب، حافظ زبیر احمد رضوی صاحب ٹرسٹی جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء نئی دہلی و دیگر لاتعداد مریدین ومعتقدین تھے، ہر آنکھ اشکبار تھی اور یہی سوال کر رہی تھی کہ اب کون بکھری ہوئی جماعت کی شیرازہ بندی کے لئے آئے گا؟ اب کون گستاخان نبی کی دلخراش عبارتوں پر اپنے نوک قلم سے اپنے نبی کی صیانت کو بچائے گا؟

اب ہمارے سامنے سب سے بڑا مسئلہ تھا حضرت کے جسد خاکی کو جمشید پور لے جانا، مکانی بُعد کی بنیاد پر ٹرین سے لے جانا کسی طور بھی

مناسب نہیں تھا اور جمشید پور تک کوئی فلائٹ بھی نہیں تھی، ایک جہاز ہے جو روزانہ صبح نو بجکر پینتالیس منٹ پر دہلی سے روانہ ہوکر ایک بجے دن رانچی پہنچتا ہے اور رانچی سے جمشید پور کی مسافت تقریباً سو کلو میٹر کی ہے جو بذریعہ کار تقریباً تین گھنٹے میں طے ہوتی ہے۔ مگر دوسرے دن نو بجکر پینتالیس منٹ کی فلائٹ پکڑنے کے لئے ہمیں کئی دشوار کن مراحل سے گذرنا تھا، اس سلسلے میں جناب سی ایم ابراہیم صاحب نے اپنی ذاتی رسوخ کی بنیاد پر ہاسپٹل سے ہی اپنے موبائیل فون کے ذریعہ حضرت کے جسد خاکی کو ۳۰ راپریل ۲۰۰۲ء کو انڈین ایئر لائنز کی فلائٹ سے صبح نو بجکر پینتالیس منٹ پر رانچی لے جانے کا بندوبست کردیا، اس کے بعد میں بذات خود جناب ابراہیم صاحب کے گھر ان کے ساتھ گیا جہاں دیر تک انہوں نے میری دلجوئی کی اور حضرت کی وفات پر اپنے رنج وغم کا اظہار کرتے رہے بالآخر ایک بجے رات کو انہوں نے مجھے حضرت کے جسد خاکی کو لے جانے کے سارے کاغذات اور ٹکٹ دئے اس کے بعد ہم نے پولیس سے لاش کو لے جانے کے لئے NO OBJECTION CERTIFICATE، DEATH CERTIFICATE اور BALMING CERTIFICATE حاصل کرلیا، ان تمام مراحل سے گذرنے کے بعد حضرت کی لاش کو تابوت میں رکھ کر رات ایک بجکر تیس منٹ پر بذریعہ ایمبولینس جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء ذاکر نگر اوکھلا لایا گیا، تابوت پر نظر پڑتے ہی ہزاروں کا وہ جم غفیر جو اپنے محسن کی دیدار کے لئے پلکیں بچھائے منتظر تھا بلک پڑا طلبۂ جامعہ نے نعرہائے تکبیر ورسالت کی گونج میں حضرت کے تابوت کو ان کی آرام گاہ میں رکھا جہاں حضرت کے آخری دیدار کے لئے مشتاقانِ دید ٹوٹے پڑ رہے تھے بڑی ہی مشکل سے مجمع کو قابو میں کیا گیا، چونکہ ڈاکٹروں نے تابوت کھولنے سے منع کیا تھا اس لئے دہلی کے اطراف و جوانب سے پوری رات معتقدین بند تابوت میں اپنے قائد کی زیارت کے لئے آتے رہے۔

۳۰ راپریل بروز منگل ۲۰۰۲ء کو مسلمان دہلی ومضافات نے نم آنکھوں سے صبح سات بجے اپنے محسن کو الوداع کہا اور حضرت کا جنازہ پالم ایئر پورٹ دہلی کی طرف روانہ ہوا جہاں تقریباً ساڑھے نو بجے حضرت کے تابوت کو رانچی جانے والی انڈین ایئر لائنز کی فلائٹ پر سوار کیا گیا، حضرت کے تابوت کے ساتھ اس سفر میں میرے والد گرامی جناب غلام ربانی صاحب اور عزیز ملت مولانا عبد الحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور تھے، راقم کو اس فلائٹ میں سیٹ نہ ملنے کی وجہ سے صبح چھ بجکر پندرہ منٹ پر کلکتہ جانے والی جیٹ ایئر ویز کی فلائٹ سے کلکتہ روانہ ہونا پڑا اور آٹھ بجے صبح تقریباً پونے دو گھنٹے میں کلکتہ پہنچا اور وہاں سے بذریعہ ٹرین دو پہر تک جمشید پور پہنچ گیا، یہی وہ چند ساعات تھیں جہاں میں حضرت کے جسد خاکی سے دور رہا، جمشید پور پہنچنے کے بعد میں بحیثیت نائب مہتمم و نائب صدر آنے والے زائرین اور مہمان علماء ومشائخ کے قیام وطعام اور حضرت جد امجد کی تدفین کے انتظام وانصرام میں مصروف ہوگیا۔

۳۰ راپریل دو پہر ایک بجکر پچیس منٹ پر حضرت کا جسد خاکی برسا منڈا ایئر پورٹ رانچی پہنچا، میرے والد ماجد فرماتے ہیں کہ رانچی میں پچاس ہزار کا ایک جم غفیر جو رانچی سمیت جھارکھنڈ کے مختلف اضلاع اور علاقوں خصوصاً دھنباد، بوکارو، گریڈیہہ، گملا، لوہردگا، لاتیہار، جمشید پور، رام گڈھ، مانڈر، ہزاری باغ، ڈالٹن گنج، کھونٹی کے علاوہ پٹنہ سے بھی حضرت کے دیدار کے لئے منتظر تھا۔ جن میں بالخصوص ملک کے ممتاز سیاسی رہنما جناب لالو پرساد یادو سابق وزیراعلیٰ بہار، حکومت جھارکھنڈ کے وزیر توانائی مسٹر لال چند مہتو، جناب محمد سعید صاحب سرپرست ادارہ شرعیہ جھارکھنڈ، مولانا غلام رسول بلیاوی ودیگر وزرائے جھارکھنڈ و بہار موجود تھے، وہ وقت بڑا ہی رقت انگیز تھا جب حضرت کے تابوت شریف کو جیسے ہی ایئر پورٹ سے باہر لایا گیا ہزاروں آنکھیں برس پڑیں عشاقانِ دید حضرت کی زیارت کیلئے ٹوٹ پڑے کیونکہ غیر منقسم بہار ہی کی وہ سرزمین ہے جہاں حضرت جد امجد کے کارناموں اور خدمات کے ہزاروں لافانی نقوش بکھرے پڑے ہیں۔ ہزاروں فرزندانِ توحید کے بیچ جناب لالو پرساد یادو نے حضرت کے تابوت کو کاندھا دیا اور گل پوشی کی پھر نم آنکھوں سے ان کے جسد خاکی کو آخری سلام کہا، اس منظر کو قلم بند کرنے اور اپنے کیمرے میں قید کرنے کے لئے لاتعداد میڈیا اور پریس کے لوگ موجود تھے، لوگوں نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا کہ کس طرح ملک کا ایک عظیم سیاسی رہنما حضرت کی بارگاہ میں سر جھکائے کھڑے خراج کے گہر بار لٹا رہا ہے اس سے حضرت کی ہمہ گیر شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ علماء وشیوخ سے لیکر سیاسی بازی گروں تک ہر شخص حضرت کے لاتعداد دینی، مذہبی، سیاسی، سماجی، ادبی اور فکری کارناموں کا معترف تھا۔

جھارکھنڈ کے مقبول ترین اردو روزنامہ فاروقی تنظیم رانچی نے مذکورہ

سیاسی رہنماؤں کے تاثرات کو کچھ اسطرح سے شائع کیا...
''ہوائی اڈہ پر حکومت جھارکھنڈ کے وزیر توانائی مسٹر لال چند مہتو اور بہار کے سابق وزیر اعلیٰ ممبر پارلیمنٹ مسٹر لالو پرساد یادو نے علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے جنازے پر گل پوشی کی اور پرنم آنکھوں سے خراج عقیدت پیش کیا، ریاستی وزیر مسٹر لال چند مہتو نے علامہ مرحوم کو ریاستی حکومت اور اپنی طرف سے پر جوش خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ مولانا ارشد القادری کی وفات سے ہمارا ملک ایک عظیم اسلامی مدبر، اسکالر اور روحانی پیشوا سے محروم ہو گیا اس کا ہم سبھوں کو بے حد ملال ہے۔''

رانچی ائیر پورٹ سے ہزاروں کے ہجوم میں حضرت کے جسد خاکی کو جلوس کی شکل میں شہر کے اطراف و جوانب نکالا گیا اور تقریباً ۴ بجے شام ادارہ شرعیہ پٹنہ کی ایمبولینس میں حضرت کے تابوت شریف کو رکھ کر دیوان گانِ شوق کا یہ قافلہ جمشید پور کے لئے روانہ ہوا، جوں جوں وقت گذرتا گیا فرزندان توحید شہر جمشید پور کی سڑکوں پر جگہ جگہ اپنے محبوب محسن کے استقبال کے لئے جمع ہونا شروع ہو گئے۔ مغرب کی نماز کے بعد ہزاروں دیوانوں اور پریس و میڈیا والوں کا ہجوم جامعہ فیض العلوم کے گرد تا حدِ نگاہ دو رویوں میں قطار باندھے اپنے قائد کے لئے فرش راہ تھا کیونکہ جمشید پور کی ہی وہ سرزمین ہے جہاں پر حضرت علامہ نے اپنے مشن کا آغاز کیا اور اپنے علمی، دینی، مذہبی، ملی، سماجی اور سیاسی خدمات کے اظہار و تعبیر کے لئے جامعہ فیض العلوم کی خشت اول رکھی اور دیکھتے ہی دیکھتے چند عرصوں میں جامعہ اسلامی تعلیمات کا وہ مضبوط قلعہ بن کر سامنے آیا کہ جسے مشرقی ہند میں اہل سنت و جماعت کی عظیم درسگاہ ہونے کا شرف حاصل ہوا، کون جانتا تھا کہ جس شہر آہن میں جہاں کبھی لوہے ڈھالے جاتے تھے وہاں سے علماء اور فضلاء کے ڈھالے جانے کا کام شروع ہو جائے گا جن سے نہ صرف غیر منقسم بہار میں بلکہ اس سے متصل تمام ریاستوں کے خطوں میں گھر گھر علم نور مصطفیٰ کی قندیل روشن ہو جائے گی۔ شام ۷ بجے حضرت کے جسد خاکی کا نورانی قافلہ جامعہ فیض العلوم پہنچا حضرت کے تابوت پر نظر پڑتے ہی عقیدت مندوں کی آنکھوں سے آبشار بہنے لگے، فیض العلوم کے احاطے میں صف ماتم بچھ گئی لوگ اپنے محبوب محسن کے تابوت کو چھونے کے لئے دیوانہ وار ٹوٹ پڑے، جذبات کے تلاطم پر بندھ باندھنا مشکل ہو گیا اور نعرہائے تکبیر و رسالت، رئیس القلم زندہ باد، مفکر اسلام پائندہ باد، مناظر اعظم زندہ باد کا ایک نہ ٹوٹنے والا سلسلہ شروع ہوا، اسی شور و غل اور آہ و فغاں کے درمیان حضرت کے تابوت کو فیض العلوم کے باہری حصے میں رکھا گیا مگر لاش کی حفاظت کے پیش نظر اسے کھولا نہیں گیا، سارا شہر سوگوار تھا، شہر کے لاتعداد ملی، سماجی، سیاسی اور مذہبی تنظیموں، لائبریریوں اور اسکول و کالجوں کی طرف سے بے شمار بینرز شہر کی گلیوں میں نظر آرہے تھے جو یہ لکھ کر کہ ''ہم حضرت رئیس القلم کے انتقال پر ملال پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں'' اپنی والہانہ عقیدت و محبت کا پیغام پہنچا رہے تھے، حضرت کے عقیدتمندوں، منتظمہ کمیٹی اور اساتذہ و طلبۂ فیض العلوم کی ایک ٹیم حرکت میں آ گئی، طلبہ کے کئی گروپ ریلوے اسٹیشن، بس اڈہ اور شہر کے مختلف جگہوں پر تعینات کر دئے گئے جو باہر سے آنے والے عقیدتمندوں کی رہنمائی کر رہے تھے، اساتذہ و منتظمہ کمیٹی مہمانوں کے استقبال اور قیام و طعام میں لگے ہوئے تھے جب کہ چند مخلصین و کرم فرماؤں کی ایک عارضی کمیٹی کی تشکیل دی گئی جنکو حضرت کی تجہیز و تکفین سے متعلق کام سونپے گئے۔

ملک کے مختلف خطوں سے لاتعداد عقیدتمندوں کا ہجوم

یکم مئی بروز بدھ ۲۰۰۲ء بعد نماز فجر حضرت کے جسد خاکی کو عام لوگوں کی زیارت کے لئے ریاست جھارکھنڈ کی عظیم الشان مسجد فیض العلوم مکہ مسجد کے صحن میں رکھا گیا اور تابوت شریف کھول دیا گیا جہاں ہزاروں متوالے اپنے رہبر کی زیارت کے لئے جوق در جوق آنا شروع ہو گئے اور ساتھ ہی علماء، مشائخ، صوفیاء، وزرائے حکومت اور عقیدتمندوں کا قافلہ ملک کے کونے کونے سے آنے لگا اور ملک و بیرون ملک کے جن حصوں سے لوگ نہیں آ سکے انہوں نے ہزاروں کی تعداد میں فون پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے حضرت کی دینی خدمات کو یاد کر کے رو پڑے۔
کئی ہزار علماء، مشائخ، صوفیاء، وزرائے حکومت، پولیس انتظامیہ کے

اعلی حکام ،ٹاٹا اسٹیل کمپنی کے افسران،ملی، ادبی، سماجی اور مذہبی تنظیموں کے نمائندوں نیز ہندو، سکھ، عیسائیوں کے سربراہوں کے علاوہ ایک محتاط اندازے کے مطابق ریاستِ جھارکھنڈ کے کل ۲۲ر اضلاع کے ۸۰ر ہزار، جمشید پور کے ۷۰ فیصد، بہار کے بیس ہزار، بنگال کے دس ہزار اور دوسری ریاستوں کے تیس ہزار فرزندان توحید شریک جنازہ ہوئے ،اخباری اعدادوشمار کے مطابق کل تقریباً دولاکھ افراد نے حضرت کے جنازے میں شرکت کر کے اپنے محسن کو خراج عقیدت پیش کیا۔

تجہیز وتدفین

یکم مئی ۲۰۰۲ء بروز بدھ ۳ بجکر پانچ منٹ پر ہزاروں پروانوں کے ہجوم میں حضرت کے تابوت کو اٹھا کر غسل کے لئے فیض العلوم کے جنوبی گیٹ سے جامعہ کے اندر لایا گیا مگر غسل سے پہلے حضرت کے جسد خاکی کو زنان خانہ میں لے جایا گیا تا کہ گھر کی خواتین آخری دیدار کر سکیں جہاں خواتین و بچے اپنے سرپرست و سائبان کو دیکھ کر بلک پڑے، آنکھوں سے آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے، گریۂ الم کے اس ماحول میں تین بج کر بیس منٹ پر حضرت کے جسد خاکی کو غسل کے لئے فیض العلوم کے حافظ ملت ہال کے عقب میں رکھا گیا، غسل دینے کے لئے چندلوگوں کا انتخاب عمل میں آیا جن میں محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، مفتی محمود اختر صاحب ممبئی، شاہزادۂ فیض العارفین مولانا راشد رضا صاحب رامپور الحاج سید ثناء اللہ رضوی صاحب پٹنہ، جناب ایاز محمود صاحب بنارس، مولانا محمد اسحٰق عالم صاحب آسوی، حاجی قاسم صاحب کلکتہ اور راقم الحروف خوشتر نورانی، تین بجکر پینتیس منٹ پر غسل کی ابتداء ہوئی، اُدھر فیض العلوم کے باہر پروانوں کا ایک سیلاب سمندر کی موجوں کی طرح ٹھاٹھیں مار رہا تھا کیونکہ نماز عصر کے بعد فیض العلوم سے دو کلومیٹر پر واقع دھتکیڈیہہ عیدگاہ میدان میں نماز جنازہ ہونی تھی اس بے قابو ازدہام کو روکنے کے فیض العلوم کے شمال وجنوب میں واقع دونوں گیٹ کو بند کر دیا گیا، اور انتظامیہ و پولیس کے کئی مضبوط دستے تعینات کر دیئے گئے تا کہ اس سیلاب کو اندر آنے سے روکا جا سکے، چار بج کر چھتیس منٹ پر غسل شریف کا اختتام ہوا اور اس کے بعد کفن پہنایا گیا، حضرت علامہ صاحب قبلہ علیہ الرحمہ کی خواہش کے مطابق ان کے جمع کئے ہوئے تبرکات جن میں خاک شفا، گنبدخضریٰ کے سفوف، جنت البقیع کی مٹی، حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہ کا عمامہ شریف اور والد ماجد حضرت شاہ عبدہ عبد اللطیف علیہ الرحمہ کی صدری شریف وغیرہ ان کے کفن میں رکھ دیئے گئے اس کے بعد تمام اہل خانہ نے حضرت کی زیارت کی اور نہایت ادب واحترام کے ساتھ حضرت کے جسد خاکی کو تابوت میں رکھا گیا، تابوت کے دونوں طرف چاروں دستوں پر کافی مضبوط بانس باندھ دیئے گئے تا کہ بیک وقت سوافراد جنازہ کو کاندھا دے سکیں۔

پانچ بجے نماز عصر ادا کی گئی، نماز عصر کے بعد حضرت کا جنازہ اٹھا لاکھوں کا ہجوم کسی کے قابو میں نہیں تھا، پوری فضائے بسیط کلمہ و درود شریف ،نعرہائے تکبیر ورسالت، علامہ ارشد القادری زندہ باد، مفکر اسلام پائندہ باد، رئیس القلم زندہ باد، مناظر اعظم پائندہ باد کے نعروں سے گونج رہی تھی، کئی کاریں، آٹو رکشے اور ایمبولینس میں مائک لگے ہوئے تھے جو بھیڑ کو کنٹرول کرنے کی ہدایت دے رہے تھے، مگر لگتا تھا کہ آج جذبات کے تلاطم پر بند نہیں باندھا جاسکتا، ہر شخص کی آنکھیں ساون بھادو تھیں اسی عالم میں دھتکیڈیہہ عیدگاہ میدان میں لاکھوں عقیدت مندوں کے ہجوم میں چھ بجکر بیس منٹ پر محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے نماز جنازہ پڑھائی اور پھر سات بجکر بیس منٹ پر جامعہ فیض العلوم کے جنوبی حصے میں واقع سرسبز وشاداب باغ میں حضرت کی تدفین عمل میں آئی۔ اور اس طرح وقت کا یہ خورشید کمال ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا، آہ! اب کون بجھی ہوئی رگوں میں ایمان کی تپش واپس لانے کے لئے کسی ''بلال'' کی خاکِ کفِ پا لائے گا؟ اب کون آندھیوں کی زد پر دینی شوکتوں کا چراغ جلائے گا؟ اب کون اپنے خونِ جگر سے کسی ویرانے کا مقدر بدلے گا؟

اب تڑپتا نہیں پلکوں پہ ستارہ کوئی
دل کی رگ رگ سے لہو کھینچ لیا ہے میں نے

ماہنامہ جامِ نور دہلی کی عظیم تاریخی پیش کش

رئیس القلم نمبر

☆ ..... کی نشر واشاعت پر چیئر مین و جملہ ٹرسٹیان ماہنامہ جامِ نور کی توسط سے جملہ برادرانِ اہلسنت کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش کرتے ہوئے انتہائی فخر وانبساط محسوس کرتے ہیں۔

☆ ..... الانصار ٹرسٹ اور جامعۃ الانصار مشرقی یوپی کا مشہور و معروف شہر بنارس کا وہ مؤقر ادارہ ہے، جس کا تعمیری خاکہ اور تاسیسی بنیادیں رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری نے اپنی علمی وفکری منصوبہ سازی سے امتیاز بخشا

☆ ..... الانصار ٹرسٹ اقامتی انگلش میڈیم اسکول جہاں نونہالانِ امت کی تربیت اور دینی جذبے سے ہم آہنگ کرنے کا خاص انتظام ہے۔

☆ ..... الانصار اکیڈمی جہاں دینی تعلیم کے ساتھ فرزندانِ اسلام کو علوم عصری کی ٹھوس تعلیم کا بہترین نظم ہے۔

باب ۲

آئینۂ ایّام

(حیات و شخصیات)

رہِ محبّت میں ہم نے سوچا کہ سر جھکائیں کہاں سے پہلے
ہر ایک ذرّہ پکار اٹھا یہاں سے پہلے یہاں سے پہلے

مولانا شبنم کمالی
دارالعلوم فدائیہ خانقاہ سمرقندیہ، دربھنگہ، بہار

علامہ ارشد القادری فاتح بہار

یقین محکم، عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

شاعر مشرق علامہ اقبال نے اِس شعر کے ذریعہ اس حقیقت کی عکاسی کی ہے کہ جس انسان میں یہ تینوں اوصاف بدرجۂ اتم پائے جاتے ہوں وہ زندگانی کے جہاد میں ہمیشہ کامیابی اور کامرانی کی منزلوں سے ہمکنار ہوتا رہا ہے۔

عزم بالجزم کہیے یا جذبۂ صادق اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے لیکن حصولِ مقصد یا منزل مطلوب پر فائز ہونے کے لیے عزم اور جذبہ سے آگے جن جواہر ثلاثہ کی ضرورت ہے وہ ہے پختہ یقین، مسلسل عمل اور اپنے مقصد کی تکمیل میں ہم نفس اور ہم قدم بن کر مدد کرنے والے مخلصین سے قلبی محبت کا ہونا۔۔۔ جس ذات گرامی میں یہ تینوں جواہر بیک وقت جمع ہوں وہ کسی قریہ، قصبہ، ضلع، صوبہ یا کسی ایک ملک کا فاتح نہیں ہوتا بلکہ وہ فاتح عالم اور فاتح زمانہ ہوتا ہے۔

وہ عظیم شخصیت جس کی تصنیفات ساری دنیا کے اردو داں حضرات کے قلوب واذہان کو مسخر اور فتح کر چکی ہوں۔ جس کی تحریروں نے بدعقیدگی، گمراہی، اور مذہبی فساد کے سیلاب اور طوفان کا رخ موڑ دیا ہو، عالمی پیمانہ پر بد مذہبی اور لادینی کے پھوٹنے والے چشموں کے سوتے جس کے نوکِ قلم کی سیاہی سے خوفزدہ اور سراسیمہ نظر آتے ہوں جس نے بروقت اور بلا تاخیر اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ اکناف واطراف عالم سے اٹھنے والے ہر فتنہ کا سدّ باب کیا ہو، اسے ہم فاتح عالم کہیں گے اور اس قول میں حق بہ جانب ہوں گے۔ محض فاتح بہار کہہ کر سورج کو چراغ سے تشبیہ دینے کے مترادف ہے۔

جودلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ

لیکن یہ امر بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ جس طرح سورج کے طلوع ہونے کی جگہ مخصوص ہوتی ہے۔ ابتدا میں اس کی کرنوں کا دائرہ محدود ہوتا ہے۔ پھر سورج اپنے مطلع سے بلند و بالا ہو کر جب رفتہ رفتہ خطِ استوا پر پہونچتا ہے تو اس کا دائرہ بھی پھیل کر کسی نہ کسی انداز میں سارے عالم پر محیط ہو جاتا ہے۔ بس اسی طرح کسی عظیم شخصیت کا دائرۂ کار اور حلقۂ اثر بھی ہوتا ہے وہ محترم انسان اپنا کام تو کسی خاص جگہ اور محدود رقبہ ہی سے شروع کرتا ہے لیکن رفتہ رفتہ اس کا کام، جدو جہد، لگاتار عمل، بلند حوصلہ، مستحکم یقین اور محبت قلبی کے سبب بڑھتے بڑھتے، ضلعی، صوبائی، ملکی اور عالمی پیمانہ پر پہنچ جاتا ہے۔ پھر وہ شخصیت ایک عالم گیر شخصیت ہو جاتی ہے۔

بس یہی ایک سیدھی سادی مثال ہے حضرت علامہ ارشد القادری مدظلہ العالی کی جن کے بارے میں اپنی معلومات، مشاہدات اور تاثرات کو ایک مخصوص عنوان کے تحت پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

اس حقیقت کو خاص لوگوں میں بھی بہت ہی کم جانتے ہوں گے کہ علامہ ارشد القادری کی جائے پیدائش اترپردیش (یوپی) کا ایک ضلع بلیا ہے وہیں کے ایک موضع سکندر پور میں ان کا آبائی موروثی مکان ہے۔ علامہ نے جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ، یوپی سے سند فراغت اور دستار فضیلت حاصل کرنے کے بعد کچھ دنوں کے لیے درس کی خدمت کہیں اور بھی انجام دی ہوگی۔ لیکن صوبۂ بہار اور اب

جھارکھنڈ کا وہ سنگلاخ علاقہ جس کا انتخاب کبھی کسی پارسی تاجر نے صنعت وحرفت کے لیے کیا تھا جس کے نام سے ٹاٹانگر اور جمشید پور کو عالمی شہرت ملی اسی علاقہ اور شہر جمشید پور کا انتخاب علامہ نے اپنی علمی و تبلیغی سرگرمیوں کے لیے کیا۔ وہاں ایک تعلیمی ادارہ کے لیے بڑی مشکل سے زمین حاصل کی پھر مدرسہ فیض العلوم کی بنیاد رکھی۔ اپنی جوانی کے بیش قیمت ایام وہیں گذارے۔ فیض العلوم کی تعمیر وترقی اور اس کے مختلف شعبوں کے قیام وانتظام کے لیے دل وجان سے ہمہ تن مصروف رہے پھر جب ان کو قدرے اطمینان میسر ہوا تو ان کی پروازِ فکر نے پورے بہار کو اپنے دائرۂ عمل میں لینے کی کوشش کی۔

علامہ ارشد القادری کی صوبۂ بہار میں شناخت مدرسہ فیض العلوم جمشید پور کے بانی ومہتمم کی حیثیت سے ہوئی۔ اپنی ذہنی وفکری اور جسمانی وروحانی توانائیوں کو فیض العلوم کے فروغ وارتقاء، تعمیر و تعلیم اور مختلف شعبوں کے قیام واہتمام کے لیے صرف فرمایا۔ ابتدائے قیام سے آج تک علامہ اس مدرسہ سے کبھی غافل نہیں رہے ان ہی کی جدّ وجہد اور کوشش پیہم سے فیض العلوم آج ایک مثالی ادارہ کی صورت میں نظر آ رہا ہے۔

علامہ کی تقریر ہو یا تحریر، تصنیف ہو یا تالیف، سیاسی اقدام ہو یا تبلیغی میدان، اندرون ملک کے اسفار ہوں یا بیرون ملک کے دورے ہر ایک میں فیض العلوم کی شہرت اور ترقی بھی پیش نظر رہی۔ علامہ نے فیض العلوم کو کبھی نہیں بھلایا۔ علامہ کے لیے فیض العلوم ہمیشہ مرکز قلب وجگر کی طرح رہا۔ جب اس کی تعلیمی وتعمیری ترقی کی شہرت پورے ہندوستان میں پھیل گئی اور اس کے مستقبل سے مطمئن ہو گئے تو صوبۂ بہار کے پیمانے پر ادارۂ شرعیہ پٹنہ کے قیام کا خیال اُن کے ذہن میں آیا۔

سیوان کی صوبائی سنّی کانفرنس میں ''ادارۂ شرعیہ'' کا ایک خاکہ تیار کیا، صوبۂ بہار کے علمائے اکابرین نے ان کی تائید کی بلکہ یوپی (اتر پردیش) کے ان علمائے کرام اور مقررین عظام نے بھی جو علامہ کے ساتھیوں اور دوستوں میں تھے مکمل تعاون کا وعدہ کیا اور جب ضرورت محسوس ہوئی تو ان حضرات نے اپنے قیمتی اوقات علامہ کی خواہش کے مطابق ادارۂ شرعیہ کے فروغ وترقی کے لیے نذر کیے۔ ان میں سے اکثر حضرات اب اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے۔

سلطان المناظرین حضرت مولانا محمد رفاقت حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (امین شریعت اوّل)، ابو سہیل حضرت مولانا انیس عالم صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ (امین شریعت ثانی) مجاہد دوراں حضرت مولانا سید مظفر حسین کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ، فقیہہ الہند حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی گھوسی رحمۃ اللہ علیہ، پاسبان ملّت حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ۔ ان کے علاوہ دیگر اکابرین حضرات نے اپنی اپنی وسعت اور فرصت کے مطابق ان کا ہمیشہ ساتھ دیا۔ اللہ عزوجل کی بے شمار رحمتیں ابدالآباد تک ان کی پاکیزہ روحوں پر ہوتی رہیں (آمین)

بہت سے حضرات جو اللہ کے فضل سے ابھی زندہ ہیں ان کی فہرست طویل ہے وہ بھی ہمیشہ معاون اور حامی رہے مگر اصل میں علامہ ہی ادارۂ شرعیہ کی روحِ رواں، جفاکش اور محنتی ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے کاموں کو انجام دیتے رہے اور ان ہی کی تگ ودو اور شبانہ روز محنت کے نتیجے میں ادارۂ شرعیہ نے اعلیٰ مقام حاصل کیا اور آج بھی ادارہ ان کی قلبی توجہ کا محتاج ہے۔

ادارۂ شرعیہ چونکہ بہار پیمانہ پر ایک صوبائی تنظیم ہے۔ اس کی بنا، تعمیر، تنظیم اور استحکام کے بعد پورا بہار ادارۂ شرعیہ کے تابع ہو گیا۔ اور ادارۂ شرعیہ علامہ ارشد القادری کی محبت وعنایت اور جدّ وجہد کے تابع۔۔۔۔۔ اس طرح پورے بہار کے صحیح العقیدہ سنی مسلمان علامہ کے زیرِ احسان اور تابع عقیدت ومحبت ہو گئے۔ اس لحاظ سے علامہ واقعی فاتح بہار ہو گیے۔

صوبۂ بہار کے جس خطہ سے کسی سنّی تنظیم یا سنّی مدرسہ یا سنّی مسلمانوں نے بدعقیدہ اور گمراہوں کے فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لیے یا شرپسند جماعت سے مناظرہ کے لیے آواز دی علامہ نے لبیک کہا، جھریا، دھنباد کا مناظرہ اس کی ایک مثال ہے۔ علامہ نے ہر کٹھن اور مصیبت کے موقعہ سے ان کی دستگیری فرمائی، مدرسے قائم کیے انجمنیں وجود میں آئیں۔ تحفظ عقائد کے لیے مذہبی جماعتوں کا قیام فرمایا۔ اس طرح وہ صوبۂ بہار کے تمام سنی مسلمانوں کے دلوں کی

دھڑکن بن گئے۔ اگر سیاسی طور پر مسلمانوں کے حقوق کی پامالی کی گئی اور مسلمانوں پر جمشید پور میں ظلم وستم کے پہاڑ ڈھائے گئے تو علامہ نے وہ صدائے حق بلند کی جس کے نتیجے میں ان کو قید وبند کی صعوبتوں سے بھی گذرنا پڑا۔ جیل میں بھی زندگی کے کچھ مہینے گذارے۔ میں ہر ایک کی تشریح میں آپکا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا صرف یہی عرض کرنا کافی ہے کہ علامہ نے اپنے پیدائشی صوبہ یوپی کو ظاہری طور پر خیرآباد کہہ کر صوبۂ بہار ہی کو اپنی اصلاحی، تعمیری اور تنظیمی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور اس میں وہ اپنی فکر کے مطابق بدرجۂ احسن کامیاب رہے۔ اس لیے وہ بجا طور پر فاتح بہار کہے جانے کے مستحق ہیں۔

علامہ نے صوبۂ بہار سے ہٹ کر اندرون ملک یا بیرون ملک جو بھی کارہائے نمایاں انجام دیے اس میں بھی صوبۂ بہار ہی کے نام کو روشن کیا۔ وہ جہاں بھی گئے بہار ہی کے کہلائے اور بہار ہی سے اپنے جسمانی وقلبی تعلق کا اظہار کیا اور اس پر بجا طور سے ناز بھی فرمایا خود بہاری سنی مسلمانوں کو بھی ان کی ذات گرامی پر ناز ہے۔ ہم علامہ ارشد القادری کے ہیں اور علامہ ہمارے ہیں ۔ یہی نسبت ہمارے اعزاز وافتخار کیلئے کافی ہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے ادارۂ شرعیہ کی ایک میٹنگ کے موقع سے علامہ کے قریبی لوگوں میں سے ایک معتبر اور مخلص آدمی نے اپنے ذہن وفکر کے مطابق ان کو مشورہ دیا تھا کہ پٹنہ صوبہ بہار کی راجدھانی ہے۔ ادارۂ شرعیہ بہار کی بنا اور قیام کے آپ محرک ہیں اور بانی بھی اس ادارہ کو آپ اپنا وقت زیادہ عطا فرمائیں۔ آپ یہاں مستقل قیام کریں یہیں سے آپ کا سفر جاری ہو اور یہیں ختم بھی ہو۔ یہاں مستقل سکونت اختیار کر کے جہاں ادارۂ شرعیہ کے فروغ وارتقاء تعمیر اور تنظیم کا بہتر سے بہتر کام ہوسکتا ہے۔ وہیں امت مسلمہ کی فلاح وبہبودی، تبلیغ سنیت، استحکام عقیدہ اور مسلک حق کی اشاعت کا کام بھی بدرجۂ اولیٰ ہوسکتا ہے۔ ورنہ ہر کام کے ناقص رہ جانے کا اندیشہ ہے۔ یہ سن کر علامہ نے جواب دیا کہ میں کسی ادارہ، انجمن، مدرسہ یا تبلیغی واصلاحی تنظیم کو قائم کر کے اپنے کو اس کے لئے مخصوص اور محدود کر دینا پسند نہیں کرتا۔ میں اپنی جماعت میں کام کرنے والے حوصلہ مند، محنتی اور جفاکش افراد کو پیدا کرنا اور کام کا اہل دیکھنا پسند کرتا ہوں۔ جب میری سمجھ کے مطابق ایسے لوگ مل جاتے ہیں تو یہ کام ان کے حوالہ کر کے صرف نگراں اور معاون کی ذمہ داری انجام دیتا ہوں۔ پھر دوسرے صوبوں اور اضلاع میں اسی قسم کی تنظیم اور انجمن کے قیام کی سعی بلیغ کرتا ہوں۔ آخر ہماری جماعت میں کام کرنے والے، ملت کا درد رکھنے والے ذی شعور اور صاحب صلاحیت افراد میدانِ عمل میں کب آئیں گے اور اگر نہیں آئیں گے تو ارشد القادری اکیلا کیا کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ میں آپ کی خواہش اور مشورہ پر عمل نہیں کرسکتا۔

علامہ کی دلی خواہش ہمیشہ یہی رہی ہے کہ ہماری جماعت میں خلوص ومحبت کے ساتھ کام کرنے والے باصلاحیت لوگوں کا ایک کارواں تیار ہو اور یہ قافلہ میدانِ عمل میں ہمہ دم قدم بڑھاتا رہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ میدان تقریر ہو یا میدان تحریر، تعمیر کا معرکہ ہو یا تنظیم کا مرحلہ، مسندِ درس وتدریس ہو یا منزل افتاوقضا، سیاست کی سرگرمی ہو یا قیادت کی جفاکشی ہر شعبۂ حیات میں ہمارے جوان علماء ہر جگہ پیش پیش نظر آئیں۔ بعد میں آنے والی نسلیں اپنے پیش رو اسلاف سے باعزت زندگی گذارنے کا سلیقہ سیکھیں۔

علامہ ارشد القادری سے میری ملاقات اور گفتگو کتنی مرتبہ ہوئی اس کا شمار مشکل ہے اگر یہ کہوں کہ سیکڑوں بار ملاقاتیں ہوئیں تو یہ قطعی مبالغہ نہیں ہوگا۔ ادارۂ شرعیہ بہار کے مرکزی دفتر سلطان گنج پٹنہ کی اکثر میٹنگ، جلسے، کانفرنسوں کے علاوہ علامہ کے پٹنہ کے دورانِ قیام ملاقاتیں ہوئیں۔ فیض العلوم جمشید پور میں سہ روزہ قیام، میرے مولد ومسکن پوکھریرا ضلع سیتامڑھی (بہار) کے جلسوں، میری جائے ملازمت جامعہ اسلامیہ امانیہ لوام دربھنگہ کے جلسۂ دستار فراغت میں اور دیگر جلسوں کانفرنسوں میں مختلف شہروں میں ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ بعض تبلیغی اور اصلاحی سفروں میں بھی ان کا ساتھ رہا۔ ان سے ملاقات کا سلسلہ جو ۱۹۵۵ء سے شروع ہوا وہ آج تک جاری ہے۔ اس لیے میں ان کے جذبات ونظریات، حوصلہ اور عزائم، انداز فکر وعمل، غور وخوض کے مراحل ومنازل، ان کے طریقۂ کار سے کسی حد تک واقفیت ضرور رکھتا ہوں۔ وہ بہ ظاہر تنہا ہو کر بھی لاکھوں افراد پر بھاری ہیں۔ وہ زمین پر بیٹھ کر آسمان کی باتیں سوچتے ہیں۔ اگر ان کا بس

چلے تو آسمان کے ستارے سمیٹ کر قوم وملت کی گود میں بھر دیں وہ ذرّوں کو آفتاب کا ہم سر اور قطروں کو دریا سے اعلیٰ و برتر دیکھنا چاہتے ہیں۔

یہ بات میرے تجربہ اور مشاہدہ کی ہے کہ علامہ ارشد القادری ایک سادہ لوح، نیک دل اور مخلص آدمی ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہماری جماعت میں کچھ کام کرنے والے آدمی اچھی خاصی تعداد میں پیدا ہو کر ان کے قائم کردہ اداروں کو مستحکم بنا کر عروج وارتقاء کی منزلوں پر پہونچائیں یہاں حزم واحتیاط اور دور اندیشی کو بھی اپنی سادہ نفسی کی بنا پر کام میں نہیں لاتے۔ میدان عمل میں جو شخص بھی ان کے ساتھ محبت اور عقیدت کا اظہار کرتا ہے چاہے وہ اپنی مفاد پرستی اور خود غرضی ہی کی وجہ سے ایسا کرتا ہو اور اس کا یہ فعل عارضی ہو علامہ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ جب ان کی سمجھ میں آجاتا ہے کہ یہ آدمی ان کی تحریک اور مشن کے لیے کارآمد ہو سکتا ہے تو اس کے لیے فداکارانہ جذبہ پیش کرتے ہیں یہاں تک کہ قوم وملت کے مفاد کے لیے اسے کلیدی عہدہ عطا فرمانے سے بھی دریغ نہیں کرتے ایسا اس لئے کہ جس میں کام کرنے یا نظم ونسق کی صلاحیت ہو وہ اسے اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کی فروغ وترقی میں جان ودل سے لگ جائے۔ پھر ان کو دوسرے کاموں کے لیے آزاد کر دے۔ مگر کچھ دنوں کے بعد ہی تجربہ کی روشنی میں ان کا یہ فعل مستحسن ثابت نہیں ہوتا اور وہ کفِ افسوس ملتے ہوئے پھر نئے سرے سے سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

خیر یہ ایک ضمنی بات تھی، جو دوران تحریر آگئی میں تو علامہ کی جفاکشی، علوئے ہمت، بلند حوصلہ اور جذبات صالحہ کا معترف ہوں اور مداح بھی۔ علامہ ارشد القادری جامع علوم وفنون اور حامل کمالات عظیمہ شخصیت کا نام ہے وہ رئیس القلم ہی نہیں بلکہ شہنشاہ قلم ہیں وہ ایک عظیم مقرر ہی نہیں بلکہ مقرر گر ہیں وہ مفتی ہیں اور مناظر بھی، مدرس بھی ہیں اور مفسر بھی، وہ ایک بہترین ادیب ہیں اور منفرد انداز کے بہترین شاعر بھی۔ وہ ایک اعلیٰ منتظم اور شاندار مہتمم ہونے کے ساتھ تعمیری اور اصلاحی میدان کے عظیم شہسوار ہیں۔

ان کا یہ قول آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے کہ وہ جلسہ اور کانفرنس ایک بانجھ عورت کی طرح ہے جس کی کوکھ سے کوئی مدرسہ یا انجمن وجود میں نہ آئے۔ اور اگر مدرسہ یا انجمن پہلے سے موجود ہو تو اس کے فروغ وبقا کی صورت سامنے نہ آئے۔

ملک وملت، قوم ومذہب، مسلک ومشرب کے درد نے ان کو ہمیشہ بے چین رکھا وہ کہیں بھی اطمینان وسکون کے ساتھ زیادہ دنوں تک بیٹھ نہیں پائے۔ کبھی یہاں اور کبھی وہاں گشت کرتے رہے۔ اداروں کے قیام، انجمنوں کی بنیاد اور انکی فروغ وترقی کا خیال پورے ملک میں انہیں چلاتا پھراتا رہا۔ یہاں تک کہ بیرونِ ملک انگلینڈ اور دیگر مقام میں بھی ورلڈ اسلامک مشن کے نام سے تعمیر وتنظیم، تبلیغ واصلاح کا منصوبہ بنا کر اسے عملی جامہ پہنایا اور اللہ کا شکر ہے وہ کامیاب رہے۔ علامہؒ ملک کے کسی صوبہ میں کہیں بھی رہے یا ملک سے باہر کہیں رہے عموماً صوبۂ بہار کو اور خصوصاً اس صوبہ میں قائم کیے ہوئے اپنے اداروں کو فراموش نہیں کیا آج بھی بہار اپنے اس عظیم مجاہد کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کر رہا ہے اور روز قیامت تک ان کی خدمت میں دعاؤں کے پھول پیش کرتا رہے گا۔

علامہ ارشد القادری ایک انقلابی شخصیت

مولانا محمد علی فاروقی (مہتمم مدرسہ اصلاح المسلمین)
سابق لکچرار آر ایس یونیورسٹی رائے پور (چھتیس گڈھ)

رئیس القلم، مفکر اسلام حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ مدظلہ العالی کی ذات والا صفات ایسی ہے جیسے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں دور دور تک روشنی بکھیرتا اور شب دیجور کی ظلمتوں کو للکارتا بینارۂ نور جسکی ضیا پاش کرنوں میں اندھیری راتوں کے مسافر ایمانی روشنی پاتے ہیں، کاروان فکر وفن منزل مقصود کی طرف پیش قدمی کرتا ہے اور دنیائے ہمت واستقلال نیا حوصلہ اور نئی زندگی پاتی ہے۔

ترکی کے شکست کے بعد خصوصاً معاہدہ واٹرلو ۱۶۹۹ء کے بعد یورپ جب ایک بیداری اور نئی توانائی کے ساتھ ابھرا تو اس نے نہ صرف عالم اسلام کو کئی حصوں میں تقسیم کر دیا بلکہ صیہونیت کی پشت پناہی میں فلسطین کو بھی ٹکڑوں میں تقسیم کر کے بیت المقدس کی پاک دھرتی کو بھی ناپاک کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ مسلمانوں سے صلیبی جنگوں کا بدلہ لے کر ساری دنیا کے امن وچین کو طویل عرصے کے لئے برباد کر دیا۔ اس سلسلے میں برطانوی وزیر اعظم لائٹ جارج کا وہ شیطانی قہقہہ آج بھی گونج رہا ہے جسے اس نے فرعونی غرور کا ریکارڈ توڑتے ہوئے دسمبر ۱۹۱۷ء کو برطانوی پارلیمنٹ میں دیا تھا۔

''آج ہم نے مسلمانوں سے صلیبی جنگوں کا بدلہ لے لیا''

انہوں نے صرف صلیبی جنگوں کا بدلہ ہی نہیں لیا بلکہ پوری ملت اسلام کو دینی فکر، اسلامیہ مزاج اور ایمان وعقیدہ کی توانائی سے بھی محروم کرنے کا ایک ایسا خطرناک منصوبہ تیار کیا جس کے زیر سایہ سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین جیسے صیہونیت نواز اور اسلامی فکر ونظر پر جارحانہ حملہ کرنے والے تو پیدا ہوتے رہیں گے مگر فاتح بیت المقدس سلطان صلاح الدین ایوبی، محمد فاتح اور محمد بن قاسم جیسے عشق وعرفاں کے پیکر جمیل کا وجود دور دور تک نظر نہیں آئے گا۔

عین ایسے پر آشوب دور میں اور مایوس کن حالات میں خدائی انتظام کے تحت سرکار اعلیٰ حضرت سیدنا امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی ذات گرامی نعمت غیر مترقبہ بنکر ملت کی پاسبانی کا فریضہ انجام دیتی نظر آتی ہے۔ تاریخ کا یہ باب انتہائی حیرت انگیز اور محیر العقول ہے کہ کہاں جدید اسلحوں سے لیس اور سائنس وٹکنالوجی کی حیرت انگیز طاقت وقوت سے آراستہ وپیراستہ نیز سازشوں عیاریوں اور مکاریوں کے کرتبوں اور چالاکیوں سے مالامال نصرانیت وصیہونیت کی دل دہلا دینے والی یلغار اور کہاں بریلی کی ٹوٹی ہوئی چٹائی اور بوسیدہ لکڑی کا قلم لئے ایک نحیف ونا تواں شخصیت! مگر تاریخ پھٹی آنکھوں سے یہ حیرت انگیز منظر دیکھتی ہے کہ ٹوٹی ہوئی چٹائی پر بیٹھ کر لکھنے والے کے قلم کی چند بوند سیلاب رواں بنکر بڑھتی ہیں اور حکومت وسلطنت کے سارے سازشی لاؤ لشکر اور شیطانی ہتھکنڈوں کے سارے ساز وساماں اس بوند کے سامنے خس وخاشاک کے مانند بہنے لگتے ہیں۔

میرے جد گرامی خلیفۂ اعلیٰ حضرت محسن ملت شاہ محمد حامد علی صاحب فاروقی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ دوران طالب علمی اکثر ہم لوگ اعلیٰ حضرت سے پوچھا کرتے تھے کہ دشمنان اسلام کی اس

طوفانی یلغار کے سامنے آپ کی یہ ٹوٹی ہوئی چٹائی کب تک سلامت رہ سکے گی تو آپ مسکرا کر فرمایا کرتے تھے کہ عشق رسول میں وہ طاقت و توانائی ہے جس کے سامنے دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں لرزہ براندام ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان نے باطل پرستوں کی طوفانی یلغار کے سامنے جو چراغ جلایا تھا آج وہ علم وعرفاں کا ایسا منارۂ نور بن چکا ہے کہ جس کی تجلیات سے عرب وعجم جگمگا رہے ہیں اور بحر وبر کی وسعتوں سے جہالت وگمراہی کا اندھیرا چھٹ رہا ہے۔ مبلغ عرب وعجم حضرت علامہ صاحب قبلہ کی ذات گرامی جب اسے لے کر یورپ پہونچے تو سارا علاقہ اس کی روشنی سے منور ہونے کیلئے بے چین و بے قرار نظر آیا۔ آپ سے پہلے بھی کئی لوگ یورپ پہونچے مگر خلیفہ اعلیٰ حضرت مبلغ اسلام حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صاحب علیہ الرحمہ کے بعد جو خلا پیدا ہوا تھا وہ اتنا وسیع ہو چکا تھا کہ یورپ کو اپنا کہتے ہوئے دنیائے سنیت کو سوچنا پڑتا تھا۔ یہ تو حضرت علامہ صاحب قبلہ کا انقلابی قدم تھا جو وہاں پہونچا تو ایوان باطل لرزنے لگا بدعت وگمرہی کے مینارے گرنے لگے اور باطل پرستوں کے صفوں میں نہ مٹنے والا انتشار نظر آنے لگا۔ یہاں تک کہ حجاز کانفرنس کی دھمک سے سعودیوں کے کلیجے دہلنے لگے۔ آپ کے انقلابی اقدامات اور دانشورانہ قیادت سے نہ صرف دنیائے وہابیت لرز اٹھی بلکہ دیار مغرب میں اور یورپ کے کلیساؤں میں اذان بلالی کی جو روح پرور باد بہاری چلی اس نے ایک نئے جہاں کی تعمیر کی۔ جس سے عشق رسول، عقیدت اولیا اور عظمت اسلام کے وہ گلشن مہکے جس سے نصرانیت وصیہونیت اور رشدیت کے ایوانوں میں صف ماتم بچھنے لگی۔ آج یورپ کا خطہ خطہ اور امریکہ کا چپہ چپہ عشق و محبت کی صبح جانفزا کا استقبال کر رہا ہے اور وہاں کا کونا کونا ایک نئے انقلاب کی دھمک محسوس کر رہا ہے۔ جس سے نہ صرف سعودیوں کا دارا لسلطنت ''ریاض'' لرز رہا ہے بلکہ نصرانیت کا عالمی مرکز ویٹیکن سٹی اور سلمان رشدی جیسے شیطانی آیات والہام کے پیکروں کے سرپرست بھی دہشت زدہ نظر آرہے ہیں۔

حضرت محسن ملت مولانا شاہ محمد حامد علی صاحب فاروقی علیہ الرحمہ مدھیہ بھارت کے عظیم مسیحا تھے۔ جنہوں نے جنگ آزادی میں بھی زبردست حصہ لیا تھا۔ یہاں تک کہ آٹھ ہزار غیر مسلموں تک آپ نے اسلامی پیغام پہونچایا اس کے ساتھ مدھیہ بھارت سنیت کا جو عظیم قلعہ بنایا وہ تاریخ دعوت وعزیمت کا روشن باب ہے۔ آپ ساری زندگی آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ کے جنرل سکریٹری رہے اور گاؤں دیہات کی پگڈنڈیوں سے لے کر دلی دربار تک ہر جگہ جس طرح اس کا رعب ودبدبہ اور وقار قائم فرمایا وہ پوری ملت کے لئے سرمایہ افتخار ہے۔ اس لحاظ سے حضرت علامہ صاحب قبلہ سے ان کی بہت ہی زیادہ قربت رہی ہے اور اسی اعتبار سے آپ اکثر و بیشتر رائے پور تشریف لایا کرتے تھے۔ حضرت محسن ملت علیہ الرحمہ کے انتقال کے سوا سال بعد ہی والد گرامی حضرت مولانا محمد فاروق علی صاحب فاروقی علیہ الرحمہ بھی دیار قدس میں چل بسے۔ والد صاحب علیہ الرحمہ کا انتقال پورے علاقہ چھتیس گڈھ کے لئے غم واضطراب کی کالی گھٹا لے کر آیا اور اچانک پورا علاقہ سونا نظر آنے لگا۔ ہر طرف بدحواسی اور بے چینی کی فضا صاف نظر آنے لگی۔ ایسے سخت ماحول اور پر آشوب حالات میں ایک دن اچانک حضرت علامہ صاحب قبلہ رائے پور تشریف لائے اور پورے علاقے کی زبردست میٹنگ لے کر پہلے قوم کو حالات کے نشیب وفراز سے آگاہ فرمایا اور پھر سنیت کی حفاظت ملت کے تحفظ اور دینی جذبات کی تعمیر وترقی کے لئے ''مجلس اصلاح المسلمین'' کے نام سے ایسی طاقتور تنظیم کی بنیاد ڈالی جس نے چند ہی مہینوں میں کردار وعمل کی دنیا میں نیا انقلاب برپا کر دیا۔ باطل پرست جو یہ سمجھ رہے تھے کہ حضرت محسن ملت علیہ الرحمہ اور ان کے فوراً بعد ان کے جانشین وشہزادہ گرامی کے انتقال نے سارا میدان صاف کر دیا ہے لہٰذا اب نہ صرف ملت کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنا آسان ہو گیا ہے بلکہ مدرسہ کے در و دیوار کو زمین بوس کرنا اب کوئی مشکل کام نہیں رہ گیا

ہے۔اچانک آپ کی تنظیم ان کے سبز باغوں پر برق صاعقہ بنکر گری اور ان کے ایوانوں سے دھواں اٹھنے لگا اور ان کے ارمانوں کا نشیمن سلگنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے پورا علاقہ پھر عشق وعرفاں کی نکہت باری سے مہکنے لگا۔ ''مجلس اصلاح المسلمین'' ملت کے لئے روشن وتابناک مستقبل کی ضمانت بنکر ابھری اور سیل نور کی طرح اس کا دائرہ تیزی سے بڑھنے لگا۔ حضرت علامہ صاحب قبلہ نے تو صرف رائے پور ہی میں اس کی داغ بیل ڈالی تھی مگر اپنی کارگذاریوں کی بنیاد پر اور اپنے انقلابی اقدامات کی وجہ سے وہ سیل رواں کی طرح بڑھی اور بدعت و گمراہی، فاسدِ عقائد، غلط رسم ورواج کے کوہ گراں کو خس وخاشاک کی مانند بہاتے ہوئے دین وملت کا ایسا حسین اور نکھرا ہوا چہرہ پیش کرنے لگے کہ گھر کے آنگن سے لے کر چوراہوں کی محفلوں تک ہر جگہ اس کی عطر بیز خوشبوؤں سے فضا معطر ہونے لگی، قلوب سنورنے لگے اور چہروں پر ایمانی جاہ وجلال آنے لگے۔ اس کی مشک بار فضاؤ ں نے جو انقلاب برپا کیا اس نے علاقہ چھتیس گڈھ ہی کو نہیں بلکہ اڑیسہ اور مہاراشٹر کو بھی مہکا دیا۔ اس تنظیم کے ذریعہ نمازوں کی اصلاح ، شادی بیاہ کی غلط رسموں کی بیخ کنی۔ مطلقہ اور گھر بیٹھی عورتوں کی درد رسی، غریب بچیوں کی شادی، نونہالان ملت کی ذہنی وفکری تربیت اور ان کے مستقبل کی تعمیر وترقی نے کچھ ایسا ماحول بنایا کہ لوگ شادی بیاہ میں فضول خرچی سے ڈرنے لگے اور بچوں سے لے کر نوجوانوں تک میں دینی بیداری کی ایسی لہر نظر آنے لگی جہاں گنبد خضریٰ کی تجلیات رقص کرتی ہیں اور طوبیٰ کی بلندیاں بلائیں لیتی ہیں۔ ناخواندہ عوام کی وجہ سے آج کل عرسوں میں جو غلط رسم ورواج اور غیر شرعی امور داخل ہو کر اس کے تقدس کو پائمال کر رہے ہیں اس سے ہر صاحب فہم اور دینی امنگ اور جذبے سے معمور شخص جس طرح متوحش اور فکر مند ہے وہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہاں پہونچ کر یہ معاملہ اور بھی سنگین اور نازک ہو جاتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان غیر شرعی امور کو غیر مسلمین صاحب ثروت اور ان سے بڑھ کر دشمنان اولیاء کی مکمل پشت پناہی حاصل ہے۔ غیر مسلم تو اپنے منورنجن اور اونچی کرسی کے لئے ساتھ دیتے ہیں جبکہ وہابی وغیرہ اپنی ذہنی عیاشی، معاشی خوشحالی کے تحفظ کے ساتھ اسلام کو بدنام کرنے کے لئے ان امور میں بڑھ چڑھ کر شمولیت اختیار کرتے ہیں۔

حضرت محسن ملت علیہ الرحمہ نے نہ صرف اس کا سختی سے نوٹس لیا بلکہ سر پر کفن باندھ کر اعراس کے تحفظ کا بے مثال فریضہ بھی انجام دیا۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ کا تعلق خود حضرت علامہ صاحب قبلہ سے بھی ہے اس موقع پر حضرت علامہ صاحب قبلہ نے جو کردار ادا کیا وہ ان کے خلوص ومحبت اور جذبۂ ایمانی کی وہ دلآویز اور حسین تصویر ہے جسے دیکھ کر مردہ قلوب بھی ایمانی انقلاب محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اسے حضرت ہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

''اعلیٰ حضرت کے فیضان صحبت کا ہی یہ اثر تھا کہ اعراس کی محافل میں ناخواندہ عوام کی مداخلت سے جو منکرات شامل ہوگئے ہیں مولانا (حضرت محسن ملت) نہایت شدومد کے ساتھ اس کی مخالفت کرتے تھے۔ ایک بار رائے پور میں کسی بزرگ کے مزار پر عورتوں کی قوالی کا پروگرام بنالیا۔ اس کو اپنے وقار کا سوال بھی بنالیا۔ مولانا بھی سر سے کفن باندھ کر کھڑے ہوگئے۔ اتفاق سے انہیں ایام میں مجھے ممبئی کا سفر پیش آیا۔ میں نے مولانا کو اپنے اس پروگرام سے مطلع کر دیا تھا۔ رائے پور اسٹیشن پر جب میری ٹرین پہونچی تو مولانا پلیٹ فارم پر انتظار میں کھڑے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی باغ باغ ہوگئے۔ مولانا نے عورت کی قوالی کے سلسلے میں مجھے یہاں کا حال سنایا۔ آخر میں فرمایا کہ منتظمین بھی بضد تھے کہ وہ مزار شریف پر یہ پروگرام کر کے رہیں گے اور میں نے بھی تہیہ کر لیا ہے کہ شریعت کے ناموس کے تحفظ اور عرس کے تقدس کو برقرار رکھنے کے لئے مجھے اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑے تو میں قدم پیچھے نہیں ہٹاؤں گا۔ دم رخصت انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں مجھے وصیت کی کہ مقدر کی ارجمندی سے اگر میرا جذبۂ سرفروشی اپنی مراد کو پہونچ گیا تو تم میرے

مدرسہ کا خیال رکھنا اور میرے یتیم بچوں کی خبر گیری کرتے رہنا۔ مولانا کے اس رقت انگیز جملے سے میری آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ میں نے انھیں تسلی دی کہ آپ کا جذبۂ عشق و اخلاص سلامت رہے۔ ابھی وقت نہیں آیا کہ رائے پور کے غیور مسلماں آپ کو دار کی طرف بڑھنے کے لئے چھوڑ دیں۔ رہ گیا وہ کام جو آپ نے مجھے سونپا ہے وہ آپ کے مرنے ہی پر موقوف نہیں ہے۔ آپ کی زندگی میں بھی میں آپ کی یہ وصیت یاد رکھوں گا۔

(حضرت محسن ملت صفحہ ۲۷)

حضرت محسن ملت علیہ الرحمہ سے حضرت علامہ صاحب قبلہ نے جو وعدہ فرمایا اسے اس شان سے نبھایا کہ چھتیس گڈھ کا چپہ چپہ اس کا گواہ بن گیا۔

۱۹۸۳ء میں امبیکا پور کانفرنس حضرت علامہ کی سرپرستی میں منعقد ہوئی تھی۔ جس کی ساری روپ ریکھا آپ ہی کی بنائی ہوئی تھی۔ اس موقع پر قطب امبیکا پور حضرت محبت شاہ بابا اور حضرت مراد شاہ بابا کے آستانے پر سارا علاقہ امنڈتے ہوئے سیلاب کی طرح اکٹھا ہو گیا تھا۔ جدھر دیکھئے لوگ ٹرکوں اور بسوں سے بھرے چلے آرہے تھے۔ یہاں تک کہ صرف حضرت علامہ صاحب قبلہ کے چہرہ کے دیدار کے لئے غیر مسلموں کا بھی ایک جم غفیر امنڈ پڑا تھا۔ اس موقع پر حضرت نے یورپ کے کلیساؤں میں اذان بلالی کی جو منظر کشی کی اور اسلامی عظمتوں کو جس طرح سائنٹفک انداز میں ابھارا اس سے کئی غیر مسلموں کے قلوب اسلامی و ایمانی جذبات سے سرشار ہو کر دینی عظمتوں کے پیکر بن گئے۔ جلسہ کے بعد کچھ لوگوں نے اسلامی معلومات کے تعلق سے حضرت علامہ صاحب قبلہ سے خصوصی وقت لیا اور جب وہ گفتگو کر کے وہاں سے لوٹے تو کفر کی زنار ٹوٹ چکی تھی اور انکے چہرے پر اسلام کی ابدی سعادتوں کا سویرا مسکرا رہا تھا۔

اس موقع پر حضرت نے ملی فلاح وظفر اور اصلاح معاشرہ کا جو منصوبہ دیا اس نے سوئی ہوئی قوم کو بیدار کر دیا۔ خطبہ کے دوران جہیز و تلک اور شراب و کباب کے پرستاروں نے عشق و عرفاں کی حرارت سے دلوں کو پگھلا دینے والا خطبہ سنا تو دیکھنے والے حیرت زدہ رہ گئے کہ نہ صرف وہ لوگ توبہ و استغفار کی منزل سے گذرنے لگے بلکہ خود بھی اصلاح معاشرہ کا علمبردار بن کر ملت کو برائی سے بچانے کا فریضہ انجام دینے لگے۔ اس کانفرنس میں سیکڑوں لوگوں نے توبہ کر کے خود کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا جو عزم کیا وہ سرگجا کی تاریخ کا نایاب باب ہے۔

۳۱ ردسمبر ۱۹۸۵ء کو مدرسہ اصلاح المسلمین و دار الیتامیٰ رائے پور کے زیر سایہ مسلم پرسنل لاء کانفرس منعقد ہوئی جو پورے چھتیس گڈھ کی تاریخ میں سب سے زیادہ شاندار کانفرنس تھی۔ کانفرنس کی کامیابی کے لئے راقم الحروف نے پہلے پورے چھتیس گڈھ کا دورہ کیا۔ ہر جگہ اسلام پر مرنے جینے کا پیغام لے کر پہونچا۔ دن ورات کی لگاتار جدو جہد اور سعی مسلسل کی وجہ سے ہر جگہ انقلاب زندہ باد کا نعرہ گونجنے لگا۔ اس وقت شاہ بانو کیس کو حکومت سہارا بنا کر ''مسلم پرسنل لاء پر جس طرح حملہ کر رہی تھی اس نے ہر صاحب فکر کو تڑپا دیا تھا۔ اس موقع پر پورے یوپی، بہار وغیرہ کی طرح چھتیس گڈھ میں بھی اسلام پر مرنے جینے کی انقلاب انگیز تاریخ جنم لے رہی تھی۔ مدرسہ اصلاح المسلمین و دار الیتامیٰ رائے پور کے زیر سایہ فرزندان اسلام کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ایک نئی تاریخ مرتب کر رہا تھا۔ اس موقع پر اپنے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں شہزادۂ اعلیٰ حضرت، امین شریعت حضرت مولانا سبطین رضا خاں صاحب قبلہ کو صدر اور مجھے جنرل سکریٹری بنایا گیا۔ کسی بھی کمیٹی کا جنرل سکریٹری بننا نہایت وقار کی بات ہوتی ہے۔ مگر مسلم پرسنل لاء کا معاملہ نہایت نازک اور سنگین تھا۔ یہاں سیدھا حکومت سے ٹکرانے اور دار ورسن تک پہونچنے کی بات تھی۔ اس لئے یہاں متعدد نام لئے گئے مگر بالآخر میرا نام متفقہ طور پر منتخب کیا گیا۔ اتفاق سے میں اس وقت کانفرنس کی دیگر ذمہ داریوں کی وجہ سے میٹنگ میں شرکت نہیں

کرسکا۔ مدرسہ کے سب سے بڑے ھال ''محسن ملت ھال'' میں میٹنگ ہورہی تھی اور میں نیچے دیگر انتظامی امور میں الجھا پڑا تھا۔ کچھ دیر بعد لوگ مجھے بلانے آئے اور جب میں وہاں پہونچا تو مبلغ عرب وعجم حضرت علامہ صاب قبلہ فرمارہے تھے کہ:

''حضرت محسن ملت علیہ الرحمہ نے دیش کی حفاظت اور انگریزوں سے آزادی کے لئے دار ورسن کو چوما تھا۔ جیل کی تاریک کوٹھریوں کو آباد کیا تھا اور پھر میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ آج انکی پیشانی پر ہم پھر وہی عزم واستقلال دیکھنا چاہتے ہیں۔''

اس موقع پر نبیرۂ اعلیٰ حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔

''آج تاریخ پھر اپنے آپ کو دہرائے گی اور شیر ہند مولانا عبید اللہ خاں نے کہا کہ یہ میٹنگ آج پھر حضرت محسن ملت علیہ الرحمہ کے کردار کو زندہ کرے گی۔ جب میری باری آئی تو میں نے اپنے اکابرین کو یقین دلاتے ہوئے عرض کیا کہ اتر پردیش اور بہار کی طرح یہاں مسلمانوں کی تعداد تو نہیں ہے مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ دین وایمان کے تحفظ کے لئے اپنا سب کچھ قربان کردینے کا جذبہ یہاں کسی سے کم نہیں ہے۔''

پھر دنیا نے دیکھا کہ حضرت علامہ صاحب قبلہ کے زیر قیادت چلنے والی یہ تحریک آندھی وطوفان اور بگولوں کی طرح اٹھی اور آسماں پر امنڈتی ہوئی کالی گھٹاؤں کی طرح ہندوستان کی وسیع وعریض میں پھیل گئی یہاں تک اس کی دھمک دلی دربار میں بھی محسوس کی گئی۔ حضرت علامہ صاحب قبلہ کی دور اندیشی سیاست اور ملی قیادت نے اس شان وشوکت کے ساتھ دلی دربار تک اپنی آواز پہونچائی کہ دنیا نے یہ انقلاب انگیز منظر بھی دیکھا کہ حکومت وقت صدر کانفرنس حضرت علامہ صاحب قبلہ کے سامنے جھکی مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کا وعدہ کررہی تھی اور حضرت کی فلک شگاف آواز ان کی ناعاقبت اندیش پالیسیوں کی خرابی کو اجاگر کررہی تھی۔

غرضکہ حضرت علامہ صاحب قبلہ کی زندگی کے جس رخ پر نظر ڈالئے اور اوراق زندگی کا جو بھی ورق الٹئے ہر جگہ اصلاح وانقلاب کا ایک چشمۂ سیال ابلتا نظر آئے گا۔ جو کردار وعمل کی مختلف شاہراہوں پر لہرے مارتا دکھائی دے گا۔ ہندوستان سے لے کر افریقہ وامریکہ تک جہاں چلے جایئے ہر جگہ فکر ونظر میں انقلاب، اعمال وکردار میں اصلاح اور سماج ومعاشرہ میں فلاح وبہبودی کی رنگا رنگ دنیا رچی، بسی نظر آئے گی۔ جس میں ایمانی کیف ونشاط بھی ہے اور دینی انقلاب بھی ہے سماجی اصلاح بھی ہے اور معاشرتی فلاح بھی فکری تطہیر بھی ہے اور اسلامی تنویر بھی عشق رسول کی سربلندی بھی ہے اور عقیدت اولیا کی چاندنی بھی۔ ہمالیہ کی برف پوش چٹانوں کا غرور توڑنے والا کردار وعمل کی تپش اور گرمی وحرارت بھی ہے اور یورپ وامریکہ کے دانش کدوں کو عشق وعرفاں کی تجلیات سے منور کرنے والا انقلابی پیغام بھی۔ طوفان وحوادثات کی زد میں جلتا ہوا چراغ بھی ہے اور عقیدہ وعمل کے گلشن کو مہکانے والا پھول بھی........ جس سے آنے والی نسلوں کی زندگی مہکے گی، کاروانِ فکر وفن کی راہوں میں اجالا دکھائی دے گا اور اصلاح معاشرہ کے علمبرداروں کے قلوب جگمگائیں گے۔

علامہ ارشد القادری

اہل سنت و جماعت کے ایک عظیم قائد

مولانا محمد ابو الکلام احسن القادری
استاذ دار العلوم ضیاء الاسلام، ہوڑہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

تاریخ شاہد عدل ہے کہ ہر دور اور ہر زمانے میں بنی نوع انسان کی رشد و ہدایت اور انسانی معاشرہ کی اصلاح و فلاح کے لئے کوئی نہ کوئی رہبر و رہنما بحکم الٰہی اس خاکدانِ گیتی پر جلوہ افروز ہوتا رہا ہے اور شمع رشد و ہدایت بن کر انسانیت کے تاریک ماحول کو منور و مجلّی کرتا رہا..... خواہ انبیاء و مرسلین کا مقدس طبقہ ہو یا خلفائے راشدین اور صحابہ و تابعین کا نورانی قافلہ، محدثین و مفسرین اور فقہا و مجددین کی مبارک جماعت ہو یا مشائخ عالمین اور اولیاء کاملین کا قابل احترام گروہ، علماء و فضلاء ہوں یا صوفیائے ذوی الاحترام کا روحانی سلسلہ،....... جس دور میں جیسی گمرہی اور جس طرح کی بے راہ روی رہی پروردگار عالم جل شانہ نے اس کے سد باب کے لئے حالات اور ماحول کے تقاضوں کے مطابق اس دنیا میں ویسی ہی شخصیتوں کو بھیجا تا کہ وہ اپنی خداداد صلاحیت، دانائی و حکمت، فہم و فراست اور بصیرت و ذہانت سے حالات کا رخ موڑ دیں اور ماحول کو جرائم سے پاک کر کے امن و امان کا خوشگوار گہوارہ بنا دیں۔

یہ امر اہل بصیرت اور ارباب فکر و دانش کی نظروں سے اوجھل نہیں کہ جب ہندوستان میں فرقہائے باطل اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ مسلک اعلیٰ حضرت پر ہر چہار جانب سے حملہ آور ہونے لگے کبھی علماء اہل سنت پر بے بنیاد الزامات، تو کبھی پیغمبر اسلام حضور تاجدار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان گرامی میں توہین و تنقیص..... کبھی علم غیب مصطفیٰ سے انکار، تو کبھی ختم نبوت سے انحراف...... کبھی میلاد و قیام پر طعن و تشنیع تو کبھی عرس و نیاز پر حملے....... کبھی یا رسول اللہ، یا غوث، یا خواجہ کے کہنے پر شرک کا فتویٰ، تو کبھی بزرگان دین کے مزارات پر چادر پوشی کا مذاق۔ غرضیکہ ہر طرف توہین رسالت اور تحقیر علماء اہل سنت کا زبردست طوفان بپا تھا، ایسے پرفتن دور اور نازک حالات میں قلم کا شہنشاہ، مسلک اعلیٰ حضرت کا پاسبان، ملت اسلامیہ کا محافظ اور قوم کا سچا خیر خواہ، رئیس القلم، فاتح یورپ و ایشیاء حضرت علامہ الحاج الشاہ ارشد القادری صاحب دامت علینا فیوضہم العالیہ بانی جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء، دہلی و مہتمم مدرسہ فیض العلوم جمشید پور بقائے دین و ملت اور تحفظ ناموس رسالت کی خاطر میدان عمل میں ظاہر ہوئے۔

حضرت علامہ مدظلہ العالی کی عالم گیر شخصیت سے کون واقف نہیں، آپ مسند درس و تدریس کے بادشاہ بھی ہیں تو اقلیم صحافت کے تاجدار بھی، بحر خطابت کے غواص بھی ہیں تو میدان مناظرہ کے شہسوار بھی، جماعت اہل سنت کے علم بردار بھی ہیں تو قوم و ملت کے عظیم مفکر بھی، محفل شعر و سخن کے میر مجلس بھی ہیں تو بزم تصنیف و تالیف کے مسند نشین بھی، اپنوں کے لئے شبنم کے قطروں کی طرح نرم بھی ہیں تو

گستاخان رسالت و ولایت کیلئے کوہ آتش فشاں بھی، نا قابل تسخیر جرأت و ہمت کے حامل بھی ہیں تو ایثار و قربانی کے کوہ گراں بھی مشائخ علماء کے ممدوح بھی ہیں تو خطباء اور اہل قلم کے رہنما بھی، غرضیکہ آپ جملہ اوصاف حمیدہ کے جامع اور گوناگوں خصوصیات کے حامل ہیں، فرد واحد میں بہت ساری خوبیوں کا جمع ہو جانا یہ کوئی بعید از عقل نہیں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ولیس من اللہ بمستعبد
ان یجمع العالم فی واحد

یعنی اللہ تبارک تعالیٰ سے یہ بات بعید نہیں کہ وہ ایک آدمی کے اندر دنیا کی تمام خوبیاں سمیٹ کر رکھدے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خدائے قدیر جل شانہ نے حضرت علامہ صاحب قبلہ کے اندر بے شمار خوبیاں سمیٹ کر رکھ دی ہیں.........

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ملت کا یہ پاسباں، اور قوم کا محافظ نتائج و خطرات سے بے پرواہ ہو کر دین و سنیت کی حفاظت اور اسلامی ایمان و عقائد کے فروغ و ارتقاء کے لئے اس سوز و دردمندی سے سرفروشانہ کارنامہ انجام دے رہا ہے کہ اپنے تمام معاصرین سے بہت آگے نکل چکا ہے..... اپنی علمی، فکری، اور فنی صلاحیتوں سے باطل پرست کے مغرور گردنوں کو اپنے قدموں پر جھکا دیا، باطل شکنی اور احقاق حق میں وہ کر دار ادا کیا جہاں پہنچ کر ہر خاص و عام نے اعتراف حق کرتے ہوئے اپنی جبین عقیدت خم کر دی ہے..... جہاں آپ کی زبان و قلم نے مذہب کے دامن تقدس پر پڑے ہوئے داغ دھبوں کو دور کر دیا ہے وہیں ملت فروشی کی بے شمار مجرمانہ ذہنیت کو بھی بے نقاب کر دیا ہے، آپ کے ایمان و عقیدے کی لازوال دولت کو بے ایمانوں اور بدمذہبوں نے دنیا بھر کی تجوریوں سے خریدنے کی ہزار ہا کوشش کرنے کے باوجود بھی نہ خرید سکے، اور نہ ہی باطل قلم کی نوک پلک اور شمشیر باطل کی تیز دھار آپ کے پائے استقامت میں لغزش پیدا کر سکی، قوم و ملت کے درد کو اپنا درد اور مسلک کی فکر کو اپنا ہمدم و ہمقدم بنالیا ہے.......... یہی وجہ ہے کہ آپ کی انتھک تگ و دو اور جہد پیہم کے ذریعہ بے شمار انسان بے دینی کے دلدل اور گمراہی کے غار سے نکل کر علم و سلامتی کی ٹھنڈی چھاؤں میں پہنچ گئے۔

دنیا نے اس امر کا بھی اچھی طرح مشاہدہ کیا ہے کہ دینی اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے بار ہا آپ کو سنگلاخ اور پُر خار راہوں سے گذرنا پڑا ہے۔ کبھی اپنوں نے تکلیف پہونچائی تو کبھی غیروں نے روڑا اٹکانے کی ناپاک کوشش کی ہے، مگر آپ کے پائے استقلال میں ذرہ برابر بھی لرزش نہیں آئی، ہزاروں مصائب و آلام کے طوفانوں سے ٹکراتے ہوئے اپنے دینی مقاصد کی تکمیل میں لگے رہے اور ہیں .... توہین رسالت اور تنقیص ولایت کرنے والوں کے لئے آپ شمشیر برہنہ ہیں، تصنیف و تالیف اور صحافت و خطابت کے ذریعہ ہر محاذ پر علم رسالت و ولایت بلند کرتے ہوئے ردّ وہابیہ کا فریضہ انجام دینا یہ آپ کا زندگی کی محبوب مشغلہ ہے۔

حضرت علامہ صاحب قبلہ اہل سنت و جماعت کے بے شمار دینی اداروں، سیاسی تنظیموں اور مذہبی سوسائیٹیوں میں سے کسی کے صدر کسی کے سکریٹری اور دیگر ذمہ دار عہدوں پر فائز ہیں۔

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ اس دور قحط الرجال میں حضرت علامہ صاحب قبلہ دامت علینا فیوضہم العالیہ کی ذات گرامی ملت اسلامیہ کے لئے غنیمت ہے۔

مولانا محمد شمشاد حسین، ایم۔اے
پرنسپل مدرسہ شمس العلوم، گھنٹہ گھر بدایوں

علامہ ارشد القادری
بحیثیت ترجمان مسلک اہلسنت

یوں تو اس دنیائے رنگ و بو میں ہزاروں بلکہ لاکھوں شخصیتوں نے جنم لیا مگر انہیں میں کچھ ایسی شخصیتیں بھی ابھرتی ہیں جو عظیم اور قابلِ قدر ہوتی ہیں ان میں گوناگوں خوبیاں ان گنت کمالات و خصوصیات اور متنوع امتیازات ہوتی ہیں۔ وہ خود روشن ہوتی ہیں اور اپنے پرتو جمال علم و فن سے اغیار کو بھی روشن کر جاتی ہیں ایسی عظیم شخصیت بار بار جنم نہیں لیتی بلکہ برسوں بعد منصۂ شہود پر جلوہ نما ہوتی ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت علامہ ارشد القادری بھی انہیں عظیم شخصیتوں میں ہیں جو ایک فرد واحد کی حیثیت رکھتے ہیں ان کی ذات و شخصیت ستودہ صفات ہے ان میں ہزاروں خوبیاں ہیں، بے پناہ کمالات ہیں وہ علم و فن میں ایسی گہرائی رکھتے ہیں جو سب کو نصیب نہیں ہوتی۔ انہیں خوبیوں کے سبب ان کی شخصیت عظیم نظر آتی ہے اور حیرت و استعجاب انہیں قابلِ دید نی خیال کرتا ہے۔ آج بھی دیکھئے تو ان کے رخِ زیبا پر علم و فن کا جمال نظر آتا ہے۔ شعور و ادراک کا حسن دکھائی دیتا ہے، لب کشا ہوتے ہیں تو علم و فن کی کلیاں مسکرا اٹھتی ہیں، عشق و وفا کے گلاب ہنس پڑتے ہیں۔ تحقیق و تنقید کے صحن میں بہاروں کا سا سماں طاری ہو جاتا ہے اور خاموش ہو جاتے ہیں تو فکر و تدبر، گہرے شعور و ادراک کی ہزاروں لکیریں پاکیزہ جبیں پر دکھائی دیتی ہیں۔ وہ گوشۂ گمنامی کے فرد نہیں بلکہ آسمان شہرت کی کھلی فضا میں مصروف پرواز ہیں، ان کے تذکرے علم و فن کے گلستانوں میں ہو رہے ہیں ہر مکتبۂ فکر کے چمن زاروں میں ہو رہا ہے درس و تدریس کی باوقار فضاؤں میں ہو رہا ہے اپنے تو ان سے متاثر ہیں ہی کمال تو یہ ہے کہ اغیار بھی انہیں خوب جانتے ہیں اور ان کے علمی رعب و دبدبہ اور فکری شوکت و سطوت سے مرعوب ہیں۔ وہ ایسے روشن و تابناک ہیں کہ ہزاروں پردوں میں بھی ان کی قد آور شخصیت کا نور چھنتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

علامہ ارشد القادری کا شخصی جائزہ

شخصیت، ارتقائی اور اکتسابی عمل کا دوسرا روپ ہے وہ جامد نہیں ہوتی ہے بلکہ حرکی انداز میں پروان چڑھتی ہے۔ رفتہ رفتہ اس میں خوبیاں در آتی ہیں اور کمالات ابھرتے ہیں۔ ابتدا میں شخصیت سادہ ہوتی ہے مگر منزل ارتقاء سے گزرنے کے بعد اس میں ایسی ایسی خصوصیات آجاتی ہیں جس سے شخصیت میں جاذبیت، کشش اور مقناطیسی اثر نمودار ہو جاتا ہے۔ علامہ ارشد القادری ۱۹۲۵ء کو ضلع بلیا کے سید پور میں پیدا ہوئے، غلام رشید نام تھا والدین کی محبتوں، شفقتوں میں شعور کی منزل سے ہمکنار ہوئے اور ضلع کے مدارس اسلامیہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس دور کے مدارس اسلامیہ کے علمی، فنی، ماحول، محنتی اور شریف النفس طلباء کے جہد مسلسل عمل پیہم کے سبب

مدارس کی خوشگوار فضا، قابلِ ترین اساتذہ کی ترغیب اور شوق انگیزی سے مستقبل کے علامہ ارشد القادری اور ماضی کے غلام رشید کے دل میں اعلیٰ تعلیم، اعلیٰ قابلیت کے حصول کے لئے شوق اٹھا، حوصلہ بڑھا، اور آتشِ زیر پا جیسا کرب اور بے چینی پیدا ہوئی۔ اکتساب علم کی اس اتھاہ پیاس کی شدت کو سیراب کرنے کے لئے مادر علمی دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور پہونچے۔ حضور حافظ ملت محدث مرادآبادی کی محبت، شفقت، اور پیار وخلوص نیز ان کی لوریوں میں نہال ہوگئے۔ محبت و شفقت، شب وروز کی انتھک کوششوں اور حتی المقدور عرق ریزی کے سبب درس نظامی کی تکمیل کی اور شخصیت کو پر کشش و پرسوز بنایا۔ مولانا نے دارالعلوم اشرفیہ کی حدود سے باہر قدم رکھا تو ان کی شخصیت میں وہ تمام خوبیاں، کمالات، مجتمع تھیں جو ایک عالمِ اکمل اور فاضل کے لئے ضروری ہوتی ہیں، طرح پرواز تو سیکھ لی اب ہندوستان ہی نہیں بلکہ اس کے ماسوا غیر ممالک کی وسیع اور کشادہ فضا تھی جس میں شاہین بن کر انہیں پرواز کرنا تھا اور فضائے محیط پر چھا جانا تھا۔ علامہ ارشد القادری کی موجودہ علمی ادبی، فنی، ثقافتی، تہذیبی، سماجی اور تنظیمی زندگی کے تناظر میں علامہ موصوف کی اس شخصیت کا اندازہ لگایئے جب انہوں نے دارالعلوم اشرفیہ سے فراغت کے بعد ہندوستان کی کھلی فضا میں قدم رکھا، وہ پیکر علم وفن، فکر وتدبر، گہرائی اور گیرائی کے مجسم، تحقیق وتنقید تتبع وتلاش جہد مسلسل اور عمل پیہم کے سراپا، حضور حافظ ملت نے ان کی شخصیت میں معنویت، جاذبیت اور فکری توانائیوں کا ایک جہانِ تازہ بھر دیا تھا۔ تنظیمی صلاحیتوں اور علمی شوق کی چنگاری ڈالدی تھی اور یہ پیشگوئی فرمادی تھی کہ

احساس عمل کی چنگاری جس دل میں فروزاں ہوتی ہے
اس لب کا تبسم ہیرا ہے اس آنکھ کا آنسو موتی ہے

علامہ ارشد القادری کی موجودہ علمی شخصیت اور سماجی تنظیمی، علمی اور فنی خدمات کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ ان کے لب کا تبسم مثل ہیرا اور ان کی آنکھوں سے بکھرے ہوئے آنسو مثل موتی ہیں ان کے یہاں لؤلؤ و مرجان بھی ہے۔ ان کی انھیں خدمات عالیہ کے پیش نظر ایک مرتبہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ نے فرمایا تھا ''ارشد میرے پاس سونے کا ڈھیر نہیں ورنہ میں تمھیں سونے سے تول دیتا۔'' علامہ موصوف کی شخصیت ہمہ جہت، ہر جہت میں معنویت، وسعت، گہرائی وگیرائی پائی جاتی ہے ان کی شخصیت کا ہر پہلو قابلِ مطالعہ ہے۔ میں علامہ کو ترجمانِ مسلک اہل سنت کے تناظر میں دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میں اس میں کہاں تک کامیاب ہوسکتا ہوں؟ اس کا فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں۔

ترجمان اور اس کا مفہوم ومصداق

فارسی زبان وادب میں ایک لفظ ''ترزبان'' آتا ہے جس کا معنی فصیح، خوش کلام، اور شیریں بیان کے آتا ہے اسی کو جب عربی زبان وادب میں منتقل کیا گیا تو اسے ''ترجمان'' کہا گیا جس کے معنی نمائندگی کرنا کسی ایک زبان کو دوسری زبان میں بیان کرنا۔ حضرت علامہ کی شخصیت میں ترجمان بننے کی صلاحیت تھی یا نہیں، اس کا مطالعہ بھی ضروری ہے میرے خیال میں ترجمان بننے کے لئے جو چیز ضروری ہے وہ خوش کلام اور شیریں بیان ہونا ہے۔ علامہ ارشد القادری کو زبان و ادب کا اعلیٰ شعور تھا۔ ادبی لطافتوں، فنی نزاکتوں کا انہیں مکمل احساس تھا لفظوں کو استعمال کرنے کا انہیں ہنر آتا تھا۔ مقامات اور لفظوں، جملوں کے مابین مناسبت طبعی پیدا کرنا ان کے دائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اسلوب نگارش، انداز بیان میں اس قدر لذت، بانکپن پایا جاتا تھا کہ اس پر اپنے دل کی آواز کا گمان ہوتا تھا۔ ان کے مضامین، تقاریظ اور نثری خدمات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زبان کوثر وتسنیم میں دھلی ہوئی ہے۔ جملوں میں کشش اور ترکیبوں میں تاثر اس حد تک پائی جاتی ہے کہ دل ودماغ ان سے متاثر

ہوئے بغیر نہیں رہتے اسی بنیاد پر ارباب دانش نے انہیں ''رئیس القلم'' کے لقب سے نوازا ہے۔علامہ ایک اچھے انشاء پرداز ہونے کے ساتھ ساتھ لاجواب مقرر بھی، بہترین خطیب بھی ہیں جس طرح انہیں اردو زبان وادب میں درک ہے۔ اسی طرح فارسی ادب اور عربی ادب میں بھی مہارت ہے۔ ثانیا اس بات کا بھی شدید احساس ہو کہ ہم کس کی ترجمانی کرنے جارہے ہیں اور جس کی بھی کرنے جارہے ہیں اس کی کیا حقیقت ہے اس میں کس قدر سچائی ہے؟ اور کتنی صداقت ہے علامہ ارشد القادری نے جب باہر قدم رکھا اور ملک کے گوشہ گوشہ میں دورہ کیا تو اندازہ ہوا کہ ہندوستان میں دو مکتبۂ فکر ہیں.....(۱) دیوبندی مکتبۂ فکر (۲) بریلوی مکتبۂ فکر

(۱) دیوبندی مکتبہ فکر وہ ہے جن کے اکابرین نے دائرہ اہلسنت سے منحرف ہوکر اپنی راہ الگ نکالی۔اس کی نظریات یہ ہیں:

(الف)۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا، دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہیں رکھتے تھے۔انہیں اس کا کوئی علم نہیں تھا کہ کل کیا ہوگا۔

(ب)۔آقا ومولیٰ ﷺ ہمارے جیسے بشر ہیں، بڑے بھائی ہیں، خدا کے یہاں انکی حیثیت ایک ذرہ ناچیز سے بھی کم تر ہے۔

(ج)۔رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا علم، زید، عمر، بکر، مجنوں، پاگل اور بہائم جیسا ہے۔

(د)۔خداوند قدوس کذب پر قادر ہے اگر ایسا نہیں مانتے ہیں اس کی قدرت میں خلل پڑتا ہے۔

دیوبندی مکتبۂ فکر کے یہ وہ عقائد ونظریات ہیں جن سے عشق ووفا پر کاری ضرب لگتی ہے ایمانی روح دردوکرب میں تڑپ اٹھتی ہے۔ایسے جراثیم کے پھیلنے سے ایمان وعقیدہ اور عشق ومحبت کا تقدس پامال ہو سکتا ہے۔انسانیت، شرافت، کو زک پہونچ سکتی ہے یہ عقائد سراسر مسلک اہل سنت کے خلاف ہیں۔مسلک اہل سنت والجماعت وہ ہے جو نجات یافتہ ہے۔تائید غیبی اسے حاصل ہے، جسے سواد اعظم ہونے کا شرف حاصل ہے مسلک اہل سنت وہ ہے جس کے ہر ایک ماننے والے صاحب عشق ووفا ہوتے ہیں ان کا نظریہ یہ ہے کہ عشق ووفا، خلوص وپیار یہ وہ دولت بے بہا ہے جو آسانی سے دستیاب نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے ہر قسم کی قربانیاں پیش کی جاتی ہیں سردھڑ کی بازی لگانی پڑتی ہے۔جوئے شیر تک لائی جاتی ہے کانٹوں پر چلنا پڑتا ہے نیز دھوپ کی تمازت میں لیٹنے تک کی نوبت آتی ہے تب کہیں جاکر دولت عشق نصیب ہوتی ہے۔دیوبندی مکتبۂ فکر کے اکابر اسی کو سلب کرنا چاہتے ہیں یہی احساس تدبر لیکر علامہ ارشد القادری میدان میں آئے اور یہ عزم وحوصلہ لیکر کہ ہمیں مسلک اہل سنت کی ترجمانی کرنی ہے اسکی نمائندگی کرنی ہے اس راہ عشق ووفا میں جو آڑے آئے گا اس سے نبرد آزما ہونا ہے سینہ سپر ہونا ہے مگر اس کے لئے اسلحہ چاہئے:

چلے تو ہو مزاج یار کی پرشش کو اے بیکل
مگر یہ سوچ لو کہ انداز استفہام کیا ہوگا

علامہ ارشد القادری امام اہل سنت کی تعلیمات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں۔

۱۔ سنی حنفی مسلمانوں کے عقائد وروایات جنھیں دیوبندی حضرات شرک وحرام سمجھتے ہیں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے قرآن وحدیث اور فقہ حنفی واسلاف کی کتابوں سے روشن بیانات اور واضح دلائل کیساتھ ثابت کردیا ہے کہ وہ امور شرک اور حرام نہیں ہیں، بلکہ قرآن وحدیث کا عین مقتضا اور ائمہ کرام وسلف صالحین کے نزدیک مستحسن وپسندیدہ ہے۔

۲۔ دیوبندی فرقے کے وہ مخصوص عقائد جنھیں وہ اپنی تحریر کے ذریعہ مسلم معاشرہ میں پھیلا رہے تھے اور آج بھی ان کی تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ جاری ہے اور از راہ فریب سادہ لوح عوام

سے کہتے ہیں کہ یہی وہ اسلامی عقائد ہیں جو قرآن وحدیث سے اخذ کئے گئے ہیں ایک سچے مسلمان کو انہیں عقائد پر چلنا چاہیے اعلیٰ حضرت نے امت مسلمہ کو عقائد کے فساد سے بچانے کے لئے جواں مردی اور ثابت قدمی سے اپنی مہم کا آغاز کیا وہ ایک مجدد کی ہی شان ہوسکتی ہے۔

۳۔ اکابر دیوبند کی بعض وہ عبارتیں جن میں انہوں نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کیں اور ضروریات دین کا انکار کر کے دین سے اپنا رشتہ منقطع کرلیا تھا۔اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی نے ان توہین آمیز عبارتوں پر مواخذہ کیا اور ان سے رجوع وتوبہ کا مطالبہ کیا۔آگے چل کر ان مطالبات میں سادات حرمین شریفین اور بلادِ مغرب کے مشاہیر علماء ومشائخ بھی شریک ہوگئے اور اسطرح یہ کل عالمِ اسلام کا مطالبہ بن گیا۔

۴۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی علمی خدمات کا چوتھا شعبہ وہ مذہبی اوراخلاقی اصلاحات ہیں جو مسلم معاشرے میں پھیلی ہوئی غلط رسموں اور برائیوں کے خلاف اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی نے انجام دیئے۔انہیں میں سب سے زیادہ قابل قدر وہ فکری نوادرات چھوڑے ہیں جنہیں دیکھ کر علمائے عرب نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی علمی بصیرت اور فنی عظمت کا لوہا مان لیا۔انہوں نے جن اغلاط کی اصلاح کی ہے وہ ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

(ماہنامہ سنی دنیا جلد ۱۰، شمارہ ۱۰۵، بابت اگست ۱۹۹۱ء)

علامہ ارشد القادری نے امام اہلسنت کی تعلیمات کا جو جائزہ لیا اور تجزیہ پیش کیا اس سے نہ صرف ان کی معلومات میں اضافہ ہوا بلکہ ایک پلیٹ فارم مل گیا جہاں سے وہ مسلک اہل سنت کی ترجمانی کر سکتے ہیں اور دیوبندی مکتبۂ فکر کے ہر ممکن حملہ کو روک سکتے ہیں۔نیز خرمن باطل پر برق وباد کے گولے بھی داغ سکتے ہیں،علامہ موصوف کو ترجمانی کرنے کے لئے زاد راہ یا اسلحہ کے روپ میں امام احمد رضا فاضلِ بریلوی کی تعلیمات ونظریات مل گئیں اس طرح علامہ ارشد القادری ترجمان اہل سنت بننے کے لئے مکمل طور پر مستعد ہوگئے اور ہرقسم کے اسلحوں سے لیس ہوگئے،ترجمان بننے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ انہیں اپنی جماعت کے ہر فرد کا اعتماد حاصل ہو اس کی ذات میں جماعت ضم ہوگئی ہو۔انکی ہر بات جماعت کی آواز ہو جماعت کے تصورات اور جذبات کی گونج ہو،علامہ ارشد القادری اپنی جماعت کے وہ فرد واحد ہیں جن پر اہل سنت والجماعت کے افراد اعتماد رکھتے ہیں۔اور انکی بات میں اپنی ضمیر کی آواز اور اس کی گونج محسوس کرتے ہیں جب جب اغیار کے روبرو مسلک اہل سنت کی وضاحت اور اس کے موقف پیش کرنے کی بات آئی ہے تو علمائے اہلسنت نے علامہ ارشد القادری کو آگے بڑھایا اور اپنی نمائندگی کرنے کے لئے پیش کیا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علامہ موصوف کیا ہیں؟ اور ان میں ترجمانی کرنے کی کس قدر صلاحیت ہے۔

ترجمان اور اس کی چند جھلکیاں

علامہ ارشد القادری میں ترجمانی کی ذمہ داری نبھانے کی کس قدر صلاحیت ہے؟ اسکا اندازہ ہوگیا ہوگا۔مسلک اہل سنت سے متعلق افراد کوان پر جس قسم کا ناز تھا۔فخر ومباہات تھی،اعتماد تھا،علامہ موصوف نے اس اعتماد کو ٹھیس نہیں پہونچائی بلکہ اس میں اضافہ ہی کرتے رہے۔اس وقت مجھے کٹک کے مناظرہ کا وہ منظر یاد آتا ہے۔جب علامہ ارشد القادری گرجدار آواز میں دیوبندیوں کو للکار رہے تھے اور ان کے اسٹیج پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں،دیوبندی مناظر نے اپنی ترکش کا آخری تیر چھوڑا کہ:

''اے ارشد! رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف حضرت کہتے

ہواور اپنے پیشوا مولانا احمد رضا صاحب کو اعلیٰ حضرت کہتے ہو۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ لوگوں نے اپنے احمد رضا کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑا تصور کرلیا۔

علامہ ارشد القادری نے دیو بندی مناظر کو گرجدار آواز میں للکارتے ہوئے فرمایا:

''آپ نے لفظِ اعلیٰ حضرت پر اعتراض کیا تو پھر اپنے دامن کو سنبھالیے یہ دیکھئے میرے ہاتھ میں تذکرۃ الرشید ہے جس میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کو گیارہ جگہ اعلیٰ حضرت لکھا ہوا ہے۔صفحہ ۲۳۷ پر چار جگہ صفحہ ۲۳۹ پر ایک جگہ اور صفحہ ۲۴۱ پر دو جگہ خود گنگوہی صاحب نے اپنے مکتوب میں جو تذکرۃ الرشید کے صفحہ ۱۲۸ پر چھپا ہوا ہے اپنے مرشد حاجی امداد اللہ کو دو جگہ اعلیٰ حضرت لکھا ہے تھانوی صاحب خاص اپنے قلم سے حاجی صاحب کو تین جگہ اعلیٰ حضرت لکھا ہے۔ (مفتی اعظم ہند اور ان کے خلفاء صفحہ ۱۸۵)

ادھر علامہ ارشد القادری تقریر فرمارہے تھے ادھر دیو بندی مناظر کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور ان کی جماعت پر موت کا سا سناٹا طاری ہورہا تھا۔ان کے مہمل اعتراضات خس وخاشاک کی مانند اڑ رہے تھے۔کیوں نہ ہو کہ علامہ ارشد القادری علم وفن کے ایسے اتھاہ سمندر ہیں جس کی موج تلاطم طوفانی ہوا کرتی تھی۔اس کے برعکس اہل سنت والجماعت کے اسٹیج پر خوشیوں کی لہر دوڑ رہی تھی۔حضور مجاہد ملت اپنے قابل ترین مناظر کے جواب پر اسقدر خوش تھے کہ آنکھوں سے خوشیوں کے آنسوں ٹپک رہے تھے۔علامہ ارشد القادری اپنی اس کامیابی کو کس انداز میں دیکھتے ہیں ان کی یہ تحریر پڑھئے۔

''وہ مقدس لمحے میں زندگی بھر نہ بھولوں گا جب غوث الوریٰ کے دربار گہربار کے ایک وارفتہ جگر درویش اور مسلک رضویت کے ایک پرسوز داعی کی شفقتوں کے بادل ٹوٹ ٹوٹ کر میرے اوپر برس رہے تھے اور میں قدموں میں مچل مچل کر نہار ہا تھا۔

(مفتی اعظم ہند اور ان کے خلفاء، صفحہ ۱۸٦)

اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ علامہ ارشد القادری نے اہل سنت والجماعت کے افراد کے اعتماد کو اپنے عمل وکردار سے نہ صرف بحال رکھا بلکہ اس میں مزید اضافہ کیا۔علامہ ارشد القادری نے مسلک اہل سنت والجماعت کے تعلق سے جو ترجمانی کی ہے کسی ایک سمت یا صرف ایک جہت تک محدود نہ تھی بلکہ مختلف انداز میں اور مختلف سمتوں میں انکی ترجمانی یا نمائندگی ظاہر ہوتی ہے۔ترجمانی کی مختلف سمتیں یہ ہیں: ۱۔خطابت کے ذریعہ ۲۔مناظرہ کے ذریعہ ۳۔تصنیفات کے ذریعہ ۴۔تنظیمی کاروائیوں کے ذریعہ

ترجمانی بذریعہ خطابت

حضرت علامہ ارشد القادری شعلہ بار خطیب ہیں ان کی زبان میں سلاست پائی جاتی ہے ان کی زبان سے جو الفاظ نکلتے ہیں وہ فصیح وبلیغ اور مقتضائے حال کے مطابق ہوتے ہیں تقریری سلسلے میں انہیں ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں جانا پڑا۔بیرون ملک کے بھی دورے کئے۔یہاں تک کہ امریکہ پہونچے اور اپنی خطابت کی دھوم سے ہر دانشور طبقہ کو متاثر کیا۔جن لوگوں نے ان کی تقریریں سنیں انہیں اندازہ ہوگا کہ وہ مسلک اہلسنت کے عقائد ونظریات پر سیر حاصل گفتگو فرماتے ہیں۔علم غیب، اختیارات مصطفیٰ ﷺ، سیرت رسول اعظم ان کی تقریر کے خاص موضوع ہیں۔غالباً ۱۹۸۳ء میں بدایوں کی سرزمین پر جلوس محمدی پر اغیار نے انگلی اٹھائی تو سیدوں کے کنویں کے پاس ایک عظیم جلسہ ہوا۔علامہ موصوف اس جلسہ کے خصوصی مقرر تھے۔انہوں نے جلوس محمدی کے تعلق سے مسلک اہل سنت والجماعت کے موقف کو اس انداز سے پیش کیا کہ اغیار بھی مطمئن ہوگئے اور اپنے

لوگ تو باغ باغ دکھائی دیئے۔

ترجمانی مناظرہ کے ذریعہ

مناظرہ ایک فن ہے اس کے اصول وضوابط ہیں۔ کلیات و جزئیات ہیں اس کی لطافتیں نزاکتیں ہیں، مناظر وہی ہوسکتا ہے جوفن مناظرہ میں درک تام رکھتا ہواس کے ساتھ ساتھ مناظر کا ذہین ہونا فی البدیہ جوابات تیار کرنے کی صلاحیت ہونا ضروری ہے۔ وسیع معلومات کا ہونا بھی اہم ہے یہ بھی ضروری ہے کہ مناظر چرب زبان ہو۔ اس کی آواز پر رعب اور پرسوز ہو، اگر آپ غور کریں تو علامہ ارشد القادری میں یہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ جہاں تک وسیع معلومات کا تعلق ہے اس بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ علامہ موصوف کو ایوان باطل کے ہر زاویہ کا علم ہے۔ وہ اس کے نہاں خانہ سے بھی واقف ہیں۔ اس میں کیا شک کہ وہ ایک کامیاب مناظر ہیں جہاں جہاں مناظرہ میں قدم رکھا کامیابی نصیب ہوئی اور ایوان باطل میں ایک قسم کا بھونچال سا آ گیا۔ انہوں نے تقریباً ۱۹۴۵ء میں سرزمین جمشید پور میں مولوی عبد اللطیف اعظمی سے مناظرہ کیا اور کامیاب ہوئے۔ اسی کامیابی کی بدولت جمشید پور میں چھاگئے اور فاتح جمشید پور کے لقب سے نوازے گئے۔ ۱۳۹۹ھ میں صوبہ اڑیسہ کی راجدھانی کٹک میں ایک تاریخی مناظرہ ہوا علامہ موصوف مناظر کی حیثیت سے تھے اور مجاہد ملت حضرت علامہ شاہ حبیب الرحمٰن صاب قبلہ اس مناظرہ کے صدر کی حیثیت سے بہ نفس نفیس اسٹیج پر جلوہ بار تھے۔ اس مناظرہ میں بھی کامیابی اہل سنت والجماعت کو ملی۔ اس کے علاوہ آپ نے اور بھی مناظرہ کیے اور برابر کامیاب رہے اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ موصوف نے ہر مناظرہ میں اہل سنت کی ترجمانی کی اور ترجمانی کرنے میں صد فیصد کامیاب رہے۔

ترجمانی تصنیفات کے ذریعہ

علامہ ارشد القادری نہ صرف زبان کے بادشاہ ہیں بلکہ قلم کے بھی دھنی ہیں۔ تحریری میدان میں کامیاب تجربہ کیے ہیں۔ ترجمانی کے تعلق سے علامہ کی تصنیفات دو قسم کی ہیں:

(۱)۔ وہ تصنیفات جن میں علامہ موصوف نے مسلک اہل سنت والجماعت کے نظریات وعقائد کو قرآن وحدیث اور اسلاف کے اقوال واعمال سے ثابت کیا ہے۔

(۲)۔ وہ تصنیفات ہیں جن میں فرقہ باطلہ کے مزعومات کو ان کے گھر کے واقعات سے باطل وناجائز قرار دیئے ہیں۔ پہلی قسم کی تصنیفات میں سے ایک عظیم تصنیف علم غیب نامی، جو علامہ کا قلمی شاہکار ہے۔ جناب شیخ احمد بخش کنگی نے آپ کو ''جام نور'' کے ایڈیٹر کی حیثیت سے ایک مکتوب لکھا ہے جس میں یہ بتایا گیا کہ:

> ''ہمارے پڑوس میں کچھ دیوبندی حضرات رہتے ہیں ان کا اصرار ہے کہ علم غیب خدا کی صفت خاص وہ کسی دوسرے کے لیے ہرگز تسلیم نہیں کی جاسکتی۔ جولوگ رسول کے لئے علم غیب مانتے ہیں وہ قطعاً ایک غیر اسلامی عقیدہ پر یقین رکھتے ہیں۔''

(علم غیب، صفحہ ۴)

دیوبندی حضرات نے علم غیب کے تعلق سے جو اظہار خیال کیا اس کے متعلق علامہ موصوف جواب میں اپنا خیال ظاہر کرتے ہیں:

> ''آپ کے پڑوسیوں نے نہایت ہی معصومانہ انداز میں یہ تاثر دینے کی کوشش فرمائی ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا انکار خدا پرستی ہی کا یہ تقاضہ ہے کہ رسول پاک کے لیے علم غیب کو تسلیم کیا جائے۔

(علم غیب صفحہ ۴)

دیوبندی حضرات نے علم غیب کو خدا کی صفت خاص قرار دیا ہے حالانکہ وہ اس کے تشریح اور مطلب سے واقف نہیں۔ علامہ موصوف بطور تمہید کے اس کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''خدا کی ہر صفت میں چار چیزیں ایسی پائی جاتی ہیں، جو خدا کے علاوہ کسی اور کے لئے ہر گز تسلیم نہیں کی جاسکتیں۔ اول، ازلی ہونا یعنی وہ ہمیشہ سے ہے۔ دوم، ابدی ہونا یعنی ہمیشہ رہیگا۔ سوم ذاتی ہونا یعنی کسی نے عطا نہیں کی ہے۔ چہارم لامحدود ہونا یعنی اس کی کوئی حد اور انتہا نہیں ہے۔ اس تمہید کا مطلب یہ ہوا کہ ہر وہ صفت جس میں یہ چاروں چیزیں پائیں جائیں خدا کی صفتِ خاص ہوگی، کسی اور کے لیے ماننا یقیناً غلط ہوگا مگر ایسی صفت جس میں یہ چاروں چیزیں مفقود ہوں خدا کی صفت خاص نہیں خدا کے علاوہ کسی اور کے لیے مانی جاسکتی ہیں۔ رسول پاک ﷺ کے لیے ہم اہل سنت والجماعت جس علم غیب کو مانتے ہیں وہ ازلی نہیں وہ ابدی ہے۔ ذاتی نہیں لامحدود نہیں بلکہ غیر ازلی اور غیر ابدی ہے۔ ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے لامحدود نہیں بلکہ محدود ہے۔ محدود کے دائرے میں رہتے ہوئے ہم اہل سنت رسول پاک ﷺ کو عالم ماکان وما یکون، کہتے ہیں اس قسم کا عقیدہ ونظریہ خدا پرستی کے جذبہ کو اجاگر کرتا ہے شرعی طور پر اس کی کوئی قباحت نہیں۔''

اس قسم کے علم غیب کے ثبوت میں علامہ ارشد القادری نے بہت روشن دلائل پیش کیے ہیں۔

اولاً۔ تین آیتوں سے دی گئی ہے۔

ثانیاً۔ اس سلسلے میں پانچ حدیثیں پیش کی گئیں۔

ثالثاً۔ امام غزالی کے تحریروں سے۔

رابعاً۔ صاحب کتاب الابریز کی شہادت سے۔

خامساً۔ علامہ صادی کی عبارت سے۔

سادساً۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی عبارت سے۔

سابعاً۔ شیخ عبدالعزیز کی شہادت سے۔

ثامناً۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی عبارت سے۔

تاسعاً۔ دیوبندی پیشواؤں کی عبارتوں سے۔

علامہ ارشد القادری دامت برکاتہم القدسیہ نے علم غیب کے ثبوت میں قرآن و حدیث اور علمائے کاملین کے اقوال سے روشن دلائل پیش کرنے کے بعد یہ تنبیہ فرمائی کہ مخالفین علم غیب رسول کے انکار میں جن آیتوں، حدیثوں اور فقہی عبارتوں سے دلیل لاتے ہیں ان میں مطلقاً غیب کا انکار نہیں۔ بلکہ اس سے مخصوص علم غیب کا انکار مراد ہے۔ وہ منفی علم غیب یا تو ازلی ہوگا یا ابدی، ذاتی ہوگا یا غیر محدود اس سے نہ صرف علم غیب کا ثبوت فراہم ہوتا ہے بلکہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ قرآن کی آیتوں اور حدیثوں میں کسی قسم کا تضاد یا تعارض نہیں۔ علامہ ارشد القادری نے اپنی کتاب میں اہل سنت والجماعت کے عقیدۂ علم غیب کی ترجمانی اس طرح سنجیدہ انداز میں کی ہے کہ ہر دانشمند اور فکر ونظر، فہم وفراست سے تعلق رکھنے والے افراد اس کے تسلیم کرنے میں کسی قسم کا پس و پیش نہیں کرے گا۔ بلکہ بلا چوں و چرا اعتراف کر بیٹھے گا کہ اہلسنت والجماعت ہی حق پر ہیں جن کے دلوں میں ازلی طور پر بغض وعناد کی آگ بھڑک رہی ہو۔ اور اس نے چڑھتے سورج کو تسلیم نہ کرنے کا تہیہ کر لیا ہو تو اس کا کوئی علاج نہیں۔ دوسری قسم کی تصنیفات میں سب سے زیادہ عظیم اور علمی فنی شاہکار زلزلہ نامی کتاب ہے اسی کتاب کی بدولت انہیں مقبولیت عامہ حاصل ہوئی اس کتاب میں بھی ترجمانی ہے مگر علامہ نے اس کتاب میں جدید تکنیک کو بروئے کار لایا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ علامہ اس کتاب کے توسط

سے زندہ جاوید بن گئے ہیں ذرا اندازہ تو لگائیے کہ اس میں علامہ نے عوام کی عدالت میں ایک استغاثہ پیش کیا جو امور اور عقائد ونظریات انکے نزدیک شرک وبدعت اور ناجائز وحرام ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ دیوبندی حضرات اندرون خانہ اپنے اکابر کے لئے انہیں عقائد کو ثابت کرتے ہیں؟

ترجمانی تنظیمی کارروائیوں کے ذریعہ

اس میں شک نہیں کہ نظم ونسق سے جماعتوں، انجمنوں اور سوسائٹی میں نئی جان پڑ جاتی ہے اور اس میں مزید تحریک پیدا ہوتی ہے۔ تنظیمی صلاحیت بہت ہی کم لوگوں میں پائی جاتی ہے۔ اس صلاحیت کو انہوں نے ضائع نہیں کیا بلکہ اس کے ذریعہ ترجمانی کی ذمہ داری نبھائی ہے۔ علامہ موصوف نے اپنی تنظیمی صلاحیتوں کے بل بوتے اہم اور نمایاں کام انجام دیئے جو اس طرح ہیں۔

ا۔ مدرسہ فیض العلوم جمشید پور: موصوف نے سب سے پہلے مدرسہ فیض العلوم کی داغ بیل ڈالی اور آج تک آپ کے زیر اہتمام چل رہا ہے۔ یہ مدرسہ صوبہ بہار کا تاریخی اور کامیاب جامعہ ہے جس کا نام پورے ہندوستان میں ہے۔ مدرسہ کیا ہوتا ہے۔ اسلام کا قلعہ اور مسلک کا ترجمان ہوتا ہے۔ یہاں مخصوص طرز فکر پر ٹیم تیار کی جاتی ہے اور بچوں کو ہونہاروں، دانشوروں کے روپ میں ڈھالا جاتا ہے۔ علامہ اسی مدرسہ کی بدولت فاتح جمشید پور کہلائے گئے ہیں اس میں بھی مسلک اہل سنت کے عقیدوں کو فروغ دیا جاتا ہے اور ترجمانی کے ہنر بتائے جاتے ہیں۔ مدرسہ فیض العلوم کا قیام وقت کی اہم ضرورت تھی جو پوری ہوئی۔

۲۔ جامعہ نظام الدین نئی دھلی۔ دہلی کی سرزمین ہم اہل سنت کے لئے راس نہ تھی۔ یہاں فرقہائے باطلہ کا دور دورہ تھا جسے دیکھئے دیوبندیوں وہابیوں کے آغوش میں مچل رہے ہیں۔ دہلی جیسی خاردار اور کانٹے بھری سرزمین پر قدم رکھنا آسان نہ تھا۔ قربان جایئے علامہ ارشد القادری پر اور ان کے حوصلوں اور امنگوں پر کہ انہوں نے سرزمین دہلی پر جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء قائم کرکے اہلسنت و جماعت کے افراد کے لئے راہ ہموار کی اور شاہراہ حیات سے کانٹے صاف کیے، آج دلی میں سنیوں کی اچھی خاصی تعداد ہے وہاں اپنے مدرسے ہیں، مکاتب ہیں، مسجدیں اور کتب خانے ہیں۔ یہ بھی ترجمانی کی ایک نمایاں شکل ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بہت سارے مدارس قائم کئے، ہندوستان میں علامہ کی قائم کردہ مختلف تنظیمیں اور انجمنیں بھی ہیں جو اپنے اپنے دائرے میں رہ کر اپنے مسلک کی خدمت انجام دے رہی ہیں اور جلسے جلوس منعقد کررہی ہیں۔

خلاصہ کلام

اس تفصیلی مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہوگیا ہوگا کہ علامہ ارشد القادری کی شخصیت کس قدر عظیم ہے اور ان میں کیا کیا خوبیاں ہیں۔ کیسے کیسے کمالات ہیں نیز اس بات کا بھی علم ہوا ہوگا کہ انہوں نے کس انداز اور کس نہج پر مسلک اہل سنت کی ترجمانی کی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

محب احمد قادری علیمی
خادم التدریس دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی بستی

رئیس القلم علامہ ارشد القادری کی حیات و خدمات پر ایک طائرانہ نظر

رئیس القلم علامہ ارشد القادری کی ذات محتاج تعارف نہیں، آپ نے مذہب اسلام کی جس اعلیٰ پیمانے پر ترویج و اشاعت کی ہے اور کر رہے ہیں یقیناً وہ سنہرے حرفوں سے لکھے جانے کے قابل ہے، آپ صرف ایک عالم دین ہی نہیں بلکہ صاحب طرز ادیب اور انشاء پرداز بھی ہیں اور عظیم مناظر بھی مذہبی و سیاسی رہنما و قائد بھی ہیں اور مایہ ناز مفکر بھی، اور اللہ پاک نے آپ کو جہاں ان تمام صفات سے نوازا ہے وہیں آپ کے اندر تحریکی و تنظیمی صلاحیت بھی ودیعت کر رکھی ہے مندرجہ ذیل سطور میں ہم آپ کی حیات کے چند گوشے بیان کرنے کے بعد آپ کی خدمات جلیلہ کا ایک اجمالی جائزہ پیش کریں گے۔

پیدائش۔ مسلک اعلیٰ حضرت کا سچا نقیب اور پاسبان، امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ (م ۱۹۲۱ء) کے وصال کے چوتھے سال یعنی ۱۹۲۵ء میں اتر پردیش کے ضلع بلیا کے سید پورہ گاؤں میں پیدا ہوا

والد ماجد۔ آپ کے والد ماجد حضرت علامہ عبد اللطیف قدس سرہ بحر الاسرار حضرت شاہ عبد العلیم آسی قدس سرہ کے مرید اور سلسلۂ رشیدیہ کے سالک تھے اسی لئے آپ کا نام غلام رشید رکھا گیا جو بعد میں ارشد القادری کے نام سے مشہور ہوئے۔ (تذکرہ علمائے اہل سنت ص ۶۷ از مولانا محمود احمد قادری)

تعلیم و تربیت۔ ابتدائی تعلیم تو آپ نے اپنے ضلع بلیا ہی میں حاصل کی لیکن اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے وقت کی مشہور دینی درسگاہ "دارالعلوم اشرفیہ" مبارکپور کا قصد کیا اور وہاں پہونچکر حافظ ملت علامہ عبد العزیز محدث مراد آبادی کے مخصوص شاگردوں میں اپنا ایک امتیازی مقام بنالیا، اور مروجہ علوم وفنون کی تکمیل وہیں کی، تکمیل درس کے بعد مختلف مدارس اسلامیہ میں تدریسی خدمات انجام دی اور کچھ عرصہ ناگپور بھی بسلسلۂ تدریس مقیم رہے۔ (مفتی اعظم اور ان کے خلفاء ج ا ص ۱۷۹ از مولانا شہاب الدین رضوی)

یہ تو حضرت علامہ کی حیات کے چند گوشے تھے اب آیئے آپ کی خدمات جلیلہ ملاحظہ فرمائیں۔

میدان مناظرہ۔ وادی مناظرہ کتنی پر پیچ ہے اور اس وادی کے راہرو کے لئے کن کن صلاحیتوں اور خوبیوں سے لیس ہونا چاہئے اس کی وضاحت فخر صحافت علامہ یٰسین اختر مصباحی نے "شارح بخاری" میں اچھی طرح فرمائی ہے جس کا ماحصل یہ ہے:

"منقولات و معقولات میں تبحر اسلامی و عربی علوم پر عبور، تاریخ واحوال زمانہ سے آگہی، حریف و مدمقابل کی شاطرانہ چالوں سے باخبری اور اس کی کمزوری پر نظر، تحقیقی والزامی جواب اور حملہ و دفاع کا ہر وقت فیصلہ جس کی ضرورت ہو اس میں استحضار و تیقظ، یہ وہ ساری خوبیاں ہیں جن سے ایک اچھے مناظر کا آراستہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ (شارح بخاری ص ۱۳ از علامہ یٰسین اختر مصباحی)

بلاشبہ علامہ کی ذات میں یہ خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں آپ نے میدان مناظرہ میں قابل رشک خدمات انجام دی ہیں، آج بھی علامہ ارشد القادری کے نام سے ایوان نجدیت ودیوبندیت لرزاں وترساں ہے آپ کا نام سن کر ہی دیوبندی مناظروں کے دل دہل جاتے ہیں اور سامنے آنے کی جرأت نہ کر کے راہ فرار اختیار کر لیتے ہیں، میدان مناظرہ کے مجاہدین کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ یٰسین اختر مصباحی صاحب رقمطراز ہیں۔

’’آج دور حاضر میں شارح بخاری اور علامہ ارشد القادری ان شیران اسلام کی یادگار ہیں اور انکے پرچم حق کے علمبردار ہیں (شارح بخاری صفحہ ۳۰) افسوس کہ شارح بخاری دنیا سے رحلت فرما گئے اللہ پاک آپ کو جنت میں اعلیٰ مقام فرمائے)

پہلا مناظرہ۔ مذکورہ بالاسطور میں ابھی آپ نے پڑھا کہ ردومناظرہ کتنی خار دار وادی ہے ایک مناظر کو کن کن خوبیوں سے مزین ہونا چاہیے، لیکن قربان جایئے علامہ کی ذہانت وفطانت اور تبحر علمی پر کہ آپ نے تقریباً تیس سال کی عمر میں ہی ۱۹۵۴ء میں جمشید پور میں مشہور دیوبندی مولوی عبد اللطیف اعظمی سے ایسا کامیاب مناظرہ کیا کہ جس سے پورے جمشید پور میں آپ کی دھاک بیٹھ گئی۔ (معارف اسم محمد صفحہ ۶)

اس کے علاوہ بھی آپ نے نہ جانے کتنے مناظروں میں اہل سنت کا سر فخر سے بلند کر کے کتنے متلاشیان حق کو راہ ہدایت دکھائی، کٹک کے تاریخی مناظرہ میں سنیوں کی فتح میں آپکا کلیدی کردار رہا ہے آپ نے اس مناظرہ میں مجاہد ملت حضرت علامہ محمد حبیب الرحمٰن اڑیسوی علیہ الرحمہ کی موجودگی میں دیوبندیوں کے مہمل اعتراض کا ایسا دندان شکن جواب دیا کہ دیوبندیوں کے اسٹیج پر سناٹا چھا گیا اور کسی سے جواب نہ بن پڑا آپ کی اس شاندار کامیابی کو دیکھ کر مجاہد ملت کی آنکھیں خوشی سے ڈبڈبا آئی تھیں۔

تعمیری خدمات۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مدارس اسلامیہ اسلامی تہذیب وتمدن اور اعلیٰ اسلامی اقدار کی حفاظت وصیانت کا مضبوط قلعہ ہیں اور صلاح معاشرہ میں ان کا اہم کردار ہے، دور حاضر میں تو ان کی اہمیت وافادیت محتاج بیان نہیں علامہ ارشد القادری قوم کے عظیم مفکر اور قوم کا سچا درد رکھنے والے سچے رہنما ہیں اس لئے آپ نے حالات کا گہرائی سے جائزہ لیا اور مدارس ودانش گاہوں کا قیام ایک ناگزیر امر قرار دیا اس ضمن میں آپ کی جو گرانقدر خدمات ہیں وہ یقیناً رہتی دنیا تک آپ کا نام روشن کریں گی، چنانچہ آپ نے مذکورہ اسباب وعلل کے سامنے رکھ کر۔

جامعہ فیض العلوم جمشید پور بہار۔ صوبہ بہار کے سادہ لوح مسلمانوں کو راہ راست پہ لانے اور نونہالان اسلام کے مستقبل کو تابناک بنانے کی خاطر جمشید پور کی سرزمین پر ٹاٹا کمپنی سے زمین حاصل کر کے اس عظیم الشان دار العلوم کی داغ بیل ڈالی جس کا علمی فیضان آج بھی عام وتام ہے۔

ادارہ شرعیہ پٹنہ بہار۔ ۱۹۶۸ء میں صوبائی کانفرنس کے بعد آپ نے پٹنہ میں بہار کے مسلمانوں کے مسائل کے حل اور ہر محاذ پر ان کی صحیح رہنمائی اور ترویج سنیت کی خاطر اس عظیم ادارے کی بنیاد ڈالی جو آپ کی زندگی کا اہم کارنامہ ہے، مولانا شہاب الدین رضوی لکھتے ہیں۔

’’بہار میں صوبائی کانفرنس کے انعقاد اور اجلاس کے بطن سے پیدا شدہ ادارہ شرعیہ بہار علامہ ارشد القادری کی زندگی کا اہم کارنامہ ہے ایک مست وسرشار بادۂ حب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے بہار کے سنی مسلمانوں کو ہوشیار وفرزانہ بنادیا اب ادارہ شرعیہ بہار کی عمارت ایوان شریعت تیار کرانے کے لئے راحت وآرام کو تج کر دن رات سفر میں

ہیں۔(مفتی اعظم اوران خلفاء جلد اصفحہ ۱۸)

اس کی تعمیر وترقی سے علامہ کو کتنا شغف اور قلبی لگاؤ تھا خود انہیں کی زبان سے ملاحظہ فرمائیں۔

''ادارۂ شرعیہ بہار جو بہار کی ریاست میں اہلسنت کی مذہبی فقہی اور فلاحی تنظیم ہے اس کا مرکزی دفتر بہار کی راجدھانی پٹنہ ہے اس کی اپنی تین منزلہ عمارت ہے جس میں دارالقضاء، دارالافتاء، دارالاشاعت اور مدرسہ شرعیہ کے الگ الگ شعبہ جات ہیں اس کے بانی اور سربراہ ہونے کی حیثیت سے ہر دو تین مہینے پر انتظامی امور کا جائزہ لینے کے لئے وہاں جاتا رہتا ہوں''(مقدمہ معارف اسم محمد صفحہ ۲۳)

جامعہ حضرت نظام الدین دہلی۔دہلی کو ہندوستان کی راجدھانی ہونے کی حیثیت سے جو مرکزیت حاصل ہے وہ کسی پر مخفی نہیں ہے تقریباً پوری دنیا کا اس شہر سے رابطہ وتعلق ہے، مفکر اسلام علامہ ارشد القادری نے ادارۂ شرعیہ بہار کی تاسیس وقیام کے بعد اسلام وسنیت کی عالمی پیمانے پر تبلیغ کے لئے جس شہر کا انتخاب فرمایا وہ دہلی ہی ہے اس کا انتخاب ہی آپ کی وسعت فکر اور اصابت رائے کا ضامن ہے سب سے پہلے تو آپ نے مکتبہ جام نور کی شکل میں دہلی میں سنیت کی تبلیغ واشاعت کا کام انجام دیا لیکن ایک مثالی ادارہ کے قیام کے سلسلے میں آپ شبانہ روز متفکر وکوشاں رہتے اور اس سلسلے میں آپ نے جس جہد مسلسل، سعی پیہم اور محنت ومشقت سے کام لیا وہ آپ ہی کا حصہ ہے چنانچہ خود ہی لکھتے ہیں۔

''جامعہ نظام الدین اولیاء کے نام سے دہلی میں اہل سنت کے ایک دینی مرکز کے قیام کے لئے دس سال سے زمین کے حصول کے لئے میں کوشاں تھا کافی جد جہد کے بعد مجھے جامعہ ملیہ کے قریب ذاکر نگر میں ایک زمین حاصل ہوگئی ہے او اس کی تعمیر وسائل کی تلاش میں کوشاں ہوں''(مقدمہ معارف اسم محمد صفحہ ۱۷)

سن تاسیس۔ بالآخر لگاتار دس سال کی کوشش ومحنت کے بعد ۶ر جون ۱۹۹۲ء کو اس عظیم الشان ادارے کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور آج ہندوستان میں اپنی نوعیت کا منفرد ادارہ بن گیا ہے جہاں مدارس اسلامیہ سے فارغ علماء وفضلاء کو ترقی یافتہ زبان عربی وانگریزی سے آراستہ کر کے دنیا کے گوشے گوشے میں مذہب اسلام کی ترویج واشاعت کے لئے بھیجا جاتا ہے اور الحمد للہ اس ادارے کا رابطہ عالم اسلام کی قدیم ممتاز دینی دانش گاہ جامعہ ازہر مصر سے بھی ہے یہاں کے فارغ التحصیل جامعہ ازہر مصر میں جاکر اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے عالمی پیمانے پر اسلام کی تبلیغ کرتے ہیں۔

یقیناً مفکر اسلام علامہ ارشد القادری کا یہ مبارک قدم ہمیشہ تاریخ کے صفحات میں جگمگاتا رہے گا اور آئندہ تاریخ آپ پر فخر کرے گی، جامعہ نظام الدین کے سنگ بیاد کے بعد آپ کے اس قدم کو سراہتے ہوئے حکیم محمد احمد سہارنپوری لکھتے ہیں۔

''علمی فکری اور تنظیمی صلاحیتوں کے اعتبار سے رئیس التحریر علامہ ارشد القادری صدر کل ہند مسلم پرسنل لا کانفرنس کی بے مثال شخصیت پوری جماعت کے لئے سرمایہ افتخار ہے ہندوستان بیرون ہند میں آپ کا دینی وملی خدمات کے ایسے بے شمار نقوش قائم ہو چکے ہیں جن پر ہماری تاریخ آئندہ فخر کرتی رہے گی''(ماہنامہ حجاز جدید) دہلی ستمبر ۱۹۹۲ء صفحہ ۱۰)

دارالعلوم مخدومیہ گوہاٹی آسام۔آپ نے گوہاٹی آسام میں سیجو باڑی نام کی ایک پہاڑی پر دارالعلوم مخدومیہ کے نام سے ایک دینی تعلیمی اور صنعتی تربیتی مرکز کی بنیاد رکھی اس طرح بے شمار چھوٹے بڑے دینی مدارس، تعلیمی مراکز اور انجمنیں آپ کی فعاّل اور متحرک ذہنیت کا زندہ جاوید ثبوت ہیں(معارف اسم محمد صفحہ ۹)

ملیّ وسماجی خدمات۔علامہ ارشد القادری کے دل میں سماج کا کتنا

دکھ درد پنہا اور آپ کا سینہ ملی جذبہ واخوت سے کتنا سرشار ولبریز ہے اس کا صحیح انداز ۱۹۸۹ء میں بھاگل پور اور سہسرام کے فساد سے متاثرہ لوگوں کی امداد واعانت سے لگایا جاسکتا ہے لیکن اس ضمن میں ہم علامہ کی بے مثال خدمات کو تحریر کرنے سے قبل ماہنامہ ''حجاز جدید'' کا وہ اقتباس پیش کردیں جس سے فساد کی نوعیت اور مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کی ظلم وزیادتی کی صحیح اور حقیقی تصویر سامنے آجائے۔

بھاگل پور کا فساد۔ بھاگلپور کی عوام اور ادارہ شرعیہ کے سروے آفیسر جناب وردی خاں صاحب کے بیان کے مطابق ۲۳۵ گاؤں جلا کر خاکستر کردئے گئے اور ۲۷ ہزار مسلمان بے گھر تقریباً ۴۴سو شہید کردئے گئے اب تک گیارہ سو شہداء کی ایف آئی آر درج کرائی جاچکی ہے۔

یا حسرتاہ! ظالموں نے ۲۲ردن چھ مہنہ تک ایک سال دوسال کے بچوں میں ترشول گھونپ کر فضا میں بلند کیا اور بچوں کی ٹانگیں پھاڑیں خواتین کے پستان کاٹ کر پھینک دئے مسلمانوں کے قتل عام کرکے تالاب وکنوئیں بھر دیئے جس کی دلیل یہ ہے کہ ہر گاؤں کے کنوں سے مسلسل لاشیں نکالی جارہی ہیں۔(حجاز جدید فروری ۱۹۹۰ء صفحہ۶۳)

پندرہ لاکھ کی امداد۔ ایسی ناگفتہ بہ حالت میں مسلمانوں کی باز آبادکاری میں علامہ کا جو اہم رول رہا ہے یقیناً وہ تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے رائیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی لکھتے ہیں۔

''مسلم پرسنل لا کانفرس کے صدر حضرت علامہ ارشد القادری سربراہ ادارہ شرعیہ تقریباً ڈھائی ماہ سے بھاگلپور اور سہسرام کے مظلوم مسلمانوں کی باز آبادکاری کی مہم میں شب روز مصروف ہیں ادارہ شرعیہ بہار کی نگرانی میں پندرہ لاکھ مستحقین کے درمیان تقسیم کیئے جاچکے ہیں'' (حجاز جدید فروری اداریہ)

ایک رپورٹ کے مطابق پیسے کے علاوہ صرف چار ٹرک سامان تقسیم کیئے، اس سنگین گھڑی میں نہ یہ کہ علامہ نے صرف مدد کرنے کا حکم دے دیا اور رقم دوسروں کے حوالے کرکے خود بیٹھ گئے بلکہ متاثرہ جگہوں کا وفد کی شکل میں دورہ کیا اور خود ہی مظلوموں کے ہاتھ میں امدادی رقم دی اور اس کے علاوہ بھی آپ نے جگہ جگہ ریلیف سینٹر قائم کردیئے حتیٰ کہ دس دس کلومیٹر پیدل چل کر کے مظلوموں تک پہونچے، وفد کے دورے کا حال اس پیراگراف سے معلوم کریں۔

''انجمن تحفظ اہل سنت کے وفد نے ہرتباہ وبرباد مسلمان کے ہاتھ میں رقم دی اور دستخط یا انگوٹھا لیا، وفد نے ایسے ایسے علاقہ کا دورہ کیا جہاں دہشت وخوف کی بنیاد پر کوئی بھی نہیں پہونچا سڑک اور روڈ کے کنارے گاؤں تو بہت سے حضرات گئے اور گاؤں کے ایک شخص کو رقم دے کر واپس ہوگئے، لیکن صحیح طریقے سے مظلوموں تک امداد نہ پہنچ سکی جس وقت ہم لوگ ''گوپال پور کیتھا'' سے تقریباً دس کلومیٹر پیدل چل کر پہونچے تو وہاں کے ستم رسیدہ مسلمان وفد کو دیکھ کر رو پڑے کہ آج ہم لوگوں کو اس بات کا احساس ہوا کہ ملک کے مسلم بھائی ہمارے ہمدرد موجود ہیں۔(حجاز جدید فروری ۱۹۹۰ء)

ایک حوصلہ افزا خطاب۔ علامہ ارشد القادری نے ان ستم رسیدہ اور بے گھر مسلمانوں کی ڈھارس بندھانے کے لئے اور حالات کے پیش نظر ۲۰ دسمبر ۱۹۸۹ء کو وزیر اعلیٰ بہار کا فساد زدہ علاقوں کا دورہ کرایا اور رات کو بعد نماز عشاء ''سہسرام'' کے مسلمانوں کے ایک جلسہ عام کو خطاب کیا جس میں انہوں نے مسلمانوں کو تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں کے ماحول میں جو کشیدگی اور بے اعتمادی ہے اسے دور کرنے کے لئے باہر سے لوگ نہیں آئیں گے آپ ہی حضرات کو زائل شدہ اعتماد کی بحالی کے لئے سر جوڑ کر بیٹھنا ہے اور دلوں کو جوڑنے کا کام کرنا ہے آپ اپنے پڑوسیوں کی طرف خود پیش قدمی

کریں اور دلوں کو فتح کرنے کا جو طریقہ اسلام نے بتایا ہے اسے اپنے حسن اخلاق کے ذریعہ عمل میں لائیں۔

چنانچہ آپ کی اس تقریر سے یہاں کے لوگوں میں ایک نئی زندگی پیدا ہوگئی اور مایوسیوں کے بادل چھٹ گئے۔ (حجاز جدید فروری ۱۹۹۰صفحہ ۶۲)

تبلیغی خدمات۔ اللہ پاک نے آپ کو جہاں بہت ساری خوبیوں سے سرفراز فرمایا ہے وہیں آپ میدان تبلیغ وارشاد میں بھی یکتائے روزگار نظر آتے ہیں آپ کی تبلیغ سے نہ جانے کتنے بھٹکے ہوئے لوگ راہ حق پاگئے اور ان کے قلوب واذہان انوار اسلام سے معمور ہو اٹھے، آپ کی تبلیغی خدمات کا دائرہ صرف ملکی سطح تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ عالمی پیانے پر آپ نے تبلیغی خدمات انجام دی ہیں۔ آپ کی ملکی تبلیغ کا اندازہ اس اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے جو اپنی مایہ ناز کتاب ''زیر زبر'' کے منظر عام پر تاخیر سے آنے کے سلسلے میں لکھا ہے۔

''اعلان کے مطابق اس کتاب کو کئی سال پیشتر منظر عام پر آنا چاہئے تھا لیکن غیر معمولی تاخیر کی وجہ کچھ تو میری کاہلی اور کچھ گونا گوں قسم کی مصروفیات اور سب سے بڑی وجہ ملک کے طول وعرض میں وہ مسلسل اسفار ہیں جو تبلیغی تنظیمی اور جماعتی مسائل کے سلسلے میں مجھے پیش آتے رہے''۔ (زیر زبر از علامہ ارشد القادری)

ورلڈ اسلامک مشن۔ ۱۹۷۲ء میں حج کے مبارک موقع پر مکہ معظمہ میں دنیا کے مختلف ممالک کے مشاہیر علمائے اہل سنت وجماعت اور ممتاز مذہبی پیشواؤں اور عاشقان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروانوں کے ایک مجلس شوریٰ منعقد ہوئی جس میں کئی دنوں تک کافی بحث وتمحیص اور غور وفکر کے بعد عالمی سطح پر اہل سنت کی ایک عالمگیر مذہبی تنظیم بنام ''ورلڈ اسلامک مشن'' (عالمی دعوت اسلامی) کا قیام عمل میں آیا تا کہ اس تنظیم کے ذریعہ جہاں ایک طرف مسلمانوں کو قرآن وسنت کے مطابق ایمان وعقیدے کی اصلاح اور دینی ودنیاوی زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی جائے وہاں دوسری طرف اسلام کے خلاف عالمی پیانے پر لادینی قوتوں کی یلغار کو روکنے کی کوشش کی جائے، چنانچہ باتفاق رائے انتظامی اور تبلیغی سہولتوں کے پیش نظر ۱۲ر دسمبر ۱۹۷۳ء کو اہل سنت وجماعت کی اس بین الاقوامی تنظیم کا عالمی مرکز برطانیہ کے شہر ''بریڈ فورڈ'' میں قائم کر دیا گیا (ماہنامہ حجاز جدید اگست ۱۹۸۹ء صفحہ ۷۲)

جماعت اہل سنت کی اس عالمی تنظیم کا قیام علامہ کے دوسرے حج کے مبارک موقع پر ہوا اس جہت سے آپ کا یہ سفر تبلیغی سفر رہا اور آپ کو اس تنظیم کا نائب صدر منتخب کیا گیا یوں تو ورلڈ اسلامک مشن کی بہت خدمات ہیں جن کو بیان کرنا ہمارا موضوع سخن نہیں البتہ اس مشن کے تعلق سے علامہ کی جو تبلیغی خدمات ہیں انہیں ہم ضرور بیان کریں گے۔

بیرونی ممالک میں تبلیغ۔ صاحبزادہ محمد امین علوی اپنے مضمون ''ورلڈ اسلامک مشن ایک مختصر تعارف'' میں ورلڈ اسلامک مشن کی تبلیغی وتنظیمی سرگرمیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اسوقت مشن کے اہتمام سے اور ممالک کے علاوہ ہالینڈ میں ''جامعہ مدینۃ الاسلام'' اور لندن میں ایک عظیم الشان بین الاقوامی مسلم کالج سرگرم عمل ہے جہاں سے دنیا کی مختلف زبانوں میں سند یافتہ بہترین مبلغ تیار ہو کر دنیا کے مختلف ممالک کے غیر مسلموں میں سائنٹفک انداز سے تبلیغ اسلام کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ تنظیم کے رہنما خصوصاً مرکزی صدر مبلغ اعظم ایشاء ویورپ علامہ شاہ احمد نورانی اور رئیس التحریر علامہ ارشد القادری کی تبلیغی مساعی سے ہزاروں غیر مسلم برطانیہ اٹلی، امریکہ، اور افریقی ممالک میں حلقہ بگوش اسلام ہوگئے ہیں اور ہو رہے ہیں۔ (حجاز جدید اگست ۱۹۸۹ء)

ایمسٹرڈم میں شاندار خطاب۔ ایمسٹرڈم کی جامع مسجد طیبہ جو ایک کروڑ دس لاکھ کی لاگت سے تعمیر ہوئی ہے اس میں ۱۱؍جولائی ۱۹۸۸ء کو ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں علامہ اختر رضا خاں ازہری، علامہ ارشد القادری اور مفتی عبدالواجد صاحب کی تقریریں ہوئیں۔ کئی ہزار کے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے علامہ ارشد القادری نے ہالینڈ میں اسلام کے مستقبل پر ایسی چونکا دینے والی تقریر کی کہ لوگوں کی آنکھیں کھل گئی۔ (حجاز جدید ستمبر ۱۹۸۸ء)

اسلامک مشن کا پہلا وفد اور عربی میں تقریر۔

تبلیغی دوروں کا ہونا ورلڈ اسلامک مشن کے منشور میں شامل ہے چنانچہ مشن کے پہلے وفد نے جو علامہ شاہ احمد نورانی، علامہ عبدالستار خاں نیازی پروفیسر شاہ فرید الحق اور علامہ ارشد القادری پر مشتمل تھا، جن ملکوں اور شہروں کا دورہ کیا وہ یہ ہیں، نیروبی، کینیا، ماریشش، برطانیہ، اسکاٹ لینڈ، ہالینڈ، فرانس، جرمنی، ڈنمارک، اٹلی، امریکہ جزیزہ کرساؤ، سرینام، نیویارک وغیرہ۔

ورلڈ اسلامک مشن کے جنرل سکریٹری علامہ قمر الزماں لکھتے ہیں۔

''۲۸؍مارچ ۱۹۷۴ء کو جزیزہ کرساؤ جو بحر اوقیانوس کے بیچ واقع ہے وہاں کریبین اور جنوبی امریکہ کی دسویں اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں لیبیا، عراق، مصر، فلسطین، لبنان، سعودی عرب، ہندوستان، پاکستان، یوکے، ہالینڈ، ریاستہائے امریکہ کے وفود کے علاوہ رابطہ عالم اسلامی، ورلڈ اسلامک مشن، ورلڈ مسلم لیگ اور جنوبی امریکی مسلم تنظیموں کے نمائندوں نے شرکت کی۔''

کانفرنس میں شریک ہونے والے مندوبین نے انگریزی عربی اور ڈچ زبانوں میں اپنے خیالات کا اظہار کیا علامہ شاہ احمد نورانی، علامہ نیازی، پروفیسر فرید الحق صاحب کی انگریزی تقاریر کو کانفرنس کا حاصل قرار دیا گیا اس کانفرنس سے علامہ ارشد القادری نے عربی میں خطاب کیا۔

دورۂ ایران ۱۹۸۲ء میں حکومت ایران کے دعوت نامہ پر آپ نے یہ دورہ ایک وفد کی شکل میں کیا جس کی صدارت آپ نے کی تھی اس وفد میں علامہ قمر الزماں اعظمی جنرل سکریٹری ورلڈ اسلامک مشن مولانا شاہد رضا نعیمی صدر برطانیہ یونٹ اور مولانا قاری محمد اسمٰعیل صاحب شریک تھے حکومت ایران کی جانب سے یہ دعوت نامہ تہران میں ہونے والی عالمی کانفرنس میں شرکت کے لئے تھا جو ۲۸؍دسمبر ۱۹۸۲ء سے شروع ہوئی تھی۔

سیاسی خدمات۔ علامہ ارشد القادری جہاں ایک مبلغ اعظم اور مایہ ناز مفکر کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں وہیں آپ کو ہندوستان گیر پیمانے پر سیاسی رہنما بھی تسلیم کیا جاتا ہے آپ کے سینے میں دھڑکتا ہوا دل ہے اور دل میں قوم ملت کا درد ہے اس لئے جب کبھی بھی مسلمانوں کے مذہبی وقار کو مجروح کیا گیا اور مسلمانوں کے خاص مذہبی قوانین میں مداخلت کی ناپاک کوشش کی گئی تو آپ نے حکومت وقت کو اس کا منہ توڑ جواب دیا اور جیسے بھی بن پڑا مسلمانوں کی سچی اور صحیح رہنمائی ونمائندگی کی، چاہے وہ ''شاہ بانو'' کا مسئلہ ہو یا تحفظ بابری مسجد کا یا مسلمانوں پر ظلم وجبر کا یا 'مسلم پرسنل لا'' میں کسی بھی طرح کی مداخلت کا ہر ایک معاملے میں پیش پیش رہے اور میدان عمل میں اتر کر گرانقدر خدمات انجام دی ذیل میں ہم آپ کی سیاسی خدمات کی چند جھلکیاں پیش کرتے ہیں۔

مولانا یٰسین اختر مصباحی حجاز جدید نومبر ۱۹۹۲ء کے اداریے میں لکھتے ہیں۔

''وزیر اعظم کی خصوصی دعوت پر علامہ ارشد القادری اور یٰسین اختر مصباحی کی ان سے اگست ۱۹۹۲ء اور ستمبر ۱۹۹۲ء میں تین ملاقاتیں ہو چکی ہیں، ۱۰؍اگست سے ۲۰؍اگست اور ۷؍ستمبر کے ہونے والی یہ

ملاقاتیں اس اعتبار سے بے حد اہم ہیں کہ پوری صراحت وضاحت کے ساتھ ہم نے وزیر اعظم کو مسلمانان ہند کا یہ موقف بتلا دیا ہے کہ اس مسئلہ کا واحد حل یہ کہ ۲۲؍دسمبر ۱۹۴۹ء سے پہلے پوزیشن میں لاکر بابری مسجد مسلمانوں کے مکمل اختیار و تصرف میں دی جائے۔

تین سو تیرہ علماء ومجاہدین کی گرفتاری۔ چند سطور کے بعد لکھتے ہیں۔

''۲۰؍فروری ۱۹۸۶ء میں لکھنؤ کے اندر مسلم پرسنل اور بابری مسجد کے تحفظ کے لئے تین سو تیرہ علماء اور مجاہدین نے مسلم پرسنل کانفرنس کے پلیٹ فارم سے گرفتاری دی، مسلم پرسنل لا کانفرس کے وفد کی سابق وزیر اعظم راجیو گاندھی، سابق وزیر قانون مسٹر اشوک سین اور مسٹر نرائن دت تیواری وغیرہ سے ملاقاتیں بھی ہوئیں علامہ ارشد القادری (صدر کل ہند مسلم پرسنل لا کانفرنس) مولانا عبید اللہ خاں اعظمی اور لیٔسین اختر مصباحی نے اپنی ملاقاتوں میں ان حضرات کو مسلمانان ہند کے موقف سے بار بار آگاہ کیا تھا۔'' (حجاز جدید نومبر ۹۲ صفحہ ۴)

کل ہند مسلم پرسنل لا کانفرنس۔ مقدمہ شاہ بانو میں سپریم کورٹ کے فیصلہ کے بعد ہندوستان کا طول عرض میں تحفظ مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں جو عظیم الشان عوامی تحریک اٹھی تھی اسے مربوط اور منظم کرنے کے لئے قائد اہلسنت علامہ ارشد القادری نے اکتوبر ۱۹۸۵ء سرزمین سیوان پر ایک عظیم الشان تاریخی کانفرنس بلائی جو آپ کی زندگی کا ایک سنہرا باب ہے۔ (حجاز جدید جولائی ۱۹۸۹ء صفحہ ۲۴)

بمبئی کے کنونشن میں زبردست تقریر۔ ۱۹۷۲ء میں مسلم پرسنل لا میں مداخلت کے خلاف سرزمین بمبئی پر ایک کنونشن بلایا گیا جس میں ہر مکتب فکر کے علماء نے امید سے کہیں زیادہ شرکت کی اور یہ کنونشن اتنا موثر ہوا کہ وزیر اعظم کو یہ بیان دینے پر مجبور ہونا پڑا کہ حکومت مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی ہے اس کنونشن میں علماء اہلسنت کی طرف سے برہان ملت مفتی اعظم جبلپور، رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا نصرت اللہ عباسی مہاراشٹر اور علامہ ارشد القادری جمشید پور نے شرکت کی علامہ ارشد القادری نے تقریر کرتے ہوئے واضح الفاظ میں کہا کہ۔

اسٹیج پر جو چہرے نظر آرہے ہیں ان حضرات کے ساتھ ہمارے سنگین اختلافات رہے ہیں اور آج بھی ہیں لیکن اس کے باوجود ہم صرف اس جذبہ میں یہاں دوش بدوش بیٹھے ہوئے ہیں تاکہ حکومت ہند کو یہ باور کرادیں کہ مسلم پرسنل لا کے تحفظ کے لئے جہاں دیوبند اور لکھنؤ سینہ سپر ہے وہیں بریلی نے بھی سر سے کفن باندھ لیا ہے۔ (ماہنامہ قاری، دہلی، جنوری ۱۹۸۶ء صفحہ ۳۵)

واضح رہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کا قیام اسی کنونش میں عمل آیا تھا جس کے نائب صدر برہان ملت مفتی اعظم جبلپور، علامہ عبد الباقی علیہ الرحمہ تھے اور دوسرے علمائے اہل سنت کو بھی اس بورڈ میں نمائندگی ملی تھی لیکن بورڈ کے اراکین کی مکاری سے اور برہان ملت کے پردہ فرمانے کے بعد آج اس بورڈ پر ایک مخصوص طبقہ یعنی دیوبندیوں اور ندویوں کی اجارہ داری ہے۔

ادبی خدمات۔ حضرت علامہ ارشد القادری قلم کے بادشاہ اور صاحب طرز ادیب وانشاء پرداز ہیں آپ کا طرز تحریر نہایت دلکش، نرالا، شستہ اور اچھوتا ہے آپ نے اردو ادب کی عظیم خدمات انجام دی ہے اور دے رہے ہیں آپ کی تصنیف اور ملک کے مشہور مجلات وجرائد میں چھپنے والے مقالات ومضامین اور خود آپ کی ادارت میں نکلنے والے رسالے ''جام نور'' اور ''جام کوثر'' اس بات پر شاہد ہیں۔

لیکن یہ وقت کا عجیب المیہ ہے کہ آپ کی ادبی خدمات کو یکسر نظر انداز کیا جارہا ہے آپ کے طرز تحریر اور ژرف نگاہی کا اندازہ ذیل کے چند

بزرگوں کے تاثرات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

حافظ ملت بانی الجامعۃ الاشرفیہ۔ آپ کے پندرہ روزہ ''جام کوثر'' کے پہلے شمارہ سے متاثر ہوکر کے رقمطراز ہیں۔

''آپ کا جام کوثر جمشید پور میں ملا تھا جام کوثر کے متعلق یہ عقیدہ تھا اور ہے کہ ایک جام پی کر پیاس ہمیشہ ختم ہو جائے گی مگر یہ آپ کا جام کوثر وہ ہے جس نے بے پناہ تشنگی بڑھادی ہے جی چاہتا ہے کہ اس کو پندرہ روز نہیں ہفتہ روز نہیں روز آنہ بار بار پیا جائے یہ جام کوثر اپنی صوری معنوی خوبیوں میں آپ اپنا نظیر ہے پہلا ہی قدم اتنا بلندی پر ہے کہ چاروں طرف سے متوالے ٹوٹ پڑے جو پڑھتا ہے پرچہ دینا نہیں چاہتا...... بفضلہٖ تعالیٰ آپ صاحب لسان ہونے کے ساتھ پیکر اخلاص و ایثار بھی ہیں۔''

(معارف اسم محمد صفحہ ۷)

بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان صاحب قبلہ۔ حضرت مولانا ارشد القادری صاحب کا دلربا اور گلکار قلم ایسے تو برتوں پردوں کے پیچھے بھی دیکھ لیتا ہے اور بڑی ژرف نگاہی کے ساتھ حقائق کو بے نقاب کرنے میں اپنا جواب نہیں رکھتا اور جس کی لطیف نشتریت پر جو یائے حق کے لئے تریاق سے کم نہیں مولانا موصوف انحطاط کے اس دور میں نئی پود کے اندر حق پرست اور شوریدہ سروں کے قافلہ سالار ہیں بلکہ خود قافلہ ہیں (ایضاً صفحہ ۹)

پروفیسر سید محمد طلحہ برق رضوی۔ علامہ کی شیریں زبانی جادو بیانی ایک عطیہ ربانی ہے عقائد مذاہب کا ایسا موضوع ہے جس پر لکھنے والے کا دل جانتا ہے حضرت علامہ موصوف کی شان خداداد ہے....

ہاتھوں سے تیرے دامن افلاک نہ چھوٹے
آئے تہہ یا گوہر شبنم تو نہ ٹوٹے

(معارف اسم محمد ص ۱۰)

مدیر تجلی عامر عثمانی۔ علامہ ارشد القادری کی ژرف نگاہی، دقت نظر، وسعت فکر، علوم عقلیہ نقلیہ سے آگاہی، حقیقت بیانی، طرز تحریر اور نرالے اسلوب کا اعتراف صرف اپنوں نے ہی نہیں کیا بلکہ غیر بھی کہنے پر مجبور ہیں آپ کی تصنیف ''زلزلہ'' پر تبصرہ کرتے ہوئے دیوبندی جماعت سے تعلق رکھنے والے عامر عثمانی نے زلزلہ کی سچائی، حقیقت بیانی اور علامہ کے طرز تحریر کے اچھوتے پن کا جس طرح برملا اعتراف کیا ہے اس کی تفصیل ماہنامہ ''تجلی'' دیوبند میں دیکھی جاسکتی ہے ہم یہاں صرف ایک اقتباس نقل کررہے ہیں۔

''ہمیں یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس ہوئی ہے کہ ان کا انداز تحریر عام بریلوی ارباب قلم کی معروف خامیوں سے خاصی حد تک پاک ہے اور ان کے علم کلام میں مقبولیت کا عنصر بڑی مقدار میں پایا جاتا ہے''۔

(تجلی ڈاک نمبر دیوبند مئی ۱۹۷۳ء)

اسی طرح آپ کی کتاب ''جماعت اسلامی'' کے متانت اور سلجھے ہوئے طرز اسلوب کی امیر جماعت اسلامی ہند مولوی ابواللیث نے بھی تعریف کی ہے اور اس کا وزن محسوس کیا۔

نمونہ تحریر۔ رئیس التحریر ''زلزلہ'' کے جواب میں لکھی جانے والی کتابوں کے جواب ''زیر زبر'' کے ابتدائیہ میں رقمطراز ہیں۔

عنایت خداوندی کی وہ کتنی ارجمند گھڑی تھی جب زلزلہ نام کی ایک کتاب لکھنے کا خیال دل میں پیدا ہوا کون جانتا ہے کہ روشنائی کے چند قطرے سیل رواں بن کر اہل باطل کے مزعومات کو خس وخاشاک کی طرح بہالے جائیں گے اور نوک قلم کا ڈالا ہوا شگاف ہمیشہ کے لئے دشمن کے سینے کا ناسور بن جائے اور پھر کسے معلوم تھا کہ ایک مختصر سی کتاب دیکھتے دیکھتے بحر و بر کی وسعتوں میں پھیل جائے اور ایک چراغ کی لو سے ایمان وعقیدت کے شبستانوں میں لاکھوں چراغ جل اٹھیں گے۔'' (زیر زبر صفحہ ۱۱)

تصنیفی خدمات:۔ حضرت علامہ کوتصنیف وتالیف سے وافر حصہ ملا ہے آپ کوقلم کا بادشاہ کہا جاتا ہے یوں تو آپ کے تحقیقی، علمی، دینی فکری، اصلاحی، سماجی، ادبی، اور سیاسی مضامین سے ہندوستان کے اکثر مشہور مجلات وجرائد بھرے پڑے ہیں اور بیشمار کتابوں پر آپ کے گرانقدر مقدمات کتابوں کو زینت بخشنے کے ساتھ ساتھ آپ کے تبحر علمی اور ایک عظیم مصنف ومؤلف اور ادیب ہونے کے بیّن ثبوت ہیں ان سب کے باوجود آپ کی تصانیف آپ کی علمی شخصیت کو اجاگر کرنے کے لئے کافی وافی ہیں آپ کی تصنیفاتی ایک لمبی فہرست ہے راقم السطور اپنی دانست کے مطابق ذیل میں ان کتابوں کی فہرست پیش کر رہا ہے۔

(۱)زلزلہ (۲)زیروزبر (۳)تبلیغی جماعت (۴)لالہ زار (۵)جماعت اسلامی (۶)تعزیرات قلم (۷)تفسیرام القرآن (۸) لسان الفردوس 'عربی' (۹)محفل حرم (۱۰)علمائے دیوبند اور مسئلہ ختم نبوت (۱۱)نقش کربلا (۱۲)دو یتیموں کا خون (۱۳)پہلی ملاقات (۱۴)دل کی آشنائی (۱۵)دل کی مراد (۱۶)نقش خاتم (۱۷)دہلی سے سہارنپور تک (۱۸)آیئے حج کریں (۱۹)دربار کا ہیرا (۲۰)محمد رسول اللہ قرآن میں (۲۱)سرکار کا جسم بے سایہ (۲۲)فن تفسیر میں امام احمد رضا کا مقام (۲۳)تبلیغی جماعت احادیث کی روشنی میں (۲۴)دعوت انصاف (۲۵)جلوۂ حق (۲۶)عشق وعرفان کی کہانیاں (۲۷) تلخیص انوار محمد (۲۸)منہاج القرآن (چارحصے) (۲۹)رسالت محمد کا عقلی ثبوت (۳۰)علم غیب

● ● ● ● ● ● ● ● ● ● ● ● ● ● ● ●

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری

منقبت درشان غوث اعظم

ہاتھ پکڑا ہے تو تا حشر نبھانا یاغوث — اب کسی حال میں دامن نہ چھڑانا یاغوث

اپنے ہی کوچے میں سرشار تمنا رکھا — اپنے محتاج کو در در نہ پھرانا یا غوث

تیرے جلووں سے ہیں کتنے ہی شبستاں روشن — میرے دل میں بھی کوئی شمع جلانا یاغوث

نسبت حلقۂ بگوشی کا بھرم رکھ لینا — بہر امداد مری قبر میں آنا یا غوث

آبگینہ میری امید کا ٹوٹے نہ حضور — یاس کی درد سے مرے دل کو بچانا یاغوث

دل سے اترے نہ کبھی تیرے تصور کا خمار — ایسا ایک جام حضوری کا پلانا یا غوث

کبھی آنکھوں میں کبھی خانۂ دل میں رہنا — روح بن کر مری رگ رگ میں سمانا یاغوث

دوست خوش ہوں میرے دشمن کو پشیمانی ہو — کام بگڑے ہوئے اس طرح بنانا یاغوث

کسی منجھدار سے ارشؔد کی صدا آتی ہے
میری کشتی کو تمہیں پار لگانا یا غوث

علامہ ارشد القادری اور جامعۃ القراء لکھنؤ

مولانا قاری محمد یوسف عزیزی
بانی ومہتمم جامعۃ القراء لکھنؤ

مناظر اعظم، بانی مدارس کثیرہ، مصنف کتب وافرہ، محقق دوراں، شیر یزداں، رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری صاحب مدظلہ العالی کو علمی، فقہی، فکری، ادبی مقام ارباب علم ودانش کی نظر میں جو حاصل تھا عصر حاضر میں کسی اور کو یہ مقام حاصل نہیں۔ دنیا آپ کو جبل علم ومناظر اعظم کہتی ہے آپ نے اردو ادب کو حیات نو بخشی ہے مسجع مقفّٰی عبارات سے اردو زبان کو زینت بخشی آپ اپنے لطائف وظرائف اور بذلہ سنجیوں سے پوری مجلس کو زعفران زار بنادیتے تھے، آپ کو علوم اسلامیہ، حدیث، فقہ، تحریر، تدریس لغت، ادب اور علم کلام، عقائد غرضیکہ بہت سے علوم وفنون میں اعلیٰ مقام حاصل ہے آپ اپنے دور کے ممتاز منفرد شخص تھے علم وآگہی اور ذہانت وقابلیت کا جیتا جاگتا نمونہ تھے آپ کے علمی استحضار وحاضر جوابی کا کوئی جواب نہیں ہے آپ اعلیٰ درجے کے مصنف، محرر اور مناظر بھی تھے۔

شعر وادب سے آپ کا گہرا تعلق تھا غرضیکہ آپ کی شخصیت علمی، اصلاحی، دینی خدمات کے بہت سے گوشوں سے مرصع ہے آپ نے کثیر اداروں کو قائم فرما کر اور ردّ وہابیہ وعلوم دینیہ کے مختلف گوشوں پر کتابیں تصنیف فرما کر رشد وہدایت، حق وصداقت کا چراغ نہ صرف ہندوستان ہی میں بلکہ بیرون ممالک میں بھی روشن وفروزاں فرمایا آج آپکی دعوت واصلاح کا فیضان ملک وبیرون ملک میں جاری وساری ہے۔

آپ جس فن پہ بھی گفتگو فرماتے تھے تو ایسی جامعیت ودواقف کارانہ انداز سے کہ مخاطب سن کر حیرت زدہ ومبہوت ہوجاتے، پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل اور لاینحل مسائل منٹوں میں حل فرمادیتے اور مخاطب اس سے اطمینان کی حلاوت محسوس ہی نہیں کرتا بلکہ اس کا ذہن روشن بھی ہوجاتا۔

آپ کے تبحر علمی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ وقت کے تمام ارباب علم ودانش کسی بھی فن کے مسائل کی تحقیق کے لئے آپ ہی سے رجوع کرتے تھے اور آپ کی تحقیق کو علماء حرف آخر سمجھتے ہیں آپ کا کلام سلف صالحین کے اقوال کے مطابق ہوتا ہے آبدار موتیوں کی طرح صاف اور ستھرے الفاظ ہوتے ہیں آپ کی باتوں میں اثر اس درجہ کہ ''از دل خیزد بر دل ریزد'' کا مصداق ہے محسوس ہوتا ہے کہ کوئی چیز قلب میں انڈیلی جارہی ہے اور دنیا کی محبت قلب سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی محبت اور رسول باوقار صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت بھری جارہی ہے۔

آپ ایسے مناظر ہیں اور اشداء علی الکفار کے عملی نمونہ تھے کہ ہمہ وقت فرقۂ باطلہ کے لئے شمشیر برہنہ رہتے تھے آپ کے نام سے دیوبندیت اور وہابیت پر لرزہ اور کپکپی کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔

آپ کی سرپرستی میں بہت سارے ادارے چل رہے ہیں اور متعدد اداروں کے بانی بھی ہیں جامعہ فیض العلوم جمشید پور جسے قائم

ہوئے پچاس سال پورے ہوگئے، جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی جیسے کئی ادارے آپ کے مقدس ہاتھوں کے شاہکار اور آپ کی یادگار ہیں۔ علوم ومعارف کے سرچشمے، اسلاف کی روحانی و ربّانی زندگیوں کے نمونے ہیں۔

حضرت رئیس القلم علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ نے دین و سنیت کا ایسا کام کیا ہے کہ رہتی دنیا تک قوم کیلئے مشعل ہدایت اور نمونہ حق ثابت رہے گا آپ کی اس خدمات کو دنیا کبھی فراموش نہیں کرسکتی ہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۹۸۰ء میں جب دارالعلوم وارثیہ مچھلی محل میں قرأت حفص، قرأت سبعہ کی تعلیم دے رہا تھا تو حضرت کی تشریف آوری دارالعلوم وارثیہ لکھنؤ میں ہوئی آپ کی بارگاہِ عالی مقام میں جب میں پہونچا تو حضرت نے حکم فرمایا کہ چند آیتیں پڑھ کر سنایئے میں نے قرأت سبعہ میں چند آیتیں پڑھ کر سنائی حضرت کافی متأثر ہوئے حضرت نے اپنی زبانِ فیض ترجمان سے فرمایا لکھنؤ شہر میں جبکہ دیوبندیت، وہابیت، خارجیت کثرت سے پھیل رہی ہے اس کے باوجود اس پُرفتن دور اور گمراہ کن حالات میں قراء وعلماء اہلسنت تجوید وقرأت کا کام نمایاں طور پر انجام دے رہے ہیں حضرت نے دعائیں دی اور فرمایا کہ آپ تجوید وقرأت کی بھرپور ترویج واشاعت کرتے رہیئے تاکہ اچھے سے اچھے معیاری قراء نکل کر مسجدوں پہ قابض ہوں اور اس کے ذریعہ سنیت پھیلے اس وقت لکھنؤ میں گنی چنی صرف دو چار مسجدیں سنیوں کے قبضے میں تھیں۔ الحمدللہ آج تقریباً ساٹھ مسجدیں اہل سنت وجماعت کے قبضے میں ہیں جس میں اپنے مسلک کے ائمہ مسند امامت پر فائز ہیں۔

میں نے دارالعلوم وارثیہ لکھنؤ چھوڑنے کے بعد چھ سال تک ساؤتھ افریقہ، کینیا، بوڈسونا اور دوسرے عرب ممالک کا دورہ کیا جب لکھنؤ واپس آیا تو حضرت مناظر اعظم رئیس القلم علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ کی زبان کا اتنا اثر رہا کہ میں نے تجوید وقرأت کے فقدان وانحطاط کو دیکھتے ہوئے ایسے تجوید وقرأت کے ادارے کے قیام کی ضرورت محسوس کی جو اہل سنت وجماعت کی طرف سے بدعقیدوں کی مدافعت کرسکے اسی کے پیش نظر تجوید وقرأت کا ایک ادارہ ۲۲ فروری ۹۵ء کو بنام جامعۃ القراء قائم کیا، الحمدللہ جامعہ کی پرشکوہ عمارت ۴ منزلوں پہ مشتمل ہے ۵۰ سے زائد طلبا، فارغ شدہ علماء، حفاظ قرأت حفص، شعبہ قرأت، سبعہ عشرہ مع درسِ نظامیہ تعلیم حاصل کررہے ہیں اور اس پہ تحقیق وتدقیق کررہے ہیں۔

قطعہ

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ

تیرے قدموں میں شجاعت نے قسم کھائی ہے
یاد آئے گی تیری یاد کی ہر محفل میں
عزم وہمت کے مریضوں سے یہ کہدے کوئی
جان آجائے گی شبیر کو رکھ لو دل میں

مولانا عبدالرحمٰن فیضی
مدرسہ نداءالاسلام پالوجوری، ضلع دیوگھر

علامہ ارشد القادری کی حیات وخدمات کا سرسری جائزہ

حضرت علامہ الحاج ارشد القادری صاحب بانی جامعہ فیض العلوم، جمشید پور اس مرد آہن کا نام ہے جن کا نام سن کر ایوان نجدیت میں زلزلہ پیدا ہو جاتا ہے، علمی جاہ وجلال اور بارعب شخصیت کے مالک ہیں۔ آپ آفاقی نظر کے حامل، پُر عزم حرکت وعمل کی چلتی پھرتی تصویر، جہد مسلسل، سعی پیہم اور اخلاص وفا کے پیکر جمیل علم وحکمت کے بحر بیکراں عمل و کردار کے سیل رواں اور گوناگوں فضائل و کمالات کے جامع ہیں۔

آپ کی ولادت ضلع بلیا اتر پردیش میں ہوئی آپ علمی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت شاہ عبد اللطیف صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ ایک درویش کامل تھے جو صوبۂ جھارکھنڈ کے کندوا بازار ضلع دھنباد میں آرام فرما ہیں۔ جو آج عوام و خواص کے مرجع ہیں۔ آپ کی والدہ بھی اللہ کی ولیہ تھیں علامہ صاحب کے صاحبزادے اور دیگر حضرات کی زبانی معلوم ہوا کہ بعد وصال چھ ماہ کے بعد قبر ان کی کھل گئی مگر مٹی نے ان کے کفن کو میلا بھی نہیں کیا تھا۔

حق ہے اللہ والے بعد وصال بھی اپنی قبر میں زندہ رہتے ہیں، آپکے برادر اکبر پیر طریقت فیض العارفین حضرت علامہ مولانا غلام آسی پیا مدظلہ العالی جو اس دور کے جلیل القدر پیر طریقت اور بزرگ مانے جاتے ہیں۔ غرضیکہ ان کے خاندان کا ہر فرد یکتائے زمانہ ہے۔

حضرت علامہ صاحب کی فراغت ہندوستان کی مشہور درسگاہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڑھ سے ہوئی جو ابھی عربی یونیورسٹی کے نام سے پورے ملک میں جانی جاتی ہے۔ آپ کے خصوصی اساتذہ میں حضور حافظ ملت استاذ العلماء، مولانا شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی، وحضور مجاہد ملت علامہ شاہ محمد حبیب الرحمٰن قادری رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وغیرہ ہیں۔

حضور حافظ ملت استاذ العلماء مولانا شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے ایما پر آپ نے فولادی شہر جمشید پور میں فیض العلوم کے نام سے ایک دینی درسگاہ قائم کیا جو اس وقت ہندو بیرون ہند میں کافی شہرت کا مالک ہے جہاں سے ایک سے ایک خطیب و مایۂ ناز مدرس بنکر نکلے اور پورے ہندوستان میں آسمان کے بادل کی طرح چھا گئے

ہندوستان کے مختلف شہروں و دیگر ممالک میں مثالی ادارہ قائم کیا جب آپ یورپ کے دورے پر تشریف لے گئے تو وہاں بھی ورلڈ اسلامک مشن کے نام سے انگلینڈ میں ایک ادارہ قائم کیا، حضرت علامہ کی ذات جملہ علوم وفنون کا مخزن ومصدر ہے، جب قلم لیکر بیٹھ جاتے ہیں تو قلم کی دنیا میں آپ کو رئیس القلم کا خطاب دیا جاتا ہے جب مناظرے کے میدان میں اترتے ہیں تو مناظر اعظم کے لقب

سے یاد کئے جاتے ہیں، درس وتدریس کے مسند پر فائز ہوتے ہیں تو افہام وتفہیم میں وقت کے غزالی ورازی نظر آتے ہیں، جس زمانے میں میں شرح جامی پڑھ رہا تھا اس زمانے کی بات ہے کہ علامہ صاحب کبھی ہماری جماعت کو بلوالیتے اور پڑھانے شروع کردیتے اعتراضات خود بتلا کر جوابات اس طرح مرحمت فرماتے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اسی فن کے امام ہیں۔ جب میں تفسیر جلالین شریف پڑھ رہا تھا تو اس وقت لگاتار حضرت چھ ماہ تک تفسیر پڑھاتے رہے تفسیر میں دیوبندیوں کے اعتراضات خود بتلا کر اس کے جوابات اس طرح اطمینان بخش دیتے کہ جو طلبہ دارالعلوم دیوبند سے فیض العلوم صرف اس غرض سے آتے تھے کہ دیکھیں علامہ صاحب کس طرح پڑھاتے اور سمجھاتے ہیں، مبہوت ہوکر رہ جاتے۔

مناظرے کے میدان میں جب اترتے ہیں تو دیوبندی مناظر علامہ صاحب کی گرجدار آواز سنکر کانپ جاتے ہیں۔ مثال کے لئے جھریا دھنباد ۱۹۷۸ء کا مناظرہ مشہور ہے۔

علامہ صاحب کے اندر دینی غیرت وحمیت بہت زیادہ ہے کون نہیں جانتا ہے کہ پورے ہندوستان میں جہاں کہیں بھی دینی ومذہبی معاملات میں جب بھی فضا گرم ہوئی اور کوئی بھی بدعقیدہ بکواس کرتا ہے یا چیلنج مناظرہ دیتا ہے یا اہل سنت کے عقائد ومعمولات کے خلاف کوئی ملحد زہرافشانی کرتا ہے تو آپ سنکر مضطرب ہوجاتے اور آپ کو یارائے ضبط نہیں رہتا تاوقتیکہ بھرپور دندان شکن اور مسکت جواب نہ دے لیں آپ کو سکون نہیں ملتا۔ اور ایسی کٹھن وپُر آشوب گھڑی میں سب کی نظر علامہ صاحب پر جا کر ٹک جاتی۔ اور آپ ایسے مشکل وقت میں سب کے مرکز توجہ بنے رہتے ہیں۔

تیرے ہوتے ہوئے اہل سنت پر کھلے کسکی زباں
فتنۂ اشرار کو روکے تو وہ دیوار ہے
رزمگاہ حق و باطل کی فضائیں ہیں گواہ
یوں مروڑا آج تک شل پنجۂ اشرار ہے

علامہ صاب کے اندر جذبۂ شفقت اور بزرگوں کی قدر دانی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اپنے بزرگوں کی بہت زیادہ عزت کرتے ہیں اور چھوٹوں پر شفقت ومحبت کا دریا بہاتے ہیں بلکہ یوں کہہ لیجئے کہ اپنوں کے لئے شبنم اور غیروں کے لئے شعلہ ہیں آپ صحیح معنوں میں ڈاکٹر اقبال کے اس شعر کے مصداق ہیں۔

جب حلقہ یاراں ہو تو ریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

علامہ کی تحریر بھی لاجواب ہے مجھے کہنے دیا جائے کہ اُردو ادب میں آپ کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ آپ کی مشہور تصانیف ''زیروزبر، زلزلہ، نقش کربلا، تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی، تعزیرات قلم، لالہ زار، محمد رسول اللہ قرآن میں'' وغیرہ ہیں۔

زلزلہ ذہن وفکر میں زلزلہ ڈالنے والی اس تاریخی کتاب کے جواب میں دیوبندی جماعت کی طرف سے کئی کتابیں شائع کی گئیں جس کے جواب الجواب پر مشتمل ''زیروزبر'' کے نام سے ایک ضخیم کتاب علامہ نے تصنیف کی جو چھپ کر ساری دنیاں میں پھیل گئی۔

زیرو زبر کتاب کیا ہے؟ دیوبند کے مسند نشینوں کے سروں پر قہر الٰہی کی لٹکی ہوئی تلوار ہے جو بائیس سال سے یہ کتاب ان کی غیرت کو چیلنج کررہی ہے لیکن ہر طرف موت کا سناٹا ہے اب دیوبندی عوام ہی اگر چاہیں تو ان کے علماء کا مہر سکوت ٹوٹ سکتا ہے۔

تبلیغی جماعت دین کے نام پر بے دین بنانے کی ایک خوفناک تحریک کو بے نقاب کرنے والی مدلل کتاب جس میں وہابیوں اور دیوبندیوں کے وہ شرمناک کارنامے جو مکہ شریف میں انجام دیئے ہیں۔ جس کے دیکھنے اور سننے کے بعد ہر اہل ایمان یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ یہ کسی مومن کا کام نہیں ہے جنکو اہل بیت وصحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مقبروں و تربتوں سے اتنی دشمنی ہے تو انکی ذات

سے کس قدر عداوت ہوگی۔

جماعت اسلامی اسلام کے خلاف عقل وذہانت کے ایک عالمگیر فتنہ سے امت کو چونکا دینے والی کتاب۔

تعزیرات قلم نئے اسلوب میں مذہبی تنقیدوں کا فکر انگیز مجموعہ۔

لالہ زار ہانیوں کے پیرائے میں عشق وایمان کے جذبات کو جگا دینے والی کتاب جس کو پڑھنے کے بعد ہر مومن کا قلب جھوم جاتا ہے۔ بار بار پڑھنے کے بعد بھی طبیعت نہیں اکتاتی۔ الفاظ کی سجاوٹ اور خوبصورت جملے دیکھنے کے بعد علامہ صاحب کی ادیبانہ صلاحیتوں پر بھر پور روشنی پڑتی ہے۔

سرکار کا جسم بے سایہ اس کتاب میں علامہ صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پاک کا بے سایہ ہونے پر بیشار احادیث معتبرہ نیز صحابہ کرام وتابعین کرام کے اقوال سے یہ ثابت کیا ہے کہ سرکار کے جسم پاک کا سایہ نہ چاند کی چاندنی میں نہ سورج کی روشنی میں زمین پر پڑتا تھا۔

اس کے علاوہ اور بھی حضرت کی کثیر تصنیفات اور کارہائے نمایاں ہیں۔ جن کو چند صفحوں میں سمٹا نہیں جاسکتا۔

****

ڈاکٹر غازی امان اللہ قادری
صدر کل ہند بزم صوفیاء، اورنگ آباد بہار شریف

علامہ ارشد القادری کا تصور عشق رسالت

کسی شخصیت کا تصور عشق رسالت دیکھنا ہو تو اس کے پس منظر میں اُس شخصیت کی سوانح حیات زندگی کے نشیب وفراز، ماحول، خاندانی حالات، تعلیم وتربیت، شوق وجذبہ بچپن اور جوانی کی دوسری منزلیں جن سے وہ گذرا ہو، پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

مگر علامہ کی یہ جہد مسلسل والی زندگی کچھ ایسی ہمہ گیر ہے کہ ''سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لئے'' لیکن ایک مخصوص عنوان پر اظہار خیال کرنا ہے اس لئے جرأت قلم طراز ہوں۔

حضرت علامہ بیک وقت عالم دین بھی ہیں، مفکر اسلام بھی، رئیس القلم بھی ہیں، مفسر قرآن بھی، پیر طریقت بھی ہیں، شریعت مطہرہ کے پابند بھی، ملت کے دینی مسائل میں بحسن وخوبی رہبری بھی فرماتے رہتے ہیں، اصلاح معاشرہ اور اصلاح قوم کے سلسلے میں نہ صرف اپنا صوبہ اپنا ملک بلکہ یورپ اور افریقہ کے متعدد شہروں کا دورہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ ان چند سالوں میں تو یورپ اور افریقہ کے بے شمار ملکوں کے دورے پر رہے اور وہاں پر تعمیری کام کی ایسی بنیاد ڈالی کہ آج سینکڑوں طالب علم علامہ کے قائم کردہ مدارس میں علم دین سے فیضیاب ہو رہے ہیں، علامہ ہمارے صوبہ ہی میں نہیں بلکہ پورے ہندوستان میں بھی بے شمار دار العلوم کے سربراہ اعلیٰ ہیں۔ علامہ کے ہزاروں شاگرد نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا کے چپے چپے میں پیغام رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کو پھیلا رہے ہیں۔

حضرت علامہ میں ملی غیرت وحمیت اور دین کا درد تو انکی ذات میں اس درجہ ہے کہ مذہب وملت کا کوئی بھی مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ بے چین وبے قرار ہو جاتے۔ اور اس کے حل کے لئے ہر ممکن کوشش فرماتے رہتے ہیں زبان وقلم۔ تقریر وتحریر، ہر طرح سے مذہب وملت کے دفاع کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بناتے جاتے اور ہندوستان میں کہیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے خلاف آواز اٹھتی ہے چاہے وہ گستاخ رسول کی زبان سے نکلے چاہے حکومت کی جانب سے اٹھے معلوم ہوتے ہی حرکت میں آجاتے ہیں اور اس وقت تک خاموش نہیں بیٹھتے جب تک کہ ان اشرار کا خاتمہ نہ ہو جائے اِنکی زندہ مثال ضلع سیوان صوبہ بہار کی کل ہند تحفظ شریعت کانفرس ہے۔ علامہ کی دعوت پر لاکھوں عابدین وعلماء کرام کا ایک جگہ جمع ہو جانا تین روز تک پوری ڈسپلن کے ساتھ ایک ہی مقام پر رہنا حکومت کی پوری مشیری کو اپنی طرف راغب کر لینا حکومت سے اپنی بات کو منوالینا۔ حکومت کے مفاد کو بدل دینا یہ صرف علامہ ہی کا کمال تھا۔ سیوان ضلع میں جو عاشقان مصطفیٰ کا جم غفیر دیکھا گیا وہ ہندوستان کی مذہبی جلسوں کی تاریخ میں دیکھنے میں نہیں آئی۔

یہ بات سچ ہے کہ دنیا میں دولت وثروت، عزت وشوکت کے طلب کرنے والوں کی کمی نہیں ہے لیکن دولت وعزت کا تقابل اگر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا جائے تو پھر یہ دونوں چیزیں ہیچ ہیں۔ نہ

دولت انسان کے ساتھ قبر میں جاتی ہے اور نہ شوکت۔ بڑے بڑے بادشاہ بھی دنیا سے اسی طرح خالی ہاتھ جاتے ہیں۔ جس طرح خستہ حال و بے سروسامان فقیر۔ اہل شوکت وعزت کو بھی قبر میں انکی شہرت وعزت سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ لیکن عاشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں بھی عشق رسول کو اپنے ساتھ لے جاتا ہے اور قیامت کے دن بھی عشق ومحبت کے نتائج وثمرات اس کو حاصل ہوتے ہیں۔ اس تمہید کا مطلب بھی یہی ہے کہ حضرت علامہ کو اللہ تبارک تعالیٰ دین ودنیا دونوں نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ لیکن حضرت علامہ جیسے عاشق رسول پر کبھی بھی دنیا غالب نہیں آتی۔ وہی فقیدانہ خدوخال جو کل بھی تھا وہ آج بھی ہے۔

زندگی کا لطف محبت سے ہے۔ محبت رسول کا کیا کہنا۔ یہ محبت اس قدر ضروری ہے کہ جس کے بغیر ایمان کامل ہو نہیں سکتا ایمان کا کمال اس امر پر منحصر ہے کہ حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ماں باپ اولاد اور تمام جہاں کی محبت پر غالب آجائے۔ محبت کے چند تقاضے ہوتے ہیں۔ ایک تقاضہ یہ ہے کہ محبوب کا ذکر بار بار کیا جائے۔ من احب شیئاً اکثر ذکرہ۔ آدمی کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کا ذکر بار بار کرتا ہے اور ایسا کرنا مریض محبت کی شفا ہے حضرت علامہ اسی تقاضائے محبت کی تکمیل اور جذبۂ عشق کی تسکین کرتے آرہے ہیں۔

حضرت علامہ نے مومن پورہ ناگپور کے جامعہ عربیہ اسلامیہ کے ایک جلسے میں والہانہ انداز میں عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان پر جو تقریر فرمائی وہ علامہ کا سرکار دوعالم ﷺ سے عشق کا کامل ثبوت ہے آپ نے فرمایا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد انکا خیال انکا ذکر ہی عاشق کی حیات کا سرمایا اور زیست کا اولین مقصد ہوتا ہے۔ فرمایا کہ میرا عقیدہ ہے کہ جب عشق رسول پاک جنون کی حد تک نہ پہنچے جب تک اس میں والہانہ جوش اور رندی وقلندری کا رنگ پیدا نہ ہوا ایمان مکمل نہیں ہوتا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت ان کی بے چوں چرا اطاعت ان کی سیرت مبارکہ کی تقلید اور انکی توقیر وتعظیم فرائض میں شامل ہونا بے انتہا ضروری ہے اور یہی بنیاد اسلام وایمان ہیں۔

حضرت علامہ کی نظر عصری تقاضوں پر بہت گہری ہے پائے کے مبصر ہیں۔ ملّتِ اسلامیہ کا ایسا بے لوث رہنما آج کے دور میں بہت کم ملتے ہیں۔ حضرت علامہ کا رسول پاک سے عشق نہ صرف تحریر وتقریر سے بلکہ رگ رگ سے عیاں ہوتا ہے۔ جب بھی ذکر رسول فرماتے ہیں تو بے ساختہ حضرت کے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ حساس اور دھڑکتے دل کے مالک ہیں، رقت آمیز طبیعت ہے۔ علامہ جہاں مفسر، محدث وفقیہ ہیں وہیں علامہ اعلیٰ درجہ کے ادیب اور نعت ومنقبت کے شاعر بھی ہیں غرض یہ کہ بے شمار ہمہ جہتی خوبیوں کے ساتھ ایک پراثر وباوقار شخصیت کے مالک ہیں، آپ میں استقامت بدرجہ اتم ہے۔ زندگی کے ہر معرکہ میں علامہ کو ایک مردِ مجاہد قوم کا ایک بے لوث خادم راسخ العقیدہ اور سچا عاشق رسول پایا گیا ہے۔

فضلِ خدا ہمیشہ علامہ کے شامل حال رہا لیکن اس حقیقت سے بہت کم لوگ واقف ہونگے کہ اس فضل کے محرک عشق رسول پاک اور محبت غوث الثقلین ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے دینی ودنیاوی دونوں دولتوں سے آپ کو نوازا ہے۔ سخت سے سخت صبر آزما مواقع پر بھی بارگاہ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور غوثیت مآب کی سرپرستی علامہ کو قلبی سکون پیدا کردیتی ہے۔

اس خاکسار نے علامہ کے ساتھ بے شمار دورے کئے ہیں۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ناگور راجستھان کے جلسے میں دہلی سے ہم کار سے چلے تو علامہ نے فرمایا کہ اجمیر شریف ہوتے ہوئے جائیں گے تا کہ سلطان ہند غریب نواز کی بارگاہ میں حاضری ہوجائے بس اسی کے ساتھ حضرت نے حضور غریب نواز کا مقامِ روحانیت اور رسول اکرم ﷺ

کے محبت کا ذکر فرمانے لگے۔ جب رک گئے تو اِس خاکسار نے علامہ کی خدمت میں طائف میں کافروں نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو ناروا سلوک کیا اس کا منظر ادھر میں پیش کر رہا تھا اور ادھر علامہ زار و قطار رو رہے تھے میں خاموش ہوا تو کہنے لگے سرورِ دو عالم کے ان تکلیفوں کا اندازہ دنیا کیا کر سکے گی۔ اتنا کہا اور پھر رونے لگے۔ یہاں تک کہ علامہ کی ہچکیاں بندھ گئی۔ اس سے اندازہ ہوا کہ سرورِ دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم سے علامہ کو کتنا عشق کتنی محبت ہے۔

حضرت علامہ کی سرکارِ دو عالم سے اپنی والہانہ محبت وعقیدت جو انکے دل میں موجزن رہتی ہے اسی والہانہ انداز میں صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دیتے ہیں۔ آپ کا لکھا ہوا ہر حاشیہ جو رسول پاک کی توصیف میں ہوتا ہے دلی کیفیت کا جسم آئنہ دار ہوتا ہے۔ خود پڑھنے والا بھی پڑھتے پڑھتے کھو جاتا ہے۔ حضرت علامہ سچے عاشق رسول اور محب صادق ہیں اسی لئے ان کا دِل ایک صاف شفاف آئینہ ہے جو محبت رسول کا مدینہ ہے انکی حمیت ان کا کردار رسول پاک کے دشمنوں کے ساتھ کسی طرح کا سمجھوتہ اور کسی بھی انداز کی صلح کرنے کو تیار نہیں ہے۔

خاکسار کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول پاک کی ذات گرامی اور صفاتِ عالیہ کا کاملِ احاطہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ ان کی اتباع ان کی محبت انکی غلامی اور ان سے وفاداری کی اساس پر انسان کی فضیلت وکمال کا دارومدار ہے، عرفان رسول کی منزلیں ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے سے آسان ہو جاتی ہیں۔ اور وہ بزرگی وہ سعادت جسے قرآن کی اصطلاح میں تقویٰ کہا جاتا ہے اسی اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے، تقویٰ کی شرط ایمان ہے اور ایمان عشق رسالت کے بغیر ممکن نہیں۔ ہم نہ عمل کا دعویٰ کر سکتے ہیں نہ پارسائی کا ہاں ہماری بصیرت، فراست، ہمارا فہم وادراک اور تقویٰ سب انکے مرہون منت ہیں ہم جو چاہیں کچھ نہ ہوگا وہ جو چاہیں سب کچھ ہوگا۔

نعت پاک

علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ

ان کے روضے پہ بہاروں کی وہ زیبائی ہے
جیسے فردوس پہ فردوس اتر آئی ہے

پاؤں چھو جائے تو پتھر کا جگر موم کرے
ہاتھ لگ جائے تو شرمندہ مسیحائی ہے

جانے کیوں عرش کی قندیل بجھی جاتی ہے
ان کے جلوؤں میں نظر جب سے نہا آئی ہے

مل گئی ہے سربالیں جو قدم کی آہٹ
روح جاتی ہوئی شرما کے پلٹ آئی ہے

سر پہ سر کیوں نہ جھکیں ان کے قدم پر ارشدؔ
اک غلامی ہے تو کونین کی آقائی ہے

محمد سراج الدین شریفی
98/B مغلپورہ، سہسرام (بہار)

علامہ ارشد القادری سے ایک انٹرویو

جب ہم برصغیر ہندو پاک کے اسلامی مبلغین پر نظر ڈالتے ہیں تو ہماری نظریں دو اصحابِ فضل و کمال پر جم جاتی ہیں۔ خوش نصیبی سے آج یہ دونوں عظیم شخصیات ہمارے درمیان موجود ہیں اور مرجع عوام و خواص ہیں اور یہ بھی حسنِ اتفاق ہے کہ دونوں ایک پلیٹ فارم سے کام کر رہے ہیں گر چہ دونوں کی وطنیت و ملکیت جداگانہ ہے۔ اور ان دونوں نفوسِ قدسیہ کے اسمائے گرامی علامہ ارشد القادری اور علامہ شاہ احمد نورانی ہیں۔

موضوعِ سخن اول الذکر حضرت علامہ ارشد القادری جنہیں عام طور پر ایک ادیب، انشاء پرداز اور مقررِ خوش بیان کے طور پر جانا جاتا ہے۔ جبکہ وہ ایک پیر طریقت، مصلح معاشرہ، انتظامی امور کا گہرا تجربہ رکھنے والے اور عالمی سطح کے سب سے عظیم محرک اور متحرک مبلغ اسلام و سنیت ہیں۔

اس مردِ مجاہد کی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ جب کسی اہم تبلیغی مشن، کسی ادارے یا کسی تحریک کی بنیاد رکھتے ہیں اور جب مذکورہ مشن یا ادارے کی بنیاد مضبوط ہو جاتی ہے اور وہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہو جاتے ہیں نیز کسی دوسرے مناسب ترین شخص کو اپنی ذمہ داریاں عطا کر کے خود سرپرستی فرمانے لگتے ہیں اور اسی طرح پھر کسی دوسرے ادارے کے قیام کے لئے کوشاں ہو جاتے ہیں۔ یہی علامہ کی زندگی ہے حالانکہ ان کی جسمانی صحت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ پچھتر سال عمر ہے چلنے پھرنے سے مجبور ہیں مگر ان کا عزم و حوصلہ ابھی جوان ہے۔ سچ پوچھئے تو نمونہ سلف ہیں۔ ان کا طرۂ امتیاز بھی ہے کہ وہ نام و نمود سے بہت دور رہتے ہیں۔ اکابر کا احترام اور اصاغر نوازی میں بھی آپ کا وصف بہت نمایاں رہا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ مجھ جیسے غیر معروف شخص کو بھی انٹرویو کے لئے ایک گھنٹہ کا وقت دیا۔ جب کہ میں نے ان کا انٹرویو لینے کے لئے سہسرام سے دہلی نو سو کیلو میٹر کا سفر طے کیا تھا۔

حضرت علامہ کی شخصیت اور ان کی جلیل القدر خدمات ایسی ہیں کہ ہر سنی ان پر ناز کر سکتا ہے۔ حالانکہ انکی قوت جسمانی کم ضرور ہوگئی مگر قوت حافظہ سماعت و بصارت اب بھی مضبوط ہے۔ اس قدر آور شخصیت کی دینی، علمی، ملی و ادبی خدمات اندورنِ ملک ہی نہیں بیرون ملک بھی بہت زیادہ ہیں بلکہ صحیح معنوں میں عالمی حیثیت کے مبلغ اسلام و سنیت ہیں۔ ورلڈ اسلامک مشن جو اہلسنت و جماعت کا واحد عالمی مشن ہے۔ جس کی تاسیس کا پروگرام انہوں نے مکہ معظمہ کی سر زمین پر ۱۹۷۲ء میں بنایا تھا اور پھر چند ہی ماہ کے بعد اس کا مرکزی دفتر بریڈفورڈ انگلینڈ میں بنایا گیا تھا۔ فی الحال اس کے چیئرمین مبلغ اسلام علامہ شاہ احمد نورانی صاحب ہیں جو ایک ماہر لسانیات ہیں۔ اس مشن کے ذریعے یورپ کے کئی ممالک میں تبلیغ اسلام کا کام ہو رہا ہے۔ اور بقول مولانا فروغ القادری (England) آج یورپ میں

موجودہ سیکڑوں مدارس و مساجد کے پیچھے علامہ ارشد القادری کا خون جگر ہی شامل ہے۔ آج دعوت اسلامی کے زیر اثر چلنے والی تحریک کے اثرات پوری سنی دنیا میں محسوس کئے جا رہے ہیں اور اس کی خدمات بہت زبردست اور نمایاں بھی ہیں۔ مگر اکثر سنیوں کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ اس تحریک کے محرک اور بانی بھی علامہ ہی ہیں۔ علامہ نے دعوتِ اسلامی کی داغ بیل ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم امجدیہ کراچی میں ڈالی اور مولانا الیاس عطار قادری کو اس کا امیر مقرر کیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ''فیضانِ سنت'' کا خاکہ بھی انہی کا لکھا ہوا ہے۔ اور جاننے والے یہ بھی جانتے ہیں کہ سنی دعوت اسلامی بھی اسی سے متاثر ہو کر عالم وجود میں آئی ہے۔

جہاں تک اندرونِ ملک علامہ کی خدمات کا سوال ہے تو انہوں نے یہاں بھی مثالی نقوش ثبت کئے ہیں جنوبی ہند کو چھوڑ کر حالانکہ انہوں نے یہاں بھی کوششیں کی ہیں اور پورے ملک کو فیضیاب کیا ہے۔ ایک بہار ہی نہیں بنگال، ایم پی، یوپی، دہلی، راجستھان اور مہاراشٹر وغیرہ میں بھی ان صوبوں میں کہیں ایک تو کہیں ایک سے زیادہ مدارس، مساجد، اسکول، تنظیم برائے اصلاح معاشرہ ضرور قائم کیا ہے۔ دہلی میں جامعہ حضرت نظام الدین کا قیام اور اس کی کامیابیاں علامہ کا عظیم کارنامہ ہے۔ مذکورہ ادارہ جامعہ الازہر مصر، جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ یونیورسٹی سے ملحق ہے اور ان یونیورسٹیوں میں جامعہ کے تربیت یافتہ علماء تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ معلوم رہے کہ جامعہ میں علماء کو مختلف زبانوں کی تعلیم اور کمپیوٹر کی تربیت دے کر انہیں اس قابل بنایا جاتا ہے کہ وہ عالمی سطح پر تبلیغ اسلام وسنیت کا کام بہتر طور پر انجام دے سکیں۔ جدید چار منزلہ عمارت میں جہاں جدید ترین سہولیات کی آرائش و زیبائش ہے یہ ادارہ کام کر رہا ہے۔

جہاں تک صحافت کا تعلق ہے تو انہوں نے اس میدان پُر خار میں بھی زبردست کام کیا اور تحریر و تصنیف تو ان کا خاصہ ہے۔ صاحب طرز ادیب اور انشا پرداز ہیں۔ ان کی مشہور تصانیف میں زلزلہ، زیر و زبر، جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت اور تعزیرات قلم ہیں۔ ان کے علاوہ مختلف موضوعات پر ان کے کئی کتابچے اور رسائل بھی ہیں مجموعی طور پر ان کی مطبوعہ تصانیف پچاس کے قریب ہیں اتنا ہی نہیں قارئین کرام کو یہ جان کر بہت حیرت ہوگی کہ اعلیٰ حضرت پر انگریزی میں جو سب سے پہلا کتابچہ پروفیسر مسعود احمد صاحب نے لکھا تھا اور جس کتابچہ کی بدولت یورپ والے اعلیٰ حضرت سے متعارف ہوئے اور اس کے بعد وہ خود بھی اعلیٰ حضرت پر تحقیقی کام کرنے لگے۔ اس کتابچہ کی تصنیف کے پسِ پردہ بھی علامہ ہی کی تحریک کام کر رہی تھی۔ چنانچہ پروفیسر صاحب Neglected Genius of the East کے ابتدائیہ میں لکھا ہے کہ میں نے یہ کتابچہ علامہ ارشد القادری کے حکم پر لکھا ہے۔

اتنی اہم اور قابل قدر شخصیت محسن قوم وملت کی خدمات کا حقیقی تعارف اور قوم سے انہیں پذیرائی تو نہ مل سکی البتہ ان کی مذکورہ خدمات کے صلہ میں حکومت بہار نے انہوں مہینوں تک سلاخوں کے پیچھے رکھ دیا تھا۔ علامہ ارشد القادری جیسی عظیم و جلیل ہستی کی ہمہ جہت شخصیت پر کچھ لکھنا مجھ جیسے کم علم کے لئے ممکن نہیں تھا کیونکہ وقت کے اس آفتاب و ماہتاب پر بھی جماعتی تساہل و تغافل کا دبیز پردہ پڑا رہا اور ناقدری کے مکروہ بادل نے اس کی کرنوں کو بھی صحیح طور پر بکھرنے نہیں دیا۔ مستقبل کی بات تو بہت دور کی ہے ابھی حال میں بھی علامہ کی خدمات کے حقیقی خدوخال عوام تو عوام بلکہ بہت سارے خواص کی نگاہوں سے بھی پوشیدہ واو جھل ہیں۔ چنانچہ میں نے مناسب سمجھا کہ کیوں نہ علامہ سے ایک انٹرویو لیا جائے۔ لہٰذا بہت کوششوں کے بعد مولانا ملک الظفر سہسرامی مدیر ''الکوثر'' کی سفارش اور مولانا مقبول احمد مصباحی استاذ ''جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء'' کی کوششوں سے

علامہ نے میرے ہر سوال کا جواب بہت مختصر طور پر دیا ہے۔ اس امر کا قارئین کرام خاص خیال رکھیں۔ یہ انٹرویو جہاں عام کیلئے معلومات کا ذریعہ ہے وہیں خواص کے لئے سبق آموز بھی ہے۔

سوال: آپ کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی ہے؟

جواب: سید پورہ ضلع بلیا یو پی میں ۱۹۲۵ء میں؟

سوال: آپ کے اساتذہ کون کون ہیں؟

جواب: حضرت شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی (حافظ ملت) مولانا محمد سلیمان بھاگلپوری، مولانا عبد المصطفےٰ ازہری اور مولانا ثناءاللہ مئوی قابل ذکر ہیں۔

سوال: آپ کے تلامذہ؟

جواب: مفتی جلال الدین احمد امجدی اور مولانا صغیر اللہ بناری قابل ذکر ہیں۔

سوال: آپ کی بیعت کس سے ہے؟

جواب: خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا امجد علی اعظمی سے۔

سوال: آپ کو اجازت وخلافت کس کس سے ملی ہے؟

جواب: خلیفۂ اعلیٰ حضرت قطب مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین احمد مدنی اور سرکار پٹنہ حضرت سید شاہ فدا حسین سے۔

سوال: آپ کے مریدین کی تعداد کتنی ہے؟

جواب: پیری مریدی چونکہ میں پیشے کے طور پر نہیں کرتا ہوں اس لئے میرے مریدوں کی تعداد بہت کم ہے۔

سوال: ورلڈ اسلامک مشن، اس سے متعلق علماء وعہدیداران نیز اس کی پیش رفت کے بارے میں بتائیں؟

جواب: میں نے اس مشن کو ۱۹۷۲ء میں سرزمین پاک مکہ معظمہ میں قائم کیا تھا۔ فی الحال اس کے چیئرمین علامہ شاہ احمد نورانی ابن خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا عبد العلیم میرٹھی ہیں۔ اور وائس چیئرمین خود ہوں اور جنرل سکریٹری علامہ قمر الزماں اعظمی ہیں۔ اس سے منسلک علماء میں علامہ عبد الستار خان نیازی، مولانا رضاء المصطفیٰ امجدی اور علامہ شاہ فرید الحق او رہندوستان کے مولانا شاہد رضا قابل ذکر ہیں۔

سوال: مذکورہ مشن کو جب آپ نے قائم کیا ہے تو چیئرمین بھی آپ کو ہی ہونا چاہیئے تھا؟

جواب: موجودہ چیئرمین کئی زبان جیسے عربی فارسی، اردو، انگریزی اور فرانسیسی بھی جانتے ہیں اس لئے انہیں یہ مقام عطا کیا ہے۔ اور جہاں تک پیش رفت کا سوال ہے تو انہوں نے یورپ کے بڑے حصے میں بہت کام کیا ہے اور تاہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ بالخصوص برطانیہ، ہالینڈ، بیلجیم، ڈنمارک، جرمنی، امریکہ اور یورپ کے دوسرے خطوں میں بھی۔

سوال: دعوت اسلامی کے قیام میں آپ کا کردار کیا ہے؟

جواب: میں نے اسے ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم امجدیہ کراچی میں قائم کیا اور اس کے امیر کے طور پر مولانا الیاس عطار قادری کو مقرر کیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ فیضان سنت کا خاکہ بھی میں نے ہی لکھا ہے۔

سوال: اس عمر میں جبکہ آپ بہت کمزور ہو چکے ہیں آپ کے خواب اور عزائم کیا ہیں؟

جواب: جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء سے متعلق جو میرے خواب ہیں اسے پورا کرنا اور دوسرا ''حیات النبی'' کے نام سے ایک سیرت لکھنا۔ ویسے حیات النبی پر کام ابھی ابتدائی مرحلے میں ہے۔

ایک ضمنی سوال کے جواب میں انہوں نے یہ بھی بتایا کہ وہ مولانا وحید الدین خاں کے باطل اور خطرناک نظریات کے رد میں بھی ایک کتاب لکھ رہے ہیں۔

سوال: میدان سیاست وصحافت اور معاشرت میں آپ کی خدمات

کیا ہیں؟

جواب: میں نے آج تک کسی پارلیمنٹری الیکشن میں حصہ تو نہیں لیا البتہ مسلمانوں کے مسائل کی نسبت ارباب سیاست واقتدار سے ملاقاتیں کر کے حل المشکلات کے لئے کوشاں رہا ہوں۔ اور صحافتی میدان میں میری خدمات حسب ذیل ہیں۔ کلکتہ سے پندرہ روزہ جام کوثر و ماہنامہ جام نور اور پٹنہ سے ماہنامہ رفاقت وشان ملت نکال چکا ہوں۔ معاشرتی اور تعلیمی میدان میں تو بہت کام کیا ہے جیسے جامعہ فیض العلوم جمشید پور، دارالعلوم ضیاء الاسلام کلکتہ، ادارۂ شرعیہ پٹنہ، فیض العلوم گرلز اینڈ بوائز ہائی اسکول جمشید پور، مدرسہ دار السلام جمشید پور اور مدرسہ تنویر الاسلام واسلامی مرکز رانچی، مدرسہ غوثیہ کوڈرما، دارالعلوم فیض الباری نوادہ، سید پورہ ضلع بلیا یوپی میں تربیت گاہ برائے ائمہ مساجد اور کمپیوٹر کی ٹریننگ سینٹر نیز دارالعلوم رشیدیہ، سہارنپور میں جامعہ غوثیہ رضویہ، کلیر شریف میں دارالسلام رضویہ اور جے پور میں دارالعلوم اہلسنت قائم کی ہے۔

ایک اور ضمنی سوال کے جواب میں علامہ نے میرے اس مؤقف سے اتفاق کیا کہ موجودہ حالات میں عوام اہلسنت کو ہر ممکن طریقہ سے انہیں سنی نقطۂ نظر سے اسلامیات کے مطالعہ کی طرف راغب کرنے کی ضرورت ہے۔☆☆☆

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ

آقا میری جھولی بھردو

جب رئیس القلم حضرت علامہ صاحب ۱۹۵۸ء میں مناسک حج ادا کرنے گئے تو اسی موقع پر یہ نعت پاک کہی اور بنفس نفیس جالی مقدس کے سامنے کھڑے ہو کر حضور سرور کائنات کی بارگاہ میں پیش کی۔

یانبی یاد تیری دل سے مرے کیوں جائے
بخت بیدار مرا جاگ کے کیوں سو جائے
جب نظر ہی میں نہیں لاتے دو عالم کا جمال
ان کے دیوانوں کو فردوس بھی کیوں بہلائے
ٹوٹ جائے غم وکلفت کی چٹانوں کا غرور
سبز گنبد سے اگر دل کی صدا ٹکرائے
صبح کا وقت ہے آقا مری جھولی بھردو
کٹ گئی رات یونہی دست طلب پھیلائے
آگئے والی بطحا کی اماں میں ارشد
کہدو آنا ہے تو اب پیک اجل آجائے

مولانا منظر الاسلام
جامعۃ الازہر الشریف، قاہرہ مصر

رئیس القلم کی محدثانہ بصیرت

کلمۂ طیبہ کا اقرار کرنے والے مومن وموحد کو دینی اصول وضوابط کی روشنی میں زندگی گذارنے کیلئے اور بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے اسلام نے قرآن کریم کا بیش قیمت تحفہ عطا کیا ہے، مگر چونکہ قرآن کریم میں دنیا کے تمام علوم اور انسان کی سب ضرورتوں کا بیان ہے اس لئے بغیر حدیث مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے اس کو سمجھنا اور پھر عمل پیرا ہونا ممکن نہیں تھا، لہٰذا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآنی مطالب ومعانی کی شرح کا مقام دے دیا گیا، قرآن کریم بے پناہ عظمتوں والی کتاب ہے اس لئے منطقی طور پر یہ بات بھی سمجھ میں آجاتی ہے کہ احادیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی قابل قدر اہمیت ہونی چاہیے، چنانچہ خدائے پاک کا ارشاد ہے:

"جو کچھ رسول تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز آجاؤ (الحشر:٧)

ایک دوسری جگہ ارشاد مبارک ہے:

"ایمان والے اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور تم میں سے جو حاکم ہیں ان کی، اگر کسی امر میں اختلاف واقع ہو جائے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹو" (النساء:٥٩)

حضرت عطاء ابن ابی رباح اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے کا مطلب قرآن کریم کی طرف لوٹنا ہے، اور رسول کی طرف لوٹنے کا مطلب جب تک آپ ہمارے درمیان جلوہ گر تھے، بعد وفات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہمارا مرجع مآل ہے"

مگر سنت مصطفوی ہو یا آیات قرآنی ہر ایک کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی امت میں سے کچھ ایسے افراد کا انتخاب فرمایا ہے جو اس کے معانی ومفاہیم کو اچھی طرح سمجھ کر لوگوں تک پہنچاتے ہیں، ایسے حضرات کو مفسرین اور محدثین کہتے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں" (توبہ:١٢١)

محدثین کرام کی برگزیدہ جماعت کے بارے میں ارشاد نبوی ہے:

"اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایسے شخص کے چہرہ کو منور فرمائیگا جس نے ہماری حدیث سنی اور اچھی طرح یاد کیا پھر اسے دوسرے تک پہنچایا"

لہٰذا یہ بات بڑے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کی اسلام نے محدثین کرام کا مرتبہ بہت بلند فرمایا ہے، محدثین کرام میں بھی مراتب اور درجے ہوا کرتے ہیں جن پر خدائے پاک کا فضل خاص اور جن کو عشق مصطفوی علیہ التحیۃ والثناء کی بھیک ملی ہو ان کی حدیث دانی اور حدیث فہمی کا کیا پوچھنا احادیث مبارکہ کے ایک ایک لفظ کی تشریح وتحلیل اور نکتہ بیانی ان کا طرۂ امتیاز ہوتا ہے مسائل کے استخراج واستدلال میں صحیح حدیثوں پر اعتماد ان کا وصف خاص ہوتا ہے، انہیں ممتاز محدثین کرام میں سے ایک حضرت مفکر اسلام، رئیس القلم، علامہ ارشد

القادری علیہ رحمتہ الباری کی ذات مبارکہ بھی ہے، جونکتہ سنج بھی ہیں اور نکتہ آفریں بھی، مسائل کے اثبات میں صحیح حدیثوں پر اعتماد میں اپنی مثال آپ ہیں، طرز استدلال نہایت شگفتہ ہے، اسلوب نگارش اتنا حسین کہ قاری پڑھتا چلا جائے اور مسائل دل پر منقش ہوتے چلے جائیں، سخت سے سخت اور گنجلک مسئلہ آسان اور عام فہم انداز میں پیش کردینا انہی کا حصہ ہے، ہم ذیل میں ان کی مشہور کتاب "تبلیغی جماعت" سے چند احادیث اور ان کی تشریح بقلم فاضل محدث حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں، جس سے ان کی محدثانہ عظمت خوب واضح ہوجائیگی، طرز استدلال میں انوکھا پن نظر آئیگا۔

واضح رہے کہ یہ کتاب جیسا کہ نام سے ہی پتہ چل رہا ہے آپ نے ایک مخصوص جماعت کے رد میں لکھی ہے اور ان کی حقیقت کو آشکارا کرکے احادیث مبارکہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ مذکورہ جماعت راہ راست سے کوسوں دور اور ایمان حقیقی سے بیگانہ ہے۔ لکھتے ہیں کہ:

"حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے امام بخاری نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے شام و یمن کیلئے دعاء فرمائی جس کے الفاظ یہ ہیں:

اللهم بارك لنافى شامنا اللهم بارك لنا فى يمننا، قالو ايارسول الله وفى نجدنا، قال : اللهم بارك لنا فى شامنا : اللهم بارك لنا فى يمننا قالوا: يا رسول الله وفى نجدنا : فأ ظنه قال فى الثالثة هناك الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان (بخارى)

تشریح : عام طور پر "قرن الشیطان" کا ترجمہ شیطان کی سینگ کیا جاتا ہے لیکن دیوبند کے مصباح اللغات میں اس کا ترجمہ "شیطان کی رائے کا پابند" بھی کیا گیا ہے (ص ٦٦٣)

بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نجد خیر و برکت کی جگہ نہیں بلکہ فتنہ وشر کی جگہ ہے، کیونکہ رحمۃ للعالمین کی دعاء خیر سے محروم ہوجانے کے معنی ہی یہ ہیں کہ ہمیشہ کیلئے اس خطے پر شقاوت و بدبختی کی مہر لگ گئی ہے، اب وہاں سے کسی خیر کی توقع رکھنا تقدیر الٰہی سے جنگ کرنا ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ وہاں کی خاک سے کوئی ایسا شخص ضرور اٹھے گا جو شیطان کی رائے کا پابند ہوگا، یا جس طرح سورج کی پھیل جانیوالی پہلی کرن کو "قرن الشمس" کہتے ہیں اسی طرح شیطان کا فتنہ بھی وہاں سے سارے جہاں میں پھیل جائے گا" (ماخوذ از تبلیغی جماعت ١٨٦)

اس مختصر اور جامع تشریح کے بعد فاضل محدث "اشارۃ محسوس" کے نام سے ایک عنوان قائم کرکے جغرافیائی اعتبار سے مقام "نجد" کی تعین کرتے ہیں، اور لکھتے ہیں:

"اس سے انداز ہوتا ہے کہ نگاہ رسالت پناہ میں نجد کا فتنہ امت کے لئے کس درجہ ہولناک اور ایمان شکن تھا" (ماخوذ از تبلیغی جماعت ١٨٦)

اپنے دعویٰ کی تائید میں مسلم شریف سے مزید چند احادیث نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو:

پہلی حدیث:- "ان رسول الله صلى عليه وسلم قام عندباب حفصة فقال: بيده نحو المشرق الفتنة ههنا من حيث يطلع قرن الشيطٰن مرتين اوثلاثا"

دوسری حدیث:- ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال وهومستقبل المشرق ان الفتنة ههنا ان الفتنة ههنا من حيث يطلع قرن الشيطان

تیسری حدیث:- خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم من بيت عائشة فقال رأس الكفر من ههنا و حيث يطلع قرن الشيطان يعنى المشرق"

اب ذیل میں فاضل محدث کی تشریح ملاحظہ فرمائیں:

''غور فرمائیں ان تینوں حدیثوں میں صرف مشرق کی سمت ہی کا ذکر نہیں ہے کہ اس سے نجد کا خطہ مراد لینے میں کسی اور احتمال کی گنجائش نکل آئے بلکہ اس کے ساتھ ہر جگہ ''من حیث یطلع قرن الشیطان'' (جہاں سے شیطان کی سینگ نکلے گی) کا اضافہ واضح طور پر بتارہا ہے کہ مشرق کی سمت سے کوئی دوسرا علاقہ نہیں بلکہ خاص نجد مراد ہے، بخاری شریف کی حدیث میں نجد کے نام کے ساتھ یہ وصف ذکر کیا گیا ہے اس لئے حدیث کی زبان میں مشرق سمت کا وہ خطہ جہاں سے شیطان کی سینگ نکلے گی نجد کے سوا اور کوئی دوسرا خطہ نہیں ہوسکتا'' (ماخوذ از تبلیغی جماعت ۱۸۷)

قرآن کریم کی تفسیر کا سب سے اہم اور افضل طریقہ تفسیر القرآن بالقرآن ہے یعنی اگر ایک آیت میں کسی حکم کو اجمالا یا مطلقا یا باعتبار عام ذکر کیا گیا ہے تو دوسری جگہ اس کی تفصیل یا تقیید یا تخصیص موجود ہوتی ہے مفسرین غور وفکر کے بعد اس تفصیل یا تقلید یا تخصیص کا حکم متعین فرماتے ہیں، ٹھیک یہی طریقہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھنے کا بھی ہے، جن محدثین کو ادراک تام، بصیرت ایمانی اور عشق مصطفوی کا وافر حصہ ملتا ہے وہی اس محدثانہ راز کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور لفظ سے صحیح مفہوم اخذ کرتے ہیں، فاضل محدث نے چشمۂ علوم نبوت سے فیضیاب ہوکر جس طرح مسلم شریف کی مذکورہ مجمل احادیث کو بخاری شریف کی مفصل حدیث پر محمول کرکے صحیح معنی کی تعین کی ہے، اس سے قواعد علم حدیث پر ان کی گہری نظر، وسعت مطالعہ اور علمی گہرائی کا پتہ چلتا ہے۔

لفظی تحقیق، علم حدیث میں مہارت اور نکتہ آفرینی کی ایک اور مثال ملاحظہ کیجئے:

''حضرت ابوسعید خدری اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مشکوۃ شریف میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے:

عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال سيكون فى امتى اختلاف وفريقة قوم يحسنون القيل ويسيئون الفعل يقرء ونى القرآن لا يجاوز تراقيهم يمرقون من الدين مروق السهم من الرمية لايرجعون حتى يرتد السهم على فرقه هم شرالخلق والخليقة طوبىٰ لمن قتلهم وقتلوه يدعون الىٰ كتاب اللّٰه ويسوا منافى شيى من قاتلهم كان اولىٰ باللّٰه منهم قالوا يارسول اللّٰه ما سيماهم قال التحليق (مشکوۃ۔تبلیغی جماعت ۱۹۳)

مولف علام محدث فاضل نے اس معنی کی اور بھی کئی حدیثیں ذکر کی ہیں اور ہر ہر لفظ کی ایسی بے مثال توضیح فرمائی ہے کہ طالبان علم پڑھکر حیران رہ جائیں ہم ان میں سے صرف ایک توضیح اور لغوی تحقیق ذکر کرتے ہیں۔

''ان احادیث میں اس گروہ کی ایک خاص پہچان یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ التزام کے ساتھ اپنا سر منڈائیں گے گویا یہ فعل ان کا جماعتی شعار بن جائیگا اس کی تصدیق کیلئے عرب کی مستند تاریخ الفتوحات الاسلامیۃ کے مصنف کا یہ بیان پڑھ لیجئے:

سيماهم التحليق تصريح بهذه الطائفة لانهم كانوا يامرون كل من اتبعهم ان يحلق راسه ولم يكن هذالوصف لا حدمن الخوارج والمبتدعة الذين كانو ا قبل زمن هٰؤلاء'' (بحوالہ تبلیغی جماعت۔صفحہ ۱۹۹)

اس انوکھی تحقیق کے بعد لفظ تحلیق (جو حدیث میں وارد ہوا ہے) سے متعلق ایک عنوان ایک عجیب نکتہ کے نام سے قائم کرکے لکھتے ہیں:

''لفظ تحلیق'' کی لغوی تشریح کے سلسلہ میں بحث ونظر کا ایک گوشہ بہت زیادہ قابل توجہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ تحلیق کا ترجمہ عام طور پر ''سر منڈانا'' کیا جاتا ہے، لیکن دیوبند کی معتمد کتاب ''مصباح اللغات'' ص ۱۴۸ میں اس کے ہم مادہ لفظ کا ترجمہ ''چکر لگانا'' اور حلقے میں بیٹھنا

بھی کیا گیا ہے، خالی الذہن ہوکر سوچئے تو یہ دونوں ترجمے تبلیغی جماعت پر پوری طرح فٹ ہوجاتے ہیں ایک ترجمہ اگران کی ''چلت پھرت'' کو بتاتا ہے تو دوسرا ترجمہ انکے ''اجتماع'' کی طرف اشارہ کرتا ہے''(ماخوذ از تبلیغی جماعت ۲۰۰)

مذکورہ بیان سے قارئین کرام پر واضح ہوگیا ہوگا کہ حضرت علامہ موصوف کو قواعد علم حدیث پر کافی دسترس حاصل ہے، شرح حدیث میں منفرد الشال ہیں، طرز استدلال، توضیح الفاظ میں یکتا نظر آتے ہیں، دعویٰ کے ثبوت اور مسائل کے استنباط میں کوئی ہمسر نہیں اور وسعت مطالعہ کا کچھ جواب نہیں۔

کتاب '' تبلیغی جماعت '' کی چند احادیث کی روشنی میں آپ کے مخصوص محدثانہ پہلو کو مختصر انداز میں اجاگر کیا گیا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان جیسے جلیل القدر عالم دین، عظیم الشان مفکر، بلند پایہ داعیٔ اسلام، اور فاضل محدث کی محدثانہ بصیرت کو فقیر راقم الحروف نے صحبت میں رہکر جتنا قریب سے ملاحظہ کیا ہے اس پر سیکڑوں صفحے لکھے جاسکتے ہیں، مگر شب وصل کم ہے فسانے بہت ہیں۔

☆☆☆☆

علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ

مدینہ چھوڑ کراب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

جمال نور کی محفل سے پروانہ نہ جائے گا
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

طہورعشق کا موسم کہاں سے لائے گا رضواں
اگر باغ جناں میں ان کا میخانہ نہ جائے گا

نہ ہوگر داغ عشق مصطفیٰ کی چاندنی دل میں
غلام باوفا محشر میں پہچانا نہ جائے گا

حبیب کبریا کی عظمتوں سے منحرف ہوکر
یہ دعوائے مسلمانی کبھی مانا نہ جائے گا

بڑی مشکل سے آیا ہے پلٹ کر اپنے مرکز پر
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

یہ مانا خلد بھی ہے دل بہلنے کی جگہ لیکن
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

جو آنا ہے تو خود آئے اجل عمر ابد لے کر
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

ٹھکانہ مل گیا ہے فاتح محشر کے دامن میں
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

دو عالم کی امیدوں سے کہو مایوس ہوجائیں
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

فراز عرش سے اب کون اترے فرش گیتی پر
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

مرے سرکار آکر نقش کردو اب کف پا کو
دل بیمار کا رہ رہ کے گھبرانا نہ جائے گا

پہنچ جائے گا ان کا نام لے کر خلد میں ارشدؔ
تہی دامن سہی ناز غلامانہ نہ جائے گا

نشیمن باندھنا ہے شاخِ طوبیٰ پر مقدر کا
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

باب ۳

جہدِ مسلسل

(خدمات و کارنامے)

اب تڑپتا نہیں پلکوں پہ ستارہ کوئی
دل کی رگ رگ سے لہو کھینچ لیا ہے میں نے

رئیس القلم قائد ملت حضرت علامہ ارشد القادری صاحب کی رحلت

جمیع اہلسنت کیلئے نا قابل تلافی نقصان ہے

دوشنبہ ۲۹/اپریل ۲۰۰۲ء کو اس دار فانی سے کوچ کر کے

"سوئے جنت چلے ارشد القادری"

مادۂ تاریخ ۱۴۲۳ھ (ایاز محمود قادری بنارسی)

اور پھر

"گلشن جنت میں ارشد کا ٹھکانہ ہو گیا"

مادۂ تاریخ۔ ۲۰۰۲ء (ایاز محمود قادری بنارسی)

خداوند کریم انکے درجات کو بلند کرے

اور

ملت اسلامیہ کو انکا نعم البدل عطا فرمائے

علامہ ارشد القادری
اور قید و بند کی صعوبتیں

نوشاد عالم چشتی
ریسرچ اسکالر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

قید و بند کی صعوبت کا تصور بڑا بھیانک دل خراش اور حد درجہ پریشان کن ہوتا ہے۔ قید و بند انسانی شخصیت کے لئے جہاں باعث تحقیر و تذلیل ہے وہیں وجہ افتخار و توقیر بھی۔ دار و رسن اور قید و بند کی بنیاد پر تاریخ انسانیت میں نیک نامی اور اہم مقام پالینا سب کے نصیبے کی بات نہیں۔ حراست سے لے کر جیل کی کال کوٹھری تک پہنچنے والا فرد کبھی ظالم بھی ہوتا ہے اور کبھی مظلوم بھی۔ ''ملزم'' سے ''مجرم'' ہونے تک کا سفر بعض دفعہ انتہائی مختصر اور بعض دفعہ بڑا طویل ہوتا ہے۔ یوں ہی جیل کی در و دیواروں کو اپنا ہم راز و ہم نشین بنا لینے والے افراد اکثر و بیشتر خطرناک قسم کے ملک و سماج دشمن عناصر ہی ہوتے ہیں مگر کبھی کبھی حکومت وقت کے ظالم صاحبان اقتدار، بے بس و بے کس مظلوم و بے گناہ افراد کو بھی اپنی ہوس افکار کا نشانہ بناتے ہوئے جیل کی قد آدم آہنی چہار دیواری میں مقید کر کے تسکین دل کے لئے اسباب پیدا کرتے رہتے ہیں۔ تاریخ انسانیت میں نہ جانے کتنے ''ایسے بے گناہ'' اور ''مظلوم'' لوگوں کے نام سنہرے حروف میں لکھے ہوئے ہیں جن کا ''جرم'' صرف اتنا تھا کہ انہوں نے انسانیت کی بقا کے لئے شرافت کی تحفظ کے لئے حق کو حق اور باطل کو باطل کہا اور سمجھا۔ یوں بھی دار و رسن، تختۂ دار، اور زنداں سے ''علمائے حق'' اور ''قائدین ملت'' کا بڑا دیرینہ تعلق رہا ہے۔ رئیس القلم، مناظر اعظم، قائد ملت اسلامیہ، حضرت علامہ ارشد القادری نے بھی ''زنداں'' کی مہمانی کر کے ایام اسیری کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا ہے۔ اور قید و بند کی ان تمام دلخراش صعوبتوں کو برداشت کیا جس کے تصور سے ہی انسان کا دل کانپ اٹھتا ہے۔

لیکن علامہ کو جیل کیوں جانا پڑا؟ قید و بند کی صعوبتیں کیوں برداشت کرنی پڑیں۔ اس کے اسباب کیا تھے؟ علامہ کا جرم کیا تھا؟ علامہ کی غلطی کیا تھی؟ کیا علامہ سماج دشمن عناصر کے آلۂ کار تھے؟ کیا علامہ نے ملکی سالمیت سے بے وفائی کی تھی؟ اگر ان تمام سوالوں کا جواب اثبات میں ہے تو پھر علامہ کو باعزت رہا کیوں کیا گیا؟ اور اگر ان تمام سوالوں کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہی ہے تو پھر اسیری کے اسباب کیا تھے؟ یہ وہ سوالات ہیں جس پر ملت اسلامیہ کے ہر بیدار مغز انسان اور تمام حساس افراد کو سنجیدگی کے ساتھ سوچنا چاہئے۔ ایام اسیری کے پہلو پر کچھ لکھنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ قارئین کو علامہ کے مزاج سے روشناش کرایا جائے۔ جب علامہ کے مزاج سے قارئین کی آشنائی ہوگی تو انہیں ان تمام سوالوں کا جواب خود بخود مل جائے گا۔ مفتی اعظم شریف الحق امجدی نے مولانا بدر القادری کو ۱۱ر جنوری ۱۹۷۹ء کو ایک خط لکھا جس میں علامہ ارشد القادری کے متعلق لکھتے ہیں

> ''ارشد صاحب بہت کام کے آدمی ہیں، انہیں تنظیمی کاموں میں خاص مہارت ہے۔ اور عوام و خواص پر اثر ڈالنے کے ماہر ہیں''(1)

(1) ماہنامہ کنز الایمان شارح بخاری نمبر دہلی اپریل ۲۰۰۱ء صفحہ ۲۰۵ کالم ۲)

۱۹۷۸ء کے ایک خط میں مفتی صاحب علامہ کے متعلق مولانا بدرالقادری کو حافظ ملت نمبر کے متعلق اطلاع دیتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

''نمبر کے لئے میں نے اتنا طے کرادیا تھا کہ تصحیح کے بعد اسی کو شائع کرادیا جائے۔ اور تصحیح کا کام بھی ہورہا تھا۔ تھوڑا سا باقی رہ گیا تھا، اتنے میں ارشد صاحب آئے اور انہوں نے بہت سختی کے ساتھ یہ حکم دے دیا کہ اسے سوخت کر دیا جائے اور دوسرا ترتیب دیا جائے۔ ظاہر ہے ان کے مقابلے میں میری نہیں چل سکتی اور چلانے کی کوشش کروں تو میرے ان کے مابین کشیدگی پیدا ہو جائے گی''(2)

(2) نفس مصدر، صفحہ ۲۰۳ کالم ۱

یہ تو رہا مفتی شریف الحق امجدی صاحب کا علامہ کے تئیں نظریات۔ اب ذرا علامہ کے نظریات بھی جماعت کے ذمہ دار افراد کے متعلق ملاحظہ کریں۔ علامہ اپنے ایک خط میں مولانا اختر رضا خان ازہری کو لکھتے ہیں

''آپ سے ملاقات کو ایک عرصہ ہو گیا۔ اور اس کی وجہ ہے کہ ہم لوگوں کے درمیان جماعت کی مشترک ضرورتوں کے تحت اتفاق سے اسٹیج پر ملاقات ہو بھی گئی تو بات علیک سلیک اور مزاج پرسی سے آگے نہیں بڑھ سکی۔

آپ گہرائی میں اتر کر سوچیے کہ دس بارہ کروڑ افراد کی جماعت جن لوگوں کی سربراہی میں ملک کے اندر سواداعظم کی حیثیت رکھی ہو اسے باعزت طور پر زندہ رکھنے کے لئے اس جماعت کے سربراہوں پر جلسہ اور پیری مریدی سے آگے بھی کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے یا نہیں۔

آدمی تنہا ہو تو ایک ذات کا کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن جن لوگوں کے ساتھ لاکھوں اور کروڑوں افراد کا قافلہ ہو انہیں اپنے قافلے کو زندہ رکھنے کے لئے کتنے مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ بات کسی دانشور سے مخفی نہیں ہے۔ لیکن میں کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ بریلی سے لے کر کچھوچھہ تک، جبل پور سے لے کر مبارک پور اور بمبئی تک اہل سنت کے سارے علماء اور مشائخ (الا ماشاءاللہ) صرف جلسہ اور جلوس اور پیری مریدی کے اسیر ہو کر رہ گئے ہیں۔ کوئی بھی اس رخ پر نہیں سوچ رہا ہے کہ ہمارے داخلی اور خارجی مسائل کیا ہیں۔ طاقتور دشمنوں کے بیچ میں ہماری مسجدیں۔ ہمارے مدرسے اور ہماری درگاہیں کیونکر محفوظ رہیں گی؟''

جماعت اہل سنت کے ایک معروف عالم دین علامہ مشتاق احمد نظامی سے کون واقف نہیں علامہ قادری کا ایک خط نظامی صاحب کے نام ملاحظہ کریں۔ ارشدالقادری صاحب لکھتے ہیں۔

''زحمت نہ ہو اپنی شہرت و برتری کے عرش سے کبھی نیچے اتریئے، تا کہ ہم خاکسارانِ گوشۂ گم نامی آپ سے کچھ بات کرسکیں خوش گوار لب ولہجہ میں جناب سے التماس کر رہا ہوں کہ مسلم متحدہ محاذ جو ہماری ہمت اور عزم کا آخری پیمان ہے اس کی طرف غفلت و سرد مہری اب ناقابل برداشت ہوتی جارہی ہے۔ یا تو اول قدم پر آپ کو حق رفاقت کی ادیگی سے اپنی دست برداری کا اعلان کر دینا چاہئے تھا یا اب آپ بیچ منجدھار میں چھوڑ کر ساحل کا لطف اٹھا رہے ہیں۔ حلیفوں کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنا مرگ ننگ سے کم نہیں ہے۔ میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ آپ کی صلاحیتوں سے ہماری جو توقعات وابستہ تھیں انہیں آپ نے انتہائی بے دردی کے ساتھ کچل دیا بے چارگی کے عالم میں مبادا ہماری

ہمتوں نے دم توڑ دیا تو آپ اپنا منھ چھپانے کے لئے
نامرادیوں کا کوئی مدفن تلاش کر لیجئے گا۔
آپ کی مصلحت انگریز فراست پر میں کیا حرف رکھ سکتا
ہوں آپ کی بارگاہ بہت اونچی ہے۔ مگر اتنا ضرور
کہوں گا کہ انفرادی اعجاز کی قیمت پر جماعت کے آبرو
بھینٹ چڑھانا کسی طرح بھی قرین مصلحت نہیں ہے۔
کاش! میرے قلم سے آتش سیال کے قطرے ٹپکتے
اور میں آپ کے حریم ناز تک اپنے دل وارفتہ وار کی
تپش پہنچا سکتا۔ میرے پیارے! مرگ انبوہ جشن دارد،
وقت آ گیا ہے کہ ایک ساتھ انھیں اور موت کی آنکھوں
میں انکھیں ڈال کر ایمان و اعتقاد کی ہلاکتوں پر فتح
پانے کی کوشش کریں۔

میں اپنی تلخ ناب تحریر پر آپ سے کوئی معذرت نہیں کرتا کہ اگر صور اسرافیل مجھے ستعار ملی ہوتی تو آپ کی بیداری کے لئے ہنگامہ حشر برپا کرنے سے بھی دریغ نہ کرتا۔''

علامہ کے یہ خطوط میں نے فیض العلوم جمشید پور کے آفس فائل سے بچشم خود ملاحظہ کیا ہے۔ خطوط کے یہ فائل اب برادرم خوشتر نورانی کے تحویل میں ہے۔ علامہ کے مکتوبات پر میں انشاء اللہ کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔۔۔چشتی)

میں سمجھتا ہوں مکتوبات کے مذورہ بالا اقتباسات سے علامہ کے مزاج کو سمجھنے میں قارئین کو بڑی مدد ملے گی۔ علامہ کو نظم وضبط جماعت کی شیرازہ بندی، تنظیم سازی کی بڑی فکر رہتی تھی، ساتھ ہی ساتھ سلیقہ شعاری اور نفاست کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ لہٰذا ان سے اپنے، پرائے سبھی اپنے اپنے قد اور میعار کے مطابق نالاں، ناراض اور رنجیدہ رہتے علامہ صاحب کی حالت یہ تھی کہ......

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بے گانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

علامہ اپنی اس جبلی فطرت کے سبب حاسد ینوں کے آنکھوں میں خار بن کے کھٹکتے تھے۔ ان کی متحرک زندگی فعال شخصیت اور ملت کے لئے درد مند دل سے، کام چور، عیش پسند، صرف مریدوں کے نذرانوں پر پلنے والے کاہل اور ابن الوقت قسم کے افراد ہمیشہ لرزاں ترساں وخائف رہا کرتے تھے اور حکومت بھی انہیں اپنا مضبوط حریف سمجھتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب علامہ صاحب نے ۱۹۴۷ء شہر آہن جمشید پور کو اپنی کارگزاریوں کی تکمیل کے لئے میدان عمل بنایا تو مخالفتوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ مخالفت میں جہاں ایک طرف مسلکی اور مذہبی حریف تھے وہیں مسلم دشمنی میں سرشار آر، ایس، ایس، اور جن سنگھی ذہنیت کے علمبرداروں نے بھی علامہ کے خلاف علم بغاوت بلند کر رکھا تھا، انہیں تمام حالات کے اثرات سے متاثر جہاں ٹاٹا کمپنی کے صاحبان اقتدار بھی تھے وہیں حکومت وقت کے ناخداؤں نہ بھی علامہ کی مخالفت کو اپنا آبائی پیشہ بنالیا تھا۔ جن سنگھی اخبارات ورسائل نے ابتداء ہی سے علامہ کے خلاف اپنی تحریرات میں بڑا سخت رویہ اپنایا تھا۔ ماضی میں اسلام اور حامیان اسلام کی مخالفت میں جب مشرکین عرب نہایت پیش پیش تھے تو ان کی اطباع میں مشرکین ہند کیسے خاموش رہتے؟''

علامہ کے متعلق ایک ہندی روز نامہ ٹاٹا ایکس پریس کا متعصب نامہ نگار اپنے اداریہ میں لکھتا ہے۔ (ہندی سے اردو ترجمہ)

مولانا قادری گرفتار (مذہبی قائد)

گذشتہ ہفتہ بھارت کے تمام روزنامہ اخبارات میں ایک مذہبی قائد کی گرفتاری کی خبر شائع ہوئی اور ریڈیو سے (خبر) نشر ہونے کی وجہ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے ہوں گے! وہ مذہبی قائد کوئی اور نہیں بلکہ ''شری قادری جی'' ہیں جنہیں ٹاٹا ایکس پریس نے بہت پہلے ہی ''قادری اور دنگا'' کے عنوان سے عوام کی عدالت میں پیش کر دیا تھا (3)

(3) روزنامہ ٹاٹا ایکس پریس، جمشید پور، شمارہ ۹، ستمبر ۱۹۷۹ء

اس اقتباس سے علامہ کی مخالفت کی شدت محسوس کریں۔ مگر ان تمام مشکلات اور رکاوٹوں کے باوجود علامہ غریب، بے بس وبے کس مسلمانان اہل سنت کو ظالموں سے نجات دلانے اور انہیں دینی معاشی اور معاشرتی استحکام کی جانب رواں دواں کرنے کے لئے جمشید پور کو اپنا جائے مستقر بنالیا۔ اور بات یوں ہوگئی کہ، اگر ''جمشید پور'' شہر آہن تھا تو علامہ ارشد القادری جماعت اہلسنت کے ''مرد آہن'' بن کر ڈٹ گئے اور معاملہ یوں بنا کہ....

دل نے آنکھوں سے ان سے کہہ دی
بات چل نکلی ہے اب دیکھو کہاں تک پہنچے

مدرسہ فیض العلوم کا جمشید پور میں قائم ہونے سے مخالفین اہلسنت کے علاوہ جن سنگھی ذہنیت کے متعصب ہندو بھی علامہ کی مخالفت میں شروع سے ہی پیش پیش تھے۔ علامہ کو زیر کرنے کے لئے ان تمام حریفوں نے اپنی ریشہ دوانیوں کا جال بچھا رکھا تھا مخالفت کا کوئی موقع اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ علامہ نے بڑی مشکل سے انتہائی جدوجہد کے بعد ٹاٹا کمپنی سے تعمیر مدرسہ کے لئے ۱۹۵۵ء میں ایک قطعہ اراضی حاصل کی ۱۹۵۶ء میں حافظ ملت کے دست اقدس سے فیض العلوم کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور علامہ کی محنت رنگ لائی۔ ۱۹۶۱ء میں بفضلہٖ تعالیٰ تعمیر عمارت کی تکمیل ہوئی۔ اور علامہ کی یہ کامیابی شرپسندوں کے لئے ایک بڑی چیلنج تھی۔ تقسیم ہند کے اثرات سے مسلمان نکل نہیں پائے تھے حالات کے مدجزر سے نبرد آزماں ہونا بڑا دل گردے کا کام تھا۔ مصائب ومشکلات کا یہ دور چل ہی رہا تھا کہ علامہ کو مارچ ۱۹۶۴ء میں ڈی۔ آئی۔ آر کے تحت ملت اسلامیہ کے قائد ہونے کی بنا پر گرفتار کرلیا گیا کیونکہ جمشید پور ۱۸/مارچ ۱۹۶۴ کو بھیانک فرقہ وارانہ فساد سے بری طرح متاثر ہو چکا تھا۔ نفرت وتعصب کے اس دور میں علامہ کا جیل میں کیسے استقبال کیا گیا ہوگا اس کا ذرا تصور کریں۔ تقسیم ہند کا زخم پاکستان بننے کے غم سے متاثر متعصب ومتشدد ذہن ہندو آفیسران سے جب علامہ کا سابقہ پڑا ہوگا تو علامہ کس طرح کے ذہنی کرب میں مبتلا ہوئے ہوں گے۔ علامہ کا دل ہی جانتا ہوگا۔ تقسیم ہند سے قبل ہندو اکثریت کے عصبیت کا کیا عالم تھا اسے جاننے کے لئے صرف ایک کتاب قدرت اللہ شہاب کی ''شہاب نامہ'' کا مطالعہ ہی بہت کافی ہے اس کے مطالعہ سے بند ذہن کی تمام کھڑکیاں کھل جاتی ہیں اور اس دور میں مسلمانوں کی کیا اوقات تھی اسکا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

علامہ دو ماہ تک جیل میں رہے لیکن بھاری عوامی دباء کے تحت آخر حکومت بہار کو مجبور ہوکر علامہ کو باعزت رہا کرنا پڑا۔ رہائی کے بعد علامہ ایک بار پھر تعمیر وطن کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی آبادکاری اور خدمت خلق کو اپنا اولین مشن بنالیا۔ لیکن آپ کے مخالفین بھی چین سے بیٹھنے والے نہیں تھے علامہ اور انکے حریفوں کے درمیان معرکہ آرائی جاری تھی کہ اسی بیچ ایک بار پھر انہیں ۱۹۶۷ میں حکومت بہار نے ڈی۔ آئی۔ آر کے تحت گرفتار کرکے پہلے جمشید پور جیل میں رکھا اور پھر سیاسی مصلحت کی بنا پر علامہ کو آرہ جیل میں منتقل کر دیا۔ تقریباً جیل میں علامہ نے ۹ مہینے کا ایک طویل عرصہ گذار دیا۔ رہائی کے آثار ممکن نظر نہیں آرہے تھے۔ عوام وخواص میں بے چینی بڑھتی جارہی تھی کہ علامہ کے برادر کبیر فیض العارفین حضرت علامہ آسی پیا حسنی مدظلہ العالی نے مخدوم پٹنہ حضرت مخدوم منعم پاک رضی اللہ عنہ کے بارگاہ میں گریہ وزاری کے لئے اپنا بستر جما دیا اور عہد کرلیا کہ جب تک میرا بھائی قید وبند کی صعوبتوں سے آزاد نہیں ہوجائے گا میں در منعم پاک کے حضور سے نہیں اٹھوں گا۔ اپنے غلام کی فریاد رسی پر مخدوم منعم پاک نے توجہ فرمائی اپنی روحانیت سے ایسا تصرف فرمایا کہ فریاد رسی کے ابھی دو دن بھی نہ ہونے پائے تھے کہ حکومت نے علامہ کو جیل سے ر کرنے کا فرمان جاری کر دیا مخدوم پاک علیہ الرحمہ کی اس کھ کرامت سے علامہ کے مخالفین انگشت بدنداں رہ گئے یہ علامہ حریفوں کی ایک بہت بڑی شکست تھی جس کے صدمے سے انہ

کافی عرصے تک دوچار ہونا پڑا مگر!

آگ ہے، اولادِ ابراہیم ہے، نمرود ہے
پھر کسی کو، کیا کسی کا، امتحاں مقصود ہے

حالات سے روبرو ہونا مشکلات سے پنجے لڑانا اور مسائل کے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کے حل کے لئے ہر ممکن کوشش کرنا یہ علامہ کی فطرت ثانیہ تھی، علامہ چپ بیٹھنا جانتے ہی نہیں تھے، وہ حرکت کو زندگی اور جمود کو موت مانتے تھے۔ جیل سے رہائی کے بعد علامہ ایک بار پھر ملت کی زلف پیچاں کو سلجھانے میں مصروف ہوگئے، عجیب وغریب بات یہ ہے کہ علامہ پہلی بار ۱۹۶۴ء میں جیل گئے اور رہائی کے بعد جولائی ۱۹۶۵ء ''جماعت اسلامی'' جیسی فکری کتاب لکھ کر اہل علم کو متوجہ کیا۔ دوسری بار ۱۹۶۷ میں گرفتار کے گئے اور ۹ مہینے کے بعد آرہ جیل سے رہا ہونے کے ۱۹۶۸ میں ''تبلیغی جماعت'' نامی کتاب لکھ کر سادہ لوح عوام کے عقیدے واعمال کی تحفظ فرمائی۔ ۱۹۷۱ء میں ''زلزلہ'' لکھ کر باطل کے ایوان میں حقیقتاً فکری زلزلہ برپا کردیا جسکی پاداش میں مخالفین اہل سنت نے ''دھماکہ'' کیا اور اپنا ''نیا روپ'' بدل کر عوام الناس میں جگہ بنانے کی ناکام کوشش شروع کی اسی دوران ایک کھچڑی خور جاہل مصنف نے ''شریعت یا جہالت'' نامی کتاب لکھ کر اہل حق کی غیرت کو للکارا تو علامہ نے ۱۹۷۲ء میں ''شریعت'' نامی کتاب لکھ کر حق کا راستہ بتادیا۔

علامہ کی تصنیفی، تبلیغی، اور جماعتی مصروفیات جاری وساری تھیں کہ ایک بار پھر جمشید پور میں آگ وخون کی ہولی شرپسند عناصر نے کھیلنا شروع کردیا۔ علامہ اس فساد کے متعلق لکھتے ہیں:

''اپریل ۱۹۷۹ء میں جمشید پور کا وہ قیامت خیز سانحہ پیش آیا جس کی دھمک پوری دنیا میں محسوس کی گئی آگ اور خون کا طوفان تھم جانے کے بعد ہزاروں لٹے پٹے مظلوم مسلمانوں کی امداد و آبادکاری کا سوال کھڑا ہوگیا۔ کئی مہینے کے لئے فیض العلوم کی عمارتیں اور آس پاس کے میدان پناہ گزینوں کے کیمپ میں تبدیل ہوگئے۔

ابھی ہماری زندگی کا کھویا ہوا قرار بھی واپس نہیں ملا تھا اور اجڑے ہوئے لوگ اپنے گھروں میں اطمینان کی سانس بھی نہیں لے پائے تھے کہ فرقہ پرستوں کی شازش سے ۲۸/اگست ۱۹۷۹ء کو دوبارہ پھر فساد پھوٹ پڑا۔ اس بار بھی مدرسہ فیض العلوم کی عمارتوں اور آس پاس کے میدانوں میں کئی ہزار پناہ گزینوں کی بھیڑ جمع ہوگئی اور بہت دنوں تک پھر ہمیں میزبانی کے فرائض انجام دینے پڑے۔''(4)

(4) زیروزبر۔ ارشد القادری۔ علامہ۔ اشاعت، مئی ۱۹۸۶، ناشر جام نوردہلی صفحہ ۵

علامہ اس خوں چکا حادثہ سے دوچار مسلمانان جمشید پور کو نکالنے کی بھرپور جدوجہد میں اپنا قائدانہ کردار ادا کررہے تھے۔ اس لئے شرپسند عناصر اپنے منصوبے میں خاطر خواہ کامیاب نہیں ہو پا رہے۔ تھے لہٰذا انہوں نے علامہ کے خلاف یہ پروپگنڈہ شروع کردیا کہ علامہ قادری نے فساد بھڑکانے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ حالانکہ مخالفین کا علامہ کے خلاف ایک سیاسی حربہ تھا۔ نیز اس وقت کے وزیراعلیٰ بھی علامہ کو اپنا سیاسی حریف تصور کرتے تھے۔ ہندی اور انگریزی اخبارات نے علامہ کی خلاف پھر ایک بار صحافتی آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جانب دارانہ انداز میں اخبارات کی رپورٹنگ کی جیسے کہ ہندی روزنامہ آریہ ورت نے لکھا۔

''جمشید پور کے دنگے کے پیچھے قادری گروہ کا ہاتھ۔ نئی دلی، ۵ ستمبر بہار۔ شہر آہن جمشید پور میں ایک بار پھر گذشتہ ۲۸/اگست کو جو فرقہ وارانہ فساد بھڑک اٹھی اس کے متعلق مرکزی حکومت کے وزارات داخلہ، اپنی ذاتی تحقیقات کے حوالے سے اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ اس

دنگے کے پیچھے اقلیتی طبقے کے اس گروہ کا ہاتھ ہے جس کی قیادت مولانا ارشد القادری کرتے آئے ہیں" (5)

(5) آریہ ورت ہندی روزنامہ، ۳ ستمبر ۱۹۷۹ء

علامہ کے خلاف جن سنگھی غیر مسلم شرپسند عناصر اپنا پروپگنڈہ جاری رکھے ہوئے تھے حکومت کی نیت بھی ٹھیک نہیں تھی لہٰذا علامہ کی گرفتاری کے لئے ایک بار پھر تانا بانا بنا جانے لگا۔ اور ۳۱ راگست ۱۹۷۹ء کو اچانک علامہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتاری کی تفصیل علامہ کی زبانی ملاحظہ کریں۔ وہ لکھتے ہیں:

"۳۱ راگست کو مسٹر وائی، بی چوہان وزیر داخلہ حکومت ہند، شری فضل الرحمٰن وزیر محنت، حکومت ہند جو نہایت متعصب قسم کے ہمارے مذہبی حریف بھی ہیں۔ جمشید پور آئے۔ فیض العلوم میں پناہ گزینوں کے کیمپ کا بھی انہوں نے معائنہ کیا۔ ان کی واپسی کے تھوڑی ہی دیر بعد مجھے لوگوں نے خبر دی کہ بی، ایس، ایف اور سی، آر، پی، کے کئی سو جوان مدرسہ کا محاصرہ کر رہے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ وہ لوگ میری گرفتاری کے لئے آئے ہیں۔ میں بھی تیار ہو کر اپنے دارالاہتمام میں آکر بیٹھ گیا اور ان کا انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد پولیس انسپکٹر اپنی فورس کے ساتھ مدرسہ میں داخل ہوئے اور مجھے گرفتار کر لیا۔ اس کے بعد تین گھنٹے تک مدرسہ اور ہوسٹل کی تلاشی لی گئی لیکن کوئی قابل اعتراض چیزیں نہیں ملی، ایک رات حراست میں رکھنے کے بعد دوسرے دن مجھے جیل بھیج دیا گیا" (6)

(6) زیروزبر۔ ارشد القادری۔ علامہ۔ صفحہ ۶

بمبئی ایڈیشن The times of India کے صحافی مسٹر جنگ سنگھ نے Jamshedpur-outrage-1 عنوان کے تحت No Sing of Normalcy despit Cailms کی سرخی سے تین کالم میں ایک طویل رپورٹ شائع کیا اس میں لکھا:

Maulana Arshadul Qadri a religious leder, whose speech after the Id is alleged to have been on of the main reasons for sparking communal riots in Jamshedpur once again (7)

(7)The times of India (Bombay add). sept. 5. 1979

لیکن سابق وزیر صحت مسٹر جابر حسین نے علامہ کی گرفتاری کی مزمت کی اخباری نامہ نگار کے مطابق:

Mr. Hussain did not approve of arrest of the local relligious leader, Maulana Arshadul Qadri as in his opinion it was worng to arrest him when things had started normalising,

He however, did not mention about other important arrests made on the same day he claimed that he had met Maulan Qadri only a day earlier and had discoussed about the local trouble in detall, But the declined to divulge the factual dialls of his discussions with the Maulana. repeat edly diclined to name, the communal forces responsible for the riots at Jamshedput (8)

(8) The India nation. september 5. 1997

علامہ کے خلاف اخبارات کی زہر افشانی ملاحظہ کریں اور اندازہ کریں کہ علامہ کی فعال شخصیت سے اسلا دشمن عناصر کس قدر خوف زدہ تھے۔ روزنامہ نو بھارت رائے پور لکھتا ہے (ہندی سے اردو ترجمہ)

"دنگا بھڑکانے کے جرم میں مولانا قادری گرفتار۔ (ہمارے نامہ نگار کے مطابق) جمشید پور میں دنگا بھڑکانے کے الزام میں مولانا قادری کو کل دن کے دو بجے گرفتار کر لیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ۲۵ راگست کو مولانا قادری نے عید کی نماز پڑھاتے وقت (حکومت بہار کے خلاف) بہت ہی

زہریلی تقریر کی تھی موصول ہونے والی اطلاعات کے مطابق مولانا قادری کو پولیس پچھلے تین دنوں سے تلاش کر رہی تھی۔ معلوم ہوا ہے کہ مولانا قادری کے گرفتاری کے بعد رانی کدر محلے میں ایک دھماکہ ہوا۔ بتایا جاتا ہے کہ ان کی گرفتاری کے ردعمل کے طور پر ہی یہ دھماکہ ہوا'' (9)

(9) نوبھارت ہندی، ۳؍ستمبر ۱۹۷۹ء

روزنامہ نوبھارت رائے پور مزید لکھتا ہے (ہندی سے اردو ترجمہ ملاحظہ کریں)

''جمشید پور۔ پیر۔ یہاں کے ایک مذہبی قائد مولانا (ارشد) قادری کی گرفتاری کے بعد دنگوں سے متاثر اس شہر کا ماحول اکثر پرسکون رہا اور کوئی بھی پرتشدد واردات نہیں ہوئی۔ پولیس اور انتظامیہ کے افراد نے شہر کے مختلف علاقوں کا مستعدی کے ساتھ اپنا گشت جاری رکھا۔ لیکن گذشتہ رات مولانا قادری کے رہائش گاہ پر جو چھاپا مارا گیا تھا اس چھاپے میں کثیر تعداد میں مہلک ہتھیار ملے۔

اس ضمن میں سنگھ بھوم ضلع جنتا پارٹی کے سکریٹری وجے کمار سنگھ نے ایک بیان میں مولانا قادری کو جمشید پور جیل سے ہزاری باغ منتقل کرنے کی مانگ کی تاکہ دوبارہ نقص امن کا خطرہ نہ ہو۔ معلوم رہے کہ وجے کمار سنگھ نے ہی مولانا (قادری) کی گرفتاری کی مانگ کی تھی، ساکچی، بھالوباسا، مانگو اور بستر پور میں کل بند رکھا گیا شہر کے دیگر علاقوں میں حالات معمول پر رہا۔'' (10)

(10) نوبھارت ہندی۔ ۴؍ستمبر ۱۹۷۹ء

''ہندی روزنامہ آریہ ورت کے مطابق موجودہ بہار کے وزیراعلیٰ نے علامہ کے گرفتاری سے متعلق اپنے حریفانہ جذبہ کا اظہار کرتے ہوئے اخباری نامہ نگار کے مطابق۔

''شری داس نے 'بھارتی' کو بتایا کہ جمشید پور کے مولانا قادری کی گرفتاری کا عمل (بالکل) درست ہے۔ انہیں کافی پہلے گرفتار کر لینا چاہئے تھا (11)

(11) آریہ ورت، ہندی، پٹنہ۔ ۵ ستمبر ۱۹۷۹ء

یہ تو تھا علامہ کے متعلق فرقہ پرست اور متشدد ہندی اخبارات کا ردعمل مگر ملک کے دیگر موقر اردو اخبارات ورسائل کا رویہ علامہ کے ساتھ انتہائی ہمدردانہ اور منصفانہ رہا بلکہ ان اخبارات ورسائل نے ایوان حکومت کے بالانشین جانب دار فراعنہ وقت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے اور ان کو عوامی بے چینیوں سے آگاہ کرنے نیز حقائق سے باخبر کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ علامہ کو ظالموں کے دسترس سے نکالنے اور زندانی صعوبتوں سے نجات دلانے میں جن اخبارات ورسائل نے نہایت اہم کردار ادا کیا ان میں صوبہ بہار، پٹنہ کے اردو روزناموں میں ''صدائے عام'' ''قومی تنظیم'' ''ساتھی'' ''اتحاد وطن'' اور ''ہمارا نعرہ'' کلکتہ کے ''آزاد ہند'' اور ''غازی'' نے غازیانہ کردار ادا کیا، اترپردیش کے روزنامہ ''پیغام'' لکھنو، ''سیاست جدید'' کانپور ''تیرونشتر'' کانپور اور ہفتہ روزہ ''روداد چمن'' پیلی بھیت پیش پیش تھے، ریاست حیدرآباد کے اردو ہفتہ روزہ ''ٹائمز آف حیدر آباد'' نے جلی سرخیوں میں گرفتاری کی مذمت کی نیز دہلی کے ہفتہ روزہ ''نئی دنیا'' نے ''آپ کی آواز'' کالم میں قارئین کے مراسلے کو شائع کر کے حکومت وقت کو عوامی موقف سے آگاہ کرانے میں بہتر کردار ادا کیا۔ ماہنامہ ''المیزان'' بمبئی، ''اشرفیہ'' مبارکپور اور ''استقامت ڈائجسٹ'' کانپور نے حکومتی اور جماعتی سطح پر ارباب علم ودانش کو بے دار رکھنے میں بہت موثر خدمات انجام دیئے۔ علامہ کی حمایت میں شائع شدہ اردو اخبارات کی کچھ رپورٹ اور سرخیاں ملاحظہ کریں۔

صدائے عام پٹنہ کے نامہ نگار نے لکھا......

''مولانا ارشد القادری جیسے مذہبی رہنما کو رہا کیا جائے۔ لیڈر حزب مخالف کا مطالبہ پٹنہ، ۲؍ستمبر جناب نصر الدین حیدر خاں لیڈر حزب مخالف (کانگریس

آئی) بہار کاؤنسل نے ایک بیان میں یہ کہا ہے کہ جمشید پور میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے حکومت اسے اگر ایک طرف روکنے کی کوشش کر رہی ہے تو دوسری طرف ایک مذہبی رہنما مولانا ارشد القادری کو گرفتار کر کے حالات کو اور بھی سنگین بنا رہی ہے۔ جہاں تک مولانا ارشد القادری کی گرفتاری کا سوال ہے تو اس کا مقصد اقلیت کے ساتھ ناانصافی ہے اوران کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانا ہے۔ جب کہ اس سے قبل کے فرقہ وارانہ فساد میں دینا ناتھ پانڈے اور آر،ایس،ایس، کے دوسرے بہت سارے لوگ ملوث تھے اوران پر قتل کے بھی بہت سے مقدمے ہیں، لیکن ان لوگوں کو ابھی تک نہ تو حکومت نے گرفتار کیا ہے اور نہ ان کے خلاف کوئی کاروائی کی ہے(12)

(۱) صدائے عام، پٹنہ،۲رستمبر۱۹۷۹ء/۱۰رشوال۱۳۹۹ھ

کلکتہ کے روزنامہ ''آزاد ہند'' نے حکومت پر سخت نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھا کہ.....

''جمشید پور میں سیاسی مقاصد کے تحت فساد کرایا گیا''

''اس وزارت کو اب اقتدار میں رہنے کا کوئی حق نہیں''(مشرا کا بیان)

''مولانا قادری کو ہتھکڑی پہنا کر سڑکوں پر گھمانے کی پرزور مذمت''

جمشید پور میں مسلمانوں کے ایک مذہبی رہنما مولانا ارشد القادری کی گرفتاری پر اظہار افسوس کرتے ہوئے ڈاکٹر مشرا نے کہا کہ گرفتاری کے بعد مولانا کو ہتھکڑی پہنا کر سڑکوں پر گھمایا گیا اور انہیں بدترین جرائم پیشہ لوگوں کے ساتھ لاک اپ میں بند کیا گیا........فساد سے متاثر خاندان کو بڑے پیمانے پر ریلیف فراہم کیا جائے اور مولانا ارشد القادری کو فوراً رہا کیا جائے (۲)

(۲) آزاد ہند کلکتہ،۴رستمبر۱۹۷۹ء۔۱۲رشوال۱۳۹۹ھ

کچھ اخبارات کی سرخیاں ملاحظہ کریں

☆ روزنامہ قومی تنظیم پٹنہ،۴رستمبر۱۹۷۹ء۔۱۱رشوال۱۳۹۹ھ

''جمشید پور کے بے گناہ مسلمانوں کو رہا کر کے ریاست کے مسلمانوں سے خوف وہراس دور کیا جائے''

''سیاسی عدم استحکام کی صورت حال میں انتظامیہ اپنے فرائض کو پورا کرے''

''علامہ ارشد القادری پر ڈھائے جانے والے مظالم بند ہوں''

☆ روزنامہ صدائے عام، پٹنہ،۵رستمبر۱۹۷۹ء۔

''مولانا ارشد القادری کو فوراً رہا کیا جائے۔ کانگریس (آئی) کے چار رکنی وفد کی گورنر سے ملاقات''

☆ روزنامہ صدائے عام پٹنہ،۱۰رستمبر۱۹۷۹ء

''مولانا ارشد القادری کی گرفتاری اور مسلمانان جمشید پور پر مظالم ایک دردناک المیہ ہے۔ جمشید پور سے واپسی پر مہتمم ادارہ شرعیہ بہار کا وضاحتی بیان''

☆ روزنامہ قومی تنظیم پٹنہ۔۱۲رستمبر۱۹۷۹ء

''مولانا ارشد القادری کی گرفتاری کے خلاف آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ کا وفد دہلی میں''

☆ روزنامہ صدائے عام پٹنہ۔۱۵رستمبر۱۹۷۹ء

جہاں گنگا الٹی بہتی ہو وہاں مولانا ارشد القادری گرفتار، قاتل سر بازار گھومتے ہیں۔ جناب رضی الدین احمد صاحب کا بیان

☆ روزنامہ صدائے عام پٹنہ۔۱۶رستمبر۱۹۷۹ء

''ارشد القادری صاحب کی گرفتاری کے خلاف احتجاج''

☆ روزنامہ قومی تنظیم پٹنہ۔۱۶رستمبر۱۹۷۹

''راج نارائن کی آمد کے موقع پر ادارۂ شرعیہ کا وفد جمشید پور میں۔ مولانا سید شاہ رکن الدین اصدق مہتمم ادارۂ شرعیہ کی تفصیلی رپورٹ۔''

☆ روزنامہ ساتھی پٹنہ۔۱۶رستمبر۱۹۷۹ء

ادارۂ شرعیہ کے وفد کی جمشید پور میں راج نارائن سے ملاقات

۔مولانا ارشد القادری کی بے گناہ گرفتاری کی فریادرسی۔''

☆ روزنامہ صدائے عام۔پٹنہ۔۲۰؍ستمبر۱۹۷۹ء

''مولانا ارشد القادری کو جلد غیر مشروط طور پر رہا کیا جائے۔''

☆ روزنامہ قومی تنظیم پٹنہ۔۲۰؍ستمبر؍۱۹۷۹ء

''حضرت علامہ ارشد القادری کو بلا شرط رہا کیا جائے۔''

☆ روزنامہ راہ رو۔پٹنہ۔۲۰؍ستمبر۱۹۷۹ء

''فسادات کے سلسلے میں ریاستی حکومتوں کی کارکردگیاں غیر اطمینان بخش۔ مسلم مجلس مشاورت کے اجلاس کی قرار دادیں۔''

☆ روزصدائے عام۔پٹنہ۔۲۶؍ستمبر۱۹۷۹ء

''مولانا ارشد القادری کی گرفتاری کی سخت مذمت۔ پردیش مومن کانفرنس کی مجلس عاملہ کی نشست۔''

☆ روزنامہ صدائے عام۔پٹنہ۔۵؍اکتوبر۱۹۷۹ء

''مولانا ارشد القادری کی گرفتاری کی مذمت۔'' وارث علی گنج

☆ رزنامہ اتحاد وطن پٹنہ۔۶؍اکتوبر۱۹۷۹ء

''علامہ ارشد القادری کی افسوس ناک گرفتاری۔''

''اعظم گڈھ (ڈاک سے) جناب محمد شفیع اعظمی ناظم دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور مطلع کرتے ہیں کہ جمشید پور کے حالیہ فساد میں حضرت مولانا ارشد القادری صاحب کی گرفتاری سے ہم سبھی مسلمانوں کو حد درجہ افسوس اور نہایت اضطراب و بے چینی ہے کہ جو شخصیت تین ہزار مظلوموں کی زندگانی کا سہارا تھی اسے نائب وزیر اعظم ہند مسٹر وائی ۔بی۔ چوہان سے ایک ملاقات کے بعد غیر متوقع طور پر اشتعال انگیزی کے بے بنیاد جرم میں ملوث کر کے اب تک قید و بند کی صعوبتوں سے کیوں کر دوچار کیا جارہا ہے۔ سابق وزیر اعلیٰ بہار مسٹر جگن ناتھ مشرا صدر کانگریس آئی بہار نے گرفتاری کے بعد ہی اپنے غم وغصہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مولانا ارشد القادری کو فوراً باعزت رہا نہ کیا گیا تو پورے بہار میں رہائی کی زبردست تحریک چلائی جائے گی۔ اس طرح مسٹر راج نارائن، چیئرمین جنتا ایس نے خورشید پور جا کر اپنا بیان دیا۔ اور مسلمانان اہل سنت و دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور نے صدر جمہوریہ ہند، وزیر اعظم ہند، وزیر اعلیٰ بہار نیز ڈی۔ ایم۔ جمشید پور سے بذریعہ ٹیلی گرام رہائی کا مطالبہ کیا۔

''اس کے علاوہ ملک کے بہت سے مقتدر علماء و دانشوروں اور سیاسی لیڈروں نے اپنے بیانات دیئے۔ احتجاجی مراسلے شائع کرائے مگر اس کے باوجود صوبائی اور مقامی حکام نے کوئی توجہ نہ دی اور نہ مولانا کو صفائی کا کوئی موقع وغیرہ دیا گیا۔ نہ ہی کسی طرح کی کوئی معقول کاروائی عمل میں آئی۔''

ہم حکومت وقت پر یہ امر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ حضرت مولانا ارشد القادری صاحب ہندوستان کے زبردست عالم اور مقتدر مذہبی رہنما ہیں اس لئے ہمارے جذبات کا احساس کرتے ہوئے مولانا کو فوراً باعزت رہا کیا جائے اور ملک کو فرقہ پرستی کی لعنت سے محفوظ رکھا جائے۔''

☆ روزنامہ صدائے عام۔پٹنہ۔۱۷؍اکتوبر۱۹۷۹ء

''علامہ ارشد القادری کی رہائی کا مطالبہ۔کوٹہ راجستھان۔''

☆ روزنامہ صدائے عام۔پٹنہ۔۱۹؍اکتوبر۱۹۷۹ء

''مولانا ارشد القادری کی رہائی کا مطالبہ بیسوا۔مدھوبنی''

☆ روزنامہ ہمارا نعرہ۔پٹنہ۔۱۷؍اکتوبر۱۹۷۹ء

''حکومت ہند سے علامہ ارشد القادری کی رہائی کا مطالبہ کیتھون۔راجستھان''

☆ روزنامہ صدائے عام پٹنہ ۲۸؍اکتبر ۱۹۷۹ء

''مولانا ارشد القادری سمیت بے قصور مسلمانوں کو رہا کیا جائے۔ کیدار پانڈے۔ رضی حید اور شمس الہدی استھانوی

کا مطالبہ۔ وزیر اعلیٰ کا نظر ثانی کرنے کا عدہ''

☆ روز نامہ غازی کلکتہ۔۳ر ستمبر ۱۹۷۹ء

'چوہان سے ملاقات کے بعد ہی مولانا ارشد القادری گرفتار۔ جمشید پور میں کشیدگی بڑھ گئی، مدرسہ فیض العلوم میں خانہ تلاشی۔ سارے مسلمانوں میں انتشار و اضطراب کی لہر''

☆ روز نامہ غازی کلکتہ۔۴ر ستمبر ۱۹۷۹ء

''بہار کی حکومت بے گناہ مسلمانوں کو دہشت زدہ کرنا چاہتی ہے (بہوگنا) مولانا ارشد القادری پر شدید الزامات، ضمانت کی تیاری، جیل میں بند۔ فسادیوں کو کچلنے پر ڈی۔ سی اور ایس۔ ڈی۔ او۔ تبدیل

☆ روز نامہ غازی کلکتہ۔۵ر ستمبر ۱۹۷۹ء

''جمشید پور میں فساد اندرا کانگریس اور فرقہ پرست سرکار نے کرایا، فضل الرحمٰن۔ اگر مرکزی حکومت نے مداخلت نہ کی تو پوجا میں پھر فساد بھڑک سکتا ہے۔ (کپل دیو) مولانا ارشد القادری کی ضمانت نہ ہو سکی، دوڑ دھوپ شروع۔

☆ روز نامہ غازی کلکتہ۔۷ر ستمبر ۱۹۷۹ء

جمشید پور کے مسلمانوں کو دہشت زدہ کرنے کے لئے جگہ جگہ چھاپے۔ مولانا ارشد القادری کی ضمانت کی درخواست۔ سماعت، ۱۸ر ستمبر ۱۹۷۹ء کو۔ چاروں طرف خوف وہراس، افواہیں، کرفیو جاری۔''

☆ روز نامہ غازی کلکتہ ۲۴ ستمبر ۱۹۷۹ء

۷ اکروڑ مسلمانوں کی توہین۔ ڈاکٹر سید سلطان ہاشمی۔ سکریٹری آل انڈیا جمعیۃ العلماء کانپور

مولانا ارشد القادری کی گرفتاری ہارون رشد محسن کالج۔ ہوگلی۔

☆ روز نامہ غازی کلکتہ۔۱۰ر اکتوبر ۱۹۷۹ء

''مولانا ارشد القادری کی رہائی عن قریب ممکن۔ اندرا کانگریس لیڈر مشرا کو سندر داس کی یقین دہائی''

☆ روز نامہ سیاست جدید۔ کانپور۔(یوپی)۔۵ ستمبر ۱۹۷۹ء

جمشید پور کا حالیہ فساد ہریجنوں اور اقلیتوں کو ٹکرانے کے لئے کرایا گیا۔ ہریجن نوجوانوں کے دماغوں کے اندر تشدد اور تعصب ٹھونسا جا رہا ہے۔ مولانا ارشد القادری کو گرفتار کرنا پھر سڑکوں پر گشت کرانا انتہائی افسوس ناک ہے۔ ان کی گرفتاری صرف اس لئے ہوئی کہ وہ اندرا کانگریس کے حامی ہیں۔ جن تین ہزار عورتوں اور بچوں کا کیمپ مولانا چلا رہے تھے وہ اب کھانے سے محروم ہیں۔ فسادی آزاد گھوم رہے ہیں۔ ڈاکٹر جگن ناتھ مصرا کی تحقیقاتی رپورٹ۔''

☆ روز نامہ پیغام لکھنؤ۔ یوپی۔۷ ستمبر ۱۹۷۹ء

''جمشید پور میں مولانا ارشد القادری کو نائب وزیر اعظم چوہان کی ہدایت پر گرفتار کیا گیا۔ کانگریس (آئی) کی ٹیم کا انکشاف۔ مولانا کے مدرسہ سے ہتھیار برآمد کیئے جانے کی خبر شر انگیز اور گمراہ کن بنیاد کے پس پردہ سیاسی مقاصد کا رفرما! ہریجن بستیوں میں آر، ایس، ایس، کی شاخائیں پابندی کے ساتھ لگ رہی ہیں۔ فساد کا ذمہ دار شخص دینا ناتھ پانڈے آزاد گھوم رہا ہے۔''

☆ روز نامہ تیر نشتر۔ کانپور یوپی۔۱۲ اکتوبر ۱۹۷۹ء

''علامہ ارشد القادری سے متعلق ہفتہ وار بلٹز کے نامہ نگار کے مکروہ پروپگنڈہ پر احتجاج۔ ایڈیٹر کے نام مکتوب، معافی نامہ شائع کر کے مسلمانوں کو مطمئن کیئے جانے کا مطالبہ''

☆ ہفتہ روزہ نئی دنیا۔ دہلی۔۱۸ر اکتوبر ۱۹۷۹ء (کالم آپ کی آواز)

''ارشد القادری کے خلاف ایف۔ آئی۔، آر۔ درج کرانے والا خود ایک غنڈہ ہے۔ محمد نور اشرفی ناظم ادارۂ شرعیہ۔ بہار۔ پٹنہ

☆ ہفت روزہ ٹائمز آف حیدرآباد، اردو۔۱۶ر ستمبر ۱۹۷۹ء

''بہار کے ہریجن اور مسلمانوں کا نام ونشان مٹانے کے درپے

آر، ایس، ایس، عناصر۔ سرکاری مشنری قتل عام پر کمر بستہ۔ فسادزدگان کو امداد دینے سے انکار۔ مسلمانوں کی بے باک نمائندگی کی پاداش میں ممتاز عالم مولانا ارشد القادری کی گرفتاری''

☆ روزنامہ غازی کلکتہ۔۸/نومبر ۱۹۷۹ء

''مولانا ارشد القادری رہا، کمیشن ملتوی ۔ جمشید پور کے مسلمانوں پر بہار حکومت کے مظالم کا سلسلہ دراز''

☆ روزنامہ صدائے عام۔ پٹنہ۔۹/نومبر ۱۹۷۹ء

مولانا ارشد القادری ضمانت پر رہا''

☆ ہفت روزہ روداد چمن پلی بھیت، یوپی۔۳۰/دسمبر ۱۹۷۹ء

''مجھے کس پارٹی نے گرفتار کرایا اور کس نے رہائی دلائی۔ علامہ ارشد القادری کا بیان۔

اختصار کے پیش نظر مزید اخبارات ورسائل میں شائع شدہ بیانات ومراسلات کی جھلکیاں ضبط تحریر میں لانے سے قاصر ہوں ویسے امید کرتا ہوں کہ میں اس موضوع پر ایک مستقل کتابچہ انشاء اللہ ارباب علم ودانش کی خدمت میں پیش کرونگا۔

مولانا لیسین اختر مصباحی صاحب نے ماہنامہ اشرفیہ میں پانچ صفحہ پر مشتمل ایک جامع مضمون بعنوان ''علامہ ارشد القادری کی افسوس ناک گرفتاری سے مسلمانان ہند میں اضطراب و بے چینی کی شدید لہر'' لکھا اس میں علامہ کی خدمات کے تعلق سے ۱۰/نکات پر مشتمل ایک تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ مصباحی صاحب نے لکھا۔

> ''جمشید پور کے حالیہ فساد میں حضرت مولانا ارشد القادری صاحب کی افسوس ناک گرفتاری سے مسلمانان ہند کا ایک بڑا طبقہ کرب و بے چینی اور شدید اضطراب کا شکار ہے۔ مولانا موصوف بہت سی ایسی خصوصیات اور کچھ ایسی خوبیوں کے مالک ہیں۔ جن کی وجہ سے مسلمانان اہل سنت کے درمیان بے پناہ مقبولیت حاصل ہے اور عوام وخواص سبھی انہیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں(۱)

(۱) اشرفیہ ماہنامہ۔ مبارک پور، اکتوبر ۱۹۷۹ء صفحہ ۲۳

لیکن قربان جایئے علامہ کی ہمت وجرأت اور ان کے استقامت پر کہ تمام طرح کی پریشانیوں سے دوچار ہونے کے باوجود ان کے پائے استقلال میں کوئی جنبش نہیں آئی اور تا عمر خدمت دین مبین کے اپنے مستحکم نظریہ پر کوہ ہمالیہ کے مانند اٹل رہے، علامہ مدرسہ میں ہو یا خانقاہ میں سفر میں ہوں یا حضر میں، ریل میں ہوں یا جیل میں، ہر جگہ انہیں مذہب اہلسنت کی بقا، ترقی اور منزل عروج کی جانب لے جانے کی فکر دامن گیر رہتی۔ قید و بند کے دوران ساکچی جیل سے علامہ نے ماہنامہ المیز ان بمبئی کے مدیر سید محمد جیلانی کو ایک انتہائی درد مندانہ خط لکھا جو ماہنامہ المیز ان میں شائع ہوا، افادیت کے پیش نظر من وعن خط ملاحظہ کریں:

۷۸۶
۲۹

''افتخار اہل سنت حضرت جیلانی میاں صاحب قبلہ۔''

مدیر اعلیٰ المیزان بمبئی

(دارالعلوم دیوان شاہ۔ درگاہ روڈ بھونڈی، ضلع تھانہ۔ مہاراشٹر)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ

آج عصر کی نماز کے بعد جیل کے پارک میں بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا کہ المیز ان کا تازہ شمارہ ملا اداریہ پڑھ کر جو روحانی مسرت حاصل ہوئی اس کے بیان کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ خوشی اس بات کی نہیں ہے کہ میری اسیری کو آپ نے ازراہ کرم وعنایت اپنے قلم کا موضوع بنایا بلکہ دراصل خوشی اس جماعتی زندگی کا احساس ہے جو آپ کے اداریہ کی سطر سطر سے پھوٹ رہا ہے۔ آپ کے بعض فقرے تو اس قیامت کے ہیں کہ جیسے کسی نے غم کے مضراب کا تار چھیڑ دیا ہو اور سویا ہوا درد جاگ اٹھے۔ ایک فرد کی قربانی سے اگر جماعت کو

زندگی باقی ہوتو میں ہزار بار قربان ہونے کو تیار ہوں۔

زنداں کی چہار دیواری کے اندر آج ٹھیک مجھے چالیس دن ہو گئے۔ روحانی کیف وسرور، عشق کے سوز وگداز اور تنہائیوں کی لذت کے یہ دن کبھی نہیں بھولیں گے۔ سوچتا ہوں کہ جرم کیا ہے؟ جس کی پاداش میں طوق وسلاسل کی مجھے یہ سزا دی گئی ہے تو خوشی سے دل بلّیوں اچھلنے لگتا ہے۔ اعلائے کلمہ حق اور ملت مظلوم کی غمگساریوں، ہمدردیوں اور خدمتوں کی یہ سزا کتنی قابلِ فخر ہے میرے لئے۔ عمر کا یہ حصہ اسلام کے جاں نثاروں کے نقوش قدم سے بہت قریب ہو گیا ہے۔

عقیدے کی برتری اور اسلام کی سربلندی کے لئے ہمارے اسلاف نے جو قربانیاں دی ہیں طوفانوں کے نرغے میں جس طرح ضمیرے کی آزادی کا چراغ جلایا ہے اور اخلاص ووفا کی سرزمین پر اپنے خون سے جو نقوش ثبت کئے اس کے مقابلے میں ہماری یہ چند روز کی قربانی کیا حقیقت رکھتی ہے۔

مولانا! چند افراد کی اسیری سے فراعنۂ وقت کا غرور تو نہیں ٹوٹ سکتا۔ لیکن قوم کے نوجوانوں کے دلوں سے قید وبند کا خوف ہی دور ہو جائے تو میں سمجھوں گا کہ ساری صعوبتوں کی قیمت وصول ہو گئی۔ ایک جمہوری ملک میں حقوق کی لڑائی کا سلسلہ مطالبے سے شروع ہوتا ہے اور احتجاج کے مختلف مراحل سے گذرتا ہوا زنداں کے دروازے پر ختم ہو جاتا ہے۔ ضمیر کا خون، باطل کے ساتھ سمجھوتہ اور غیرت کا قتل، صرف اسی وقت عمل میں آتا ہے جب قوم بزدلی کا شکار ہو جاتی ہے۔ جب قوم کے افراد ذاتی آسائش، جھوٹی تعریف اور ظالم حکام کی نظر میں سرخرو بنے کی ناپاک خواہش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

محترم مدیر! آپ نے اہل سنت کی جماعتی تنظیم کا اپنے اداریہ میں ذکر کر کے جس بیدردی کی ساتھ میرے زخموں کو کریدا ہے اگر آپ آل رسول نہ ہوتے تو میں اس کے خلاف نہایت سخت لفظوں میں احتجاج کرتا۔ جماعتی تنظیم کا سوال وہاں اٹھتا ہے جہاں جماعت بھی ہو۔ فرض کیجئے کسی لق ودق میدان میں لاکھوں نمازی جمع ہوں اور ہر شخص فرداً فرداً نماز پڑھ رہا ہو تو کیا اسے جماعت کی نماز کہا جائے گا؟ جب کہ ہر شخص کی نیت بھی ایک ہی ہے۔ نماز بھی ایک ہی ہے طریقہ بھی ایک ہے لیکن ہر چیز میں اشتراک کے باوجود ان کے درمیان کسی امام کی اقتداء کا اشتراک نہیں ہے تو لاکھوں میں ہوتے ہوئے بھی انہیں جماعت نہیں کہا جائے گا۔ بالکل یہی حال ہمارا ہے، کہنے کے لئے آپ چیختے رہیئے کہ آپ ہندوستانی مسلمانوں کا سواد اعظم ہیں، آپ کی تعداد دس کروڑ ہے لیکن آپ اس تلخ حقیقت کو جیسے بھی ہو حلق کے نیچے اتار لیجئے کہ آپ کروڑوں کی بھیڑ رکھتے ہوئے بھی جماعت نہیں ہیں۔ اور سب سے بڑا ماتم تو اس شامت نصیبی کا ہے کہ ہم پیدا ہوتے ہی اپنے آپ کو اہل سنت وجماعت کہنے لگتے ہیں یعنی کوئی پیدا ہو کر جماعت بناتا ہے اور ہم جماعت لے کر پیدا ہوتے ہیں پھر بھی ہم جماعت نہیں ہیں۔ کیوں؟ اس سوال کا جواب بڑا تلخ ہے۔

آپ تو ماشاء اللہ نہایت ذہین، حساس اور صاحب فکر مدیر ہیں۔ ملک میں جب بھی اور جہاں بھی مسلم مسائل پر مسلم جماعتوں کی سرگرمیوں اوران کے حلقہ ہائے اثر کا تذکرہ ہوتا ہے بحیثیت جماعت کے کہیں بھی آپ کا کوئی چرچا ہے؟ وجوہات پر اگر میں بحث کروں تو بلاوجہ بہت سارے حلقوں کی آزردگی کا میں نشانہ بن جاؤں گا۔

جماعتی تنظیم کا سوال تو اپنی جگہ ہے لیکن اب سب سے بڑا خطرہ تو یہ پیدا ہو گیا ہے کہ ہمارا مسلک آنے والے نسلوں میں محفوظ بھی رہ سکے گا یا نہیں؟ آپ بے لاگ طریقے پر ذرا نوجوان علماء کا جائزہ لیجئے جو ہمارے مستقبل کی امید ہیں۔ وہ ایک پرسوز دردمند اور مذہبی رہنما کے بجائے ایک فنکار کے پیکر میں اپنے آپ کو تبدیل کرتے جارہے ہیں۔ ہمارے عوام بھی اب ہمارے لئے اپنے تئیں عقیدت کی وہ کشش محسوس نہیں کرتے جو ماضی میں اپنے اسلاف کے لئے ہم نے دیکھے ہیں۔

اور یہ سارے مفاسد ہمارے اندر صرف اس لئے پیدا ہو گئے ہیں کہ کوئی شخص بھی اپنے بڑے کے سامنے اپنے آپ کو جواب دہ نہیں سمجھتا اور جوابدہ سمجھنے کا سوال تو اس وقت پیدا ہو جب کوئی کسی کو اپنا بڑا بھی سمجھے۔ان حالات میں کسی جماعتی نظام کی بات کرنا فیشن کے طور پر ہو تو چنداں مظائقہ نہیں۔لیکن از راہ حقیقت ہو تو اس سے بڑھ کر کوئی حماقت کی بات نہیں ہو سکتی۔

ہمارے وہ اکابر جو آج بقید حیات ہیں خدائے قدیر ان کا ظل ہمایونی ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ہم نے سب سے التجائیں کی ہیں کہ خدارا اپنی زندگی میں ہمیں کسی ایک پرچم کے نیچے جمع کر دیجئے تا کہ ہم آپ کے بعد ایک متحدہ نظام جماعت کے سایے میں اپنا وجود برقرار رکھ سکیں۔لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بدنصیبی ہمارے اوپر مسلط ہوگئی ہے۔ہمیں نہات قلق ہے کہ ہمارے بزرگوں نے ہماری اس التجا کو قطعاً درخور اعتنا سمجھا،آج بھی ہمارے اکابر اپنے منصب کا اختیار استعمال کریں تو متحدہ نظام جماعت کا قیام ناممکن نہیں ہے۔

جذبات کی رو میں خط بہت لمبا ہو گیا اگر چہ حکومت کی نیت اچھی نہیں ہے لیکن خدا کی مشیت سب پر غالب ہے۔وہ جس دن چاہے گا مصائب کی زنجیریں خود بخود ٹوٹ جائیں گی۔جیل کی زندگی ویسے بہت کرب انگیز ہوتی ہے لیکن مجھے یہاں ہر طرح کی سہولت حاصل ہے۔ذکر وفکر محافل میلاد اور **یانبی سلام علیك** کے نغموں سے جیل کی فضا معطر رہا کرتی ہے۔اہل سنت کے وہ تمام افراد جنھوں نے انفرادی اور اجتمائی طور پر میری رہائی کے لئے کسی طرح کی بھی کوشش کی ہے۔میں سب کے لئے دعا گو اور سب کا شکر گذار ہوں۔ خدا نے توفیق بخشی تو گرفتاری کے اسباب،مظالم کی خونچکاں داستان اور جیل کی زندگی پر ایک تفصیلی مضمون ارسال کروں گا۔حضرت شیخ الاسلام،مولانا ہاشمی میاں اور جملہ رفقائے ادارہ کو سلام کہیئے۔یہ معلوم کر کے آپ کو خوشی ہوگی کہ جیل میں آنے کا ایک عظیم فائدہ یہ ہوا کہ ''زیروزبر'' بالکل مکمل ہوگئی۔''

آپ کا

ارشد القادری۔جمشید پور

خط کے ایک ایک لفظ سے علامہ کے دردمند دل کی بے چینیوں کا اظہار ہو رہا ہے حق بات تو یہ ہے کہ علامہ اپنے تبلیغی مشن میں ہر جگہ چاک و چوبند نظر آتے ہیں آخر کار حکومت نے عوامی دباؤ کے تحت علامہ کو جیل میں عام مجرموں سے الگ امتیازی حیثیت سے رکھا۔اور پھر تمام سہولیتیں جو ایک سیاسی قیدی کو دی جاتی ہے وہ سارے مراعات جیل کے حکام نے علامہ کو فراہم کیں۔ علامہ وہاں بھی تصنیف وتالیف میں منہمک رہے اور جیل میں ہی ''زیروزبر'' جیسی خوبصورت تنقیدی اسلوب پر مشتمل کتاب تخلیق کی،جو آج تک مذہبی تنقید کی دنیا میں لاجواب اور بے مثال ہے،علامہ جیل میں اپنے مصرفیات کے متعلق رقم طراز ہیں۔

''جیل کا تصور ویسے بڑا بھیانک ہوتا ہے لیکن میرا اپنا خیال ہے کہ تزکیۂ نفس،روحانی بالیدگی،ذکر وفکر اور لکھنے پڑھنے کے کام کے لئے سکون اور تنہائی کے جو قابل رشک لمحات یہاں میسر آتے ہیں وہ باہر مشکل ہی سے نصیب ہوتے ہیں۔

یہ بھی خدا کا فضل ہے کہ مجھے جیل میں ہر طرح کی سہولت حاصل ہے۔ہر روز صبح کو یہاں کے مقررہ وقت سے ایک گھنٹہ پیشتر مجھے کھول دیا جاتا ہے۔سب سے پہلے میں ضروریات سے فارغ ہو کر غسل کرتا ہوں۔پھر جیل کے پارک میں ایک امرود کے درخت کے نیچے مصلیٰ بچھا کر نماز فجر ادا کرتا ہوں۔پھر معمولات و وظائف سے فارغ ہو کر تھوڑی دیر چہل قدمی کرتا ہوں اس کے بعد ناشتہ کر کے تین چار گھنٹے تک لکھنے پڑھنے کا کام کرتا ہوں۔

اس سلسلے میں جن کتابوں کی مجھے ضرورت پیش آتی ہے انہیں اپنے کتب خانے سے منگوانے میں سوا اس کے اور کوئی دشواری نہیں پیش آتی کہ خفیہ محکمہ سے منظوری حاصل کرنے میں کئی کئی دن صرف

ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد دوپہر تک کا وقت ملاقاتوں اور مسلمانوں قیدیوں کی تذکیر واصلاح میں گذرتا ہے پھر کھانا کھا کر ظہر کی نماز سے فارغ ہوتا ہوں۔ اس کے بعد تھوڑی دیر آرام کرتا ہوں۔ پھر عصر سے لیکر عشاء کے بعد تک اسی امرود کے درخت کے نیچے اوراد وظائف میں مشغول رہتا ہوں۔

اصلاح وتذکیر کی یومیہ نشستوں کے علاوہ سرکار غریب نواز کی چھٹی شریف اور حضرت صدر الشریعہ مصنف بہار شریعت کے یوم وصال پر محافل میلاد بھی دھوم دھام سے منعقد ہوئیں جن میں مسلمانوں کے علاوہ جیل کے حکام اور دوسرے غیر مسلم حضرات بھی شریک ہوئے۔

وہ وقت بڑا ہی رقت انگیز اور کیف آور تھا جب یــا نبــی ســلام علیـک کا نورانی نغمہ جیل کی فصیلوں سے ٹکرایا اور ساری فضاء معطر ہوگئی عشاق پر کچھ ایسی کیفیت طاری تھی کہ دل وفا پیشہ نے باور کرلیا کہ سرکار نے اپنی امت کے اسیروں کا سلام قبول کرلیا۔

کہنے کے لئے مجھے جیل پہنچانے میں ظلم کا ہاتھ ہے لیکن یہ کتنا خوبصورت ظلم ہے جو میر برسوں کی آرزوں کی تکمیل کا ذریعہ بن گیا کہ ''زیروزبر'' کا دوتہائی حصہ جو تین سو صفحات پر مشتمل ہے آج مکمل ہوگیا۔

میری گرفتاری پر نہ صرف اہل سنت کی کل ہند تنظیموں، تعلیمی اداروں اور عوام وخواص نے ملک گیر بے چینوں کا مظاہرہ کیا بلکہ برصغیر ہند کے طول وعرض میں اردو کے ممتاز اخبارات ورسائل اور بیشتر سیاسی رہنماؤں نے بھی میری گرفتاری کے خلاف کھلے لفظوں میں مذمت ۔کی میں صمیم قلب سے ان سب کی غم گسار ہمدردیوں کا شکر گذار ہوں۔

لیکن یہ بھی زندہ جاوید حقیقت ہے کہ اگر مجھے اسیری کے یہ قابل رشک ایام میسر نہ آئے ہوتے تو ''زیروزبر'' جیسی خوبصورت، فکر انگیز اور بصیرت افروز کتاب وجود میں نہ آتی۔ ''زیروزبر'' کی تکمیل کے بعد میں ''دینی نصاب'' کے نام سے عامہ مسلمین کو دین سے روشناس کرانے اوران کے اندر اسلامی زندگی کی اسپرٹ پیدا کرنے کے ئے ایک نہایت مفید اور جامع کتاب کی ترتیب کا کام شروع کرر ہا ہوں۔

اگر قید وبند کی مدت طویل ہوگئی تو جیل ہی میں اسے بھی پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی ضرور کوشش کروں گا۔

آج میں نے چالیس دن کا ایک چلّہ پورا کرلیا ہے اب یہ خدا ہی کو معلوم ہے کہ اور مجھے کتنے دن یہاں رہنا ہے۔ جب سے مجھے یہ محسوس ہوا کہ میں جیل میں نہیں بلکہ اسلام کے مشن پر ہوں تب سے میری نظر میں اسیری کی قدر وقیمت بڑھ گئی۔

جیل میں اپنی ملّت کے نوجوانوں کی قابل رشک امنگوں اور فلک پیا ہمتوں کا جب جائزہ لیتا ہوں تو بیساختہ یہ آرزو دل میں مچلنے لگتی ہے کہ ہر نوجوان کو اس طوفان سے آشنا ہونا چاہئے۔

راستہ ایک ہے ہم عشق کے دیوانوں کا
قد گیسو سے چلے دارو رسن تک پہنچے

اپنے محبوب کا اسیر
ارشد القادری
ساکچی جیل، جمشید پور''
۱۰/ اکتوبر ۱۹۷۹ء

علامہ ارشد القادری بلا شک وشبہ ایک انسان ہی تھے میں انہیں فرشتہ صفت یا ماورائے انسانیت شخص بنا کر نہیں پیش کر رہا ہوں۔ لیکن ان کی تمام تر بشری خامیوں اور خوبیوں کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ان کا ہر مخالف یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ علامہ نے جو اپنے دین ومسلک کی خدمت کی اس میں وہ تنہا اور بے مثال تھے، ان کی خدمات رہتی دنیا تک یاد رکھی جائیں گی۔ اس کو بھلا دینا نہ صرف علامہ کے ساتھ بلکہ مسلک اہل سنت کے ساتھ نہ انصافی ہوگی۔

زندگی کی رعنائی امتحاں کی منزل ہے
ارد گرد راحت ہے لغزشوں کے پہرے ہیں

ڈاکٹر شکیل اعظمی۔گھوسی
رکن مجلس شوریٰ الجامعۃ الاشرفیہ،مبارکپور،اعظم گڈھ

علامہ ارشد القادری کی نعتیہ شاعری

حضرت علامہ ارشد القادری مدظلہ العالی ایک متبحر عالم دین، مایۂ ناز خطیب، بے مثل مناظر و متکلم، بلند پایہ ناقد، مستند ادیب، دیدہ ور محقق، صاحب طرز انشاء پرداز، دقیق النظر مدبر و منتظم، عدیم المثال مفکر، عظیم دانشور اور باشعور قائد ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند خیال اور خوش فکر و خوش گو شاعر بھی ہیں۔

مجھے علم نہیں کہ ان کا کوئی شعری مجموعہ زیور طبع سے آراستہ ہوا ہے یا نہیں لیکن انکی چند نعتیں جو اس وقت میرے پیش نظر ہیں ان کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک قادرالکلام شاعر ہیں انکا دل عشق رسول کی جلوہ گاہ ہے وہ سچے عاشق رسول ہیں انکی شاعری کا مرکز و محور سرور کونین کی ذات ستودہ صفات ہے اور جب محبوب کائنات کا جذبۂ عشق و محبت دل کے سوز و گداز کے ساتھ لفظوں کے پیکر میں ڈھلتا ہے تو نعت کے پر کیف و پُر اثر اشعار پڑھنے اور سننے والوں پر وجد کی کیفیت طاری کر دیتے ہیں۔ نعت پاک میں فنی تیور کے ساتھ شرعی نزاکتوں اور قدروں کا برتنا آسان نہیں۔اس منزل سے سلامتی کے ساتھ وہی گزر سکتا ہے جو فن پر پوری قدرت رکھنے کے ساتھ شرعی اسرار و رموز سے کما حقہ آشنا ہو۔

اور بحمدہٖ تعالیٰ موصوف محترم میں یہ دونوں وصف بدرجۂ اتم موجود ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام افراط و تفریط سے پاک اور فنی اوصاف و محاسن کا آئینہ دار ہے۔دل کے بے پناہ سوز و گداز کے ساتھ آقا کی بارگاہ بیکس پناہ میں التجا کا یہ حسرت انگیز و الہانہ انداز ملاحظہ فرمائیں۔

صبح کا وقت ہے آقا میری جھولی بھر دو
کٹ گئی رات یوں ہی دستِ طلب پھیلائے

سرور کائنات کے ایک سچے غلام کا یہ پُر شکوہ تیور اور پُر وقار و پُر اعتماد لب و لہجہ ملاحظہ فرمائیں،

ٹوٹ جائے غم و کلفت کی چٹانوں کا غرور
سبز گنبد سے اگر دل کی صدا ٹکرائے

آقا کے مقدس دیار میں موت کی تمنا ہر مرد مومن کے دل کی تڑپتی ہوئی آرزوؤں کا نقطۂ عروج ہے، اور وہاں پہونچ کر موت کو لبیک کہنا سعادت دارین کی حصولیابی کا معتمد وسیلہ اور بیقرار و مضطرب دل کی تسکین کا معتبر ذریعہ ہے۔

علامہ ارشد القادری کس پرسکون و پُر اشتیاق لہجہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

آگئے والی بطحا کی اماں میں ارشدؔ
کہہ دو آنا ہے تو اب پیکِ اجل آجائے

''دونوں عالم کے سرکار آجائیے'' ایک نعت پاک کی ردیف ہے، نعت کا ہر شعر ایک وجدانی کیفیت کا حامل ہے کیف و اثر میں ڈوبا ہوا ایمان و اذعان کی جوت سے رخشندہ و تابندہ۔

مطلع میں شوق دیدار کا یہ پُر کیف محاکاتی رنگ ملاحظہ ہو۔

بہر دیدار مشتاق ہے ہر نظر دونوں عالم کے سرکار آجایئے
چاندنی رات ہے، اور پچھلا پہر دونوں عالم کے سرکار آجایئے

حسرت و یاس اور دردمندانہ التجا کا یہ خیر مقدمی رنگ و آہنگ دیکھئے:

شامِ امید کا اب سویرا ہوا، سوئے طیبہ نگاہوں کا ڈیرا ہوا
بچھ گئے راہ میں فرشِ قلب وجگر دونوں عالم کے سرکار آجایئے

مناظرانہ ومتکلمانہ پس منظر میں فکر واعتقاد کے رُخ سے ٹھوکر کھانے والوں کے ریب و شک دور کرنے اور حقیقت مستورہ ظاہر کرکے منکرین کی تردید وتکذیب اور اصلاح فکر ونظر کے لیے سرکار دوعالم نور مجسم ﷺ سے ایک درخواست ایک التجا۔

جلوہ گر سامنے پیکر نور ہو، منکروں کا بھی سرکار شک دور ہو
کرکے تبدیل ایکدن لباس بشر، دونوں عالم کے سرکار آجایئے

بیمار عشق کا آخری وقت ہے۔ چراغ زندگی گل ہوجانے کا اندیشہ ہے ایسے نازک وقت میں ایک عاشق زار اپنے محبوب کے رُخ زیبا کی زیارت کا تمنائی ہے۔ اور بڑی حسرتوں اور تمناؤں کے ساتھ عرض کررہا ہے۔

آخری وقت ہے ایک بیمار کا، دل دھڑکنے لگا شوق دیدار کا
بجھ نہ جائے کہیں یہ چراغ سحر دونوں عالم کے سرکار آجایئے

اس شعر کے مصرعہ اولیٰ میں ''دل دھڑکنے لگا شوق دیدار کا'' ٹکڑا کتنا بلیغ، کتنا خوبصورت اور کتنا کیف آفریں ہے۔ اہل ذوق سے مخفی نہیں۔

گورغریباں کی شام ہے، لامتناہی سکوت ہے، تنہائی کا عالم ہے، سوال و جواب کا سخت ترین مرحلہ ہے ایسے وحشت انگیز، خطرناک اور ہیبت آگیں ماحول میں قبر کی آغوش میں لیٹا ہوا ایک کفن پوش اپنے محسن غمگسار، رحمت والے آقا کو حسرت بھرے لہجے میں پکاررہا ہے۔ کہ سرکار تشریف لائیں، کرم فرمائیں، اور اپنے چاہنے والے کی وحشت وکلفت کو دور فرمائیں اسکی مشکلیں آسان فرمائیں۔ ابدی راحتوں اور سرمدی نعمتوں سے نوازیں۔ بڑا ہی رقت انگیز اور پر اثر ہے اس نعت پاک کا مقطع:

شام غربت ہے اور شہر خاموش ہے ایک ارشدؔ اکیلا کفن پوش ہے
خوف کی ہے گھڑی وقت ہے پُرخطر دونوں عالم کے سرکار آجایئے

کسی مصرع پر تضمین آسان نہیں اس میں مشق وممارست کے ساتھ ساتھ انتہائی غور وفکر اور مصرعۂ ثانی سے گہرا معنوی ربط پیدا کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ تاکہ مصرعۂ اولیٰ مصرعۂ ثانی سے بے ربط اور بے میل نہ ہونے پائے۔ کسی شاعر کے لئے تضمین کا صرف ایک کامیاب شعر کہنا مشکل ہوتا ہے۔ تضمین کے متعدد کامیاب شعر کہنا تو بہت دور کی بات ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے ''شمع جمال مصطفائی'' کے عنوان سے بائیس تضمین کے اشعار کہے ہیں۔ تضمین کا ہر شعر اپنی جگہ انتہائی موزوں برمحل، خوبصورت اور قابل تعریف ہے کس کر انداز سے مضمون آفرینی کی ہے اور تضمین کا حق ادا کیا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

۱ مجھ کو شب غم ڈرا رہی ہے
اے شمع جمال مصطفائی

۲ آنکھوں میں چمک کے دل میں آجا
اے شمع جمال مصطفائی

۳۔ چمکادے نصیب بد نصیباں
اے شمع جمال مصطفائی

۴۔ تاریک ہے رات غمزدوں کی
اے شمع جمال مصطفائی

۵۔ تاریکیٔ گور سے بچانا
اے شمع جمال مصطفائی
۶۔ ہم تیرہ دلوں پہ بھی کرم کر
اے شمع جمال مصطفائی
۷۔ تقدیر چمک اٹھے رضاؔ کی
اے شمع جمال مصطفائی

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نے بھی فاضل بریلوی کے تتبع میں اپنی ایک نعت پاک میں تضمین کے متعدد شعر کہے ہیں۔اور تضمین کا پورا پورا حق ادا فرمایا ہے۔تضمین کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں اور علامہ کی فکری بالیدگی، تخیل کی پاکیزگی اور قادر الکلامی کی داد دیں۔

۱۔ جمال نور کی محفل سے پروانہ نہ جائے گا
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا
۲۔ بڑی مشکل سے آیا ہے پلٹ کر اپنے مرکز پر
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا
۳۔ جو آنا ہے تو خودآئے اجل عمر ابدلے کر
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا
۴۔ دوعالم کی امیدوں سے کہو مایوس ہوجائیں
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا
۵۔ فراز عرش سے اب کون اترے فرش گیتی پر
مدینہ چھوڑ کر اب ان کا دیوانہ نہ جائے گا

آب آیئے تضمین کے اشعار کے علاوہ اس نعت کے چند دوسرے اشعار ملاحظہ فرمایئے

نہ ہو گر داغ عشق مصطفیٰ کی چاندنی دل میں
غلام باوفا محشر میں پہچانا نہ جائیگا

میدان حشر میں جس کے دل میں داغ عشق مصطفیٰ کا اجالا ہوگا وہ بہ آسانی ان کے وفادار غلام کی حیثیت سے پہچان لیا جائے گا اور جس کی شناخت اس روشن علامت کے ذریعہ ہوگی اُسے ہر طرح کی آسائشیں، راحتیں اور نعمتیں نصیب ہوں گی، سرکار کے دامن کرم کا خنک سایہ اسے نصیب ہوگا ایک غلام باوفا کی اس سے بڑھکر فیروز مندی وخوش نصیبی اور کیا ہوسکتی ہے۔

مصرعہ اولیٰ میں دل میں داغ عشق مصطفیٰ کی چاندنی کا ہونا بڑا پاکیزہ تخیل اور بڑا ہی پیارا لطیف اور کیفیت سے بھرا ہوا اسلوب بیان ہے۔چاندنی جو خنک اور خوشگوار کیفیت کی حامل ہوتی ہے اس بات کا استعارہ ہے کہ داغ عشق مصطفیٰ کی سوزش ایک عاشق کے لیے چاندنی کی طرح خنک،خوشگوار اور نشاط آفریں ہوتی ہے۔

حبیب کبریا کی عظمتوں سے منحرف ہو کر
یہ دعوائے مسلمانی کبھی مانہ نہ جائیگا

بلاشبہ جو عظمت مصطفیٰ کا منکر ہوگا،استخفاف شان رسالت کا مرتکب ہوگا ہزار دعوائے مسلمانی کرے اس کا ایمان واسلام قطعاً معتبر نہ ہوگا۔اعتراف عظمت مصطفیٰ تو ایمان کا نشان اور اسلام کی پہچان ہے ایمان واعتقاد کے باب میں یہ شعر جلی حرفوں میں لکھنے کے لائق ہے۔

میرے سرکار آ کر نقش کر دو اب کف پا کو
دل بیمار کا رہ رہ کے گھبرانا نہ جائے گا

کیا تمنا ہے، کیا آرزو ہے، کیا پُر سوز التجا ہے، سرکار اپنے قدم ناز سے دل بیمار کو مس فرمادیں۔ دل کی بیماری ختم ہوجائے گی، گھبراہٹ دور ہوجائے گی، دل کو آرام وسکون مل جائے گا۔حضرت آسی علیہ الرحمہ نے بڑی حسرتوں کے ساتھ فرمایا تھا۔

نہ میرے دل نہ جگر پر نہ دیدۂ تر پر
کرم کرے وہ نشان قدم تو پتھر پر

علامہ ارشد القادری صاحب نے اس شعر میں ''نقش کر دو'' کا جملہ

استعمال فرما کر بڑی تہہ داری اور معنویت پیدا کردی ہے۔ نقش جہاں نشان اور مُہر کے معنی میں آتا ہے، وہیں تعویز کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

اور ایک بیمار محبت کے لئے محبوبؐ کے نقش کف پا کا ارتسام، پیغام صحت وسلامتی ہے۔ گویا یہ ایک شفا بخش تعویذ ہے، جس سے مریض محبت کے بیقرار دل کو سکون وقرار میسر ہوتا ہے۔

پہونچ جائے گا ان کا نام لے کر خلد میں ارشدؔ
تہی دامن سہی، ناز غلامانہ نہ جائے گا

اذعان ویقین کی اس کیفیت پر قربان جایئے۔ نبی کا نام لیوا ہے۔ آقا کے در کا غلام ہے۔ دل کو اعتماد کامل ہے کہ اس در کی غلامی کی نسبت خلد بریں کی ضمانت ہے، اپنے اعمال کی کم مائیگی کا احساس بھی ہے۔ مگر ناز غلامانہ حوصلہ بڑھا رہا ہے۔ مچل مچل کر یقین دلا رہا ہے کہ غلامان مصطفیٰ ہی کے لئے خلد بریں کی ساری نعمتیں اور بشارتیں ہیں۔ ''ناز غلامانہ'' کے والہانہ پن کا جواب نہیں، فکر وخیال کی اس رفعت وعظمت اور طرز ادا کی اس جدت وندرت پر دنیائے شاعری جس قدر بھی ناز کرے کم ہے۔

جس سے تم روٹھو وہ برگشتۂ دنیا ہوجائے
تم جسے چاہو، وہ قطرہ ہو تو دریا ہوجائے

یقیناً سرکار دو جہاں محبوب کون ومکاں جس سے روٹھ جائیں اس کی دنیا تاریک ہوجائے زندگی عذاب جان بن جائے اور وہ خود دنیا سے برگشتہ وبیزار ہوجائے۔ اور سرکار جسے نوازدیں، نظر لطف وعنایت فرمادیں اس کی زندگی سنور جائے، نکھر جائے، وہ ایک قطرۂ بے مایہ ہو تو دریا کی وسعت وگہرائی پاجائے۔ ذرۂ حقیر ہو تو گردوں صفات بن جائے، رشک مہر وماہ ہوجائے۔

عالم شوق میں رکھدوں تو جبیں پھر نہ اُٹھے
ان کی دہلیز پہ ایسا کوئی سجدہ ہوجائے

وارفتگی شوق میں بارگاہ محبوب کی دہلیز پر جبین عقیدت ومحبت اسطرح خم کردوں کہ جبین شوق ونیاز پھر کبھی اٹھ نہ سکے۔ عاشق اپنے محبوب کے در سے کبھی جدا نہ ہوسکے، بڑا عاشقانہ وجاں نثارانہ رنگ ہے اس شعر میں:

اے خوشا وقت کہ جب موت کی ہچکی آئے
نور والے ترے جلوؤں کا نظارا ہوجائے

یہ ہر مرد مؤمن کے دل کی آخری تمنا ہوتی ہے، دم آخر سرکار کے جلوؤں کی زیارت ہوجائے تو ہر مشکل آسان ہوجائے، اذیت، راحت میں بدل جائے، اے کاش ہر عاشق رسول کی یہ تمنا رنگ قبولیت اختیار کرلے۔

کیوں نہ کونین سے منھ پھیر لے وہ دیوانہ
تیرا غم جس کے مقدر کا ستارہ ہوجائے

حقیقت بھی یہی ہے کہ غم محبوب کی بے بہا دولت جسے میسر ہوجائے، غم عشق مصطفیٰ جس کی زیست کا سہارا بن جائے پھر اسے کسی دوسری شئے کی طلب کیا ہو، کسی دوسرے سہارے کی ضرورت کیا ہو، غم عشق مصطفیٰ کی سرمستی وسرشاری اسے کونین کی ہر شے سے بے نیاز بنادیتی ہے۔

دیکھئے، ڈوب نہ جائے یہ بیچارہ ارشدؔ
اب تو سرکار مدینے سے اشارہ ہوجائے

ایک ارشدؔ فریاد واستمداد کے انداز میں اپنی ذات کے حوالے سے پوری امت مسلمہ کی ترجمانی ونمائندگی کررہا ہے۔ رنج وغم اور آلام ومصائب کا تلاطم برپا ہے۔ قوم مسلم کی کشتی بلاخیز موجوں کی زد میں ہے، ڈوب جانے کا ڈر ہے، تند وتیز موجوں سے ٹکرانے کی سکت باقی نہیں، سرکار ایسے نازک وقت میں دستگیری فرمائیں، امت کی کشتی کا نگہبانی فرمائیں، اور طوفان بلا کی ہولناکیوں سے بچالیں۔ بڑی پُر درد صدا اور کربناک التجا ہے۔ بارگاہ بیکس پناہ میں، ایمانی ذوق و

وجدان اور یقین واذعان گواہی دے رہے ہیں کہ۔

فریاد امتی جو کرے حال زار میں
ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خبر نہ ہو

اور جب سرکار اپنے امتی کی فریاد سماعت فرمائیں گے تو مصطفیٰ جان رحمت ضرور دست کرم بڑھائیں گے، دادرسی فرمائیں گے۔ امت کے غم کا مداوا فرمائیں گے۔

انکے روضے پہ بہاروں کی وہ رعنائی ہے
جیسے فردوس پہ فردوس اتر آئی ہے

محبوب کردگار کے روضۂ پاک پر بہاروں کی وہ رعنائی اور زیبائی ہے جس پر خود بہار خلد بھی قربان اور فریفتہ ہے، روضۂ پاک کی اس دل آرا بہشت پر، بہار ہشت خلد بھی نثار ہے روضۂ اقدس پر فردوس بریں اتر آئی ہے اس سے ایک حسین اور دلنواز منظر کی خوبصورت عکاسی بھی کی گئی ہے۔ اور فردوس پہ فردوس اتر آئی ہے۔ روضۂ پاک کی بہاروں کی افضلیت واہمیت بھی واضح کی گئی ہے۔

پاؤں چھو جائے تو پتھر کا جگر موم کرے
ہاتھ لگ جائے تو شرمندہ مسیحائی ہے

تلمیحات کے پیرائے میں اختیار نبوت اور اعجاز نبوت کا خوبصورت اظہار ہے۔

جانے کیوں عرش کی قندیل بجھی جاتی ہے
ان کے جلوؤں میں نظر جب سے نہا آئی ہے

تجاہل عارفانہ کا خوبصورت انداز اور جلوۂ مصطفیٰ کی نورانی عظمتوں کا پُر کیف اظہار ہے۔

مل گئی ہے سرِبالیں جو قدم کی آہٹ
روح جاتی ہوئی شرما کے پلٹ آئی ہے

محبوب کے قدموں کی آہٹ مرنے والے عاشق صادق کے لئے زندگی کا پیغام ہوتی ہے، جینے کی بشارت ہوتی ہے۔ محبوب کی زیارت یا اس کی آمد کی خبر تن مردہ میں زندگی کی برقی لہر دوڑا دیتی ہے، قدم ناز کی مسیحائی سے جاتی ہوئی روح شرما کر پلٹ آتی ہے۔ محبوب سے محب صادق کا یہ جذباتی اور روحانی لگاؤ بڑی کیفیتوں کا حامل ہے۔

سر پہ سر کیوں نہ جھکیں ان کے قدم پر ارشد
ایک غلامی ہے تو کونین کی آقائی ہے

سرور کونین کے قدم مبارک پر سر عقیدت خم کردینا اور آقائے نامدار کا طوق غلامی گلے کی زینت بنالینا سب سے بڑی دارائی ہے۔ آقا کا غلام حکم ایزدی سے کائنات پر حکومت کرتا ہے، پوری دنیا اس کے قدموں پر سر جھکاتی ہے، قربان ہوتی ہے، جو محبوب کردگار کا باوفا غلام ہوگا۔ دنیا اس کے زیرنگیں ہوگی، عظمت مصطفیٰ کو آشکارا کرنے والا یہ ایمان افروز شعر حرز جاں بنانے کے لائق ہے، کاش یہ مصرع ہر مسلمان کے دل ودماغ پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نقش ہوجائے۔

درود شریف کے فیوض و برکات کے سلسلہ میں آیات واحادیث کا گراں قدر ذخیرہ موجود ہے درود شریف پڑھنا پڑھانا تقاضائے محبت بھی ہے اور مقتضائے شریعت بھی ایک عاشق رسول جب عقیدت ومحبت کے ساتھ عالم کیف وسرور میں جھوم جھوم کر درود شریف پڑھتا ہے تو برکات وتجلیات کی بارش ہوتی ہے، ایک وجد آفریں سماں پیدا ہوجاتا ہے۔

علامہ ارشد القادری صاحب کی ایک نعت پاک ''صل علیٰ محمد'' کی ردیف میں ہے۔ ہر شعر عقیدت ومحبت اور کیف ومستی میں ڈوبا ہوا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

ماہ مبین و خوش ادا صل علیٰ محمد
پردۂ کن کے مہ لقا صل علیٰ محمد

محبوب کردگار کے حسن وجمال کی رعنائی وزیبائی پر ہدیۂ درود نذر کرنے کا خوبصورت انداز۔

شاخ نہال آرزو، پھولے پھلے گی چار سو
دل سے نکلتی ہے صدا صل علیٰ محمد

نخل تمنا ہر چہار جانب تروتازہ ہوگی۔ شاداب وثمر آور ہوگی۔ جب جب بھی دل کی گہرائیوں کے ساتھ ''صل علیٰ محمد'' کی صدائے جان فزا نکلے گی۔ شاخ نہال آرزو پھولے گی پھلے گی۔ دل کی تمنا بر آئے گی۔ ناتمام آرزو پایۂ تکمیل تک پہونچے گی۔

اس کی بلائیں رد ہوئیں، اس کے گناہ ڈھل گئے
جس نے یہ صدق دل پڑھا صل علیٰ محمد

بیشک خلوص ومحبت اور صدق نیت کے ساتھ جو درود شریف پڑھے گا اس کی برکتوں سے اس کی بلائیں اور مصیبتیں دور ہوں گی، دل ودماغ میں طہارت و پاکیزگی پیدا ہوگی۔ حسن عمل کی توفیق ملے گی۔

اتنا جنوں کا جوش ہو تن کا نہ اپنے ہوش ہو
کہتا پھروں میں برملا صل علیٰ محمد

جنون محبت اس درجہ بڑھ جائے کہ میں سب کچھ بھول کر صرف درود پاک کا ہر دم ورد کرتا رہوں، اسی وظیفۂ محبت سے دلِ بیتاب کو تسکین دیتا رہوں۔ یہی علامہ موصوف اور دوسرے عاشقان رسول کا مقصد حیات ہے یہی وہ دیوانگی ہے جس پر ہزار فرزانگی و ہوشمندی قربان ہے۔

جتنے مرض ہیں لادوا ان کیلئے تو پڑھ سدا
صل علیٰ نبینا ، صل علیٰ محمد

بلاشبہ ہر لادوا مرض اور لاعلاج بیماری کا صرف ایک ہی نسخۂ شفا ہے، محبت رسول اور محبت رسول کا تقاضا ہے کہ اپنے پیارے آقا پر درود سلام پڑھ کر اسکی کیمیا اثری اور مسیحائی سے اپنی ناقابل علاج بیماریوں کو دفع کیا جائے، تکلیفوں اور اذیتوں کو دور کیا جائے اور شفائے جسمانی وروحانی حاصل کی جائے۔

حضرت علامہ ارشد القادری مدظلہ العالی کی چند نعتوں کا یہ ایک سرسری جائزہ ہے علامہ کی نعتیہ شاعری کی عظمتوں اور فکر وفن کی رفعتوں پر دوسرے ارباب علم وفن اور اساتذۂ شعر وسخن تجزیہ وتبصرہ کا پوراحق ادا کرسکتے ہیں اور ان کے شاعرانہ مقام کا صحیح تعین کرسکتے ہیں۔ اس ناچیز نے تو علامہ موصوف کے نعتیہ اشعار پر تبصرہ محض حصول برکت وسعادت کے لئے کیا ہے مولی تعالیٰ موصوف محترم کے جذبۂ نعت گوئی کے فیضان سے ہمیں بھی وافر حصہ عطا فرمائے

قطعہ

علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ

کیا کہا تم نے کہ خورشید عرب ڈوب گیا؟
بات ہے کتنی بڑی ہوش وخرد کھونے کی
دیکھ کر سرخ شفق ، تم نے غلط سمجھا ہے
ڈوبنے کی نہیں سرخی ہے طلوع ہونے کی

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی بریلی شریف

نثر اردو
اور علامہ ارشد القادری

اردو نثر و نظم کی نشو و نما اور فروغ و ارتقاء صوفیاء و علماء ہی کی رہین منت ہے اور آج بھی حلقۂ مذہب اور اولیاء و صوفیاء کے ماننے والے صاحبان علم و قلم اردو کی بقا و تحفظ کے ساتھ اسے فروغ دینے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

نثر اردو نے اپنی ابتداء (حضرت شاہ اشرف سمنانی قدس سرہ العزیز کو پہلا نثر نگاہ تسلیم کیا گیا ہے) سے لیکر بیسویں صدی کی تیسری دہائی تک مذہبی و تقدیسی ادب کے توسط سے ہی گرا نقدری اور وقار و جمال حاصل کیا لیکن آج محسنین اردو میں اللہ کے ان نیک دل بندوں اور علم و قلم کی مملکت کے ان تاجوروں کا ذکر ہی نہیں اور اگر کہیں کسی کا ذکر ملتا ہے تو بس برائے ذکر!

دراصل قوموں اور ملکوں کی تواریخ کی طرح اردو زبان و ادب کی تاریخ کا دامن بھی تعصب اور تنگ نظری سے پاک نہیں ہے۔ زبان و ادب کی تاریخ میں عصبیت کی لہراتی ہوئی سیاہ پرچھائیاں سچائی کے اجالے کو ڈستی نظر آ رہی ہیں اور آسمان تاریخ ادب و زبان پر قمر در عقرب کا گھناؤنا منظر پیش کر رہی ہیں۔ ہاں! ایک مخصوص فرقہ کے مذہبی نثر نگاروں کو ضرور بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا ہے اور قصر اردو کا انہیں کو ستون مان لیا گیا ہے یعنی سر سید اور ان کے رفقاء بالخصوص اردو کے عناصر اربعہ۔ محمد حسین آزاد، حالی، نذیر اور شبلی..... ویسے عقیدہ و مسلک سے قطع نظر ان نثاران اردو نے بلاشبہ اردو کو نکھارنے سنوارنے میں اہم کردار ادا کیا ہے مگر جنہوں نے ان سے بڑھ کر اردو کی آرائش و زیبائش کا سامان فراہم کیا ہے، اردو کو تب و تاب اور توانائی عطا کی ہے، انہیں یکسر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی نور اللہ مرقدہٗ نے اردو کو مختلف علوم و فنون کے مصطلحات، سیکڑوں ضرب الامثال و محاورات کا جو گرانقدر سرمایہ عطا کیا ہے، اردو نثر کو بھانت بھانت کے علوم و فنون کے جہانوں کی سیر کرائی ہے، اسالیب سے آشنا کیا ہے اور پچاس سے زائد دینی و نقلی اور دنیوی و عقلی علوم و فنون پر کئی سو کتب و رسائل عطا کئے ہیں ان کا کوئی ذکر نہیں۔

رام بابو سکسینہ نے "تاریخ ادب اردو"... میں ایک مقام پر صرف اس طرح امام احمد رضا کا ذکر کیا ہے۔ انداز ہمارے قارئین خود ملاحظہ کریں۔

"مولوی احمد رضاں خاں بریلوی کے بعض رسائل بھی جو بہت پر جوش لہجے میں لکھے گئے تھے اسوقت نکلے اور ندوہ کے مقابلے پر ایک جنگجو جماعت جروہ قائم کی گئی جسکے اجلاس کلکتہ میں ہوئے تھے"

(تاریخ ادب اردو از رام بابوں سکسینہ، صفحہ ۶۹ نثری حصہ)

اسی طرح قومی آواز کے بک سیلر اور پبلشرز نمبر ۱۹۸۲ء لکھنؤ میں تیکھے انداز میں امام احمد رضا کا ذکر ہوا ہے اور تحفۂ حنفیہ پٹنہ کو رضا خانی آرگن لکھا گیا ہے، خیر اس تعصب اور تنگ نظری اور مورخین ادب کی اندھیر نگری سے قطع نظر یہ عرض ہے کہ تقسیم ہند ۱۹۴۷ء کے بعد اردو کے جو اہم قلمکار اور انشاء پرداز ابھر کر سامنے آئے مذہبی یا غیر مذہبی

حلقہ سے، اور جنکی قلم کاری اور انشاء پردازی کی دھوم ہے ان میں ایک بہت ہی نمایاں، معتبر اور مستند نام قائد ملت حضرت علامہ ارشد القادری صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا بھی ہے۔

مختصر سوانح

علامہ ارشد القادری ایک دینی و علمی خانوادے کے عظیم و جلیل فرزند ہیں۔ خود آپ کی اپنی تیسری پشت چل رہی ہے اور پورا کا پورا گھرانہ دینی و علمی وقار کی مثال بنا ہوا ہے۔ آپ ۵/مارچ ۱۹۲۵ء میں بمقام سید پورہ ضلع بلیا، اتر پردیش میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر جد امجد اور والد ماجد سے حاصل کرنے کے بعد الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں داخل کرائے گئے ۱۹۴۴ء میں الجامعۃ الاشرفیہ سے آپ کی فراغت ہوئی۔ آپ نے مدرسہ شمس العلوم ناگپور (مہاراشٹر) اور مدرسہ فیض العلوم جمشید پور (بہار) میں تدریسی فرائض بھی انجام دئے اور لگ بھگ ۱۵۰۰ سو علماء کو نکھار کر میدان عمل میں اتارا۔

ربّ عظیم نے حضرت علامہ کو گوناگوں خوبیوں سے نوازا ہے۔ آپ بیک وقت جید عالم دین، معلم و استاذ، عدیم المثال مناظر، عظیم خطیب مقرر، مہتمم و منتظم، عالی دماغ مفکر و مدبّر اور بے پناہ قائدانہ صلاحیتوں کے مالک ہیں اور قلم کا تو جواب ہی نہیں! زمانہ آپ کو ''رئیس القلم اور رئیس التحریر'' کے لقب و خطاب سے یاد کرتا ہے۔

آپ کا قلم اہل محبت پر گلاب و یاسمن بلکہ بہاروں کا شباب لٹاتا ہے اور اہل عداوت اور اعدائے دین پر خنجر خونخوار اور برق بار بن کر لپکتا ہے۔ ''زلزلہ'' لکھ کر نجد سے دیوبند تک زلزلہ برپا کر دیتا ہے۔ اور ''زیر و زبر'' تصنیف کر کے دنیائے بدمذہبیت کو لوٹ پوٹ کر کے رکھ دیتا ہے۔ آپ صحافی بھی ہیں اور ادیب و مصنف بھی، ناقد و مبصر بھی اور شارح و شاعر بھی!

۱۹۶۲ء میں آپنے کلکتہ سے ''جام کوثر'' نکالا۔ بعد میں کلکتہ سے ہی ''جام نور'' جاری کیا۔ پٹنہ سے ''شان ملت'' اور ''رفاقت'' شائع فرمائے۔

علامہ کے مضامین و مقالات کا احاطہ تو بڑا مشکل ہے جانے کتنے رسائل و جرائد کو آپنے اپنے وقیع مقالات اور حسین و گراں قدر مضامین سے حیات زینت بخشی ہے راقم کی معلومات کے مطابق آپ کی تصانیف و تالیفات حسب ذیل ہیں:۔

۱۔زلزلہ ۲۔زیر و زبر ۳۔جماعت اسلامی ۴۔تبلیغی جماعت ۵۔انوار احمدی ۶۔رسالۂ محمدی کا عقلی ثبوت ۷۔محمد رسول اللہ قرآن میں ۸۔دور حاضر کے منکرین رسالت ۹۔دل کی مراد ۱۰۔جلوۂ حق ۱۱۔شریعت ۱۲۔لسان الفردوس ۱۳ مصباح القرآن (۳ حصوں میں) ۱۴۔نقشِ خاتم ۱۵۔لالہ زار ۱۶۔ایک سفر دہلی سے سہارنپور تک ۱۷۔فن تفسیر میں امام احمد رضا کا مقام ۱۸۔سرکار کا جسم بے سایہ ۱۹۔تعزیرات قلم ۲۰۔دعوت انصاف ۲۱۔تاریخ فقہ حنفی ۲۲۔تاریخ فن حدیث ۲۳۔حیات خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ۲۴۔تفسیر سورۂ فاتحہ ۲۵۔عقیدۂ علم غیب پر قرآنی دلائل وغیرہم۔

علامہ کے مقالات و مضامین کی طرح ان کے مکاتیب بھی بے شمار ہیں فی الحال جنکی فراہمی ابھی دشوار ہے لہٰذا زیر نظر مقالہ میں علامہ کی چند تصانیف جن میں ایک دو ان کے مضامین کے مجموعوں پر مشتمل ہیں، ان کے توسط ان کی انشاء پردازی کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

ناقدین نے اردو نثر کو چار اقسام پر تقسیم کیا ہے۔ توضیحی نثر، بیانیہ نثر، تاثراتی نثر اور شخصی یا انانیتی نثر۔

ہم انہیں آسانی کے لئے دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:۔

(۱)۔توضیحی نثر (۲) تخلیقی نثر (بیانیہ، تاثراتی اور انانیتی نثر، تخلیقی نثر کے تحت آتے ہیں)

مثال دیکھئے:۔(۱) دیوبندی صاحبان نبی کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب اور اختیارات و تصرفات کے منکر ہیں اور ایسا عقیدہ رکھنے والے ان کے نزدیک مشرک ہیں مگر خود اپنے دیوبند کے مولویوں اور پیروں کے لئے انہیں باتوں کو جائز قرار دیتے ہیں۔ دیکھئے ان کی کس طرح علامہ قادری گرفت فرماتے ہیں:

''بتایئے! اب اس ان کہی کو کیا کہا جائے، یہ معمہ تو گیلانی صاحب اور ان کی جماعت کے علماء ہی حل کرسکتے ہیں کہ جو فاصلۂ مکانی ان حضرات کے نزدیک انبیاء اور سید الانبیاء تک پر حائل رہتا ہے وہ نانوتوی صاحب پر کیوں نہیں حائل ہوا؟
اور مولوی یعقوب صاحب کی غیبی قوت ادراک کا کیا کہنا کہ انہوں نے تو دیوبند میں بیٹھے بیٹھے مولوی قاسم صاحب نانوتوی کی وہ غیبی توجہ تک معلوم کرلی جو انہوں نے میرٹھ سے انکی طرف مبذول کی تھی.........لیکن شرم سے سر چھپا لیجئے کہ گھر کے بزرگوں کا تو یہ حال بیان کیا جاتا ہے اور رسول مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اسی جماعت کا عقیدہ یہ ہے''(زلزلہ صفحہ ۴۸)

اس کے بعد حفظ الایمان کا حوالہ دیتے ہوئے مزید تبصرہ فرماتے ہیں:۔

''اب اس بیوفائی کا انصاف تو رسول عربی کی وفادار امت ہی کرے گی کہ خود تو یہ حضرات آن واحد میں سیکڑوں میل کی مسافت سے دلوں کی مخفیات پر مطلع ہوجاتے ہیں لیکن رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک ماہ کی طویل مدت میں کسی مخفی امر کے انکشاف کی قوت تسلیم نہیں کرتے۔
کیا اتنی کھلی ہوئی شہادتوں کے بعد بھی حق وباطل کی راہوں کا امتیاز محسوس کرنے کے لئے مزید کسی نشانی کی ضرورت باقی رہ گئی ہے؟ محشر کی تپتی ہوئی سرزمین پر رسول عربی کی شفاعت کے امیدوار و! جواب دو؟''
(زلزلہ صفحہ ۵۰)

مندرجہ بالا اقتباس میں مندرجہ ذیل خوبیاں موجود ہیں:۔
وضاحت، استدلال، ترتیب، متانت، ایجاز واختصار اور جملہ اسلوب کی طرح داری، طنز کی نمکپاشی اور ادبیت کا حسن ملاحظہ فرمایئے:۔

''کیا اتنا کھلی ہوئی شہادتوں کے بعد......رسول عربی کی شفاعت کے امیدوار و جواب دو؟''

(۲) ایک دیوبندی پیر صاحب کے تصرف کے حوالہ سے علامہ کی یہ تحریر ملاحظہ کریں۔

''غور فرمایئے! یہاں بات کتنی آگے نکل گئی۔ وہاں تو صرف اس الزام پر کفر کا فتویٰ تھا کہ فلاں شخص کی بیماری دور کرنے کی نسبت کیوں کی گئی اور یہاں شخص نہیں، شخص کے مدفن کی مٹی کو لوگ دافع امراض سمجھ رہے ہیں تو انہیں نہ کوئی روکنے والا ہے اور نہ کفر کے ارتکاب پر کوئی توبہ کرانے اور کلمہ پڑھانے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ آخر یہ کیسا کفر ہے جو سب کے گلے کا ہار بنا ہوا ہے۔
اور اس واقعے میں مسلک کا دردناک قتل تو یہ ہے کہ جب مٹی ڈالتے ڈالتے صاحبزادے تنگ آگئے تو مٹی میں شفا کی جو قوت تھی اسے واپس لینے کے لئے خدا کی طرف رجوع کرنے کے بجائے سیدھے باپ کی قبر پہ حاضر ہوئے اور دھمکی دی کہ اب کے کوئی اچھا کام ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے۔
بیٹے کا یہ عمل کیا ان کے اس عقیدے کے پردہ دری نہیں کرتا کہ مٹی کے اندر شفا بخشی کی یہ تاثیر خدا کی طرف سے نہیں بلکہ ماں باپ کی طرف سے تھی۔ اس لئے ضابطہ کے مطابق ان کے عقیدے میں جس نے تاثیر بخشی تھی سلب کرنے کی درخواست بھی اسی سے کی۔
اور واقعہ بھی ایسا ہی ہوا کہ ادھر صاحبزادے صاحب باپ کی قبر پر دھمکی دے کر گئے ادھر یکلخت مٹی کی تاثیر بھی بدل گئی اور لوگوں کا آنا بھی موقوف ہوگیا۔''(زیروزبر صفحہ ۲۴۰۔۲۴۱)

اس اقتباس میں وضاحت، استدلال، ترتیب وسلیقہ مندی، متانت، فراست اور ایجاز وبلاغت کے باوصف ''طنز'' کا وہ انداز بھی دیکھئے جو تحریر کو ملاحت عطا کرتی ہے اور جس کا رد وتعاقب کیا جاتا ہے یہ نمکپاشی اس کے لئے نشتر سے کم نہیں ہوتی۔ اسی سے متعلق چند مختصر

پیراگراف بھی ملاحظہ کیجئے۔

''سوال یہ ہے کہ مٹی کے بارے مین شفا بخشی کا عقیدہ
لیکرانکی قبر پرلوگوں کا میلہ لگانا اگرازروئے شرع کفر تھا
توامت کوکفر سے بچانے کے صاحب قبر نے پہلے ہی
وہ کام کیوں نہیں کردیا جسے بیٹے کے اصرار پر بعد میں
انہیں کرنا پڑا۔

اور دوسرا سوال یہ ہے کہ نانوتہ کچھ اجمیر نہیں تھا جہاں حریفوں کی زبان میں بدعت وشرک کو پروان چڑھنے کے مکمل آزادی ہے بلکہ وہ نجد کے موحدین کا وہ خطہ تھا جہاں کسی قبر کے سامنے صرف ہاتھ باندھکر کھڑا ہوتے ہی تازیانے برسائے جاتے ہیں۔

آخر صحابہ اور اہلبیت کے مزارات کوڈھادینے والے نانوتوی صاحب کی قبر پر اتنا بڑا شرک کیسے دیکھتے رہے۔ بالفرض اپنا سمجھ کر اگر مزار نہیں توڑا جارہا تھا تو مشرکین کا سرتوڑنے میں کیا مضائقہ تھا؟۔

اب آپ ہی دوٹوک فیصلہ کریں کہ کفر وشرک کے سوال پر اپنے بزرگوں کی اتنی کھلی ہوئی پاسداری کے بعد بھی کیا دیوبندی علماء اپنے سر سے یہ الزام اٹھاسکتے ہیں کہ ان کے یہاں دوطرح کی شریعتیں نہیں ہیں؟ (زیروزبر صفحہ ۲۴۱)

یہ اقتباس نثر خالص کا اعلیٰ نمونہ ہونے کے ساتھ ساتھ طنز نشتر کا متین وبلیغ نمونہ بھی ہے جو''انشائیہ'' کی سرحد کوچھوتی ہوئی نظر آتی ہے۔

اس اقتباس میں''خطابت'' کا بھی ایک اچھوتا انداز ہے۔

موازنہ نگاری۔ نانوتہ کچھ اجمیر نہیں تھا........بلکہ وہ نجد کے موحدین کا وہ ....آخر صحابہ اوراہل بیت کے مزارات کو ڈھادینے والے........توڑنے میں کیا مضائقہ تھا۔

تلمیحات کا بھی اچھا استعمال ہے۔

تخلیقی نثر

انشاء پردازی کا کمال، اسلوب کی طرحداری۔ زبان کی لطافت بیان کی دل کشی اور قلم کا جوہر اس نثر میں آتا ہے۔

چند اقتباسات ملاحظہ کریں:۔

(۱) وہ وقت بڑا ہی رقت انگیز اور کیف آور تھا جب یــانبی سلام علیك کا نورانی نغمہ جیل کی فصیلوں سے ٹکرایا اور ساری فضا معطر ہوگئی۔ عشاق پر کچھ ایسی کیفیت طاری تھی کہ دل وفا پیشہ نے باور کرلیا کہ سرکار نے اپنی امت کے اسیروں کا سلام ضرور قبول کرلیا ہوگا۔''

(زیرزبر صفحہ۹)

(۲)''عنایت خداوندی کی وہ کتنی ارجمند گھڑی تھی جب''زلزلہ'' نام کی ایک کتاب لکھنے کا خیال دل میں پیدا ہوا کون جانتا تھا کہ روشنائی کے چند قطرے سیل رواں بنکر اہل باطل کے مزعومات کوخس وخاشاک کی طرح بہالیجائیں گے اور نوک قلم کا ڈالا ہوا شگاف ہمیشہ کے لئے دشمن کے سینے کا ناسور بن جائے گا اور پھر کسے معلوم تھا کہ ایک مختصری کتاب دیکھتے دیکھتے بحروبر کی وسعتوں میں پھیل جائیگی اور ایک چراغ کی لو سے ایمان وعقیدت کے شبستانوں میں لاکھوں چراغ جل اٹھیں گے۔''

(زیروزبر صفحہ۱۱)

مندرجہ بالا دونوں اقتباسات حسن تحریر کے نفیس نمونے ہیں۔ دونوں بیانیہ نثر کی خوبصور مثال ہیں۔

(۱) میں منظر نگاری بہت خوب ہے۔''دل وفا پیشہ'' کی ترکیب بھی شاندار ہے۔

(۲) بیانیہ اورانانیتی نثر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ مبالغہ نے تحریر کی دل کشی میں اضافہ کردیا ہے۔ خطابت اس اقتباس کی جان ہے۔''کون جانتا تھا.....دشمن کے سینے کا ناسور بن جائے گا'' بلاغت سے پرحملہ ہے۔

نثر میں شعریت اور شعری فضا کا اهتمام

چند اقتباسات ملاحظہ کیجئے

(۱) حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے کعبہ کا کعبہ دیکھو

سرکار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پاک کی زیارت روح ایمان

اور دنیا وآخرت کی جملہ سعادتوں کی جان ہے۔حضور پاک ﷺ نے حدیث میں ارشاد فرمایا۔''جو میری قبر کی زیارت کرے اس کے لئے میری شفاعت واجب ہے۔'' دوسری حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں ۔''جس نے حج کیا اور میرے وصال کے بعد میری زیارت کی تو گویا اس نے میر زندگی میں زیارت کی اور جو مسلمان حرمین میں فوت ہوا وہ قیامت کے دن امن والوں میں اٹھے گا۔'' تیسری حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ''جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے میرے اوپر ظلم کیا۔''

انتظار کرتے کرتے اب وہ مسعود گھڑی آ ہی گئی جب عشاق کے قافلے مدینے کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔آہ! پوچھنا کیا ہے دل کی مسرتوں کا عالم! مدینے کا رخ کرتے ہی آرزوؤں کے چمن میں بہار آگئی، امیدوں نے پھول برسائے، شوق نے چراغ جلایا، خوش بختیوں نے آواز دی اور ارمانوں کا کارواں کعبۂ مقصود کی طرف بڑھنے لگا۔منزل پہ منزل بدل رہی ہے، ریگستانوں کے طویل فاصلے گھٹ رہے ہیں، پہاڑیوں اور وادیوں کا دامن سمٹتا جارہا ہے۔

اب بے آب وگیاہ پہاڑیوں کا سلسلہ ختم ہوا۔اب یہاں سے مدینہ کی سرحد شروع ہوگئی زمین ناز کر رہی ہے، آسمان فخر سے سر اونچا کر رہا ہے، موسم بدل گیا، اب فضاؤں میں مستی ہے، ہواؤں میں خنکی ہے نظاروں میں دلکشی ہے ہر طرف سبزہ زاروں کی بہار ہے۔ریگستانوں کا اجڑا ہوا چہرہ بھی اب کسی کے فیضان قدم سے لالہ زار ہے۔یہ دیار حبیب ہے۔رحمت وجمال کی راجدھانی بیتابیٔ شوق میں قافلہ بڑھتا رہا یہاں تک کہ مدینہ قریب آگیا۔خبر ملی کہ سامنے والے پہاڑ پر چڑھنے کے بعد سبز گنبد نظر آئیگا (آیئے حج کریں صفحہ ۴۵۔۴۶)

(۲)''اسکی نوک قلم کا ایک ایک قطرہ فکر واعتقاد کی جنتوں میں کوثر وتسنیم کی طرح بہہ رہا ہے، اس کے خون جگر کی سرخی سے ویرانوں میں دین کے گلشن لہلہا اٹھے ہیں۔اس کے عرفان وآگہی کی داستانیں چمن چمن میں پہنچ گئی ہیں اور لوح وقرطاس سے گزر کر اب اس کے علم ودانش کا چراغ کشور دل کے شبستانوں میں جل رہا ہے۔'' (مضمون دل کی آشنائی مشمولہ لالہ زار صفحہ ۱۴۶)

اقتباس ا میں علامہ محترم نے تین احادیث کریمہ کے ترجموں کو عبارت میں بڑی خوبصورتی سے ضم کیا ہے۔اس کے بعد جس والہانہ انداز میں جذبات کا اظہار کیا ہے اور منظر نگاری میں جو جان ڈالی ہے۔محاکات اور پیکر تراشی کے جو حسین جلوے پیش فرمائے ہیں وہ شاعری کا ایک مرقع ہے اس اقتباس میں شعری فضا کا اہتمام بھی ہے اور بھرپور شعریت بھی۔

جملوں کے جو حسین پیکر تراشے ہیں ملاحظے کیجئے:۔

''امیدوں نے پھول برسائے، شوق نے چراغ جلایا، خوش بختیوں نے آواز دی اور ارمان کا کارواں کعبۂ مقصود کی طرف بڑھنے لگا۔''

۲ میں عاشق مصطفیٰ امام احمد رضا کی عظمت کا جو جلوہ دکھایا ہے اس کا عالم ہی عجیب ہے۔رنگین بیانی کے ساتھ صداقت کا اچھوتا اعتراف۔ بس ایسا لگتا ہے کہ رضا کے قلم وقلب میں رچی بسی عشق رسالت مآب علیہ السلام کو پیکر میں ڈھال کر نگاہوں کے سامنے اس طرح لاکر رکھ دیا ہے جیسے آسمان پر چودھویں کا چاند جلوہ گر ہو گیا ہو۔

تشبیہ واستعارے کے بہت ہی کم استعمال اور مبالغہ کی آمیزش کے بغیر انشاء کا ایک ایسا حسن کم ہی ادیبوں کے ہاں نظر آتا ہے۔دراصل علامہ کی نثر کی خاص خوبی یہ ہے کہ اس میں فکری قوت اور منطقی توانائی کے ساتھ ساتھ لطف اور اثر بہت شدید ہوتا ہے۔وہ فکر کے خاکوں میں تخیل کا رنگ بھر کر نثر کو باغ کا مرانی کا سدابہار پھول بنا دیتے ہیں۔

انشاء پردازی کا حسین انداز

افسانہ نویس فرضی کہانی گڑھتا ہے اور اسمیں بیانیہ نثر اور اپنے اسلوب کی طرح داری، اپنی رنگین بیانی وغیرہ سے کام لیکر حسن وتاثیر برپا کرتا ہے۔حالانکہ یہ افسانے زمین ہی سے جڑے ہوتے ہیں انسانی دنیا اور انسانی ماحول کے قصے اور واقعات ہوتے ہیں، لیکن علامہ ارشد

القادری افسانے نہیں گڑھتے بلکہ حقیقی واقعات کو اپنے قلم کی سحر کاری سے افسانوی زبان و بیان میں اس طرح سامنے لاتے ہیں کہ حقیقت کا کوئی بھی گوشہ کسی طرح کی آلودگی کے بغیر اپنا وہ روپ دکھاتا ہے کہ نگاہیں جلووں کے ہجوم میں گم ہو کر سچائی کے ایک ایک تاباں و توانا زاویہ کی زیارت سے محظوظ ہوتے ہیں اور ایمان و عقائد کا جہاں نور باد ہو جاتا ہے۔

علامہ ارشد القادری کی نثر ادب برائے ادب بھی ہے، ادب برائے زندگی بھی ہے اور ادب برائے بندگی بھی۔

انشاء پردازی کے اس حسین انداز .... اور افسانوی ادب کے طرز کی بابت رقمطراز ہیں:۔

کسی بھی گذرے ہوئے واقعہ کی تصویر کشی کا نام حکایت، قصہ یا کہانی ہے۔ واقعہ میں اگر کسی طرح ندرت ہو یا اپنے مواد کے لحاظ سے انسانی جذبے کو وہ متاثر کرتا ہو یا اس کے اندر زندگی کے لئے عبرت و نصیحت کا کوئی اہم پیغام ہو تو اس طرح کے واقعات کو تاریخ اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اور آگے چل کر وہی واقعات قصوں، کہانیوں اور حکایات کے روپ میں ڈھل جاتے ہیں۔ اگر واقعات حقیقی نہیں بلکہ تخیل کا پیداوار ہیں تو انہیں افسانہ کہا جاتا ہے۔

ایسے قصے جن سے عبرت و نصیحت حاصل ہو یا جو خیر و سعادت کی ترغیبات پر مشتمل ہوں اسلام نے بھی انہیں جائز رکھا ہے۔

لالہ زار میں علامہ ارشد القادری کی چند ایسی ہی کہانیاں شامل ہیں جو ''جام کوثر'' اور'' جام نور'' میں چھپ چکی ہیں لیکن ایسی حقیقی کہانیاں ہیں جن کی تازگی ہمیشہ برقرار رہنے والی ہے۔

چند اقتباسات ملاحظہ کیجئے:

(۱) ''کمشنر کی ایک نوجوان لڑکی تھی۔ ہزاروں لالہ رخوں اور زہرہ جمالوں کی کہانیاں اس کی ایک ایک ادا میں سمٹ آئی تھی۔ سرشار آنکھوں سے شراب کے پیالے چھلکتے، مہتاب کی طرح درخشاں پیشانی ہر وقت موج نور میں غرق رہتی، چلتی تو فتنہ محشر جگاتی، باتیں کرتی تو پھول جھڑتے، جمال و رعنائی اور حسن و دلکشی کا وہ ایک ایسا مجسمہ تھی کہ مغربی تہذیب کے گھرانے میں بھی ہر وقت وہ پردے میں رہتی۔'' (جلوۂ زیبا مشمولہ لالہ زار صفحہ ۱۲)

(۲) ''بچی کیا تھی؟ حسن و زیبائی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ایک مورت تھی جو دیکھتا حیران و ششدر رہ جاتا۔ سارے شہر میں بجلی کی طرح یہ خبر مشہور ہوگئی کہ سنار کے گھر میں آسمان کی زہرہ اتر آئی ہے'' (دل کا یقین صفحہ ۱۰۴ مشمولہ لالہ زار)

(۳) ''ذرا دیکھئے! یہ کالی گھٹاؤں کی طرح کاکل، یہ چاند کی طرح درخشاں پیشانی، یہ نور کی موجوں میں نکھرا ہوا چہرہ، یہ پروئے ہوئے موتیوں کی طرح دانتوں کی قطار، یہ پھولوں کی پنکھڑی کے طرح پتلے پتلے ہونٹ، یہ گلریز تبسم، یہ گہر بار تکلم، یہ رحمتوں کا سویرا یہ سرمگیں آنکھیں، یہ معصوم اداؤں کا چشمہ سیال، بتایئے کیا قیموں کی یہی سج دھج ہوتی ہے؟ خبردار آج سے میرے ان جگر پاروں کو جو یتیم کہے گا میں اس کا منہ نوچ لوں گی۔'' (دو شہزادے، مشمولہ، لالہ زار صفحہ ۱۸۸۔۱۸۹)

(۴) ''کشور عقیدت کے تاجدار! میری عزت اور ناموں کا اس سے بہترین مصرف اور کیا ہو سکتا ہے کہ اسے تمہارے قدموں کی اڑتی ہوئی خاک پر نثار کردوں، چمنستان قدس کی پژمردہ کلیوں کی شادابی کے لئے اگر میرے جگر کا خون کام آسکے تو اس کا آخری قطرہ بھی تمہارے نقش پا میں جذب کرنے کے لئے تیار ہوں۔'' (انعام شکست مشمولہ لالہ زار صفحہ ۲۱۰)

(۵) ''قرآن کی جلالت شان سے سمند کا کلیجہ دہل گیا اور توحید الٰہی کی سطوت جلال سے فضا بوجھل ہوگئی اب نوجوان کی آواز دم بدم تیز ہوتی جارہی تھی۔ ایک صف شکن مجاہد کی طرح ہاتھوں میں قہر الٰہی کی تلوار لئے ہوئے وہ دیو کو ہلاک کرنے پر تل گیا تھا۔'' (چودھویں رات کی دوشیزہ مشمولہ لالہ زار صفحہ ۲۴۵)

(۶) ''عقل فتنہ پرداز جسے دن کی طرح روشن حقیقتوں کا انکار کرتے

ذرا دیر نہیں لگتی یہاں پہنچ کر اس کی رہبری کا چراغ گل ہو جاتا ہے۔ عقل فریب کار کے مشورے پر دانش وروں کا قافلہ اپنی راہ بدل دیتا ہے لیکن دیوانہ جادۂ حق سے کبھی نہیں ہٹتا عقیدت و عشق کی سرحد یقین جہاں سے شروع ہوتی ہے وہاں عقل درماندہ شام کا چراغ جلاتی ہے۔'' (زبیدہ خاتون مشمولہ لالہ زار ۳۵۱۔۳۵۲)

(۷)'' حضرت امام عالیمقام کا سر مبارک مادر مشفقہ حضرت سیدہ فاطمہ کے پہلو میں سپرد خاک کردیا گیا۔

دریا کا بچھڑا ہوا قطرہ پھر دریا میں جاملا۔ پھر اٹھتی ہوئی موجوں نے اسے آغوش میں لے لیا۔

آمدہ بودیم از دریا بہ موج   باز از موجے بدریائی رویم

(تاراج کارواں مشمولہ لالہ زار صفحہ ۴۴۰)

مندرجہ بالا ساتوں اقتباسات قوس وقزح کی طرح چمکتے دمکتے اپنا اپنا رنگ اور اپنی چھب دکھار ہے ہیں۔ ہر رنگ بذات خود ایک دھنک اور ہر چھب دل کش اور رعنائی کا ایک جہان ہے۔

اقتباس ا، ۲، ۳ سراپا نگاری کے ایسے آئینے ہیں کہ شخصیات اپنے حقیقی حسن و جمال اور خدوخال کے ساتھ باطنی خوبصورتی اور نورانیت کے ساتھ آئینہ خانے میں اتر آئے ہیں۔

ا میں ہزار لالہ رخوں اور زہرہ جمالوں کی کہانیاں اس کی ایک ایک ادا میں سمٹ آئیں تھیں۔'' کی بلاغت اور جمالیات اظہار عروج پر ہے۔

۲ میں یہ جملہ'' بچی کیا تھی حسن و جمال کے سانچے میں ڈھلی ہوی ایک مورت تھی'' کا بھی یہی انداز ہے۔

۳ میں بھی شخصیت کی عکاسی کا یہی عالم ہے۔

تینوں اقتباسات میں تشبیہات عام فہم اور پرانی ہیں لیکن علامہ نے اپنے برتاؤ سے ان میں تازہ کاری بھری ہے۔

۳ میں تبسم تکلم، ہم قافیہ لفظوں کا صوتی حسن۔ آنکھوں کے لئے معصوم اداؤں کا چشمۂ سیال کی تشبیہ میں نادرہ کاری ہے۔

۴ اور ۵ میں خطابت، آہنگ اور جمالیاتی اظہار کے حسین و باوقار امتزاج نثر کو جمال وجلال کے سنگم پر لاکھڑا کیا ہے۔ اسلوب کی طرحداری لائق دید ہے۔

۶ میں وضاحت، منطقی واستدلالی انداز نے اسلوب کا ایک نیا رخ اختیار کیا ہے۔ ہر ہر جملہ علامہ کی مفکرانہ شان کا غماز ہے۔

یہ جملہ ملاحظہ فرمائیے:۔

'' عقیدت و عشق کی سرحد یقین جہاں سے شروع ہوتی ہے وہاں عقل درماندہ شام کا چراغ جلاتی ہے۔''

الفاظ کا در و بست لائق دید ہے۔ ہر ہر لفظ نگینہ کی طرح جڑا ہوا ہے۔

اقتباس ۷ میں حسن کاری کا الگ ہی انداز ہے۔ صفت تضاد کا حسن بھی جلوہ گر ہے اور شعری فضا کا اہتمام بھی۔ برمحل فارسی شعر کی آمیزش نے نثر کو مزید خوبصورت بنادیا ہے۔

علامہ کے اس انداز میں مرقع نگاری کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔

'' خاکہ نگاری'' کے تعلق سے دو مزید اقتباسات ملاحظہ کریں:۔

(۱) وہ اپنے محبوب کے وفاداروں پر اس درجہ مہربان ہے کہ قدموں کے نیچے دل بچھا کر بھی اہتمام شوق کی تشنگی محسوس کرتا ہے۔ اور جہاں اہل ایمان کے لئے وہ لالہ کے جگر کی ٹھنڈک ہے وہیں اہل کفر کے حق میں وہ غیض وجلال کا ایک دہکتا ہوا انگارہ ہے۔'' (دل کی آشنائی مشمولہ لالہ زار صفحہ ۱۴۷)

(۲)'' فاران کے ایڈیٹر جناب ماہرالقادری صاحب جس خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں اس کی ایک آخری نشانی اب بھی ان کے نام کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ 'قادری'' کا لفظ جوان کے نام کا ایک جزو بن چکا ہے وہ واضح طور پر اس امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ جس ماحول میں انہوں نے آنکھ کھولی تھی وہ اولیاء اللہ کی عقیدت کا پرنور گہوارہ تھا۔ ماہر صاحب اسی گہوارے میں پروان چڑھے اور ایک عرصے تک ان ساری روایات کو حق بجانب سمجھتے رہے جوان کے بزرگوں سے انہیں

ورثے میں ملی تھیں۔ عشق وعقیدت میں ڈوبے ہوئے اسی ماحول کے زیر اثر ان کے قلم سے نکلا ہوا ایک شعر اب تک حافظے میں محفوظ ہے۔ بارگاہ رسالت میں سلام کا خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے انہوں نے لکھا تھا۔

سلام اس پر کہ جس کا نام لے کر اس کے شیدائی
الٹ دیتے ہیں تاج قیصریت تخت دارائی

لیکن اب ماہر صاحب لیلائے نجد کے فیضان سے ''موحد'' ہو چکے ہیں اب ایمان واسلام کا جو نیا جغرافیہ ان کے حوالے کیا گیا ہے اس میں نہ کسی مزار کا نقشہ سلامت ہے اور نہ پرانی عقیدت اور دیرینہ روایات کا کوئی ہیکل اپنی جگہ پر محفوظ ہے۔ حتیٰ کہ اس نئے مذہب فکر میں اب ان کے شعر کے جواز کے لئے بھی کوئی گنجائش نہیں ہے جسے انہوں نے کبھی جذبۂ عشق وایمان سے بوجھل ہو کر لکھا تھا۔''

(تعزیرات قلم صفحہ ۱۔۲)

اقتباس (۱) میں صرف دو جملوں میں امام احمد رضا کی پوری شخصیت کا خاکہ کھینچ دیا ہے۔ اس خاکے میں علامہ موصوف کے تخیل کی تب وتاب اور فکر کی توانائی نے جمالیاتی اظہار اور آہنگ جلالی کے جو رنگ بھرے ہیں ایک عاشق مصطفیٰ کی شخصیت کے وہی تاباں وتواناں رنگ ہوتے ہیں۔

(۲) علامہ نے ماہر القادری کی شخصیت کی دورنگی کو بہت ہی اچھوتے انداز میں پیش کیا ہے۔ اس خاکے میں طنز کی لطافت وملاحت کی جلوہ گری بھی ہے۔ یہ جملے ملاحظہ فرمائیں:۔

''لیکن اب ماہر القادری صاحب لیلائے نجد کے فیضان سے موحد ہو چکے ہیں۔ اب ایمان واسلام کا جو نیا جغرافیہ ان کے حوالے کیا گیا ہے اس میں نہ کسی مزار کا نقشہ سلامت ہے اور نہ پرانی عقیدت اور دیرینہ روایات کا کوئی ہیکل اپنی جگہ پر محفوظ ہے۔''

طنز وتعریض اور جوش بیان

علامہ ارشد القادری نے باطل پرستوں کا رد وتعاقب زبان سے بھی کیا ہے اور قلم سے بھی اور اسی تنقید وتعریض کے حوالے سے آپ نے طنز کے تیز ابی وبلیغ اظہار کے تیکھے وسلونے روپ پیش کئے ہیں اور بقول علامہ ''انکے قلم کا ڈالا ہوا شگاف ہمیشہ کے دشمن کے سینے کا ناسور بن گیا ہے۔ رد وتنقید اور گرفت وتعاقب کے مرحلے میں موقع محل کی مناسبت سے علامہ موصوف کے بیان کا جوش وزور دیکھنے کے لائق ہوتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی دریا رواں دواں ہے یا بجلی کوندتی لپکتی چلی جا رہی ہے۔

چند اقتباسات ملاحظہ کیجئے۔

(۱) اسی کا نام اگر دینی تبلیغ ہے کہ کھلے بندوں مسلمانوں کی دل آزاری کی جائے تو خدا محفوظ رکھا اپنے بندوں کو اس نحوست سے،، (شریعت صفحہ ۱۰)

(۲) بے تحاشہ جھوٹ بول کر مسلمانوں کو ذلیل کرنا اگر کوئی ہنر ہے تو میں اعتراف کرتا ہوں کہ حقانی صاحب اس ہنر میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ (ایضاً صفحہ ۱۱)

(۳) پھکڑ بازوں ہی کی زبان میں انہیں گفتگو کرنی تھی تو انہیں کس نے کہہ دیا کہ وہ کتاب کے مصنف یا مذہبی پیشوا کی حیثیت سے مسلمانوں کے سامنے تشریف لائیں اور دینی پیشوائی کے منصب کو بدنام کریں پیٹ کا ایندھن جمع کرنے کے لئے اور بھی بہت سے جائز طریقے ہیں (ایضاً صفحہ ۱۸)

(۴) دیوبندی تربیت گاہوں میں جب اسی طرح کا زہر کشید کیا جاتا ہے تو آپ ہی غور فرمایئے کہ اس جماعت کے معتمد جناب عبدالماجد دریابادی کی تحریک پر جو کتاب طبع ہو کر شائع ہوئی کیا اب بھی ان کا مسلک وعقیدہ معلوم کرنے کے لئے کسی نئی دریافت کی ضرورت ہے اور کیا اس خوش فہمی کے لئے اب بھی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ خلافت معاویہ ویزید کی تائید وحمایت میں ان کے قلم سے اتفاقاً لغزش ہو گئی ہے۔؟

''نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر''

(تعزیرات قلم ۴۳-۴۴)

(۵)''معاذ اللہ! عقیدت کا خمار بھی کتنا ایمان شکن ہوتا ہے۔ یہی مولانا عامر ہیں جنہیں ایمان کے سائے میں بھی شرک کے صنم خانے نظر آتے ہیں اور جن کے عقیدے میں اللہ والوں کی چوکھٹ پر ہاتھ باندھکر کھڑا ہوتے ہی سو برس کا ایمان غارت ہوجاتا ہے۔''

لیکن قیامت ہے کہ وہی مولانا مودودی آستانہ عظمت پر دن کی روشنی میں سجدۂ نیاز لٹا رہے ہیں اور ان کے عقیدۂ توحید کو ذرا ٹھیس بھی نہیں لگتی۔ (جماعت اسلامی صفحہ ۵۴)

(۶)''ایک طرف علم وفضل کی جھوٹی شہرت کا یہ حال ہے کہ وہ فسانۂ عجائب کی طرح سارے جہاں میں پھیل گئی ہے لیکن ذہن وفکر کے افلاس کا تماشہ دیکھئے کہ انہیں یہ تک معلوم نہیں کہ شریعت کا معیار استدلال کیا ہے۔ خواب اور دھمکیوں سے اگر دین کی کوئی بات ثابت ہوجاتی تو دس سال تک دینی درسگاہوں میں پاپڑ بیلنے کی کیا ضرورت تھی؟ (تبلیغی جماعت صفحہ ۱۱۶)

مندرجہ بالا اقتباسات سے علامہ ارشد القادری صاحب کا طنز وتعریض کا شائستہ انداز واضح ہے۔ طنز لطیف اور کھنک پیدا کرتے ہوئے نشتر علامہ کے خطیبانہ اسلوب کی غمازی کررہے ہیں۔ اس اسلوب میں موازنہ نگاری بھی ہے۔ تنقید کے روشن زاویئے بھی ہیں اور استفہام و بیان کا جوش وزور بھی پورے شباب پر ہے اور ان سب کے باوصف وضاحت واستدلال اور ایجاز وبلاغت بھی!

انشائیہ نگاری

انشائیہ نگاری کا ایک خاص اور جدا اسلوب ہوتا ہے۔ اس میں انشائیہ نگار شگفتہ بیانی کے ساتھ ساتھ طنز ومزاح کے ہلکے پھلکے نشتر بھی چلاتا ہے۔ علامہ ارشد القادری صاحب کی تصانیف میں کہیں کہیں ''انشائیہ'' کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔

چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

(۱) جب میں ان کے قریب پہنچا تو ان کی داڑھی اور پیشانی کا گھٹا دیکھ کر ہکا بکا رہا گیا۔ میں نے اپنی ساری عمر میں اتنی لمبی داڑھی اور پیشانی کی سطح پر ایسا ابھرا ہوا داغ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بہت تپاک سے میری طرف بڑھے اور میرا راستہ روک کر انتہائی لجاحت کیساتھ کہنے لگے۔

حضرت! یہی ہے تبلیغی جماعت کا وہ مرکز جہاں سے ساری دینا میں اسلام پھیل رہا ہے''

(تبلیغی جماعت صفحہ ۲۵-۲۶)

(۲)''یہ علاقہ میوات کے نومسلم لوگ ہیں ....اب یہ لوگ شب وروز مرکز میں رہ کر دین سیکھتے ہیں، جب یہ پکے ہوجائیں گے تو اپنا علاقہ خود سنبھال لیں گے۔

بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ یہ لوگ سالہا سال سے پارہ عم پڑھ رہے ہیں اور تبلیغی جماعت والوں نے اپنی دکان میں انہیں نمونے کے مال کی طرح سجا کے رکھا ہے۔ باہر سے آنیوالوں کو سب سے پہلے یہی مال دکھا کے یا جاتا ہے کہ تا کہ دماغ پر پہلا آپرین اتنا زوردار ہو ذہن مرعوب ہو کے رہ جائے۔ (ایضاً صفحہ ۲۶)

مندرجہ بالا اقتباسات میں تبلیغی جماعت کا چہرہ دکھایا گیا ہے علامہ نے اسلوب کی تازہ کاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے تبلیغی جماعت کے باطن روپ کو اس طرح گرفت میں لیکر پیش کیا ہے کہ شعور انسانی اپنے مدار سے ایک قدم باہر ایک نئے مدار کو وجود میں لانے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ طنز لطیف کا حسن بھی پوری طرح جلوہ گر ہے۔

تاثراتی اور شخصی نثر

تاثراتی نثر سے مراد وہ نثر ہے جسمیں مصنف یا انشاء پرداز اپنے گرد وپیش کے ماحول پر تاثرات پیش کرتا ہے۔ بیانیہ نثر اور افسانوی ادب میں تاثراتی نثر کی بڑی اہمیت ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ جوں ہی لاش نکالنے کے لے تابوت کا تختہ کھولا، ملاجی کے منہ سے چیخ نکل گئی لوگ حیرت سے ان کا منہ تکنے لگے۔ بڑی

مشکل سے حواس پر قابو پانے کے بعد لوگوں کو بتایا کہ کہ لاش بدل گئی ہے۔ ہم لوگوں نے غلطی سے دوسری قبر کا تابوت نکال لیا ہے......قبر کا نیا پن بھی بتا رہا تھا کہ یہ بالکل تازہ قبر ہے۔'' (جلوۂ زیبا مشمولہ لالہ زار صفحہ ۲۷)

۲۔ ''ترچناپلی'' (مدراس) کے احباب کی دعوت پر میں نے ۱۹۶۹ء میں جنوبی ہند کا سفر کیا۔ واپسی میں حیدرآباد میں ایک دن کے لئے قیام کرنا پروگرام میں شامل تھا اس لئے بنگلور ہوتے ہوئے سکندرآباد میل سے میری واپسی ہوئی۔ بدقسمتی سے یہ وہ زمانہ تھا جبکہ تلنگانہ کی تحریک بالکل شباب پر تھی ریاست کے بہت بڑے حصے میں مظاہرین نے ایک آگ سی لگا رکھی تھی، شہری زندگی کا سارا نظام درہم برہم ہو کے رہ گیا تھا۔ رات کیوقت میری ٹرین اس علاقہ سے گزر رہی تھی جو تخریب کاروں کا بہت بڑا مرکز تھا کہ اچانک ایک دھچکے کیساتھ رک گئی، سارے مسافر سکتے کی حالت میں اٹھ پڑے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آگے لائن اکھاڑ دی گئی ہے، تقریباً اٹھارہ گھنٹے تک لائن کی مرمت کے انتظار میں ہم لوگوں کو وہاں رکنا پڑا۔''

(تبلیغی جماعت صفحہ ۳۲)

مندرجہ بالا دونوں اقتباسات بیانیہ نثر کے ساتھ ساتھ تاثراتی نثر کے بھی اچھے نمونے ہیں۔

۱ میں علامہ نے ملاجی کے ذریعہ گردوپیش کے تاثرات پیش کرائے ہیں اور

۲ میں خود اپنے سفر کے حوالے سے اپنے تاثرات پیش فرمائے ہیں۔

شخصی نثر

کو انانیتی نثر بھی کہتے ہیں سرسید نے اسے ایغو (Ego) سے بھی تعبیر کیا ہے۔ اس میں قلمکار اپنی انا کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن دینی مذہبی حوالے سے حلقہ مذہب کا انشاء پرداز اپنے بارے میں کسی بڑائی کا اظہار کرتا ہے تو باطل کی شکست کے حوالے سے اور اسے وہ تحدیث نعمت کے طور پر ظاہر کرتا ہے۔ مثال ملاحظہ ہو:۔

(۱) زلزلہ کا یہی وہ ردعمل تھا جس نے پوری دیوبندی جماعت کو جھنجھوڑ کر رکھدیا۔ یہاں تک کہ زلزلہ کی زد سے اپنے عوام کو بچانے کا سوال ارباب حل وعقد کے لئے اتنا سنگین ہوگیا کہ ایک بار مدیر تجلی فرط اضطراب میں اپنے چارہ گروں کو یوں للکارنے پر مجبور ہوگئے۔'' (زیروزبر صفحہ ۱۸)

علامہ کے چند پسندیدہ الفاظ

کشور، قلق، ارجمند گھڑی، نور، رحمتوں کا سویرا، سیل رواں، ناسور، شبستان، فکرانگیز، مزاج شناس، تاجدار۔ وغیرہ

چند تکیہ ہائے کلام

انصاف کیجئے، اب بتایئے، یاللعجب، معاذ اللہ، غور فرمایئے، آہ!، اہل انصاف، فاعتبروا یااولی الابصار، کہئے، اللہ اکبر وغیرہ۔

خلاصہ کلام

صرف چند صفحات میں علامہ ارشد القادری کی نثر نگاری اور انشاء پردازی کے جائزہ کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ افسوس! اسطرف ابھی تک توجہ نہیں دی گئی لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ ذاتی طور پر علامہ کی نثری خدمات کا بھرپور جائزہ پیش کیا جائے اور یونیورسٹی سے باقاعدہ ریسرچ ورک کا فریضہ انجام دلایا جائے۔

علامہ ارشد القادری ایک صاحب طراز ادیب وانشاء پرداز ہیں اور اردو کے نامور اور اہم انشاء پردازوں میں ایک انفرادی شان کے ساتھ کھڑے نظر آتے ہیں۔

علامہ ارشد القادری
کا اسلوب تحریر

پروفیسر فاروق احمد صدیقی
بہار یونیورسٹی مظفر پور (بہار)

علامہ ارشد القادری کی کثیر الجہات شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ایک جید عالم دین، ممتاز اہل قلم، بلند پایہ مصنف، لا جواب متکلم، مبلغ اسلام، ملک وملت کے بہی خواہ اور درجنوں مساجد و مدارس کے بانی و مہتمم کی حیثیت سے ہندو بیرون ہندان کی شناخت بنی۔ برصغیر ہندو پاک کے علاوہ افریقہ اور یوروپی ملکوں کو بھی انہوں نے اپنی دینی اور تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا اور وہاں نمایا کارنامے انجا دیے اس لئے اگر ان کو ایک عالمی شخصیت قرار دیا جائے تو اس میں مبالغہ کی آمیزش نہیں سمجھی جائے۔ انکی ہمہ گیر شخصیت پر ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر پوری طرح منطبق ہوتا ہے کہ

دی اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں
کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں

دین وسنت کے فروغ واستحکام کا درد انہیں کہاں کہاں نہ لے گیا اور جہاں بھی گئے اپنے کارناموں کے نقوش چھوڑے، اولوالعزمی، عمل پیہم، جذبہ عشق اور آہ سحر گاہی ان کی شخصیت کے اہم عناصر تھے۔ میں نے ان کی عمر کا ساتویں دہائی بھی میں دیکھا تو محسوس ہوا کہ

ان کی پیری میں ہے مانند سحر رنگ شباب

ایسی متحرک اور فعال شخصیت کم از کم طبقہ علماء میں تو عدیم المثال ہی کہی جائیگی اور جہاں تک دنیائے سنیت کی بات ہے تو۔

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

اس تمہیدی گفتگو کے بعد میں اصل موضوع پر آرہا ہوں۔

اسلوب کے بارے میں ایک مغربی مفکر کا قول ہے کہ
''اسلوب مصنف کی شخصیت کا عکس ہوتا ہے۔''

یعنی اس میں مصنف کے عہد اور ماحول، عقائد ونظریات، افکار وتصورات، تجربات ومشاہدات، پسند وناپسند اور علمیت وذہنیت کی جلوہ گری ہوتی ہے۔ تو جس مصنف کا مطمح نظر جتنا واضح، فکر رسا، جتنی بلند اور زبان وبیان پر گرفت جتنی مضبوط ہوگی اس کا اسلوب اتنا ہی پختہ، متعین اور مستحکم ہوگا اور انہیں تمام اجزاء وعناصر کی خوبصورت آمیزش سے اس کے اسلوب کی انفرادیت ثابت ہوگی۔ وہ مصنف جس کی زبان وبیان ہر گرفت ڈھیلی۔ نقطۂ نظر مبہم، فکر ژولیدہ، معلومات سطحی، اور ذہن محدود ہوگا وہ کبھی انفرادی اسلوب کا مالک نہیں ہوسکتا ہے۔ اچھی نثر کا لکھنا جتنا دشوار ہے صاحب طرز ہونا اس کی بہ نسبت دشوار تر ہے انہیں دشواریوں کی وجہ سے کسی زباں کے لکھنے والوں میں صاحب طرز ادیبوں کی تعداد کم ہوتی ہے۔

علامہ کی بنیادی خشت ایک عالم دین کی ہے وہ کبھی باضابطہ اردو ادب کے طالب علم نہیں رہے۔ ادب کی تعلیم وتدریس اور تخلیق سے بھی کبھی ان کا تعلق نہیں رہا لیکن مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا مودودی بھی تو بنیادی طور پر مذہب ہی کے عالم تھے اس کے باوجود ان دونوں نے اپنے اسلوب کو انفرادیت بخشی، اور صاحبان طرز کہلائے۔ معلوم ہوا کہ صاحب طرز بننے کی راہ میں مذہب حال نہیں۔ اصل چیز ہے زبان وبیان پر ماہرانہ دسترس، وسعت مطالعہ اور

اپنے مقصد سے والہانہ عشق ۔ تو قدرت نے حضرت علامہ کو ان تینوں اوصاف سے بدرجہ اتم نوازا تھا۔ اس لئے ان کو اپنا ایک انفرادی اسلوب تشکیل دینے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔

علامہ کی تصنیفی اور تالیفی زندگی کوئی نصف صدی پر مشتمل ہے اس درمیان انہوں نے درجنوں کتابیں تصنیف کیں، متعدد کتابوں پر مقدمات، تقریظات، دیباچے، پیش لفظ اور تبصرے تحریر کئے گئے ۔ اس طرح کثرت کار اور پختگی مشق سے ان کا اسلوب تحریر نکھرتا ہی چلا گیا اور انکے طرز تحریر کو ہم دور ہی سے پہچاننے لگے اور ایک مصنف کی اس سے بڑی کامیابی اور کیا ہوگی کہ اس کے اسلوب کے آئینہ میں اس کی شخصیت منعکس نظر آئے اقتباسات ذیل ملاحظہ ہوں۔

''یا پھر یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ کاروبار ہستی میں ان کی ذاتی خواہش اتنی دخیل اور مؤثر تھی کہ اگر چہ زمین کا سینہ تپتا رہا، فصل جلتی رہی اور کاشتکاروں کا آہیں باب رحمت پہ سر پٹکتی رہیں لیکن جب تک ان کا پاخانہ تیار نہیں ہوگیا۔ بارش کو بھی چارو ناچار رکنا پڑا''

(''زلزلہ'' صفحہ ۲۳۱)

''معرکۂ کارزار حق میں حقائق کی تڑپتی ہوئی لاشیں آپ نہیں دیکھ پاتے تو اپنے ہی قلم کی تلوار سے لہو کی ٹپکتی ہوئی بوند ملاحظہ فرمائیے''

(''زلزلہ'' صفحہ ۷۵)

''عنایت خداوندی کی وہ کتنی ارجمند گھڑی تھی جب ''زلزلہ'' نام کی ایک کتاب لکھنے کا خیال دل میں پیدا ہوا۔ کون جانتا تھا کہ روشنائی کے چند قطرے سیل رواں بن کر اہل باطل کے مزعومات کو خس وخاشاک کی طرح بہالے جائیں گے اور نوک قلم کا ڈالا ہوا شگاف ہمیشہ کے لے دشمن کے سینے کا ناسور بن جائے گا......اور ایک چراغ کی لو سے ایمان وعقیدت کے شبستانوں میں لاکھوں چراغ جل اٹھیں گے۔(زیروزبر کا ابتدائیہ صفحہ ۱۱)

''اس طرح کا دیوانہ اگر کہیں مل جائے تو وہ دل نگار خانۂ قدرت ورحمت کا آبگینہ ہے جسے ٹوٹنے سے بچانا دل ہی کی نہیں دین کی بھی خدمت سمجھتا ہوں۔''

''حضرت مجاہد ملت کی خداترس آنکھوں میں خوشی کے آنسوں امنڈ رہے تھے وہ مقدس لمحے زندگی بھر نہیں بھولوں گا جب غوث الوریٰ کے دربار گہربار کے ایک وارفتہ جگر درویش اور مسلک رضویت کے ایک پُرسوز داعی کی شفقتوں کے بادل ٹوٹ ٹوٹ کر میرے اوپر برس رہے تھے اور میں قدموں میں مچل مچل کر نہارہا تھا''

''ہر دور میں امت کے صالحین نے اس شجرہ طیبہ کی آبیاری کی اسے بادصرصر کے جھونکوں سے بچایا اسے ہر طرح کے حوادث سے محفوظ رکھا تب جاکر دین کا چمن زار ہرا بھرا نظر آرہا ہے اس کے گل بوٹے کھلے ہوئے ہیں اور اس کے خوشبو سے دل ودماغ معطر ہورہے ہیں۔''

(پیش لفظ سوانح اعلیٰ حضرت بالترتیب صفحہ ۷،۱۲،۱۴)

یہ ساری عبارتیں زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ وہ علامہ ہی کے خانۂ زرنگار کی پیداوار ہیں اور انہیں کی بارگاہِ فکر میں ڈھلی ہیں، کسی اور مصنف کی ملکیت ہو بھی نہیں سکتیں۔ کیونکہ یہ کسی رومان نگار ادیب کی محض ذہنی ترنگ نہیں ہیں۔ یہاں مصنف کے پیش نظر حرف ذوق عبارت آرائی نہیں رہا ہے بلکہ اس کی نگاہ میں ایک عظیم الشان مقصد ہے ایک پیغام ہے ایک دعوت ہے جسے وہ اپنے خوبصورت اور جمالیاتی اسلوب میں ڈھال کر ایک وسیع حلقہ قارئین تک پہچانا چاہتا ہے اس لئے اس نے صرف ادبیت پر توجہ نہیں دی ہے بلکہ مقصد کو

زیادہ عزیز رکھا ہے، یا یوں کہا جائے کہ اس نے دونوں کا حسین امتزاج بنا کر اپنے اسلوب کی تشکیل کی ہے لیکن اس کے لئے اس نے شعوری طور پر کوئی تکلف اور اہتمام نہیں کیا ہے الفاظ وخیالات میں بالکل فطری ربط وتعلق ملتا ہے اس لئے نفاست اور احساس جمال کا ہر پہلو منور نظر آتا ہے سلاست بھی اور روانی بھی، سادگی بھی اور پُرکاری بھی، استعارہ بھی ہے اور کنایہ بھی، تشبیہ بھی، اور تمثیل بھی، اور کیا نہیں؟

فکر ومواد کے لحاظ سے حضرت علامہ کی تمام تحریروں کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ ان میں سے بیشتر کا تعلق مناظراتی ادب سے ہے۔ مناظراتی ادب سے میری مراد اس ادب سے ہے جس میں احقاق حق اور ابطال باطل کو موضوع بنایا گیا ہو۔ گمراہ کن خیالات اور مسموم نظریات کی تردید کی گئی ہو۔ علامہ نے باضابطہ لوح وقلم کو سنبھالا تو داخلی محاذ پر انہیں بڑی سنگین صورت حال نظر آئی۔ انہوں نے محسوس کیا کہ سواد اعظم اہل سنت کے مسلک ومعتقدات پر حملے ہو رہے ہیں۔ بات بات پر مسلمانوں کو مشرک وبدعتی ٹھہرانا اور توہین رسالت باطل پرستوں کا مشترک ایجنڈا ہے ساتھ ہی عوام کو یہ تاثر دینا ہے کہ توحید کے تنہا اجارہ دار وہی ہیں۔

علامہ اس سنگین صورت حال کو دیکھ کر تڑپ اٹھے اور انہیں باطل عقائد وافکار کی تردید کو اپنی زندگی کا سب سے اہم نصب العین بنالیا جس کے نتیجہ میں ''زلزلہ'' اور ''زیر وزبر'' جیسی معرکۃ الآرا کتابیں منظر عام پر آئیں جس نے جھوٹے مدعیان ایمان کو بے نقاب کرکے ان کی اصلی شکل دکھلا دی۔

میرے خیال میں ایک اہل ایمان کے لئے اس سے بڑی خوش بختی کی اور کوئی بات کیا ہوگی کہ اس کے قلم کی روشنائی دین حق کی حمایت واشاعت میں صرف ہو۔ قدرت نے علامہ کو عمدہ ادبی نثر نگاری کی وہ صلاحیت بخشی تھی کہ وہ چاہتے تو اردو ادب کو کئی افسانوی مجموعے اور ضخیم ناولوں کے مجلدات دے سکتے تھے مگر انہوں نے دنیا کمانے کے بجائے آخرت کو ترجیح دی اور ناموس رسالت کے تحفظ کے لئے اپنی زندگی اور قلم کو وقف کردیا کیونکہ رسول کی محبت ہی تو جان ایمان ہے یہی بخشش کا سامان ہے اور یہی مطلوب رحمٰن ہے علامہ نے اپنے ایک شعر میں کیا خوب کہا۔

نہ ہوگر داغ عشق مصطفےٰ کی چاندنی دل میں
غلام باوفا محشر میں پہچانا نہ جائے گا

علامہ کے اسلوب کی ایک تابا ں خصوصیت ان کی قوت استدلال ہے وہ اپنے نقطہ نظر کی تائید میں دلائل وبراہین کے انبار لگا دیئے ہیں ساتھ ہی ایسا منطقی پیرایہ بیان اختیار کرتے ہیں کہ مخالف لا جواب ہو جاتا ہے اور اگر قدرت نے قبول حق کی توفیق بخشی ہے تو مطمئن بھی۔ دیکھئے ''زلزلہ'' پر تبصرہ کرتے ہوئے مدیر تجلی مولا عامر عثانی دیوبندی جو خود بھی ایک ممتاز اہل قلم تھے اس حقیقت کا یوں برملا اعتراف کرتے ہیں۔

''مگر یہ کتاب دستاویزی حقائق اور ناقابل تردید شواہد پر مشتمل ہے ......کوئی بڑے سے بڑا منطقی اور علامۃ الدہر بھی ان اعتراضات کو دفع نہیں کرسکتا جو اس کتاب کے مشتملات متعدد بزرگان دیوبند پر عاید کرتے ہیں۔''

(تبصرہ مولانا عامر عثانی، بحوالہ زلزلہ صفحہ ۱۷)

مولانا ماہر القادری مدیر ماہنامہ ''فاران'' کراچی لکھتے ہیں۔

''مولانا ارشد القادری نے ''زلزلہ'' نام کی کتاب مرتب فرمائی ہے جس میں تصنیف وتالیف اور استدلال کا بڑا سلیقہ پایا جاتا ہے، زبان وبیان اور اظہار بھی ادیبانہ ہے'' (بحوالہ، زیروزبر صفحہ ۱۶)

اس کو کہتے ہیں

مدعی لاکھ پر بھاری ہے گواہی تیری

علامہ کس طرح اپنی قوت استدلال سے منکرین ومخالفین کو

خاموش کر دیتے ہیں اس کا اندازہ کرنے کے لئے انکی کتابوں ''زلزلہ، زیروزبر، تعزیرات قلم، تبلیغی جماعت، اور جماعت اسلامی'' کا مطالعہ کرنا چاہئے لیکن ہمارا دعویٰ بلا دلیل نہ رہ جائے اس لئے اس کی ایک ٹھوس مثال ضروری ہے، مولانا عامر عثمانی علامہ کو مشورہ دیتے ہیں۔

''ایمان و اسلام کے سرچشمے قرآن و سنت ہیں نہ کہ کسی شیخ طریقت کے اقوال و اعمال...... ہمیں خالی الذہن ہو کر اللہ و رسول کے ارشادات کو مرکز فکر بنانا چاہیئے۔''

اور مولانا مودودی نے بھی ایک جگہ کچھ اسی طرح کا خیال ظاہر کیا ہے۔

''میں نے دین کو ماضی یا حال کے اشخاص سے سمجھنے کے بجائے قرآن و سنت ہی سے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔'' (زلزلہ صفحہ ۴۱)

علامہ ان دونوں کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''جہاں تک قرآن و سنت اور اللہ و رسول کے ارشادات عالیہ کو مرکز فکر بنانے کا سوال ہے اس حقیقت کبریٰ سے کسے انکار ہو سکتا ہے؟ لیکن دراصل بحث قرآن و سنت کے الفاظ و عبارت میں نہیں۔ ان کے مدلولات و مفاہیم میں ہے غیر منصوص مسائل میں دلائل کے استخراج اور نصوص کے معانی و مطالب کے تعین کا مرحلہ بغیر اشخاص و رجال کی رہنمائی کے طئے نہیں پا سکتا ہے۔ خود مولانا مودودی نے بھی تفہیم القرآن اور تفہیم الحدیث تصنیف کر کے یہیں فریضہ انجام دیا ہے اور آپ بھی ''تجلی'' کے باب الاستفسار میں ہر ماہ یہی فریضہ انجام دیا کرتے ہیں۔'' (زلزلہ صفحہ ۴۲)

میرے نزدیک زیر بحث مسئلہ کا اس سے زیاد معقول مدلل اور سائنٹفک جواب اور کچھ نہیں ہو سکتا ہے ہر صحیح الفکر شخص علامہ کے نقطۂ نظر سے اتفاق کرے گا الا یہ کے پہلے سے اس نے طے کر لیا ہو کہ آپ کچھ بھی کہیں ہم نہیں مانیں گے تو ایسے لوگ قابل رحم ہیں۔

علامہ کے اسلوب میں طنز کی بھی خوبصورت آمیزش ملتی ہے لیکن اس کا مقصد کسی کی تضحیک و تمسخر نہیں ہوتا بلکہ اصلاح دین و ایمان کا جذبۂ پر خلوص اس کا محرک ہوتا ہے۔ وہ دل آزار باتوں پر بھی جذباتیت کا شکار نہیں ہوتے اور یہ کوئی آسان بات نہیں اس کے لئے بڑے ظرف و ضمیر کی ضرورت ہوتی ہے اور اس میں کیا شبہ کہ علامہ اس معاملہ میں بڑے دھنی تھے۔ ان کی طنزیہ تحریروں میں بھی کتنا رکھ رکھاؤ ملتا ہے نمونہ کے طور پر عبارت ذیل ملاحظہ ہو۔

''اگر ایمان کا چراغ گل نہیں ہو گیا ہے'' اور اس طرح کے بہت سارے میروف جملے مفتیان دیوبند نے ''زلزلہ'' سے مستعار لئے ہیں۔ یہ میرے لئے باعث مسرت ہے کہ انہوں نے اپنی زبان خوبصورت اور شائستہ بنانے کے لئے ''زلزلہ'' سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے البتہ افسوس اس بات کا ہے کہ کاش انہوں نے ایمان کی غیرت، عشق کی حرارت اور اسلام کی دیانت بھی زلزلہ سے مستعار لے لیا ہوتا تو مجھے زیروزبر لکھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی (زیروزبر صفحہ ۵۸)

طنز نگاری میں عام طور پر لوگ کف در دہان ہو جاتے ہیں پھکڑ پن پر بھی اتر آتے ہیں لیکن علامہ نے اپنے جذبات پر سخت پہرے بٹھا رکھے ہیں اور اپنے قلم کے وقار کو مجروح نہیں ہونے دیا ہے اور یہ بڑی بات ہے۔

مختصر یہ کہ علامہ نے اپنی تحریروں سے اردو ادب کے سرمایہ میں بیش قیمت اضافہ کیا ہے جس کا کھلے دل سے اعتراف ہونا چاہئے۔ دینی مسائل و موضوعات پر لکھنا دنیا کے کسی ادب میں کبھی شجر ممنوعہ نہیں رہا ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ اس تحریر میں ادبی حسن ہو اسی کی بنیاد پر خطبات و تفسیر القرآن، سیرت النبی، الفاروق، ترجمان القرآن وخطبات، تفہیم القرآن ورسائل و ماسائل کے مصنفین کے ادبی حیثیات کو تسلیم کیا گیا ہے پھر ''زلزلہ'' اور ''زیروزبر'' کے مصنف نے کیا قصور کیا ہے کہ انکو یہ مقام نہیں دیا جائے۔ اساطین ادب توجہ فرمائیں۔

مولانا محمد ملک الظفر
مدیر اعلیٰ سہ ماہی "الکوثر" دارالعلوم خیریہ نظامیہ سہسرام

علامہ ارشد القادری

فکر اسلامی کے بے باک ترجمان

جنگ آزادی کے بعد ملک کی ترقی وخوش حالی کے ساتھ اردو زبان وادب کے فروغ اوراس کی ترقی کے امکانات بھی روشن ہوئے تھے۔ کیوں کہ آزادی وطن کے خواب کوشرمندۂ تعبیر کرنے میں جہاں مجاہدین آزادی کی بے پناہ جدّ وجہد کا عمل دخل نظر آتا ہے۔ وہیں اردو زبان وادب کا یوگدان (contribution) بھی اس باب میں ایک نا قابل فراموش حقیقت ہے۔ آزادی کے متوالوں کواسی زبان نے کئی انقلاب آفریں اورشعلہ بداماں نعرے بھی دیئے جن سے آزادی وطن کے متوالوں میں جوش و جذبے کی لو تیز سے تیز تر ہوتی رہی۔۔ ہندوستان کی سیکولرروایات کی پاسداری اور یہاں کی گنگا جمنی تہذیب وثقافت کے عارض ورخسار پہ غازہ ملنے میں بھی اس زبان کی خدمات بہت نمایاں اورواضح ہیں۔ ہندوستانی عوام کی شیرازہ بندی کرنے میں اردوزبان وادب کی خدمات کوصرف نظرنہیں کیا جاسکتا۔ لیکن جب آزادی کا سورج افق ہند پراپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ طلوع ہواتو پھر یہ سارے خواب شرمندۂ تعبیر ہونے کے لئے سراپا انتظار ہی بنے رہ جاتے ہیں اور پھر وقت کے گزرنے کے ساتھ ان خوابوں کے نقوش دھیرے دھیرے مدہم سے مدہم تر ہوتے چلے گئے اور بالآخر یہی کہنا پڑا۔

وہ اندھیرا ہی بھلا تھا کہ قدم راہ پہ تھے
روشنی لائی ہے منزل سے بہت دور ہمیں

اردوزبان وادب کے فروغ میں علماء، صوفیاء، مدارس اور خانقاہوں کی زریں خدمات تو تاریخ لسانیات کا ایک تابندہ و روشن باب ہے۔ لیکن عصبیت وتنگ نظری نے ان خدمت گزاروں کی جد و جہد کا آئینہ دھندلا کردیا اس لئے ان کی کاوشیں نا مشکور ہوگئیں جب کہ اردو زبان وادب کی ترقی وخوشحالی کے لئے یہ ضروری تھا کہ اس ضمن میں کی جانے والی تمام کاوشوں کوسرمایۂ ادب کا حصہ بنایا جائے اوران پر نقد ونظر کی شعاعیں بکھیر کر ان نقوش کو روشن سے روشن تر کردیا جائے۔ لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہوا بلکہ مذہبی ادب کوتاریخ ادب اردو سے علیحدہ رکھ کرایک غلط فکر ونظر کی داغ بیل ڈالی گئی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ملک زادہ منظوراحمد کا یہ اقتباس اس المیئے کی واضح تصویر پیش کرتا نظرآتا ہے۔

> "اس المیئے کا ماتم کہاں تک کیا جائے کہ اردوتاریخ ادب نے ہمارے علمائے کرام کوتقریباً نظرانداز کردیا ہے جنھوں نے دین وسنیت کی چاکری کے ساتھ ساتھ رشد و ہدایت کے موضوعات پرخامہ فرسائی کی اورتبلیغ دین کے لئے تصانیف کے انبار لگا دیئے علمائے کرام کے ملفوظات اوران کی دیگر تصانیف کواگر تاریخ ادب اور تاریخ لسانیت نے موضوع گفتگو بنایا ہوتا تو ہماری زبان و بیان میں جوعہد بہ عہد تبدیلیاں ہوئی ہیں وہ اجاگر ہوکر اردو کا ایک نیا منظر نامہ پیش کرتیں۔

(ماہنامہ "منظرحق" کا تاج الفحول نمبر جلد ا۔ شمارہ ۸ تا ۱۱۔ نومبر ۱۹۹۸ تا مارچ ۱۹۹۹ صفحہ نمبر ۳۰۹)

ماہر رضویات ڈاکٹر محمد مسعود احمد بھی خطرناک رجحان پر نکتہ چینی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"ہماری تاریخ کا المیہ یہ ہے کہ جنھوں نے دین وملت کی بے لوث خدمت کی وہ پس منظر میں چلے گئے اور جنھوں نے ان کے مقابلے میں معمولی خدمات انجام دیں، مبالغہ آرائی سے ان کی خدمات کو رائی کا پہاڑ بنا کر دکھایا گیا۔ پڑھنے والے چاہ ظلمات میں حقائق کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے ہیں مگر پتا نہیں چلتا۔ تاریخ نگاری کا یہ عظیم المیہ ہے، (اجالا، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۳ء صف ۵۱)

پروفیسر شفقت رضوی نے بھی اس ضمن میں تحریر کیا ہے۔ کہ ہمارے علمائے ادب مذہبی لٹریچر کو مانتے ہی نہیں ہیں اسی لئے ادبی تواریخ کے صفحات مذہبی لٹریچر کے ذکر سے خالی ہیں،

(لغت رنگ کراچی پاکستان شمارہ ۱۰۔ صفحہ ۳۸)

حقیقت یہ ہے کہ اردو زبان وادب کی ترویج واشاعت میں علمائے کرام کے ایثار وقربانی کو صرف نظر کر کے اردو زبان وادب کی تاریخ مکمل نہیں کی جاسکتی۔ چوں کہ ان مقدس حضرات کا مطمح نظر تبلیغ دین، اشاعت اسلام اور خلق خدا کی رہنمائی تھا لہٰذا نام ونمود سے دامن کش ہو کر وہ عظیم خدمت میں خود کو مصروف کئے رہے۔

مذہبی ادب کو تاریخ ادب سے الگ تھلگ رکھنے کے اس غیر صحت مند رجحان کی جس قدر بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ اردو زبان تو عہد طفولیت سے خانقاہ وہ مدارس کی مرہون منت رہی اور بعد کے ادوار میں بھی اردو ادبیات کا دامن مذہبیات کے قابل قدر سرمائے سے مالامال رہا۔ پروفیسر شفقت رضوی بھی اسکی تائید وتصدیق فرماتے ہیں۔

"اردو ادبیات کا آغاز ہی مذہبی لٹریچر سے ہوا اور صدیوں سے یہ عمل بلامزاحمت جاری ہے۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ علمائے کرام کی مذہبی تصانیف، ان کے ملفوظات اور گراں قدر مکتوبات کو تاریخ لسانیات نے موضوع گفتگو بنایا ہوتا تو آج اردو زبان وادب کی تاریخ کا رنگ و آہنگ ہی کچھ اور ہوتا۔

اردو کے فروغ اور اس کی ترویج واشاعت میں اجتماعی سطح پر شعوری کاوشوں کا فقدان ہے تاہم انفرادی سطح پر کی جانے والی کوششیں اردو ادب کے منظرنامے پر بہت نمایاں اور واضح ہیں یہی وجہ ہے کہ اردو اپنی حقیقی ترقی اور مقام ومراتب کی بازیافت میں آج بھی بے نیل مراد ہے۔ انفرادی کوششوں میں سرگرم عمل رہنے والوں کی مبارک ومسعود فہرست میں علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ کا نام بہت نمایاں ہے۔ آپ نے اپنے خامۂ زرنگار سے اردو زبان وادب کی تزئین وآرائش کا خوب خوب سامان کیا یہ الگ بات ہے کہ ادب کی خیمہ بندیوں سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے انہیں وہ مقام ومراتب نہ مل سکے جس کے وہ بجا طور پر مستحق تھے۔

بلیا جو یوپی، بہار کی مشترکہ تہذیبوں کا خوبصورت سنگم ہے اس سرزمین پر پیدا ہو کر پروان چڑھے غلام رشید جب شعر وشاعری کی سحر انگیز کیفیت سے آشنا ہوئے تو ارشد تخلص اختیار کیا اور سلسلۂ قادریہ کی نسبت کو اپنے لئے سرمایۂ افتخار بنایا تو ارشد قادری ہوئے اور پھر دونوں اجزاء آپس میں ایک دوسرے سے مل کر شیر وشکر ہوئے۔ تو ارشد القادری کے نام سے نہ صرف ہندوپاک بلکہ بین الاقوامی سطح پر اپنی بے لوث دینی وملی، مذہبی، تبلیغی، اشاعتی، تنظیمی اور ادبی خدمات کی بنیاد پر امتیازی اور انفرادی تشخص کے ساتھ جانے پہچانے گئے۔ علم وفضل توکل واستغناء، صبر واستقلال اور خدا اعتماد، وخود اعتمادی آپ کے نمایاں اوصاف تھے اور انہیں اوصاف کی بنیاد پر آپ نے ملک وبیرون ملک اپنی بے مثال فتوحات کے جھنڈے نصب کر دیئے۔ آپ نے اپنی تنظیمی، تحریکی اور دعوتی جدوجہد کا نقطۂ آغاز شہر آہن جمشید پور کو بنایا اور یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ نے باشندگان جمشید پور کو دین کا صحیح شعور بخشا، ان کے اندر تعلیمی

بیداری لانے کے لئے مستقل مہم چلائی۔ ابتدائی دنوں میں تقریباً چھ ماہ تک کھلے آسمان کے نیچے میدان میں چھوٹے چھوٹے بچوں کو دین کی ابتدائی تعلیم دی اور یہیں سے اپنی جدوجہد کا آغاز کیا۔ دھوپ کی تمازت جب شدید ہو جاتی تو چھاتا کھول لیتے۔ علامہ علیہ الرحمۃ نے جن ناموافق حالات میں تبلیغ دین کی جدوجہد میں عملی سرگرمیوں کا مظاہرہ فرمایا اس سے اسلاف کبار کی تابندہ یادوں کے نقوش تازہ ہونے لگتے ہیں۔ یقیناً آج کے علماء کے لئے یہ واقعہ عبرت ہے جو حالات کی تمام تر موافقتوں کے باوصف دین کی اشاعت اور عوام کی اصلاح سے پہلوتہی کر رہے ہیں اور آرام طلبی کو اپنی زندگی کا ایک اہم حصہ بنا چکے ہیں۔ علامہ علیہ الرحمۃ کی بے پناہ جدوجہد رنگ لانے لگی اور پھر دیکھتے دیکھتے آپ کی زندہ و بیدار تحریک نے کئی تناور درخت کی شکلیں اختیار کر لی۔ آپ حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مبارکپور (۱۳۰۴ھ تا ۱۳۹۶ھ) کی نگہ کیمیا اثر کے تربیت یافتہ تھے۔ اس جوہر شناس نگاہ نے آپ کے اندر بے پناہ تحریکی قوتوں کا روز اول ہی ملاحظہ فرمالیا تھا۔ چنانچہ حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے ایما پر ہی آپ ناگپور سے جمشید پور رونق افروز ہوئے اور یہیں سے دین کی اشاعتوں میں خود کو تاحیات مصروف رکھا اور پھر یہی سرزمین آپ کی آخری آرام گاہ بھی بنی۔ حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے اس جملے سے علامہ کے قد و قامت اور ان کی بلند و بالا شخصیت کے خط و خال نہایت عمدگی کے ساتھ واضح اور روشن ہوتے نظر آتے ہیں۔ وہ فرماتے تھے ''اگر قدرت نے مجھے دولت دنیا سے نوازا ہوتا تو میں اس سے ہر روز علامہ کو وزن کرتا اور اس دولت کو صدقہ کرتا'' خیال رہے کہ یہ ایک ایسی خدارسیدہ ہستی کے حقیقت پسندانہ کلمات ہیں جو کسی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے کے فن سے یکسر ناواقف ہے۔ بلکہ حقیقتوں کا برملا اعتراف اس ہستی کی امتیازی اور نمائندہ شان رہی ہے اور پھر یہ بھی واضح رہے کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کوئی اور نہیں علامہ ارشد القادری کو آغوش تربیت میں پالنے والے شفیق و مہربان استاذ ہیں۔ جس شاگرد کے تعلق سے ایسے محتاط استاذ کے یہ قیمتی کلمات ہوں اس کی جلالت شان کا اندازہ لگانا ہر کہہ و مہہ کا منصب نہیں۔ ؎

قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری

ملک و بیرون ملک آپ کی تحریکی، تنظیمی صلاحیتوں کے مظاہرے ہوتے رہے۔ آپ گوشۂ تنہائی کے آدمی نہ تھے بلکہ ہر وقت منصوبہ سازی میں مشغول رہا کرتے تھے۔ آپ بے پناہ تبلیغی، تنظیمی اور دعوتی صلاحیتوں کے اقرار و اعتراف میں راقم الحروف کے نام ایک مکتوب میں مولانا فروغ القادری ڈائرکٹر ورلڈ اسلامک مشن (لندن) نے آپ کی عظیم دینی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے یہ جملے تحریر کئے تھے۔

''گزشتہ دنوں ہندوستان سے رئیس التحریر شہنشاہ قلم سماحۃ الشیخ حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ ادام المولیٰ فضلہ، یہاں انگلینڈ میں ہونے والی ''دعوت اسلامی کانفرنس'' میں تشریف لائے ہوئے تھے، انہوں نے برطانیہ کے طول و عرض میں تحریکی و تنظیمی عنوان سے انعقاد پزیر اجلاس میں اپنے موثر ترین خطبات اور فکر انگیز قیادت سے نوازا۔ علامہ اپنے ضعف عمری اور علالت کے باوجود قوم و ملت کے لئے ایک حساس دل رکھتے ہیں۔ برسوں کی باتیں، مشائخ اہل سنت کی صحبت فیض اثر کے تذکار تا ہنوز ان کے امانتدار اور قوی حافظے میں محفوظ ہیں۔ دوران گفتگو وہ ہندوستان کے بعض جامعات کے مدرسین کی تدریسی و عملی بے اعتنائی اور معیار تعلیم کے انحطاط پر حد درجہ شکستہ خاطر نظر آئے۔ عصر حاضر میں علامہ ارشد القادری ہماری جماعت کے وہ واحد ہمہ جہت عالم دین ہیں جنہوں نے مذہب و مسلک کے حوالے سے پوری دنیا میں کام کیا ہے۔ آج برطانیہ کے سینے پر سینوں کی تقریباً آٹھ سو مسجدیں کھڑی ہیں۔ آپ شاید یقین نہ کریں، ان کی بقا میں موصوف کا خون جگر شامل ہے۔ بلاشبہ کسی عالمی تحریک کی کامیابی کے لئے بے لوث خدمت، جذب دروں کی فراوانی، اخلاقیات کی بلندی، آفاقی ذہنیت اور اولوالعزم بیداری کی

بہر گام ضرورت ہوتی ہے۔ آج ہم میں ایسے قائدین کا فقدان ہے جنہیں عنایت ایزدی اور اپنے وسیع تر تجربات کی بدولت ایک طرف یہ ادراک حاصل ہو کہ اسلامی تعلیمات کی روح اور اس کی تقدیر کیا ہے۔ دوسری طرف ان میں یہ صلاحیت بھی ہو کہ وہ جدید حوادثات کا اندازہ صحت کے ساتھ کرسکیں۔ جب کہ قوم کی حقیقی قوت عمل کا انحصار انہی نفوس پر ہوتا ہے: مکتوب'' مولانا فروغ القادری ڈائرکٹر ورلڈ اسلامک مشن، انگلینڈ، مشمولہ سہ ماہی الکوثر جنوری تا جون ۲۰۰۰ء (۶۹

علامہ ارشد القادری یقیناً جماعت اہل سنت کی آبرو اور اس کا وقار تھے۔ وہ ایک ایسے ہمہ جہت عالم دین تھے کہ دور دور تک ان کا کوئی مماثل نظر نہیں آتا۔ ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر یقیناً علامہ کے قد و قامت پہ اپنے صحیح مفہوم و معانی میں منطبق ہوتا محسوس ہوتا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حیات کا وہ کون سا گوشہ تھا جس سے یہ مرد خدا آگاہ وخود آگاہ جہت آشنا نہ ہو۔ قوم و مسلم کی اصلاح و تربیت اور ان کے تزکیۂ نفس کے لئے آپ نے ہر جہت سے اپنے تحریکی عمل کو جاری رکھا۔ قوم مسلم میں فکر اسلامی کی صحیح اسپرٹ پیدا کرنے کے لئے خطابت و صحافت کی خداداد صلاحیتوں کا خوب خوب استعمال کیا۔ پروردگار عالم نے آپ کو زبان وقلم پہ یکساں قدرت عطا فرمائی تھی۔ آپ نے تصوف، مذہب، اخلاق، فلسفہ، تاریخ، سیاست، سوانح اور تنقید ہر موضوع پر اپنے خامۂ زرنگار کو مصروف رکھا اور تمام مضامین میں ترتیب، تہذیب، استدلال، وضاحت، فراست و متانت اور تنقیدی شعور کی بالیدگی نمایاں نظر آتی ہے۔ ان اوصاف کے علاوہ جو خاص اور سب سے اہم وصف آپ کی نثر نگاری کا ہے وہ ہے لطف مطالعہ یعنی read ability آپ کی نثر یقیناً نثر نگاری کا عمدہ نمونہ قرار دیے جانے کے لائق ہے۔ اردو زبان میں آپ کی دو درجن سے زائد تصانیف، متعدد کتب پر مقدمہ اور تقریظ

''جام نور'' اور ''رفاقت'' کے علاوہ ملک کے مختلف جرائد و رسائل میں آپ کے نثری شہہ پارے آپ کی ادبی حیثیت کے تعین کے لئے بہت کافی ہیں۔ ''زلزلہ'' و زیروزبر یقیناً آپ کی استدلالی قوتوں کا بہترین نمونہ ہیں اور آج بھی یہ دونوں کتابیں باطل کے لئے چیلنج کا درجہ رکھتی ہیں۔ ۸/اگست ۱۹۹۹ء کو جب ترکی میں زبردست زلزلہ آیا تو علامہ سید سعادت علی قادری (ہالینڈ) کا ایک طویل مقالہ زلزلے کے تعلق سے سہ ماہی ''الکوثر'' شمارہ اپریل جون ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا تھا اس کے بعد حیدرآباد کے ایک صاحب قلم ادیب نے ایک مکتوب میں اپنے ان خیالات کا اظہار کیا تھا ''مجھے علامہ ارشد القادری کا ''زلزلہ'' یاد آرہا تھا جس میں انہوں نے دیوبندیوں کے پرخچے اُڑا دیے تھے اور جس کی تائید سب سے بڑے دیوبندی عالم عثمانی کرنے پر مجبور ہوگئے تھے۔ آج بھی وہ کتاب دیوبندیوں کے لئے چیلنج کا درجہ رکھتی ہے۔'' (مکتوب: رؤف خیر لکچرر، گولکنڈہ حیدرآباد مشمولہ سہ ماہی الکوثر جولائی تا ستمبر ۲۰۰۰ء)

علامہ ارشد القادری نے کبھی فکر اسلامی سے الگ ہٹ کر اپنے قلم کا استعمال قطعی ناروا تصور فرمایا۔ عظمت و ناموس رسالت کی چوکیداری میں وہ تا حیات اپنے زبان وقلم کا استعمال فرماتے رہے۔ علامہ علیہ الرحمہ کی نثر نگاری پر قارئین مستقل مضامین کا مطالعہ فرمائیں گے ان کی نثر نگاری کی اعلیٰ قدروں سے واقفیت حاصل کریں گے تاہم چند اقتباسات پیش کرکے میں اپنے دعوے کو دلیل آشنا کردوں۔ سوانح اعلیٰ حضرت'' کے مقدمے میں لفظ ''اعلیٰ حضرت'' کے استعمال کے جواز پر استدلال قائم کرتے ہوئے ان کی نثر کا تیور ملاحظہ کیجئے۔

''تنقیص رسول کے ناپاک جذبے میں آپ حضرات کے قلوب اس درجہ مسخ ہوگئے ہیں کہ اہانت کا کوئی موقع بھی آپ لوگ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اس بات کا شکوہ تو اپنی جگہ پر ہے کہ جن کی دسوں انگلیاں اہانت رسول کے خون میں ڈوبی ہوئی ہیں دوسروں کے سفید وشفاف دامن پر سرخ دھبہ تلاش کررہے ہیں۔

الحال آپ سے شکایت یہ ہے کہ اس واقعہ سے آپ بھی بے خبر نہیں ہیں کہ سلف سے خلف تک امت کے مشاہیر حضرات کو جن القاب سے بھی موسوم کیا گیا ان کا تقابل صرف ان کے معاصرین کے ساتھ تھا کسی نے بھی امام اعظم کے لفظ سے یہ نہیں سمجھا کہ انہیں امام اعظم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام کے مقابلے میں بولا جارہا ہے۔ لیکن یہ آپ حضرات کے دلوں کے نفاق کی کاریگری ہے کہ بجائے اس کے کہ آپ حضرات سلف کی روایات اور عرف کے مطابق ''اعلیٰ حضرت'' کے لفظ کے مفہوم کو ان کے معاصرین تک محدود سمجھتے زبردستی کھینچ تان کر اس لفظ کے اطلاق کا دائرہ عہد رسالت تک وسیع کردیا تاکہ لفظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے تنقیص شان کا حامل نہ ہو جب بھی تقابل کی راہ سے تنقیص کے معنیٰ پیدا کردیئے جائیں۔''

حیات اعلیٰ حضرت، ناشر رضا اکیڈمی، ممبئی مطبوعہ ۱۴۲۲ ۶،۷)

منطقی طرز کی اس گفتگو کو کس قدر عام فہم اور خوبصورت اسلوب میں پیش کیا گیا ہے متانت و سنجیدگی اور لطف مطالعہ کا حسن اپنی جگہ مسلم۔ اسی مقدمے کا ایک دوسرا اقتباس ملاحظہ فرمایئے۔

''جب میں پندرہ منٹ کی اپنی جوابی تقریر سے فارغ ہو کر بیٹھا تو میں نے دیکھا کہ حضرت مجاہد ملت کی خداترس آنکھوں میں خوشی کے آنسو امنڈ رہے تھے وہ مقدس لمحے میں زندگی بھر نہیں بھولوں گا جب غوث الوریٰ کے دربار گہر بار کے ایک وارفتہ جگر درویش اور مسلک رضویت کے ایک پُرسوز داعی کی شفقتوں کے بادل ٹوٹ ٹوٹ کر میرے اوپر برس رہے تھے اور میں قدموں میں مچل مچل کر نہار رہا تھا۔''(ایضاً ۹)

''آنے والے اوراق میں آپ ''انکشاف'' کے اقتباسات پڑھ کر سخت گھٹن محسوس کریں گے۔ اکثر مقامات پر غیر مہذب اور دل آزار جملوں سے آپ کا ذوق لطیف مجروح بھی ہوگا اور زبان وادب، اردو کے محاورے، تذکر و تانیث کی فاش غلطیوں اور مہمل فقروں سے تو پوری کتاب ہی داغدار نظر آئیگی لیکن دل پر جبر کر کے انتہائی صبر و تحمل کے ساتھ اقتباسات کی ایک ایک سطر آپ کو پڑھنی ہے تاکہ علم اور جہل، شرافت و دناءت اور اندھیرے اجالے کے درمیان آپ واضح طور پر خط فاصل کھینچ سکیں''

(زیروزبر، علامہ ارشد القادری ۲۶ مطبوعہ ۱۹۸۰ء مکتبہ جام نور، جمشید پور)

''انصاف و دیانت کی روشنی میں چلنے کی تمنا کرنے والو! حق و باطل کی راہوں کا امتیاز محسوس کرنے کے لئے کیا اب بھی کسی نشانی کی ضرورت ہے'' (زلزلہ۔ علامہ ارشد القادری ۱۱۱)

''اگر ایمان کا چراغ گل نہیں ہوگیا ہے'' یہ اور اس طرح کے بہت سارے میرے جملے مفتیان دیوبند نے 'زلزلہ' سے مستعار لئے ہیں یہ میرے لئے باعث مسرت ہے کہ انہوں نے اپنی زبان کو خوبصورت اور شائستہ بنانے کیلئے ''زلزلہ'' سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔ البتہ افسوس اس بات کا ہے کہ کاش! انہوں نے ایمان کی غیرت، عشق کی حرارت اور اسلام کی دیانت بھی ''زلزلہ'' سے مستعار لے لی ہوتی تو مجھے ''زیروزبر'' لکھنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی''

(زیروزبر علامہ ارشد القادری مطبوعہ ۱۹۸۰ء مکتبہ جام نور جمشید پور ۶۳)

''شرک کے سائے میں بیٹھ کر توحید پرستی کا راگ الاپنے والو! شرم کرو اور سپیدۂ سحر کا انتظار کرو جب تمہارے فریب کا دامن چاک ہوگا۔ (تعزیرات قلم ۱۷۴،۱۷۵)

علامہ ارشد القادری کی نثر نگاری کا معیار بہت صاف ستھرا اور بلند ہے یقیناً آپ کی نثر، نثری ادب کی آبرو ہے۔ آپ کی نثر میں وضاحت و قطعیت، متانت و وقار ایجاز و اختصار اور ان جیسے دوسرے اوصاف کی بوقلمونیاں قاری کے اردگرد کچھ ایسی فضابندی کرتیں کہ وہ گردوپیش سے بیگانہ ہو جاتا۔

آپ کی نثر نگاری میں طنز کا عنصر بھی اپنے ایک خاص انداز میں

نمایاں نظر آتا ہے۔ آپ نے اپنی نثر میں شخصیات اور افکار ونظریات پر بھی تنقید کی ہے لیکن اس معاملے میں بھی متانت وسنجیدگی کی حدود میں رہتے ہوئے غیر شائستہ طرز وادا سے دامن بچا کر گزر گئے ہیں۔

''عقیدت کا اندھا پن گمرہی کا بہت مشہور آزار ہے لیکن اتنی مدہوشی شاید ہی کہیں دیکھنے میں آئی ہو کہ گھر کے بزرگوں کے حق میں دونوں جہاں کا بے حجاب مشاہدہ ثابت کرنے کیلئے مفتیان دیوبند نے ایک غیر مستند اور عوامی سطح کی کتاب کی عبارت کو نصوص کا درجہ دے دیا ہے۔ علم کے ایوانوں میں جہل کی یہی پذیرائی رہی تو کچھ عجب نہیں ہے کہ کل یہ لوگ اسلام کے بنیادی مسائل پر بحث کرنے کے لئے ''قصہ چہار درویش'' کو استدلال میں پیش کردیں'' (زیروزبر۴۲)

''سبحان اللہ! بڑا معقول جواب ہے ''زلزلہ'' کے الزامات سے نجات حاصل کرنے کا یہی راستہ اختیار کرنا تھا تو جواب میں ایک ضخیم کتاب لکھنے کی ضرورت کیا تھی ایک چھوٹے سے اشتہار میں اتنا لکھ دینا کافی تھا کہ ''زلزلہ'' میں جن کتابوں کے حوالے دئے گئے ہیں ان کی عبارتوں کی وضاحت کے لئے ان کتابوں کے مصنفین کی طرف رجوع فرمالیں۔ اپنے مردوں کا بوجھ اٹھانیکے لئے ہم زندوں میں سے اب کوئی تیار نہیں ہے۔'' (ایضاً ۸۰۔۱۸)

''اگر مولانا مودودی کو اس واقعہ کی اطلاع نہیں تھی تو یہ یقین کرنا مذہبی قیادت کی تاریخ کا بڑا ہی سنگین حادثہ کہلائے گا کہ مولانا مودودی کی بیگم ان کی اختیار میں نہیں ہیں۔ اور اپنے شہر کے مذہبی عقیدے کے خلاف کسی بھی محفل (محفل میلاد) میں وہ اجازت حاصل کئے بغیر شریک ہوتی ہیں اور اگر انہیں اطلاع تھی تو ایک حرام مجلس میں شرکت کی انہوں نے کیوں اجازت دی؟ جو اپنی رفیقۂ حیات کو اپنے دین کا پابند نہیں بناسکتا وہ گھر کے باہر عام مسلمانوں کو کیا دین کا پابند بنائیگا۔

(تعزیرات قلم، علامہ ارشد القادری، مکتبہ جام نور، جمشید پور ۱۷۶)

طنز وتعریض کا کس قدر خوبصورت انداز ہے۔ شخصیات ونظریات پر تنقید وتعاقب میں تلخ بیانی اور جوش وہیجان سے الگ ایک منفرد رخ اختیار فرمایا ہے جس سے آپ کی قوت استدلال کا حسین پیرائے میں اظہار ہوتا ہے۔ آپ نے تنقید میں منطقی طرزِ استدلال کا طریقہ بھی اختیار فرمایا اور اپنے مخاطب کو اسی قوت سے سپر انداز کردیا۔

''آپ کے یہاں علم میں اشتراک اہانت ہے اور آپ کے مہتمم صاحب کے یہاں جہل میں اشتراک ضروری ہے تو اب نبی کے لیے غیب ماننے کی کیا صورت ہوگی؟ پھر علم میں نبی اور غیر نبی کا یکساں ہونا اگر اہانت ہے تو عدم علم میں یکساں ہونا کیوں نہیں اہانت ہوگا؟ پس اس بنیاد پر آپ کے مہتمم صاحب اہانت رسول کے مرتکب ہوئے یا نہیں''

(زیروزبر۹۱)

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمتہ ایک صاحب طرز ادیب منفرد انشاء پرداز ہونے کے ساتھ ساتھ تحقیقی ذہن وفکر رکھنے والے صاحب قلم تھے۔ آپ کے نثر میں بلا کی جاذبیت وکشش پائی جاتی ہے۔

فرانسیسی نقاد چارلس آگستن سانت بیو (۱۸۰۴۔۱۸۶۹) نے مصنف کے حقیقی پس منظر کے اظہار میں یہ تحریر کیا ہے۔

''صحیح معنوں میں وہ مصنف حقیقی کلاسیک کے ذیل میں آتا ہے جس نے ذہن انسانی کو ترقی دے کر آگے بڑھایا ہو۔ اسے مالا مال کیا ہو۔ جس نے فکری سرمائے میں بیش بہا اضافہ کیا ہو۔ جس نے واضح طور پر اخلاقی صداقت دریافت کی ہو۔ جس نے انسانوں کے اندر دائمی جوش وجذبہ پیدا کیا ہو۔ جس نے اپنی فکر، مشاہدہ یا ایجاد کے ذریعے ذہن انسانی کو وسعت اور عظمت عطا کرکے حسن اور لطافت کی تہذیب کی ہو۔ جو اپنے مخصوص انداز میں ''سب کے لئے'' ہو اور ''سب سے'' مخاطب ہو۔ جس کا طرز ادا ایسا ہو کہ جو ساری دنیا کو اپیل کرے۔ جس کا انداز ایسا ہو جو جدت کے بدعت کے بغیر بھی نیا ہو۔ جس میں نیا پرانا مل کر ایک ہوگئے ہوں۔ جس کے طرزِ ادا میں ہر

خصوصیت ہو کہ ہر دور میں اسے اپنا طرز ادا سمجھے اور جس کی تخلیقی صفات دائمی اور آفاقی ہوں'' (پیام مشرق۔ اقبال۔ طبع ہشت دہم ۱۹۸۶ء ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، پاکستان)

سانت ہیو کے مذکورہ پس منظر میں اگر علامہ علیہ الرحمتہ کے مذہبی ادب کا تنقیدی و تحقیقی مطالعہ کیا جائے تو یقیناً مذہبی ادب کے تناظر میں آپ کا شمار اسی قسم کے کلاسیک مصنفین میں ہوتا ہے۔ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ زمانے کے تقاضوں کو بخوبی محسوس فرماتے تھے، وقت کے تقاضوں کے مطابق منصوبہ سازی کے عمل سے گزرتے تھے۔ ڈاکٹر سید جمال الدین اسلم نے علامہ علیہ الرحمتہ کے تعلق سے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے بالکل درست فرمایا ''علامہ کی فکر ونظر کا معیار اس قدر اونچا ہے کہ جدید سے جدید اور روشن خیال سے روشن خیال اصحاب فکر کو جلا بخشی کی دولت نصیب ہوتی ہے۔''

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمتہ نے تصنیف و تالیف کیساتھ صحافت سے بھی اپنا رشتہ استوار رکھا۔ آپ کا صحافتی شعور بہت پختہ تھا۔ ایک کہنہ مشق اور ذمہ دار صحافی کی حیثیت سے ایک عرصے تک ''جام کوثر'' ایڈٹ کرتے رہے۔ آپ زرد صحافت yellow journalism کے سخت مخالف تھے۔ حقائق و واقعات کی صحیح تصویر کشی کی نازک ذمہ داریوں سے آپ بحسن وخوبی خود کو عہدہ برآ کرتے رہے۔

''جام نور'' کو فکر اسلامی کا نقیب وترجمان بنانے کی سمت میں آپ نے جدید ذہن وفکر اور عوامی طبیعتوں کے تقاضوں کا خوب خوب لحاظ و پاس رکھا۔ چنانچہ اپنے مضامین ''لالہ زار'' کے مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں۔

اپنے قارئین کے ذوق مطالعہ اور ذہنی رجحانات کے ذریعے میں نے بار بار اس امر کا مشاہدہ کیا کہ درس و پیغام کے انداز میں جو باتیں کہی گئیں ان کے حلق کے نیچے اترنے میں دیر لگی لیکن وہی باتیں جب قصص و حکایات کے پیرائے میں بیان کی گئیں تو انہیں طبیعتوں نے بہت جلد قبول کرلیا'' (لالہ زار، مطبوعہ ۱۹۸۶ء ۹۸)

اس پس منظر میں آپ نے ''جام نور'' میں بزبان حکایت یہ خوبصورت سلسلہ شروع کیا اس کے بعد اس کی مقبولیت وہردلعزیزی کا گراف مزید بلند سے بلند تر ہوتا گیا۔ اس سلسلے میں آپ کے یہ جملے ملاحظہ فرمائیے۔

''الفاظ وبیان کے نشتر سے قلوب کس طرح گھائل ہوتے ہیں اس کا اندازہ مجھے ''جام نور'' کے ''شہید کربلا نمبر'' سے ہوا۔ نمبر کا مطالعہ کرتے وقت سیکڑوں قارئین کی یہ سرگذشت مجھے باوثوق ذرائع سے پہنچی کہ وہ واقعات کا ایک صفحہ بھی بغیر روئے ہوئے نہیں پڑھ سکے۔ ان میں کچھ رقیق القلب حضرات ایسے بھی تھے جو شدت کرب اور گریہ پیہم سے بیمار پڑ گئے۔ (ایضاً)

ان دلچسپ اور دلپذیر کہانیوں کے پیش کرنے کا مقصد نوجوانوں کے اندر فکر اسلامی کی صحیح اسپرٹ پیدا کرنا تھا۔ ان کو فکر اسلامی سے مزاج آشنا کرنا تھا۔ چنانچہ اس کی وضاحت میں علامہ رقمطراز ہیں۔

''جام نور میں ان تاریخی کہانیوں کی اشاعت سے میرے دو مقاصد تھے پہلا مقصد تو یہ تھا کہ ہاتھوں میں ایمان افروز، روح پرور، روح افروز اور پاکیزہ کہانیوں کا لٹریچر دے کر ان نوجوانوں کا ذہن بدلا جائے جو گندے ناولوں اور شہوت انگیز افسانوں کو پڑھ کر اپنا وقت بھی برباد کرتے ہیں اور اپنی قیمتی صلاحیت بھی اور زندگی غلط رخ پر لگ جانے کے بعد مستقبل کی تباہی کا جو بھیانک انجام ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔ اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ جن مسلمانوں کو دینی کتابوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور وہ اپنی لاذوقی کی وجہ سے مذہبی کتابوں کے مطالعے سے محروم ہیں، انہیں حکایت کی زبان میں دین سے روشناس کیا جائے۔ (ایضاً ۹، ۱۰)

''جام کوثر'' اور ''جام نور'' کی ادارت کے ایام میں فکر اسلامی کی نورع بہ نوع جہتوں پر کام کرنے اور کرانے کی ایک دھن آپ پر سوار

تھی۔ چنانچہ نعتیہ شاعری پر تنقیدی ادب کی جو خشت اول رکھی گئی وہ ڈاکٹر طلحہ رضوی کی کتاب ''اردو کی نعتیہ شاعری پر تنقیدی ادب کی جو خشت اول رکھی گئی وہ ڈاکٹر طلحہ رضوی کی کتاب ''اردو کی نعتیہ شاعری'' ہے جیسا کہ اس سلسلے میں اساطیف شعروادب کی اراء ہیں۔ چنانچہ پروفیسر شفقت رضوی رقمطراز ہیں۔

''اردو کی نعتیہ شاعری کے بارے میں شایع ہونے والی پہلی کتاب (ہماری معلومات کے مطابق) ڈاکٹر طلحہ رضوی برق کی ہے''

چند سطروں کے بعد کتاب کی اہمیت پر فاضلانہ ومحققانہ انداز میں اظہار خیال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

''کتاب کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ ایک ایسے موضوع سخن پر جس کا رواج کئی صدیوں پر محیط ہے اور جس کی حیثیت واہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے اس کی تاریخی، تحقیقی اور تنقیدی جائزے کی جانب توجہ کرنے کی کوشش تو کی گئی۔ اسے ہم ایک انفرادی کوشش کا نام دیکر گزر جانے کو ادبی بددیانتی سمجھتے ہیں۔ ہماری نظر میں یہ کتاب ایک ایسی مادھیم تو ہے جس سے خوب روشنی دینے والے چراغوں کو روشن کرنے کی روایت نے جنم لیا۔ اگر جامع اور بسیط کتاب منظر عام پر آجائے تو موضوع سے دلچسپی رکھنے اور اس پر اظہار خیال کا ولولہ محسوس کرنے والوں کے لئے لکھنے کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا۔ اگر ایسی صورت میں کوئی کوشش بھی کرتا ہے تو وہ نقل ہی کرتا ہے البتہ ہنرمندی، فن کاری، خلوص نیت اور اپنی محدود صلاحیتوں اور وسائل کے باوجود قابل توجہ تحریر سامنے آتی ہے تو وہ شوق کو مہمیز کرتی ہے، لوگوں کو عزائم کی صورت دیتی ہے، خواہش تکمیل کار پر مائل کرتی ہے۔ جو کتاب موضوع سے دلچسپی پیدا کرے اور کام کو آگے بڑھانے کا حوصلہ عطا کرے اس کی اہمیت مابعد کی تکمیلی شکل سے کم نہیں ہوتی۔ اہل علم اور بعد کے لکھنے والوں نے ڈاکٹر طلحہ کی کتاب کا ذکر کیا ہو یا نہیں، اس سے مستفیض ہونے کا اقرار کیا ہو یا نہیں، علم کے جویا اور علم کے قدردان اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے ہوں گے۔ (نعت رنگ شمارہ ۱۰، ۵۰، ۵۱)

ایک فاضل محقق نے ڈاکٹر طلحہ رضوی برق کی کتاب ''اردو کی نعتیہ شاعری'' کا تعارف جس فاضلانہ انداز میں پیش کیا ہے، اس کی جس قدر داد دی جائے کم ہے۔ مذکورہ اقتباس سے یہ بات روشن ہوگئی کہ نعتیہ ادب پر یہ پہلی باقاعدہ کوشش تھی اور اختصار کے باوصف اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم، کیوں کہ بعد میں ضخیم ومبسوط کتابوں کے منظر عام پر آنے کی روایت نے یہیں سے جنم لیا۔ اس کی اولیت پہ مہر تصدیق ثبت کرتے ہوئے ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی رقمطراز ہیں۔

''کتاب کو اردو نعت کا ایک تفصیلی وجامع جائزہ تو قرار نہیں دیا جاسکتا لیکن مطالعۂ نعت کے حوالے سے مطبوعہ کتب میں جو اولیت کا اعزاز حاصل ہے۔ وہ کسی اور کتاب کے حصے میں نہیں آیا۔'' (اردو میں مطالعات نعت، مشمولہ رسالہ اوج کا نعت نمبر۲ لاہور مطبوعہ ۱۹۹۳ء ۷۰)

اب ذرا اس اہم اور قابل قدر کتاب کے پس منظر میں کشادہ ذہنی کے ساتھ جھانک کر دیکھا جائے تو علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ کی ذات ہی اس سلسلے میں تحریک کے بال وپر فراہم کرتی نظر آرہی ہے۔ چنانچہ صاحب کتاب ڈاکٹر طلحہ رضوی برق اپنی کتاب اردو کی نعتیہ شاعری'' کے پیش لفظ میں رقمطراز ہیں۔

''تقریباً چھ سال ہوئے۔ حضرت علامہ ارشد القادری صاحب مدظلہ، نے اپنے رسالہ ''جام نور'' کے لئے مجھے اردو کی نعتیہ شاعری پر ایک مضمون لکھنے کا حکم دیا۔ تعمیل ارشاد میں بر عجلت ایک سرسری مضمون لکھ کر روانہ کر دیا جو شایع بھی ہوگیا مگر اس مضمون کی تشنگی کا احساس برابر ہوتا رہا۔ فرصت ملی تو اس مضمون کو کچھ بسط دینے کی کوشش کی جوں جوں لکھتا رہا اس قلزم ذخار و بحر ناپیدا کنار کی وسعت کا اندازہ ہوا بالآخر اپنے عجز کے شدید احساس نے اس تحریر کو گویا نامکمل ختم کرنے پر مجبور کر دیا۔ احباب کے مشورہ واصرار پر اب یہ سرمایہ کتابی شکل میں پیش ناظرین ہے۔'' (اردو کی نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر طلحہ رضوی برق ۴)

علامہ ارشد القادری رحمتہ اللہ علیہ یقیناً مردم شناس اور نباض تھے۔ وہ ایک ایسے پارکھ تھے کہ ذی استعداد و باصلاحیت عناصر کا انتخاب کرنے میں چوکتے نہیں تھے۔ پروفیسر شفقت رضوی نے بھی کچھ اس قسم کے اشارے دیئے ہیں۔

''ڈاکٹر طلحہ رضوی برق کی شخصیت کو متعارف کروانے کی کوشش یا تو کی ہی نہیں گئی یا کم از کم میرے علم میں نہیں ہے۔ میں ان کی اس کتاب کے ذریعے ان کو پہچان پایا ہوں اور یہ کہنے میں حق بجانب محسوس کرتا ہوں کہ وہ اہل علم بھی ہیں اور اہل جذب بھی ہیں اگر کسی رسالے کے مدیر نے ان سے اردو نعت پر مضمون لکھنے کی فرمائش کی تو یقیناً وہ ان کے علمی مرتبے اور بالغ النظری کے قائل رہے ہوں گے۔'' (نعت رنگ شمارہ ۱۰، ۵۱)

فکرِ اسلامی کا تقاضا یہ ہے کہ حق کو حق سمجھا جائے اور باطل کو باطل۔ نفاق فکر اسلامی کے خلاف ایک مزاج۔ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمتہ نے عام مسلمانوں کی فکر اور ان کے مزاج کو اسلام کی حقیقی بصارت وبصیرت سے بہر عنوان آشنا کرایا۔ احقاقِ حق اور ابطال باطل سے وہ کبھی کسی موڑ پر کوئی سمجھوتہ نہ کر سکے۔ وہ زہر ہلاہل کو کبھی قند نہ کہہ سکے اور نفاق کے آزار میں مبتلا سفید پوشوں کی قلعی کھولنے میں وہ کسی مصلحت دنیوی کو راہ دینے سے قطعی گریزاں رہیں۔ فکر اسلامی کی اس جہت پر روشنی ڈالتے ہوئے وہ رقمطراز ہیں۔

''حقیقت پسندی کا تقاضا یہ ہے کہ جب عقیدے کیساتھ تصادم کی بات آجائے تو وہاں حالات سے کوئی سمجھوتہ نہیں ہونا چاہیئے۔ کیوں کہ فراخدلی اور عضو درگذر کا مظاہرہ ذاتی مخالفتوں میں تو چل سکتا ہے لیکن دینی مخالفت کے موقع پر چشم پوشی اور رورعایت کی کوئی گنجائش نہیں ہے وہاں تو شائستہ لب و لہجے میں اختلاف رائے کا اظہار ہی مردمومن کا شیوہ ہے'' (تعزیرات قلم ۵)

قرآن وحدیث اور تاریخ اسلامی پر گہری نظر رکھنے والوں پر یہ امر مخفی نہ ہوگا کہ فکر اسلامی کی یہ وضاحت قطعی قرآن وحدیث کی منشا کے مطابق ہے۔ مسلم معاشرے میں بڑھتے ہوئے اعتقادی نفاق سے آپ حد درجہ کبیدہ خاطر رہتے تھے اور موقع بہ موقع اپنی تحریروں سے اس قسم کے منافقین کی نقاب کشائی کرتے رہتے تھے۔ اس سلسلے میں وہ اپنے درد وکرب کا اظہار بہ ایں الفاظ فرماتے ہیں۔

''بڑے قلق کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ عصر حاضر میں نفاق کا یہ مرض وبا کی طرح پھیل رہا ہے۔ دولت وجاہ کی لالچ اور دینوی مفادات کی طمع میں حق و باطل کا امتیاز نگاہوں سے اوجھل ہوتا جارہا ہے اور آنکھوں میں دھول جھونک کر اندھیرے اجالے کا فرق مٹانے کی مذموم کوشش کی جارہی ہے۔ آج جھوٹی عزت اور ہر دل عزیز بننے کی لالچ میں جس بیدردی کے ساتھ لوگ حق کے تقاضوں کو پامال کررہے ہیں وہ ہمارے اخلاقی کردار کی بڑی شرمناک تصویر ہے، ایک طرف حرم سے تعلق رکھنا چاہتے ہیں اور دوسری طرف بت خانوں سے بھی تال میل ہے۔ ایک طرف اولیاء اللہ کے روحانی مراکز سے بھی عقیدت ہے اور دوسری طرف مخالفین کی بھی سرپرستی فرماتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ لوگوں کا مذہبی ضمیر اس درجہ بے حس کیوں ہوگیا ہے۔ (تعزیرات قلم)

ہندوستان میں فکری انقلاب پیدا کرنیوالوں کی مبارک فہرست میں علامہ ارشد القادری علیہ الرحمتہ کا نام بہت نمایاں ہے۔ آپنے ذہنوں کی تطہیر اور ان کی تربیت وتہذیب میں اپنی بے پناہ خداداد صلاحیتوں کا خوبصورت مظاہرہ فرمایا۔ ''جام کوثر''، ''جام نور'' اور ''رفاقت'' کے شماروں کے علاوہ آپ کی گراں قدر تصانیف کا مطالعہ کرنے کے بعد اس امر کا بخوبی احساس ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے قلم کو فکر اسلامی کی اشاعت میں ہی ہمیشہ مصروف رکھا۔ اگر علامہ نے عصری ادب میں اپنی تنقیدی صلاحیتوں کا مظاہرہ فرمایا ہوتا تو آپ یقین فرمالیں کہ ان کا شمار بھی عصری ادب کے سرفہرست ناقدین میں ہوتا۔ وقت کا المیہ ہے کہ زمرہ بندی وگروہ بندی کی خطرناک مہم نے

مذہبی ادب کو سرمایۂ ادب اردو سے علیحدہ کردیا جس سے اردو زبان و ادب کا ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ نے فکر اسلامی کو تازہ دم رکھنے کے لئے فروری ۱۹۶۷ء میں "جام نور" جاری فرمایا، اس سے قبل "جام کوثر جدید" کے ذریعے آپ نے فکر اسلامی کو عام کرنے میں اپنے مصروف ترین قیمتی لمحات کی قربانی دی۔ مسلمانوں کے ذہنوں کی تعمیر و ترقی کے لئے آپ نے مستقل قلم کا استعمال فرمایا۔ اشاعت کی اس وادی پرخار کا آپ کو بخوبی احساس وادراک تھا لیکن فکر اسلامی سے مسلمانوں کو مزاج آشنا کرنے کی لگن اور تڑپ نے آپ کی قوت فکر وعمل کو مہمیز کیا اور یوں کلکتہ کی سرزمین سے "جام نور" کا اجراء عمل میں آگیا مارچ ۱۹۶۷ء کے ادارے میں اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات کا ایک اشاریہ ملتا ہے۔

"جام نور" کی پہلی کاپی جب پریس جارہی تھی تو ماحول پر مشکلات کا اتنا گھنا اندھیرا تھا کہ قدم رکھنے کے لئے بھی کوئی صاف جگہ نظر نہیں آرہی تھی، جو امر سب سے زیادہ پریشان کن تھا وہ موانع کے ہجوم میں اپنی تنہائی کا احساس تھا۔" (جام نور، مارچ ۱۹۶۷ء)

لیکن ایک سال سے بھی کم عرصے کے درمیان اشاعتی مرحلے سے گزرنے میں جن صبر آزما حالات سے دوچار ہوئے اس کی واضح تصویر جنوری ۱۹۶۸ء کے ادارے میں نظر آتی ہے۔

"اہل سنت کے ایک ترجمان کو زندہ رکھنے کے لئے جن حوصلہ شکن مشکلات سے ہمیں گزرنا پڑا یہ ہماری زندگی کی ایک نہایت دردناک کہانی ہے۔ ذکر اس کا نہیں ہے کہ امید وبیم کے تلاطم میں بلاخیز موجوں نے ہماری مزاحمت کی بلکہ جس یاد کی تلخی میں بار بار آنکھوں سے لہو ٹپکا وہ یہ ہے کہ ساحل کی خاموش سطح بھی طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

صبر وتحمل کے ساتھ اس نشتر کی اجازت دی جائے کہ عاشقانِ رسول کی وہ معزز جماعت جس کی آنکھ کے آنسو یاد جاناں میں چشمۂ کوثر کی طرح رواں دواں رہتے ہیں اس نے بھی اپنے ایک جنگجو سپاہی کو جو ناموس رسول کے محاذ پر دشمنوں سے دفاعی جنگ لڑ رہا تھا یکہ وتنہا چھوڑ دیا" (جام نور ۱۹۶۸ء)

جماعت کے غیرت مند وحساس افراد کو ان کی نازک ذمہ داریوں کا احساس کس خوبصورت اور بے باکی کے ساتھ دلایا جارہا ہے جس کا احساس تو ہیرے کا جگر رکھنے والے عناصر کو بخوبی ہورہا ہوگا۔ خط کشیدہ جملے کو بار بار پڑھئے رازدارانہ اور خوبصورت پیرایۂ بیان میں جماعت کے ذمہ داروں کی غفلت شعاری کا شکوہ بھی زیر لب ملے گا۔

مارچ ۱۹۶۷ء کے ادارے میں خود کو صحافتی زندگی سے وابستہ کرنے کے عوامل پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اس اقتباس سے اس امر کا بخوبی احساس ہوتا ہے کہ آپ نے "جام نور" کو فکر اسلامی کی اشاعت کا ایک پلیٹ فارم بنایا نیز ہماری جماعت میں جو اجتماعی شعور کا فقدان رہا ہے اور آج تک جو ہم اپنے قرار واقعی وجود کا یقین نہیں دلا سکے ہیں اس پر نہ صرف وہ مرثیہ خوانی کرکے گزر جاتے ہیں بلکہ لوح وقلم کے خوبصورت اور برمحل استعمال کو اس مسئلے کا حل قرار دیا۔

"جس ضرورت کے احساس نے میری زندگی کو صحافتی دور میں داخل کیا ہے اس کے متعلق ذیل کی چند سطریں غور سے پڑھیئے۔

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہندوستان میں ہر جگہ اہل سنت والجماعت کی عظیم اکثریت ہے، اس کا اندازہ ان مذہبی اور روحانی تقریبات سے ہوتا ہے جو یکساں طور پر ہندوستان کے سارے طول وعرض میں منائی جاتی ہیں۔ جبکہ اہل سنت کے علاوہ کوئی فرقہ انہیں اپنی مذہبی تقریب قرار نہیں دیتا۔ لیکن ہم تعداد کے اعتبار سے اکثریت میں ہوتے ہوئے بھی اپنے اثر کے لحاظ سے قطعاً اقلیت میں ہیں بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اب تک ہم اپنے قرار واقعی وجود کا یقین ہی نہیں دلا سکے ہیں۔ دنیا کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ ہمارے یہاں تین چار متوازی جماعتوں کی تنظیم ہے۔ پھر بھی ہم منظم نہیں ہیں۔ ہر

جماعت کی ناکامی کے بعد ایک نئی جماعت اس امید کیساتھ وجود میں لائی گئی کہ شاید اس کے ذریعہ ہمارا خواب شرمندۂ تکمیل ہو جائے، لیکن وہ بھی کچھ دنوں کے بعد اپنے پیشرؤوں سے جاملی۔

اس خطرناک اور نتائج آزمودہ اقدام کیلئے میں ہرگز رائے نہیں دوں گا کہ اپنے جماعتی مسائل سے نپٹنے کیلئے اب کوئی پانچویں جماعت بنائی جائے آج کی صحبت میں صرف اپنی ناکامی کے اسباب کا تجزیہ کرنا چاہتا ہوں اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہمارے یہاں کچھ ایسی چیزوں کا ضرور فقدان ہے جو کسی بھی جماعتی تنظیم کیلئے ناگزیر ہیں مثال کے طور پر ہم ملک میں ذہنی اعتبار سے کارکنوں کا کوئی دستہ تیار کیئے بغیر کل ہند سطح پر اپنی جماعتوں کے پروگرام کا اعلان کر دیتے ہیں۔ ہمارے یہاں صرف مذہبی اعتقادی یکجہتی کسی بھی دستوری جماعت کا بوجھ اٹھانے کیلئے کافی ہے حالانکہ مذہبی خیالات کی یگانگت اور کسی تنظیمی جماعت کے اغراض سے اتفاق، دونوں میں نہایت واضح فرق ہے۔ کسی بھی جماعتی تنظیم کو بروئے کار لانے کے لئے جب تک افراد کے درمیان نظام جماعت کے ساتھ ذہنی ارتباط، جذباتی لگن والہانہ آمادگی باطنی اخلاص اور قربانیوں کی سچی تڑپ موجود نہ ہو عوامی سطح پر کسی مضبوط قیادت کی نمود اور بکھرے ہوئے شیرازوں کی یکجائی ناممکن ہے۔

جب تک کہ ہم دلنشیں اور پرکشش لٹریچر کے ذریعہ سنی نوجوانوں کا ذہن، جماعتی مزاج کے سانچے میں نہیں ڈھال لیتے ہماری کوئی تنظیم قابل ذکر کردار کے قابل نہیں ہو سکے گی۔ صحیح العقیدہ حلقوں نے ہماری حوصلہ افزائی کی تو انشاء اللہ تعالیٰ جلد ہی ہم ایک بے داغ اور نکھرا ہوا لٹریچر جماعت کے حوالہ کریں گے، (جام نور مارچ ۱۹۶۷)

جماعت کی شیرازہ بندی اور عوامی سطح پر مضبوط قیادت کی نمود کو ممکن العمل بنانے کے لئے دل نشیں اور پرکشش لٹریچر کی ضرورت کا اظہار کیا گیا ہے۔ لیکن آج تک ہم نے جماعتی سطح پر اس ضرورت کو سنجیدگی کے ساتھ سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ نے اس ضرورت کو بخوبی محسوس فرمایا اور حتی المقدور وہ اس کی تکمیل میں کوشاں بھی رہے۔ قرطاس وقلم کی اہمیت تو بہر دور مسلم رہی ہے۔ قرآن مقدس نے بھی قلم کی اہمیت وافادیت کی وضاحت ہیں فرمایا "الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم (ترجمہ) "جس نے قلم سے لکھنا سکھایا آدمی کو سکھایا نہ جانتا تھا۔ (۴-۵علق) شعور وآگہی کا پہلا زینہ قلم ہے۔ لیکن افسوس! افادیت و اہمیت کی ان روشن ترین ہدایتوں کے باوجود آج ہماری جماعت کا ذمہ دار ومنصب دار طبقہ اس پہلو سے پہلو تہی کر رہا ہے۔ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ نے لوح وقلم کی اس ناقابل تسخیر قوت کو نہ صرف یہ کہ خود محسوس فرمایا بلکہ موقع بہ موقع جماعت کے بادہ کشان جام غفلت کو جھنجھوڑا اور نہایت بے باکی کے ساتھ انکی اس جماعتی مجرمانہ غفلت کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کے ضمیر کے دروازے پر دستک دی ہے۔

"پیشانی پر شکن ڈالے بغیر ہماری ملت طیبہ کے مقتدر رہنما ایک آزردۂ التفات کا یہ شکوہ سن لیں کہ انھوں نے اپنی نوجوان نسل کے مستقبل کی طرف سے جس فراغت کے ساتھ آنکھیں بند کر لی ہیں اس کا انجام ہم دیکھنے کے لئے زندہ نہیں رہیں گے۔ جن کے لبوں کی ایک جنبش سے زندگی کا دھارا پھوٹ سکتا تھا، صد حیف کہ ان کی پلکوں کے سائے میں کتنے غم نصیبوں نے صرف اس لئے جان دے دی کہ دم واپس تک انہیں آب حیات کا ایک قطرہ نہیں مل سکا۔ (جام نور جنوری ۱۹۶۸)

ایک سال کے بعد بھی جب جماعت کے حساس و ذمہ دار حضرات کنج خمولی سے باہر نہ آسکے تو علامہ کے اضطراب اور ان کی تڑپ شدید سے شدید ہوتی چلی گئی چنانچہ فروری ۱۹۶۹ء کے اداریے میں عوام وخواص اہل سنت سے وہ کھل کر گفتگو کرتے ہیں۔ لب و لہجے سے ایک مرد مومن کے درد وکرب کی تصویر نمایاں ہے۔

"جی چاہتا ہے کہ آج کھل کر اہل سنت کے عوام وخواص کو اپنے دردوکرب کا نالۂ شب گیر سناؤں۔ آنکھوں کی نیند اگر اڑ جائے تو مجھے معذور رکھیں گے۔ یوں بھی چوٹ کھائے ہوئے انسان سے درد کی بیتابی کے سوا اور کسی بات کی توقع بھی نہیں رکھنی چاہئے۔

ایک عرصہ سے چیخ رہا ہوں کہ زندہ رہنا ہے تو سوچنے اور برتنے کا انداز بدلنا ہوگا۔ فولاد کی تلوار کا زمانہ ختم ہوگیا اب قلم کی تلوار سے معرکہ سر کئے جا رہے ہیں۔ پہلے کسی محدود رقبے میں کفر وضلالت کی اشاعت کے لئے سالہا سال کی مدت درکار ہوتی تھی اور اب پریس کی بدولت صرف گھنٹوں میں شقاوتوں کا ایک عالمگیر سیلاب امنڈ سکتا ہے۔

ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھئے! آج ہندوستان کا ہر فرد قلم کی توانائی اور پریس کے وسائل سے کتنا مسلح ہو چکا ہے۔ اتنا مسلح کہ اس کی یلغار سے ہمارے دین کی سلامتی خطرے سے دوچار ہوتی جارہی ہے۔

بلکہ میں بعض ایسی بھی جماعتوں کی نشاندہی کرسکتا ہوں جن کے وجود کا کوئی سر رشتہ ماضی میں نہیں ملتا لیکن اس اجنبیت کے باوجود صرف قلم کے وسائل کے بل پر وہ روئے زمین پر طوفانوں کی طرح پھیلتی جارہی ہیں اور ان کا اجنبی لٹریچر سینکڑوں برس کی قابل اعتماد تصنیفات کو نہایت تیزی کے ساتھ پیچھے چھوڑتا جارہا ہے۔ فکری استحکام کے بغیر کوئی جماعت بھی طوفان کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

پریس ہی کا یہ کرشمہ ہے کہ فتنہ صبح کو جنم لیتا ہے دوپہر تک جوان ہوجاتا ہے اور شام ہوتے ہوتے آبادیوں کے لئے ایک دردناک آزار بن جاتا ہے۔

ان حالت میں جبکہ باطل پرستوں کی یلغار تیز سے تیز تر ہوتی جارہی ہے ہم خفتگان شب غفلت کی نیند اور گہری ہوتی جارہی ہے۔ ہمارے یہاں نکتہ چینی کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ البتہ تعمیری ذہن رکھنے والے افراد بہت کم ہیں۔ اجتماعی محاذوں پر جو لوگ کام کر رہے ہیں ان سے پوچھئے کہ کتنی کٹھنائیوں سے انھیں گذرنا پڑتا ہے۔ (جام نور، فروری ۱۹۶۹ء)

پریس کی طاقت وقوت کے اظہار، اس کے ذریعے باطل افکار ونظریات کی اشاعت اور سواد اعظم اہل سنت و جماعت کے اس حساس گوشے سے پہلوتہی کرنے کی جس قدر صحیح عکاسی علامہ علیہ الرحمۃ کے حقیقت پسند قلم نے کی ہے وہ ہماری صبح وشام کا مشاہدہ ہے۔ ہمارے یہاں عرس کی دھوم دھام تو ملے گی تحقیق کا جذبہ نہیں، جلسے وجلوس کا مذاق تو بیدار ملیگا لیکن منصوبہ بندی کی بنیاد پر ٹھوس جماعتی تحریک نہیں فلک شگاف نعروں کا مزاج ملے گا مطالع کا ذوق و شوق نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ملکی سطح پر آج تک ہم وقت کے بہت سارے سلگتے ہوئے مسئلوں کا کوئی معقول ومناسب حل نہ پیش کرسکے اور آج وہ علمائے اہل سنت کے لئے ناسور اور آزار کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔ اس پہلو پر اب ذرا علامہ کے درد وکرب کی تصویر ملاحظہ کیجئے۔

"اب لے دے کے اپنے رسالوں کی زندگی کے وسائل کی اگر کوئی امید کی جاسکتی ہے تو صرف اپنی جماعت سے۔ تو اس کی سر گذشت اتنی شاندار ہے کہ پس ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اول تو ہمارے یہاں مطالعے کا ذوق ہی بہت کم ہے اور اگر کچھ ہے بھی تو جماعتی بہبود کا جذبہ برائے نام ہے۔ (جام نور ۱۹۶۹ء)

اس اقتباس کے دوسرے پیرا گراف میں ہمارے عوامی مزاج پر علامہ کی بیباک تنقید کا ظریفانہ تیور ملاحظ فرمایئے۔

"البتہ ہمارے یہاں جس کام کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے وہ تقریروں کا اسٹیج ہے۔ اس مد پر ہم لاکھوں روپے بے دریغ لٹا دیتے ہیں اور ہمیں ذرا بھی تکان نہیں محسوس ہوتی۔ البتہ قلم کے ذریعہ دین کی خدمت کے سوال پر ہماری سردمہری کا تماشہ قابل دید ہوتا ہے۔ (ایضا)

ہماری غفلت شعاریوں نے پریس کی طاقت پر ہمیں جس شکست سے دوچار کیا ہے وہ وقت کا ایک چیلنج ہے اور اس کے لئے صرف تمناؤں اور آرزوؤں کے حسین تاج محل تعمیر کرنے سے کام نہیں چلے گا البتہ ہمیں میدان عمل میں آکر جماعت کو مستقبل کے خطرات کی زد سے محفوظ کرنے کے لئے موثر اقدام کرنا ہوگا۔ علامہ علیہ الرحمۃ کا قلم اس کی جانب یوں نشاندہی کرتا ہے۔

"اس امر میں قطعاً دو رائے نہیں ہو سکتی کہ پریس کی طاقت کے محاذ پر ہم اپنے مذہبی حریفوں سے شکست کھا چکے ہیں اور نہایت تیزی کے ساتھ اپنے معاشرہ کے علمی حلقوں سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ زیادہ تر ناخواندہ عوام کی بھیڑ اپنے دین پسند مزاج کی برکت سے ہمارے ساتھ رہ گئی ہے ویسے اب بھی ہم اکثریت میں ہیں لیکن نظریات و معتقدات کے غلبے اور فکری قیادت کیلئے اسطرح کی بیجان اکثریت کچھ کام نہیں آتی۔ چنانچہ اپنی قائدانہ بیچارگی کا یہ تماشہ کھلی آنکھوں سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ ملک کے طول و عرض میں ہماری آواز کا تسلسل ختم ہو چکا ہے۔ ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں رہ گیا ہے کہ ہم اپنی، آواز کو یکلخت سارے ہندوستان میں پھیلا سکیں۔ اسٹیج پہ ضرور قابض ہیں۔ لیکن اس کے زود رو، اثرات کو مثبت و قائم شکل میں تبدیل کرنے والی ہمارے پاس کوئی مشین نہیں ہے۔ لے دیکے ہماری جماعت کے چند ماہ نامے ہیں۔ وہ بھی مصائب کی گود میں سسکیاں لے رہے ہیں (جام نور اگست ۱۹۶۷ء

ہم اعتقاد و فکر کے اعتبار سے تو دنیا کی منظم ترین جماعت ہیں۔ لیکن چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں ہماری قوتوں کا جو انتشار و بکھراؤ ہے وہ ہماری جماعت کے لئے زبردست المیہ ہے۔ ہم کسی مقصد کے تحت باہم شیر و شکر ہو کر اتحادی قوت کا مظاہرہ کرنے میں جس ناکامی کا شکار ہیں وہ تاریخ کا ایک ظلمت بدوش باب ہے۔ اس پہلو پر علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ نے جس بے باکی کے ساتھ اپنے درد و کرب کا اظہار فرمایا ہے وہ ان کی جرأت مومنانہ کا حق وحصہ ہے۔

"ذرا آنکھیں کھول کر دیکھئے! گورستانوں میں سونے والی قومیں آج انگڑائی لیکر جاگ اٹھی ہیں۔ اپنے طبقاتی وجود کو مٹنے سے بچانے کے لئے انھوں نے سردھڑ کی بازی لگا دی ہے۔ ساری دنیا ایک سوچی سمجھی منزل کی طرف بے تحاشہ بھاگتی جا رہی ہے۔

لیکن جمود طاری ہے تو بس قوم مسلم پر۔ اور اس میں بھی حق کی نمائندہ کرنے والی جماعت جسے ہم اہل سنت کہتے ہیں بری طرح خواب غفلت میں مدہوش ہے۔ جماعتی زندگی کا تصور اس کے رہنماؤں کے ذہن سے دن بدن اوجھل ہوتا جا رہا ہے۔ حالانکہ سچ پوچھئے تو جماعت کا جو پیوند اہل سنت کے ساتھ ہے وہ اس کے نام ہی سے ظاہر ہے۔ چھوٹی چھوٹی منڈلیوں میں ہم نے اپنے آپ کو کچھ اس طرح تقسیم کر لیا ہے۔ کہ کسی وسیع میدان میں قدم رکھتے ہوئے انقباض محسوس ہونے لگتا ہے۔ وحدت فکر و خیال کے لحاظ سے دنیا کی ہم منظم ترین جماعت ہیں۔ پانچ کروڑ انسانوں کے انبوہ کثیر میں کسی رخ سے بھی کہیں کوئی ذہنی انتشار اور فکری تعارض ہمارے درمیان نہیں ہے۔ لیکن ہم آہنگ ہو کر کسی مقصد کے گرد جمع ہو جانا ہمارے لئے سب سے مشکل کام ہے۔ خدانخواستہ میں اپنی جماعتی روایات کی مذمت نہیں کر رہا ہوں۔ صرف احوال واقعی کا اظہار مقصود ہے (جام نور اگست ۱۹۶۸ء)

ملک کی تقسیم کے بعد مسلمانوں کے جان و مال اور ان کی عزت و آبرو کے ساتھ منصوبہ بند طریقہ سے جو گھناؤنا اور ناپاک کھیل کھیلا گیا وہ ایک جمہوری ملک کی پیشانی پر ایک دھبہ ایک داغ اور رسوائی کی ایک سیاہ لکیر ہے۔ علامہ علیہ الرحمۃ نے مسلمانوں کے داخلی، خارجی، سیاسی، مذہبی، مسلکی اور عائلی زندگی کے تمام گوشوں پر موقع بہ موقع کھل کر بیباکانہ انداز میں گفتگو کی۔ فرقہ وارانہ فسادات کا مسئلہ ہو یا مسلم پرسنل لاء کا، "خلافت معاویہ و یزید" سے پابندی ہٹائے جانے کا معاملہ ہو یا نام نہاد مسلم قیادت کا وقت کے ہر سلگتے ہوئے مسئلے کو آپ نے عنوان سخن بنایا۔ حق گوئی و بے باکی کی پاداش میں آپ کو سازشوں کے تحت کئی مرتبہ جیل کی سلاخوں سے پیچھے قید و بند کی صعوبتوں سے بھی گزرنا پڑا۔ "جام نور" پر حکومت کا عتاب نازل ہوا۔ لیکن اس مرد مومن کی جرأت و بیباکی ہر محاذ پر سینہ سپر نظر آئی۔

اخبارات اور ریڈیو کے ذریعہ قارئین کو یہ خبر معلوم ہو گئی ہوگی کہ جام نور جیسا خالص مذہبی اور علمی رسالہ بھی حکومت کے عتاب کی زد میں آگیا ہے۔

ستم بالائے ستم کی مثال اس سے زیادہ اور کہاں مل سکتی ہے کہ ہمیں لوٹا جائے، جلایا جائے، مارا جائے اور رونے بھی نہ دیا جائے۔ اس سیکولر اسٹیٹ میں ہر شخص کو زبان و قلم کی آزادی حاصل ہے۔ آگ برسانے والے شب و روز آگ برسا رہے ہیں ان سے کوئی باز پرس کرنے والا نہیں ہے۔ صرف غریب مسلمان کی فریاد سے آنکھوں کی نیند حرام ہو جاتی ہے۔

ویسے ادارۂ جام نور نے فیصلہ کرلیا ہے کہ حکومت کے قہر و جور کے آگے سپر ڈالنے کے بجائے وہ آئینی سطح پر اپنا دفاع کرے گا۔ خدا ہمیں اس پُر خطر راہ میں ثابت قدم رکھے اور صبر و ضبط کی توفیق عطا فرمائے'' (جام نور، دسمبر ۱۹۶۸ء)

ہم پرورش لوح و قلم کرتے رہیں گے
جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ نے حالات کے آگے سپر انداز ہونے کا سبق نہیں پڑھا تھا وہ تو حالات کو اپنے موافق بنانے کی دھن میں تا حیات سرگرداں رہے اور حالات کی حد درجہ ناموافقتوں کے زمانے میں بھی پرورشِ لوح و قلم سے انہیں کوئی طاقت نہ روک سکی۔ وہ جرأت و بے باکی کے ساتھ حالات کی ستم ظریفیوں کا شکوہ کرتے رہے وہ خونِ دل میں انگلیاں ڈبو کر احوالِ غم رقم کرتے رہے ان کے اظہارِ بیان سے حکومت وقت کی مسندوں سے چپکے ہوئے سفید پوشوں کی نیندیں حرام ہوگئیں۔

آپ نے قلم سے مجاہد کی تلوار کا کام لیا۔ آپ کے انقلاب آفریں، فکر انگیز اور روشن بداماں بے باک اداریوں کو عنوان سخن بنا کر عصری جامعات میں اسکالرس ان کے دروبست میں جھانک کر دیکھیں تو ان کی معنویت کی تہہ بہ تہہ پرتیں کھل کھل کر سامنے آنے لگیں اور دنیا کو علامہ علیہ الرحمۃ کی سیاسی بصارت و بصیرت کے مقام و مراتب کا علم و ادراک ہو سکے۔ لیکن یہاں اس کے لئے فرصت کس کو ہے؟ تاریخ ساز اور عہد آفریں شخصیتیں دنیا سے رخصت ہو جاتی ہیں۔ ان کی رحلت پر چند دنوں افسوس کرلیا جاتا ہے اور بس۔ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ کے وصال کے فوراً بعد ان کی حیات و خدمات پر مشتمل یہ گراں قدر نمبر ان کی لائق و فائق اولاد کا مرہون منت ہے ورنہ جماعتی سطح پر ہمارے یہاں جو جمود و تعطل ہے اس پسِ منظر میں اس قدر جلد کسی نمبر کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ اپنی بے مثال فکری صلاحیتوں کی بنیاد پر تاریخ کا ایک روشن باب ہیں۔ ان کی سیاسی بصیرت نہ جانے کتنوں کے لئے چراغ ہدایت بن گئی۔ ذیل میں ''جام نور'' کے فکر انگیز اور انقلاب آفریں اداریوں سے چند اقتباسات ملاحظہ کریں جو علامہ کی سیاسی بصیرت کے آئینہ ہیں۔

''اب حالات کی سنگینی نے مسلمانان ہند کو اس نازک مقام پر لا کھڑا کردیا ہے جہاں وہ مایوسی کے اتھاہ ساگر میں ڈوبتے جارہے ہیں۔ جان و مال کی تباہی اگر اتفاقی حادثوں کی طرح پیش آنے والی کوئی بات ہوتی تو اپنے دل کو سمجھایا جاسکتا تھا لیکن اب یہ شہری درندوں کے لئے شب و روز کا معمول بن چکا ہے۔ نہ اب کسی طبقے کی تخصیص ہے نہ کسی خطے کا استثنا، سارا ہندوستان بلا تفریق لرزہ خیز مظالم کا خوگر بنتا جارہا ہے۔

دوسری طرف حکومتوں کی شرمناک بے بسی کا عالم یہ ہے کہ ملک کی سرحدوں پر دشمنوں کی صفیں الٹنے کے لئے اس کے پاس فوج اور اسلحے کی قوت سب کچھ موجود ہے لیکن آبادیوں کے اندر امن و سلامتی کے غارت گروں کا رُخ پھیرنے کے لئے اس کے پاس کچھ نہیں ہے --- اتنا ہی نہیں بلکہ یہ واقعہ بھی اس کے ساتھ منسلک ہے کہ بسا اوقات حکومت کے پولیس خود بلوائیوں کے لئے دیوار پناہ بن جاتی ہے۔ چوروں سے تو نپٹا جاسکتا ہے لیکن پاسبانوں سے نپٹنا بہت مشکل ہے۔ مسلمانوں کو بلوائی بھی پیٹتے ہیں اور پولیس بھی اپنی سنگینوں کا نشانہ بناتی ہے۔ ان حالات میں مسلمانوں کے لئے سوا اس کے اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ وہ اپنی تاریخ کی معنوی قوتوں پر اعتماد کر کے انتہائی پامردی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کریں'' (جام نور، اپریل ۱۹۶۸ء)

حکومت کی نااہلی اور نکمے پن کی جس قدر واضح اور کھلی تصویر پیش کی گئی ہے وہ علامہ کی جرأت و بیباکی کا حصہ ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات کے انسداد اور دوسرے مسلم مسائل کے تحت ۱۰/۱۱/۱۲/ مئی ۱۹۶۸ء کو سرزمین سیوان پر صوبائی سنی کانفرنس کے اعلان فرمادیا جس میں تین لاکھ سنی مسلمانوں کا عظیم اجتماع ہوا۔ علامہ تحریر فرماتے ہیں:

''پیہم فسادات اور خون رستے ہوئے زخموں نے ہماری زندگی کو جن بیتابیوں سے معمور کردیا ہے وہ وقت کا سب سے بڑا ماتم ہے۔ اب ہمیں پوری جرأت انداز کے ساتھ حکومت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دو لفظوں میں اپنے مستقبل کا آخری فیصلہ لینا ہے۔ خوف و مایوسی کے اس ویرانے میں صوبۂ بہار نے سیوان کانفرنس کے انعقاد کا

فیصلہ کر کے امیدوں کا ایک چراغ جلایا ہے" (ایضاً)

رانچی، سرینگر، شولاپور، مالیگاؤں، احمد نگر، پونا، لہریا سرائے، ہزاری باغ اور سیتا مڑھی کے فرقہ وارانہ فسادات کے بعد "جام نور" کے ایک اداریے کا تیور دیدنی ہے۔

"اس برصغیر ہند میں مسلمانوں کا مستقبل دن بدن جتنا بھیانک، مشکوک اور مایوس کن ہوتا جا رہا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ ایک ثابت شدہ حقیقت کی طرح اب یہ بات بحث و دلیل کے مرحلے سے بہت آگے نکل چکی ہے کہ مسلمانوں کی ہر شام و سحر کسی بھی اچانک ٹوٹ پڑنے والے خطرے کے نشانے پر ہے۔

جو لوگ اس ملک کا نظام حکومت چلا رہے ہیں یا تو دیدہ و دانستہ وہ مسلمانوں کے مسائل سے چشم پوشی کرتے ہیں یا پھر تھک ہار کر ظلم و فساد کی طغیانیوں کے آگے انہوں نے سپر ڈال دیا ہے، دونوں حالتوں میں سے کوئی حالت بھی ہو، نااہلیت، سنگدلی اور فرض ناشناسی کی انتہائی بدترین مثال ہے" (جام نور، نومبر ۱۹۶۷ء)

اسی سلسلے کا دوسرا اقتباس

"کہتے ہیں کہ ہندوستان پر ایک غیر مذہبی دستور کی حکومت ہے جو یہاں کے شہریوں کی جان و مال، عزت و ناموس اور مذہب و ملت کے تحفظ کی پوری پوری ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ لیکن محکمۂ پولیس جس کے ہاتھ میں براہ راست حکومت کی ایجنسی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ فساد کے موقعہ پر وہ بھی اپنے آپ کو غیر جانبدار نہیں رکھ پاتا۔ پولیس کی سنگینیوں کے سائے میں جب غارت گروں کا مسلح ہجوم پوری آزادی کے ساتھ امن و قانون کی دھجیاں بکھیر چکتا ہے تو لاشوں کا انبار جمع کرنے کے لئے فوج طلب کی جاتی ہے۔

اس کے بعد آگ اور خون کی سرزمین پر معزز فرماں رواؤں، وزیروں اور لیڈروں کے قافلے اُترتے ہیں، جو ٹھنڈی آہوں، مصنوعی ہمدردیوں اور بھیگی پلکوں کے ساتھ مسلم آبادیوں کی خاکستری کا معائنہ فرماتے ہیں۔ مسجدوں اور مقبروں کے ٹوٹے ہوئے مینارے دیکھتے ہیں۔ کراہتے ہوئے زخمیوں، لٹے ہوئے پناہ گزینوں اور آشفتہ حال یتیموں، بیواؤں اور مقتولوں کے پس ماندگان کے سامنے اس طرح اپنے تاثرات کا اظہار فرماتے ہیں جیسے واپس لوٹتے ہی وہ قاتلوں سے ایک ایک قطرۂ خون کا انتقام لیں گے اور ان واقعات کے خلاف اتنا سنگین قدم اٹھائیں گے کہ پھر آئندہ اس طرح کے حادثوں کا اعادہ نہ ہو سکے گا۔

لیکن آزادی کے بعد تقریباً سات سو فرقہ وارانہ فسادات میں کہیں بھی اس طرح کی مثال نہیں ملتی کہ حکومت کے سربراہوں نے پولیس افسروں علاقائی انتظامیہ اور حکام ضلع کے خلاف کوئی بھی سخت اور عبرتناک نوٹس لی ہو-- اپنے فرائض منصبی سے مجرمانہ چشم پوشی کرنے کی تعزیر میں انہیں معزول یا کم از کم معطل ہی کیا ہو-- اور بدامنی پھیلانے کے جرم میں قاتلوں اور بلوائیوں کو قرار واقعی سزا دی ہو۔

صرف پند و نصیحت اور بیانات سے اگر جرائم پیشہ راہ راست پر آجاتے تو تعزیرات ہند کے نام سے ایک مجموعۂ قوانین کی ہرگز ضرورت پیش نہ آتی۔

ہمیں کہنے دیا جائے کہ مبہم الفاظ میں فسادات کی مذمت اور مظلومین کے ساتھ زبانی ہمدردی کے علاوہ آج تک مسلمانوں کی جان و مال اور مذہب و ناموس کے تحفظ کے لئے کوئی آئینی قدم نہیں اٹھایا گیا ہے اور یہ اتنی شرمناک اور سنگین فروگذاشت ہے جسے آنے والا مورخ کبھی معاف نہیں کرے گا۔ طاقت کے بل پر اس سے بھی زیادہ لرزہ خیز مظالم ڈھائے جاسکتے ہیں لیکن طاقت کے بل پر تاریخ کا بے لاگ فیصلہ نہیں بدلا جاسکتا" (جام نور، نومبر ۱۹۶۷ء)

دستور ہند کے مطابق ہر فرقے کی مذہبی آزادی کا تحفظ بنیادی حق کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے لیکن دشمنان اسلام کی جانب سے مسلم پرسنل لاء کے خلاف موقع بہ موقع آوازیں بلند ہوتی ہیں۔ علامہ اس پر سخت اور کڑی تنقید فرماتے ہیں۔

"اس کھلی ہوئی بے انصافی اور امتیازی سلوک کی وجہ سوا اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہاں کا قانون عقل و انصاف کا پابند نہیں بلکہ طاقتور اکثریت کے رجحانات کا پابند ہے-- بلکہ یہ کہنا زیادہ قرین

واقعہ ہے کہ یہاں سرے سے قانون کی حکومت ہی نہیں ہے یہاں صرف اس تشدد پسند گروہ کی حکومت ہے جو اکثریت میں ہو یا اپنی بات منوانے کیلئے ملک کا امن وامان غارت کرسکتا ہو۔

یہ مانا کہ مسلمان آبادیوں کو ویران بنانے نہیں آیا ہے، امن و امان غارت کرکے بدامنی پھیلانا اس کا شیوہ نہیں ہے لیکن حق کی برتری اور پرچم اسلام کی حفاظت کے لئے اس نے قربانیوں کی ایک نئی تاریخ جو مرتب کی ہے اس کے ابھرے ہوئے نقوش کو کون مٹا سکتا ہے۔ وہ زمانہ ختم ہوگیا جب مظلوم کی خاموشی ایک صدائے قیامت خیز تھی اور تھمے ہوئے سمندر کی سطح پر طوفانوں کے صحرا نظر آتے تھے۔ اب تو نعروں کا شور ہی زندگی کی علامت اور طاقت کا نشان ہے۔"
(جام نور، جنوری ۱۹۶۷ء)

محمود عباسی کی رسوائے زمانہ کتاب "خلافت معاویہ ویزید، جس میں دریدہ دہن مصنف نے تاریخ کے تمام ابواب کو یکسر الٹ کر رکھ دیا اور یزید کی وکالت میں اس نے سرکار امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے بہتر جاں نثاروں کو جاہ پسندی طالب دینا اور باغی و سرکش تک کہہ ڈالا العیاذ باللہ من ذالک۔ اس کتاب پر پابندی لگ گئی۔ لیکن جب پنجاب ہائی کورٹ نے اس کتاب کے حق میں فیصلہ دے دیا تو علامہ اپنے جذبۂ عقیدت کے اظہار میں بے قابو ہوگئے اور اس فیصلے کے خلاف اپنے درد وکرب کا اظہار بیان لے کر" جام نور" کے ذریعے عوام کی عدالت میں پہنچ گئے۔

"اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شہدائے حرم کی مقدس روحیں آج بھی اپنے ناموس کے تحفظ کیلئے کسی باطل اقتدار کا ممنون کرم نہیں بننا چاہتیں، لیکن کم از کم ہماری شرم عقیدت کا یہ تقاضا ضرور ہے کہ ہم قانون کے پاسبانوں کو توجہ دلائیں کہ جس ملک کے مجموعۂ تعزیرات میں دشنام طرازوں اور دریدہ دہن گستاخوں کے لئے کوئی لگام نہیں ہے اسے انسانی حقوق کا محافظ ہرگز نہیں کہا جاسکتا---کسی بیگناہ کا قتل بہرحال ایک جرم ہے، جس کے تدارک کے لئے قانون کا ہونا ناگزیر ہے۔ لیکن بعض قتل ایسے بھی ہوتے ہیں کہ خون نہیں ٹپکتا، خنجر کی نوک پر سرخی نہیں ہوتی لیکن عقیدت کی خاک پر لاشوں کا انبار لگ جاتا ہے"

"کسی بھی ملت کے پیشواؤں کی اہانت، اس کے چاہنے والوں کے حق میں جہاں اس طرح کا قتل خاموش ہے وہاں جذبات کے اشتعال کے نتیجے میں خاک وخون میں تڑپانے والے ہزاروں قتل محسوس کا پیش خیمہ بھی ہے-----اس لئے کوئی وجہ نہیں ہے کہ جس جرم کے بطن سے دل آزاری، جذبات کی خونریزی اور قتل کے محرکات جنم لیتے ہوں اس کے تدارک کے لئے کوئی واضح قانون نہ بنایا جائے۔

اگر پنجاب ہائی کورٹ کا فیصلہ اس بنیاد پر ہے کہ اس طرح کی دل آزاری کا سلسلہ روکنے کے لئے مجموعۂ تعزیرات میں کوئی واضح قانون نہیں ہے تو یہ قانون فوراً بنا چاہیئے۔ اور اگر عباسی کے موقف کی حمایت کی بنیاد پر ہے تو ہمیں یہ کہنے میں کوئی جھجک نہیں ہے کہ اسلام کی کسی تاریخی اور مذہبی نزاع کا فیصلہ کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو تیرہ سو برس کے علمی ذخائر کا وسیع مطالعہ رکھتے ہوں۔ میرے خیال میں قانون کی کرسیوں پر بیٹھنے والے حضرات کا یہ منصب نہیں ہے"
(جام نور شہید کربلا نمبر اپریل ۱۹۶۷ء)

ملت کے پیشواؤں کی اہانت پر مبنی تحریر وتقریر کو سرفہرست جرائم بنائے جانے پر کس قدر شاندار منطقی قوت استدلال کا سہارا لیا گیا ہے اور قانون وعدلیہ کے خلاف جو جرأت وبیباکی کا مظاہرہ ہے سچ یہ ہے کہ وہ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ جیسے حق وانصاف پسند اور نڈر و بے باک صحافی کا قلم کا رہین منت ہے۔

مسلمانوں کی زندگی کی یہ دردناک کہانی ہے کہ آزادی کے بعد انہیں کوئی مخلص اور دیانتدار قائد نہ مل سکا۔ قیادت کے منصب کی باگ ڈور جس نے بھی سنبھالی اس نے ان کی سادہ لوحی سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ ابوالکلام آزاد جیسے مسلم قائد کی قیادت بھی مسلمانوں کے ساتھ انصاف پسندی کا ثبوت پیش کرنے میں ناکام ونامراد رہی (تفصیلات کے لئے دیکھئے" مولانا آزاد ہند اور مسلمان "سہ ماہی الکوثر شمارہ جولائی تا ستمبر ۲۰۰۰ شمارہ اکتوبر ۲۰۰۰ تا دسمبر ۲۰۰۱) علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ نے بھی اپنے خامۂ حق نگار سے ہندوستان میں مسلم قیادت کا ایک تنقیدی جائزہ" جام نور" فروری

۱۹۶۸ء کے اداریے میں پیش کیا ہے جو نام نہاد مسلم قیادت کی ہر محاذ پر ناکامی کا بین اور مدلل ثبوت پیش کر رہا ہے۔ جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت، جمیعتہ العلماء مسلم لیگ ان کے اتحاد کے بطن سے جنم لینے والی تنظیم مجلس مشاورت ان میں ہر ایک مسلم مسائل کے حل میں ہر محاذ پر بری طرح ناکام رہی۔ مجلس مشاورت کی تین سالہ خدمات کا جائزہ بھی اس اداریے میں لیا گیا ہے۔ مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار، کا مسئلہ، اردو زبان کا مسئلہ، مسلمانوں کے حقوق کا مسئلہ سرفہرست رہا۔ لیکن مجلس مشاورت ان مسائل کے حل میں جس ہزیمت و رسوائی سے دوچار ہوئی وہ تاریخ کا ایک تاریک باب ہے۔ آخر میں مجلس مشاورت کی سب سے شاندار خدمت پر حق کی آواز بلند کرتے ہوئے علامہ رقمطراز ہیں۔

''مجلس مشاورت کی سب سے شاندار خدمت یہ ہے کہ الیکشن کے موقعہ پر چھ کروڑ مسلم ووٹروں کی قیمت وصول کرنے کا جب سوال پیدا ہوا تو جہاندیدہ لیڈروں نے سوچا کہ کانگریس بدنام ہو چکی ہے کھل کر اس سے سودا طے کرنے میں پگڑی سلامت نہیں رہ سکے گی۔ اسلئے مارکیٹ میں نئے خریداروں کی تلاش شروع ہوئی۔ بالآخر کانگریس کی حریف پارٹیوں سے معاملہ طے ہوگیا۔ اور اس معاہدہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سارے ہندوستان میں کانگریس کو ہرانے کی ایک طوفانی مہم شروع کی گئی۔ لیکن نشانے کی یہ خطا کبھی معاف نہیں کی جائے گی کہ ''کانگریس ہراؤ مہم'' کے پیٹ سے جن سنگھی اقتدار کا بچہ نکل آیا اور نکلتے ہی وہ جوان ہو گیا اور حکومت کی گدی پر قبضہ کر لیا۔

جو مسلم آزار درندے خواب میں بھی وزارت کی بات نہیں سوچ سکتے تھے وہ مجلس مشاورت کی مہربانیوں سے وزارتی کابینہ پر مسلط ہو گئے۔

اب کفر کا جتنا حوصلہ بھی بلند ہو اور مسلمانوں کی پامالی کا جو نقشہ بھی ملک کے طول و عرض میں تیار کیا جائے کم ہے۔ سیاسی اقتصادی اور اجتماعی مسائل میں مجلس مشاورت کی قیادت نے ہمیں کیا دیا---اضطراب مسلسل---شکست پیہم---لگاتار پامالی--''
(جام نور، فروری ۱۹۶۸ء)

اسرائیل کی غیر متوقع تاریخی فتح اور شامت اعمال کے نتیجے میں عربوں کی حسرت ناک شکست کا تجزیہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

''ہمیں یہ اعتراف کر لینا چاہیئے کہ ''دریوزہ گری'' کا فن بھی ہمیں نہیں آتا'' (جانور۔ اگست ۱۹۶۴ء)

چند سطروں کے بعد تحریر فرماتے ہیں

''اب ہمارے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارۂ کار نہیں کہ پہلے اسی فن میں اپنے حریف کو شکست دینے کی کوشش کریں'' (ایضا)

لیکن پھر دوسرے پیراگراف میں زاویۂ فکر بدلتے ہوئے اس کی صاف تردید کر دیتے ہیں اور مسلمانوں کو اسلامی فکر اور دینی مزاج و تصور کا صحیح رخ اختیار کرنے پر زور دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

لیکن ایک غیرت مند مومن جو اپنی تاریخ کی عظمتوں سے واقف ہے اور ایمان کی ناقابل تسخیر طاقتوں کا مزاج پہچانتا ہے۔ وہ ہرگز اس انداز فکر کو قبول نہیں کرے گا۔

یہ عقیدہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ ہماری فتح و کامرانی کا سر رشتہ روئے زمین کی باطل قوتوں سے منسلک نہیں ہے بلکہ اس قادر و توانا خداوند کی لامحدود قدرت سے وابستہ ہے جس پر آج تک کوئی فتح حاصل نہیں کر سکا ہے۔

جب تک ہمارا ذہن تاریخ کے اس سانچے میں نہیں ڈھل جاتا جس کا آغاز میدان بدر سے ہوتا ہے اس وقت تک اپنی عظمت رفتہ کو واپس لانا ہمارے لئے قطعاً ناممکن ہے اسلام کی معنوی سرچشموں سے الگ رہکر جینے کا انجام ہم نے دیکھ لیا اب ایک ثابت شدہ حقیقت آزمائش قطعاً فعل عبث ہے۔'' (جام نور اگست ۱۹۶۷ء)

''جام نور'' کی رگوں میں خون فراہم کرنے میں علامہ ارشد القادری علیہ الرحمتہ نے جو قربانیاں پیش کی ہیں وہ یقیناً ان کی بے لوث اور مخلصانہ جدوجہد کا آئینہ ہیں۔ دو سال کی مدت میں کس قدر مادی خسارہ آپ کو برداشت کرنا پڑا اس کا صحیح علم تو خدائے علیم و خبیر کو ہی ہے تاہم فروری ۱۹۶۹ء کے اداریے میں اس خسارے کا ایک اشاریہ ضرور ملتا ہے۔

''اب میں مسلسل خسارے کی وجہ سے اتنا شکستہ پا ہو چکا ہوں

کہ آگے بڑھنے کی بالکل سکت باقی نہیں۔ کہاں کہاں مجھے ٹھوکر لگی ہے اور کس کس سمت سے میں گھائل ہوا ہوں یہ زندگی کی بڑی المناک سرگذشت ہے۔ بہتر ہے کہ تفصیل نہ دریافت کی جائے۔

نہایت غم واندوہ کے ساتھ اب اپنی خون آلود آرزوؤں کے مقتل سے "جام نور" کے شائقین کو باخبر کررہا ہوں کہ وہ آئندہ "جام نور" کا چندہ نہ بھیجیں (جام نور فروری ۱۹۶۹ء)

اس المناک سرگذشت کا اشارہ جنوری ۱۹۶۸ء کے ادارے میں بھی ملتا ہے۔

"لیکن وائے رے بخت زبوں کی آشفتہ حالی! نالۂ غم سے پتھروں کے جگر میں سوائے چند غمگسار ہمدردوں کے کسی نے آج تک یہ بھی نہیں پوچھا کہ "جام نور" کے صفحات کی آرائش کے لئے وہ روشنائی کہاں سے آئی ہے جس میں نامرادیوں کی سیاہی سے زیادہ خونِ جگر کی سرخی کا عنصر نمایاں ہوتا ہے۔" (جام نور جنوری ۱۹۶۸)

"جام نور" کے ذریعے آپ نے جہاں دوسرے مسائل پر قلم اٹھایا وہیں اردو زبان وادب کی ترقی اور اس کی فلاح و بہبود کے لئے بھی تحریک چلائی۔ ۱۰/۱۱/۱۲/ مئی ۱۹۶۷ء کی سیوان کانفرنس کے ایجنڈے میں اردو کا مسئلہ بھی شامل تھا۔ آپ نے حکومت کے متعصبانہ رویئے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، اس کے حقوق و مراتب کی نگہداشت کے لئے اسباب حکومت کو متوجہ کیا۔

"اردو زبان کے ساتھ مسلسل بے انصافیوں نے ہمارے جذبات کو اس قدر مجروح کردیا ہے کہ اب رستا ہوا زخم نمائشی تقریروں سے مندمل نہیں ہوسکتا۔ یوپی اور بہار کی متحدہ محاذ حکومتوں نے انتخابات کے موقع پر اردو کے بارے میں جو وعدے کئے تھے اور انہی وعدوں کے نتیجے میں انہیں اردو دوستوں کے ووٹ حاصل ہوئے لیکن افسوس کی ان کے مستحکم وعدے نقوش برآب سے زیادہ ثابت نہ ہوئے۔

یوپی کی حکومت نے تو ہمہ گیر مظاہروں، مشترکہ احتجاجوں اور جمہور کی مسلسل بے چینیوں اور قربانیوں کے باوجود علاقائی زبان تسلیم کرنے سے صاف انکار کردیا۔

اور بہار کا کیا کہنا! یہاں تو قتل عام ہی اسلئے کرایا گیا ہے کہ اردو کا نام لیتے ہوئے خواب میں بھی لوگ چونک اٹھیں چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اردو کے مجاہدین آخر پتھر کے بتوں سے کب تک لڑتے۔ ایک نہ ایک دن انصاف وجمہوریت کی اس تحریک کا جنازہ نکلنا ہی تھا نکل گیا۔ بہرحال یہ ثابت ہوگیا کہ ہندوستان کی کسی بھی سیاسی پارٹی کا ذہن اردو کے حق میں قطعاً صاف نہیں ہے (جام نور، نومبر ۱۹۶۷ء)

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمتہ نے مسلمانوں کے اندر اسلامی فکر بیدار کرنے کے لئے اپنی قلمی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ فرمایا آپ نے مسلم سماج کے سلگتے ہوئے مسائل کو ہی اپنا موضوع سخن بنایا۔ مردہ قلوب واذہان میں اسلام کی حقیقی اسپرٹ بیدار کرنے میں اپنی تمام تر جدوجہد کو مصروف رکھا۔ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمتہ کی قلمی خدمات پر میں بہت کچھ لکھنے کے باوجود کچھ بھی نہیں لکھ سکا۔ ضرورت ہے کہ ملک کے عصری جامعات میں علامہ کی تنقیدی بصیرت، شاعرانہ عظمت سیاسی بصیرت، سماجی خدمت اور اس طرح کے نوع بہ نوع پھیلے ہوئے عنوانات پر تحقیقی مقالے لکھوائے جائیں تاکہ ان کی خدمات کے حقیقی خدوخال نکھر کر سامنے آسکیں۔ وقت کا کتنا بڑا المیہ ہے کہ ہمارا حریف ومقابل پیتل کو نہ صرف یہ کہ سونا کہہ رہا ہے بلکہ ملمع بازی کی صنعت گری سے اس کو سونا ثابت کرکے دکھا رہا ہے۔ لیکن وائے حسرتا! ہم سونے کو سونا اور ہیرے کو ہیرا نہیں کہہ پا رہے ہیں۔ کاش! جمود وتعطل کی یہ کالی راتیں رخصت ہوں اور ان کے بطن سے ایک ایسی سپیدۂ سحر نمودار ہو جس میں زندگی کا یہ زاویہ نکھر سکے۔ ڈاکٹر اقبال کے اس شعر سے علامہ کی عظیم صلاحیتوں اور بے مثال خدمات کو سلام کرتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

مولانا محمد قطب الدین رضوی
ناظم نشر و اشاعت ادارۂ شرعیہ پٹنہ (بہار)

علامہ ارشد القادری اور ادارۂ شرعیہ۔ پٹنہ

(ایک تفصیلی جائزہ)

موت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ
مٹتے نہیں دہر سے جنکے نشاں کبھی

تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی ملت اسلامیہ عظیم ترین مشکلات سے دوچار ہوتی ہے اور فرزندان اسلام حسرت و یاس کے ماحول میں اللہ رب العزت جل جلالہ کے غیبی امداد کی طرف دیکھ رہے ہوتے ہیں تو وحدہٗ لاشریک خاطر خواہ کوئی ایسی سبیل پیدا فرمادیتا ہے جسے پاکر مسلمان اطمینان وسکون حاصل کرتے ہیں آزادی ہند کے بعد خصوصاً ریاست بہار کے مسلمانان اہلسنت کچھ انہیں درد و کرب میں مبتلا تھے ان کا کوئی مذہبی، ملی، شرعی، ثقافتی، علمی اور تہذیبی مرکز نہیں تھا جہاں جاکر اپنی عائلی زندگی کے مسائل، آپسی تنازعات اور ملکی و ملی معاملات کے حل کے لئے رہنمائی حاصل کرتے، خصوصاً طلاق، فسخ نکاح، وراثت و ہبہ اور قانون شرعیہ کی روشنی میں ریاست کے ۸۵ فیصد مسلمانوں کو پریشانیاں لاحق ہونے لگیں۔ ایسے ماحول میں مسلمان اکابرین اہل سنت کی رہنمائی کی مزید شدت کے ساتھ ضرورت محسوس کرنے لگے جس درد کو علم وفکر کے گہوارہ، عشق رسول ﷺ کے پیکر، وارثِ انبیاء، قلم کے دھنی، ناز علم وداب، پچاس سے زائد کتابوں ورسالوں کے مصنف عالم اسلام میں تاریخ ساز خدمات جلیلہ انجام دینے والے قائد اہل سنت ترجمان مسلک اعلیٰحضرت رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ (۱۹۲۵۔۲۰۰۲) نے محسوس کیا اور ایک ہمہ گیر تصور اپنے ذہن وفکر میں نقش کیے جسے زمین پر اتارنے کے لئے خاکہ تیار کیا بالآخر وہ وقت سعید آہی گیا جس کا دنیائے سنیت کو انتظار تھا۔

علامہ ارشد القادری نے مذکورہ مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے مورخہ ۱۰/۱۱ اور ۱۲ مئی ۱۹۶۸ کو بہار کی سرزمین سیوان میں سہ روزہ صوبائی سنی کانفرنس مفتی اعظم ہند کی صدارت میں انعقاد فرمایا جس میں تاج الشریعت حضور مفتی اعظم ہند، برہان ملت حضرت علامہ برہان الحق، سید العلماء حضرت مولانا سید آل مصطفٰے، حافظ ملت الشاہ عبدالعزیز، مجاہد ملت حضرت مولانا الشاہ حبیب الرحمٰن، امین شریعت حضرت مفتی محمد رفاقت حسین، شمس العلماء مفتی شمس الدین، علامہ محمد سلیمان، سحبان الہند حضرت مولانا ابوالوفا فصیحی غازی پوری، نعیم الاسلام مولانا نعیم الدین اور مجاہد دوراں حضرت مولانا مظفر حسین کچھوچھوی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین اور پندرہ سو جید علماء کے علاوہ تین لاکھ مسلمانوں نے شرکت فرمائی۔

اس کانفرنس کا انعقاد صوبہ بہار خصوصاً سیوان واطراف کے محبین، مخلصین اور ابوسہیل امین شریعت دوئم حضرت مفتی انیس عالم قادری کے تعاون واشتراک سے عمل میں آیا تھا، اسی تاریخ ساز کانفرنس میں مذکورہ اکابرین اور لاکھوں مسلمانوں کی موجودگی میں کانفرنس کے اختتام پر مورخہ ۱۲ رمئی ۱۹۶۸ء بوقت صبح صادق دین

وشریعت کا محافظ''ادارۂ شرعیہ'' کی بنیاد علامہ ارشد القادری نے اپنے دستِ مقدس سے رکھی تھی،تکبیر ورسالت کے فلک شگاف نعروں سے قیام ادارہ کا زبردست استقبال ہوا۔

ادارۂ شرعیہ کے قیام پر اس کے اغراض ومقاصد اور نظام قضاء وافتاء پر مشتمل ایک قرارداد منظور کی گئی تھی جس پر اکابرین ملت نے دستخط فرمایا۔دریں اثناء کچھ علماء اور عوام الناس کی رائے تھی کہ ادارہ کا مرکزی دفتر سیوان میں رکھا جائے مگر قائد اہلسنت کی دوررس نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ بہار کے علاوہ ملک کے کونے کونے سے مسائل شرعیہ کے حل کے لئے آنے والے مسلمانوں کو پریشانیاں ہوسکتی ہیں اس لئے انہوں نے بہار کی مرکزی جگہ پٹنہ میں دفتر کھولے جانے کی تجویز رکھی جس پر اتفاق رائے ہوا اور علامہ قادری سیوان سے مفتی انیس عالم الحاج منے میاں اور دیگر مخلصین کے ہمراہ پٹنہ تشریف لائے اور مورخہ ۱۴رمئی ۱۹۶۸ء کو نور منزل،دریاپور سبزی باغ پٹنہ بہار میں ایک سوبیس روپے ماہانہ کرایہ پر ادارۂ شرعیہ کے دفتر کا افتتاح فرمایا جس کے انتظام وانصرام کی ذمہ داری علامہ نے الحاج غلام رضا عرف منے میاں کے سپرد فرمائی اور ادارہ کے دست وبازو کی حیثیت سے شاہ برہان احمد مولانا قیس محمد خان،مفتی عبد الحافظ رضوی،مولانا راشد القادری اور مولانا دستگیر وغیرہم کو دینی امور کی انجام دہی پر مامور فرمایا۔

بقول الحاج منے میاں اور قاضی عبد الحافظ رضوی کچھ مہینوں کے بعد مجاہد دوراں حضرت مولانا مظفر حسین کچھوچھوی جنہوں نے علامہ کا بھرپور تعاون فرمایا تھا،ادارہ شرعیہ تشریف لائے تو چونکہ وہاں رہنے سہنے اور خدمت کی انجام دہی میں پریشانیاں ہونے لگی تھیں اس لئے مجاہد دوراں نے علامہ قادری اور مفتی انیس عالم کو مشورہ دیا کہ کہیں دوسری جگہ دفتر منتقل کیا جائے انہیں کی رائے پر سبزی باغ کے ہی علاقے میں محفوظ الحق بلڈنگ میں مورخہ ۲۰ر ستمبر ۱۹۶۸ء کو دفتر منتقل ہوگیا جہاں ادارہ کے امور انجام دیئے جانے لگے۔صوبہ وبیرونی صوبہ سے مسلمان اہل سنت کی آمد ورفت ہونے لگی۔محفوظ الحق بلڈنگ کا کرایہ مبلغ ۳۵۰ روپے ادا کرنے ہوتے تھے جس بارگراں کو ادارہ بمشکل جھیل پارہا تھا ادھر قائد اہل سنت شب وروز اس فکر میں تھے کہ کسی طرح اس کی اپنی زمین حاصل ہوجائے۔

جب ادارہ کرایہ دینے سے قاصر ہوگیا اور محفوظ الحق بلڈنگ سے دفتر کی منتقلی ناگزیر ہوگئی تو مارچ/۱۹۶۹ء کو الحاج منے میاں پتھر کی مسجد پٹنہ کے مکان میں کاغذات لائے گئے یہاں مذکورہ معاونین کے علاوہ حضرت قاضی فضل کریم کے خدمات حاصل کر لئے گئے بعدہٗ جون/۱۹۶۹ء کے اواخر میں نوگھرواں سلطان گنج میں واقع عطا کاکوی کے مکان پر ایک روم کرایہ پر لیا گیا۔اِدھر اُدھر کی پریشانیوں کو دیکھ کر سلطان گنج کے جناب محمد اسماعیل خان نے اپنے مکان پر دو ماہ تک بغیر کرایہ کے دفتر کی جگہ دینے کی پیشکش کی اور کہا کہ دو ماہ بعد صرف ۸۰ روپے ماہانہ کرایہ لیا کریں گے۔اور جب تک ادارہ کی اپنی زمین نہیں ہوجاتی ہمارے مکان پر ہی دفتر رکھا جائے۔اس طرح ستمبر ۱۹۶۹ء کے اوائل میں جناب محمد اسماعیل خان سلطان گنج پٹنہ کے مکان میں دفتر منتقل ہوگیا جو ۱۹۷۰ء کے اوائل تک قائم رہا۔

دریں اثنا علامہ صاحب شہر پٹنہ کے گھر گھر اور گلی کوچوں میں جاکر اہل سنت وجماعت کے لئے ماحول سازگار کرتے رہے۔الحاج منے میاں فرماتے ہیں کہ اکثر علامہ ہماری جھوپڑی میں رہا کرتے تھے اور کبھی کبھی وہ خود کھانا بنانے میں ہمارا تعاون فرماتے۔اکثر وبیشتر رات کے حصے میں ہمیں لیکر علامہ پاپیادہ حضرت مخدوم منعم پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میتن گھاٹ پٹنہ سیٹی کے مزار مقدس پر حاضر ہوکر زاروقطار روتے اور ادارۂ شرعیہ اور سنیت کی حفاظت کی بھیک مانگتے۔

علامہ کو بزرگان دین سے والہانہ عقیدت تھی اور جب کبھی بے چین ہوتے تو بزرگوں کی چوکھٹ پر حاضری دیتے۔اس عظیم مقصد

کے لئے بھی انہوں نے حضرت شرف الدین یحیٰی منیری اور مخدوم الملک حضرت شرف الدین بہاری رحمہما اللہ اور دیگر مزارات پر حاضری دیتے رہے۔ بالآخر بارگاہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بشارت خوشخبری ہوئی اور بزرگان دین کی نگاہ کرم ہوئی کہ علامہ کی کوششوں سے نوگھرواں سلطان گنج نزد سلطان گنج تھانہ پٹنہ میں ڈیڑھ کٹھہ قطعہ اراضی حاصل ہوئی۔ تقریباً ساڑھے دس ہزار روپے خریداری و رجسٹری میں صرف ہوئے جسے حضرت مفتی انیس عالم نے مرحمت فرمایا۔ رجسٹری کرانے کے بعد انجینئر سے ۲۵ رنومبر ۱۹۶۹ء کو زمین کا نقشہ تیار کروایا۔ وہ نقشہ لیکر جب علامہ چلچلاتی دھوپ میں زمین کے پاس تشریف لائے تو دیکھ کہ نقشہ کے مطابق زمین صرف ۱۶ فٹ ہے جب کہ خریدی گئی زمین ۶۲ فٹ لمبی اور ۳۱ فٹ چوڑی تھی (بمطابق نقشہ ریکارڈ فائل) غلطی سے ۱۶ فٹ درج ہو گیا تھا یہ دیکھ کر علامہ بیچین ہو گئے اور خوب زار و قطار رونے لگے کہ اتنی سی مختصر زمین ادارہ کے عظیم ترین مقاصد کیسے پورے کئے جاسکتے ہیں علامہ کی حالت دیکھ کر اراکین ادارہ حیران تھے اتنے میں منے میاں نے انجینئر کو دوبارہ بلا کر اس کے بارے میں دریافت کیا تو انجینئر نے اپنی غلطی کی تصحیح کی پھر علامہ کا دل باغ باغ ہو گیا۔

بہرحال ادارہ کے تمام تر مقاصد کو زمین پر اتارنے کے لئے علامہ نے زمین کے حصول کے بعد ''جلسہ سنگ بنیاد عمارت ادارۂ شرعیہ'' کی تیاریاں شروع کردیں جو حضرات جلسے کی تیاریوں میں علامہ کے دست و بازو بن کر رہے ان میں حضرت مفتی رفاقت حسین، مفتی انیس عالم، مولانا مظفر حسین کچھوچھوی، الحاج منے میاں، قاضی فضل کریم، مفتی عبدالحافظ اشرفی، شاہ برہان احمد، مولانا قیس محمد خان، مولانا زبیر احمد، قادری اطہر حسین اور اسماعیل خان وغیرہم کے نام قابل ذکر ہیں۔ مورخہ ۱۹؍۲۰ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ بمطابق ۲۶؍۲۷ فروری ۱۹۷۰ء بروز جمعرات جمعہ بعد نماز عشاء بمقام انجمن اسلامیہ حال پٹنہ میں ''جلسہ سنگ بنیاد عمارت ادارہ شرعیہ'' کا انعقاد علامہ نے حضور مفتی اعظم ہند کی صدارت میں کیا۔ جو چار مجلس شوریٰ مشائخ عظام اور دو عام اجلاس پر مشتمل تھا۔ ۲۷ رفروری کو بعد نماز جمعہ رسم سنگ بنیاد اکابرین ملت اور شہر کے معززین کی موجودگی میں ادا کی گئی۔ انجمن اسلامیہ حال میں دوران اجلاس کچھ سرپھروں نے ادارہ شرعیہ کی مخالفت کی تا کہ کسی طرح اہل سنت و جماعت کا یہ مذہبی و ملی قلعہ تعمیر نہ ہو سکے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت علامہ کو حاصل تھی اس لئے مخالفین کے حوصلے پست ہوئے اور محافظ دین و شریعت کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ علامہ نے بڑی ہی صبر و تحمل سے کام لیا اور الحمد للہ بحسن و خوبی عمارت کی تعمیر ہونے لگی علامہ قادری نے اپنے حسن تدبیر سے ترویج و اشاعت دین کے لئے مذکورہ مخلصین کے علاوہ مولانا سید رکن الدین اصدق، مولانا عبید اللہ خاں اعظمی، مفتی قاسم براہیمی، مولانا غلام رسول بلیاوی، مفتی عبدالواجد قادری، مولانا ضیاء جالوی، سید شمیم احمد منعمی، جان عالم خاں حبیبی، مولانا واقف، مولانا شبنم کمالی، الحاج سید ثناء اللہ رضوی ''ایک دہائی کے اندر'' اور دیگر مخلصین پر مشتمل ایک فعال ٹیم مذہب حقہ کے خدمات کے لئے تیار کی اور دیکھتے دیکھتے ادارہ نے پورے ملک میں اپنے خدمات کی بنیاد پر وہ شہرت حاصل کی جسے معاندین بھی تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے۔ آج ادارہ شرعیہ بہار پرشکوہ چار منزلہ عمارت ۱۸ کمروں اور دو بڑے ہال پر مشتمل ہے جو علامہ ارشد القادری کی خدمات جلیلہ کا زندہ ثبوت ہے۔

ادارہ شرعیہ مسلمانوں کی ایک مذہبی تعلیمی اور سماجی تنظیم ہے جو قیام بنا سے لیکر تاہنوز پورے ملک میں خصوصاً ریاست بہار میں مذہبی و تعلیمی خدمات کے ساتھ ساتھ ملک کی سالمیت، استحکام و ترقی اور فرقہ وارانہ یکجہتی کے کاموں میں کارہائے نمایاں انجام دیتا چلا آرہا ہے۔

ادارہ کو اسلاف کرام نے جن مقاصد کی تکمیل کی خاطر وجود بخشا تھا بحمدہ تعالیٰ وہ آج اپنے تمام تر شعبوں کے ساتھ مجلس شوریٰ،

مجلس منتظمہ، مینجنگ ٹرسٹی، معاونین ومخلصین اور اساتذہ وطلبہ کے باہمی اشتراک وتعاون سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ ادارہ شرعیہ کے قیام کا مقصد پیغمبر اسلام حضور ﷺ کے عطا کردہ نظام کی پیروی اور پاسداری، قوانین اسلام کو نافذ العمل، اشاعت دین، مسلمانوں کے مذہبی، آئینی اور ملی حقوق کی حصولیابی، ملک کے قومی ہم آہنگی کے استحکام، اصلاح معاشرہ، آپسی تنازعات کا سدباب اور عائلی زندگی کے مسائل کو حل کرنے کے لئے جہد مسلسل کرتے ہوئے مضبوط ومستحکم عملی اقدام اٹھاتا ہے۔ سربراہ اعلیٰ علامہ ارشد القادری نے مذکورہ اغراض کی تکمیل کے لئے ادارہ شرعیہ میں مختلف شعبوں کی تشکیل فرمائی۔ جس کی اجمالی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

دارالقضاء

یہ ایک شرعی عدالت ہے جہاں قاضیان شریعت کے ذریعہ نکاح وطلاق، وراثت وہبہ، خلع وفسخ نکاح اور پیش آنے والے باہمی نزاعات کے فیصلے کیے جاتے ہیں فقہی قوانین اور شرعی عدالتوں کے اصول وضوابط کے مطابق جس عدل و احتیاط کے ساتھ یہاں مقدمات کی سماعت اور فیصلے کی طریقۂ شرعی رائج ہے وہ منفرد نوعیت کے متحمل ہے۔ مرکزی دارالقضاء کے علاوہ ریاست بہار جھارکھنڈ، بنگال، اڑیسہ، آسام اور مہاراشٹر سمیت ملک کے ۳۵ مقامات پر دار القضاء قائم ہیں اور وہاں قضاۃ مقرر کیے گئے ہیں۔ صرف بہار جھار کھنڈ اور اڑیسہ میں ۲۴ مقامات پر بقیہ دیگر صوبوں میں مرکزی دالقضاء کی شاخیں قائم ہیں۔ (بحوالہ ریکارڈ فائل۔ ادارہ)

۱۹۷۲ء سے تادم تحریر ۱۹۷۲ مقدمات کے فیصلے قوانین شرعیہ واصول قضاء کے مطابق ہو چکے ہیں۔ (پانچ، چھ سالوں کے ریکارڈ دستیاب نہ ہوسکے) فیصلے شدہ مقدمات معدومۃ النفقہ، مفقود الخبر، حرمتِ مصاہرت من الزوج، فساد نکاح، خنوثت، خلع، ارتداد من الجانبین، جذام، جنون، عدم کفایت، حرب وضرف، ارتکاب معصیت اور دیگر باہمی تنازعات پر مشتمل ہیں۔ ادارۂ شرعیہ کے دارالقضاء میں ملک کے مختلف حصوں سے مسلمان اپنی عائلی زندگی کے مسائل اور آپسی تنازعات کو دور کرنے کے لئے مقدمات دائر کرتے ہیں اور با چوں چرا دونوں فریق دارالقضاء کے فیصلے کو تسلیم کرتے ہوئے اطمینان وسکون کی سانس لیتے ہیں اور اسی کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ دارالقضاء کے فیصلے سے کس قدر مسلمان مطمئن ہوتے ہیں ان ثبوت وشواہدات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آج تک کسی مدعی یا مدعا الیہ نے فیصلے کے خلاف کسی دوسری عدالت میں اپیل دائر نہیں کی بلکہ اس کے فیصلے پر آمنا وصدقنا کہا۔

ادارہ شرعیہ کا یہی شعبہ رویت ہلال کی شرعی شہادت کی روشنی میں اسلامی کیلنڈروں اور تاریخوں سے عامۃ المسلمین کو باخبر کرتا ہے، گاہے گاہے رویت ہلال کے تعلق سے جب اختلاف وانتشار کا بازار گرم ہوجاتا تو مسلمانوں کو قرآن وحدیث اور اجماع امت کی روشنی میں تنازعات کو دور کرنے کی تلقین کرتا ہے مثلاً جب ۱۹۹۴ء میں بازاری اور جھوٹی افواہوں پر چند ناعاقبت اندیش لوگوں نے ۲۸ رمضان ہی کو رویت ہلال کا اعلان کردیا تو پورے ملک کے مسلمانوں میں اضطرابی کیفیت پیدا ہوگئی اور تنازعات کا سلسلہ چل پڑا۔ اسوقت سربراہ اعلیٰ علامہ ارشد القادری اور امین شریعت دوئم حضرت مفتی انیس عالم رحمہما اللہ تعالی کے احکامات پر ادارہ شرعیہ نے خصوصاً ریاست بہار کے مسلمانوں کی صحیح رہنمائی فرمائی اور موضوع کے تعلق سے شرعی اصول وضوابط کو مسلمانوں تک پہنچانے کے لئے رسائل پوسٹر شائع کئے جس میں صاف طور پر ”ہر سال عید کے چاند میں جھگڑا کیوں کھڑا ہوتا ہے؟ اور اس مسئلہ کا معقول حل کیا ہے؟“ کے عنوان کے تحت اسباب تنازعات اور حل کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ ”جہاں تک چاند کے مسئلے میں اسلام کی ہدایت وتعلیم کا تعلق

ہے وہ اتنا سادہ آسان اور فطری ہے کہ اس میں جھگڑے کی کوئی گنجائش ہی نہیں نکلتی۔ اس سلسلے میں پیغمبر اسلام ﷺ کا یہ فرمان اگر آپ سامنے رکھیں کہ ''چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید مناؤ'' اگر ۲۹ کو تمہارا آسمان ابر آلود ہو جائے تو ۳۰ دن پورے کرو۔'' تو آپ پر پوری طرح یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ چاند کے مسئلے میں سارا جھگڑا ہم خود کھڑا کرتے ہیں اسلام کی تعلیمات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔''

ادارۂ شرعیہ کی اس تعمیراتی تحریک کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ رویت ہلال سے متعلق ہو رہی دشواریوں اور انتشار کے سدباب کے لئے صوبہ و بیرون صوبہ کے جید فقہاء، ومفتیان کرام پر مشتمل چار اعلیٰ فقہی سیمینار کا انعقاد ادارہ کر چکا ہے جس میں فقہا کرام نے کل ایک ۱۳۵ مقالے پیش کر چکے ہیں جس کی تلخیص ملک کے اکابرین اہلسنت کی خدمت میں تصدیق کے لئے ارسال کئے جانے کی کاروائی ہو رہی ہے اس کے بعد بقول ذمہ داران ادارہ فیصلہ کن اعلان کیا جائے گا۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

دارالافتاء:۔

اس شعبہ سے شرعی احکام وفقہی مسائل پر مشتمل فتاوے صادر کئے جاتے ہیں، ملک و بیرون ملک سے آنے والے ہزاروں سوالات کے جوابات قرآن وحدیث اور فقہ کی روشنی میں دیئے جاتے ہیں۔ ۱۹۷۰ء سے تادم تحریر ۱۴۵۱۸ فتاوے صادر کئے جا چکے ہیں (۱۴ رمئی ۱۹۶۸ء سے جولائی ۱۹۷۰ء تک جو فتاوے صادر ہوئے انکا ریکارڈ رجسٹر نہ ملنے کی وجہ سے اعداد وشمار معلوم نہ ہو سکے) (بحوالہ فتاویٰ رجسٹر ریکارڈ دارالافتاء ادارہ)

دارالافتاء سے فتاوے بذریعہ دستی، رجسٹری اور دیگر ذرائع سے مستفتی کو دستیاب کرائے جاتے ہیں۔ فتاوے کی ایک ایک کاپی رجسٹر میں درج ہوتی ہے اس طرح فتاوے محفوظ کر لئے جاتے ہیں۔ صادر کئے جا چکے فتاوے ۱۶ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، موجودہ انتظامیہ اسے کتابی شکل میں شائع کرانے کا ارادہ رکھتی ہے مگر بجٹ کی کمی کی وجہ سے یہ اہم کام اب تک نہ ہو سکا۔ یہ عظیم ترین شعبہ کئی جید فقہی بصیرت رکھنے والے مفتیان کرام کی سرکردگی میں نہایت حسن وخوبی کے ساتھ چل رہا ہے ادارۂ شرعیہ بہار کے دارالافتاء پر بیشتر مسلمان اعتماد ویقین رکھتے ہیں۔

مدرسہ شرعیہ

یہ ادارۂ شرعیہ کا تعلیمی شعبہ ہے جہاں مقامی و بیرونی طلبہ کو رہائش اور خورد و نوش کی کفالت کے ساتھ حفظ وقرات، عقائد ومسائل اور قومی ہم آہنگی کی تعلیم دی جاتی ہے نیز انہیں تقاریر ومواعظ کی تربیت کے مراحل سے گذارا جاتا ہے تاکہ وہ مساجد میں امامت کے فرائض نہایت حسن وخوبی کے ساتھ انجام دے سکیں اس شعبے سے ہر سال ایسے طلبہ خاصی تعداد میں فارغ ہوتے ہیں۔ دینی تعلیم کے علاوہ انہیں عصری تعلیم وتربیت سے بھی آراستہ کیا جاتا ہے، اس شعبے کے تحت تعلیم کو فروغ دینے کے لئے ذیلی مکاتب مدارس قائم کئے جاتے ہیں اور ادارۂ شرعیہ بہار کے زیر نگرانی تقریباً ایک سو پچیس مکاتب ومدارس چل رہے ہیں۔

شعبۂ تبلیغ

اس شعبہ کے زیر اہتمام مسلمانوں کو دینی احکام ومسائل اور صحیح عقائد واعمال سے باخبر کیا جاتا ہے، غیر قوموں تک دعوت اسلام مبلغین، لٹریچر اور اجلاس کے توسط پہنچائی جاتی ہے۔ مسلمانوں میں اصلاح اعمال، صالح معاشرہ کے قیام اور غلط رسومات کو مٹانے کے لئے نمایاں خدمات انجام دئے جاتے ہیں۔ رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری نے اس شعبہ کو تابناک کرنے اور ادارۂ شرعیہ کے دینی

ولی پیغام کو مسلمانوں کے گھر گھر تک پہنچانے کے لئے خصوصاً غیر منقسم بہار میں کئی اہم اور تاریخی دورے واجلاس کئے جن میں ۲؍مارچ ۱۹۸۱ء کو دھنباد میں تعلیمی کانفرنس، ۲۴،۲۵؍مارچ ۱۹۸۴ء کو ڈالٹین گنج میں ''اسلامی کانفرنس'' اور ۱۹۹۴ء میں بہار کے ۲۹ مقامات پر تحریک بیداری اور اصلاح معاشرہ کے لئے ''ادارۂ شرعیہ کانفرنس'' شامل ہیں۔ مختلف مقامات پر منعقدہ آخر الذکر کانفرنسوں کی صدارت علامہ قادری نے فرمائی تھی۔ یہ کانفرنسیں دو میقات پر مشتمل تھیں پہلے دور کا آغاز ۳؍جون ۱۹۹۴ء کو پٹنہ سے اور اختتام ۱۶؍جون ۱۹۹۴ء کو نوادہ پر ہوا تھا جسکی تاریخ وار تفصیل یوں ہے۔

۳؍جون ---- پٹنہ	۴؍جون ---- گیا
۵؍جون ---- اورنگ آباد	۶؍جون ---- سہسرام
۷؍جون ---- گڑھوا	۸؍جون ---- ڈالٹن گنج
۹؍جون ---- ہزاری باغ	۱۰؍جون --- رانچی
۱۱؍جون ---- جمشید پور	۱۲؍جون --- بوکارو
۱۳؍جون --- دھنباد	۱۴؍جون --- گریڈیہہ
۱۵؍جون --- مدھوپور	۱۶؍جون --- نوادہ

جب کہ دوسرے دور کا آغاز ۵؍اکتوبر کو حاجی پور سے اور اختتام ۱۹؍اکتوبر کو مونگیر پر ہوا تھا وہ اس طرح ہے۔

۵؍اکتوبر ---- حاجی پور	۶؍اکتوبر ---- چھپرہ
۷؍اکتوبر ---- سیوان	۸؍اکتوبر --- گوپال گنج
۹؍اکتوبر ---- مظفر پور	۱۰؍اکتوبر --- سیتامڑھی
۱۱؍اکتوبر ---- مدھوبنی	۱۲؍اکتوبر --- دربھنگہ
۱۳؍اکتوبر --- سمستی پور	۱۴؍اکتوبر -- بختیار پور
۱۵؍اکتوبر ---- پورنیہ	۱۶؍اکتوبر --- کشن گنج
۱۷؍اکتوبر ---- کٹیہار	۱۸؍اکتوبر -- بھاگل پور
۱۹؍اکتوبر ---- مونگیر	

ان مقامات پر جید علماء کرام نے چالیس لاکھ سے زائد فرزندان اسلام کو خطاب فرمایا تھا۔ ان کانفرنسوں کے مقررین کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

☆ قائد اہلسنت حضرت علامہ ارشد القادری (سالار کارواں)۔
☆ مولانا عبیداللہ خاں اعظمی۔
☆ مولانا اشتیاق عالم بھاگلپوری۔
☆ مولانا مفتی محمد قاسم براہیمی مظفر پور نائب صدر۔
☆ مولانا انیس القادری ہوڑہ صدادارۂ شرعیہ بنگال۔
☆ مولانا قمر الدین نعیمی بلبل بنگال نائب صدر۔
☆ مفتی محمد ایوب مظہر پورنیہ۔
☆ مولانا غلام رسول بلیاوی ناظم شعبۂ رابطہ اب مہتمم۔
☆ مولانا جمال احمد قادری نوادہ جوائنٹ سکریٹری اب صدر۔
☆ مولانا محمد حسین حقانی مدھوبنی ناظم تنظیمات اب سابق۔
☆ مولانا سید آل رسول اڑیسہ۔
☆ مولانا مفتی شمس الدین بہرائچی ناظم شعبۂ تبلیغ۔
☆ قاری رضی اللہ دیوریا۔

(بحوالہ رکارڈ فائل)

سالار کارواں علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے ان کانفرنسوں میں جن عناوین کی طرف خطوط کھینچے تھے وہ علامہ کی قوت ارادی، عمل پیہم اور آفاقی حلم وتدبر کے ترجمان تھے، وہ یوں ہے۔

☆ آج کے دور میں اپنے دین وایمان، علم وتہذیب اور اپنے شہری حقوق کی حفاظت ہم کس طرح کریں۔
☆ اسلام دشمن طاقتوں کی زد سے ہم اپنی اسلامی شریعت اور اپنی مقدس مسجدوں کو کس طرح بچائیں۔
☆ شادی بیاہ، نکاح وطلاق اور تربیت اولاد کے سلسلے میں اسلام کی صحیح تعلیمات کیا ہیں۔

☆ نمازیوں سے مسجدوں کو بھر دینا صرف عبادت ہی نہیں ہمارے بہت سارے مسائل کا حل بھی ہے۔

☆ ملت کے نوجوانوں کو وقت کی سب سے بڑی طاقت میں کس طرح تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

☆ اور اس ملک میں اپنی آواز کا وزن محسوس کرانے کے لئے مسلم اقلیت کی بکھری ہوئی قوتوں کو کسی طرح منظم کیا جائے۔

اس کے علاوہ شعبۂ تبلیغ کے تحت ۱۹۷۰ء سے اب تک بہت سارے چھوٹے بڑے اجلاس سمپوزیم، سیمینار، مباحثہ ومذاکرہ کا انعقاد کیا جاتا رہا ہے اسی طرح ادارۂ شرعیہ بہار نے ”رشتۂ نکاح بلا مطالبہ جہیز“ کے نام سے ایک ازدواجی مرکز قائم کر کے تاریخی اصلاحانہ کام کیا ہے، علامہ قادری، جو ہمیشہ قوم مسلم کی ابتری وبے بسی پر متفکر رہتے تھے، نے مختلف مقامات پر اصلاح معاشرہ کانفرنسوں کا انعقاد کر کے تحریک بیداری کی لہر پیدا کر دی تھی اور جملہ مسلمانوں خصوصاً نوجوانوں کی غیرت کو للکاتے ہوئے خطوط کھینچ کر پیغام دیا تھا۔ (یہ پیغامات بینروں، ہینڈ بل، پوسٹروں اور اخبار ورسائل میں شائع کرائے گئے تھے)

☆ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے پرہیز کیجئے یہ خاندان کی تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

☆ وہی نوجوان قوم کی آنکھ کا تارا ہے جس کے دامن پر اخلاقی رذالت کا کوئی دھبہ نہیں ہے۔

☆ منصب رسالت کا احترام اسلام کے ایوان کا سنگ بنیاد ہے۔

☆ عشق رسول ہی امت کے بکھرے ہوئے شیرازے کو متحدہ کر سکتا ہے۔

☆ اس ملک کا باعزت شہری بننے کے لئے اتنا بہت کافی ہے کہ آپ ہر شعبۂ زندگی میں ایک سچے مسلمان بنیں۔

☆ اولیاء کرام کی عقیدت روشن ماضی کے ساتھ ہمارا رشتہ جوڑتی ہے۔

☆ صرف تعلیم ہی راستے کی ساری رکاوٹوں کو دور کر کے اقتدار کی کرسی تک پہنچاتی ہے۔

☆ کسی بھی جمہوری ملک میں شہری حقوق حاصل کرنے کے لئے تنظیم واتحاد کی طاقت سب سے بڑی ہے۔

☆ شادی کے لئے جہیز کا مطالبہ غیر مسلم تہذیب کی علامت ہے۔

(بحوالہ ریکارڈ فائل ادارۂ شرعیہ آفس)

یہ شعبہ ہر موڑ پر دین وتبلیغ کا کام نہایت خلوص وللہیت کے ساتھ انجام دیتا رہتا ہے۔

شعبہ تنظیم وملی

اس شعبہ کا مقصد مسلمانوں کو منظم ومستحکم کر کے انصاف وحق کے ساتھ زندہ رہنے کے لئے اپنی آواز کو طاقتور بنانا، اسلامی تشخص کے ساتھ ہند میں مقیم دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ صلح وآشتی قائم کرنا اور تحفظ مدارس ومساجد، خانقاہ، اوقاف، مسلم پرسنل لاء اور مسلمانوں کو درپیش سلگتے مسائل کے لئے جد جہد کرنا ہے اس شعبے کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے علامہ قادری نے اپنی تحریکوں کے توسط مسلمانوں کو متحد کرنے کے لئے دورے بھی کئے، اتحادی قوت وافادیت کو تحریر وتقریر سے روشناس کرایا۔ مسلم مسائل کے حل کے لئے سربراہان اقتدار سے ملاقاتیں کیں میمورنڈم پیش کئے اور تاریخی کانفرنسوں، نمائندہ اجلاس کا انعقاد کر کے ملی مسائل کو بڑے شدومد کے ساتھ حکومت وقت کے سامنے رکھا، ۱۴؍۱۵؍اپریل ۱۹۸۲ء کو سیتا مڑھی میں تعمیر ملت کانفرنس (بحوالہ رفاقت) صوبہ بہار کے علاوہ اس شعبے کے زیر اہتمام اڑیسہ، بنگال اور آسام کے بیشتر علاقوں میں وہاں کے مسلمانوں کے درپیش ملی مسائل کے متعلق سے نمائندہ اجلاس منعقد کئے اور بہار کے ضلع سیوان، چھپرہ اور گوپال گنج سطح پر

اپنے آئینی حقوق کے باریابی کے تئیں خوابیدہ قوموں کو بیدار کرنے کے لئے ۱۹۸۵ء کو سیوان میں ''مسلم اقلیت'' بنام اسلامی کانفرنس کا انعقاد فرمایا۔ یہ کانفرنس دو اجلاس پر مشتمل تھی دن میں سیاسی اور رات میں مذہبی۔ سیاسی اجلاس میں اس وقت کے مرکز اور صوبہ کے مختلف وزراء ملک کے سیاسی عمائدین مدعو کے گئے تھے۔ کانفرنس کو تاریخ ساز بنانے کے لئے مذکورہ تینوں اضلاع پر مشتمل کمیٹیوں اور مجلس استقبالیہ کی تشکیل ہوئی تھی جس کا صدر دفتر دارالعلوم معینیہ حیدر نیا قلعہ سیوان کو بنایا تھا اور تینوں اضلاع میں پھیلے ہوئے اہلسنت کے ساتھ مدارس کے اراکین، اساتذہ اور ہزاروں طلبہ نے علامہ قادری قدس سرہ اور ذمہ داران ادارۂ شرعیہ کا بھرپور تعاون فرما کر کانفرنس کو کامیاب کیا تھا۔

قائد اہلسنت کے سینے میں ملت کا کس قدر درد اور اخلاص تھا جس کا اندازہ ۱۵؍نومبر ۱۹۸۱ کو ادارۂ شرعیہ بہار کا ترجمان پندرہ روزہ ''رفاقت'' کے جشن اجراء جس میں اس وقت بہار کے گورنر عزت مآب جناب اخلاق الرحمٰن قدوائی اور وزیر اعلیٰ بہار جناب ڈاکٹر جگن ناتھ مشرا مہمان خصوصی کی حیثیت سے شریک تھے، میں انہوں نے خطبۂ استقبالیہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا کہ ''ادارۂ شرعیہ بہار جس کی تقریب میں آپ حضرات شریک ہوکر ہمیں ممنون فرمارہے ہیں۔

اس کی بنیاد ۱۹۶۸ میں ریاست کے تین لاکھ مسلمانوں نے سیوان کی ایک کانفرنس کے موقع پر رکھی تھی، بارہ سال کی مدت میں ادارۂ شرعیہ بہار نے اپنے مذہبی، تعلیمی اور سماجی خدمات کے ساتھ ساتھ ملک کی سالمیت استحکام وترقی اور فرقہ وارانہ یکجہتی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ (بحوالہ رفاقت ۱۹۸۸ء)

علامہ قادری آگے یوں گورنر اور وزیر اعلیٰ کو مخاطب ہوکر بے باکی کے ساتھ ارشاد فرماتے ہیں ''اب رہ گیا اس ملک میں اقلیت کا کردار تو اس کے متعلق ساری دنیا جانتی ہے کہ اچھے دن ہوں یا برے ہر حال اور ہر موسم میں ہماری وفاداری اور حب الوطنی بکھرے ہوئے سونے کی طرح بے داغ رہی ہے۔ نہ ہم کبھی حکومتوں کے لئے دردسر بنے اور نہ ملک کے خلاف غداری کا چھوٹا سے چھوٹا واقعہ بھی کوئی ہماری طرف کر سکا اسی ملک میں لوگ اپنے حقوق کے لئے قیامت ڈھاتے رہے لیکن ہمارا صبر واستغناد یکھئے کہ ہم نے اپنے لئے کبھی شاہ راہوں پر کوئی خاموش مظاہرہ تک نہیں کیا ہم بارہا درد وکرب کی منزلوں سے گزرے اور گزرتے رہے لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ہم جذبات کے تلاطم میں کبھی بے قابو ہوگئے ہوں۔'' (رفاقت جولائی ۱۹۸۸ء) یہ ہیں علامہ کے خطبہ کا ایک حصہ جو اردو ادب اور دینی وملی جذبہ کا شاہکار ہے۔

ریلیف مشن

ادارۂ شرعیہ کا یہ شعبہ مصیبت زدہ مسلمانوں کی اخلاقی اور مالی امداد وخدمات سے تعلق رکھتا ہے اس شعبہ کے ذریعہ فسادات اور ناگہانی حوادث کے موقعہ پر راحت رسانی باز آبادکاری، بیواؤں اور یتیموں کی مدد کی جاتی ہے چنانچہ اڑیسہ میں قیامت خیز طوفان اور گجرات زلزلہ سے متاثرین کی امداد، بھاگلپور، سہسرام، سیتامڑھی اور ۲۸ فروری ۲۰۰۲ سے تادم تحریر جاری ریاست گجرات میں موجودہ ریاستی سرکار کے ایما پر منصوبہ بند مسلم کش فساد زدہ (ادارۂ شرعیہ کی ریلیف ٹیمیں اس وقت گجرات میں راحت رسانی کے کاموں میں سرگرم ہیں) علاقوں میں ادارۂ شرعیہ کے ریلیف مشن نے لٹے پٹے مسلمانوں یتیموں اور بیواؤں کی راحت رسانی اور آبادکاری کا کام جس دیانت داری اور جاں فشانی کے ساتھ کیا ہے وہ کسی پر مخفی نہیں ہے اسکے علاوہ ادارہ کا ریلیف مشن اپنے جماعتی اثر ورسوخ کے ذریعے ان مسائل میں بھی مسلمانوں کی مدد کرتا ہے جن کا تعلق حکومت سے ہے نیز ان ناگفتہ بہ حالات میں ماحول کو سازگار کرنے میں پولس انتظامیہ کو تعاون کیا جاتا ہے۔

مرکز تربیت افتاء

اس شعبے کے ذریعہ تقابلی امتحان میں کامیاب ہونے والے علماء کرام کو افتاء کی تربیت دی جاتی ہے تاکہ وہ فقہ حنفی کی روشنی میں نت نئے پیش آنے والے احکام کا استخراج کر کے امت مسلمہ کی رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکیں۔ اس کے لئے ان حضرات کو کھانے پینے اور رہنے سہنے کی سہولتوں کے علاوہ ماہانہ وظائف بھی دیئے جاتے ہیں اب تک اس شعبے سے تربیت افتاء کی تکمیل کر کے ۱۴ مفتیان کرام فارغ ہو چکے ہیں جنہیں جشن دستار مفتیان کرام کے موقع سے قائد اہلسنت حضرت علامہ ارشد القادری اور تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری میاں کے مقدس ہاتھوں سند افتاء سے نوازا جا چکا ہے۔

جمعیۃ ائمہ مساجد

یہ شعبہ ملک کی مسجدوں کے لئے ایسے افراد تیار کرتا ہے جو امامت کے صحیح فرائض انجام دے سکیں اور جہاں بھی رہیں ماحول کو اچھے عقیدہ اور کردار کے سانچے میں ڈھال سکیں، اس شعبہ سے تیار کردہ افراد کی تعداد ہزاروں میں ہے جو ملک کے طول وعرض میں منصب امامت پر فائز ہیں۔

شعبہ نشر واشاعت

یہ شعبہ پوسٹر، ہینڈ بل، تصنیف وتالیف، کتابچے، رسالوں اور دیگر مطبوعات کے ذریعہ پورے ملک میں عوام کی فکری اور عملی اصلاحات کے فرائض انجام دیتا ہے۔ اسی شعبہ سے ادارۂ شرعیہ کا ترجمان پندرہ روزہ ''رفاقت'' ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا جسے بعد میں ماہنامہ کر دیا گیا جس میں ہر محاذ پر مسلمانوں کی صحیح ترجمانی کی، علامہ ارشد القادری نے اپنے ادارتی صحافت کے توسط مسلمانوں کی خوابیدہ قوتوں کو بیدار کیا۔ پورے ملک میں رفاقت کے اجرا کا خیر مقدم کیا گیا اور بحسن وخوبی اکتوبر ۱۹۸۹ء تک جاری رہا۔ مگر بعدہ نامساعد حالت کے سبب اس کی اشاعت بند ہو گئی جسے دوبارہ ''علامہ ارشد القادری خصوصی شمارہ'' سے شائع کرنے کا اعلان علامہ علیہ الرحمہ کے ایصال ثواب کے لئے منعقدہ ۲ رمئی ۲۰۰۲ء، بمقام مکہ مسجد دھتکیڈیہہ جمشید پور کے اجلاس میں ادارۂ شرعیہ بہار کے مہتمم مولانا غلام رسول بلیاوی نے کیا۔ ادارۂ شرعیہ کا شعبہ نشر واشاعت، دینی، ملی، ملکی اور سیاسی معاملات میں گہری نظر رکھتا ہے جب ضرورت ذرائع ابلاغ کے توسط سے عوام وملت کی رہنمائی کے لئے پیغام بہم پہنچاتا رہتا ہے۔

کمپیوٹر ٹریننگ سنٹر

اس شعبہ کے ذریعہ غریب ونادار افراد کے بچوں کو عصری تعلیم سے آراستہ کر کے انہیں معاشی طور پر خود کفیل بنایا جاتا ہے تاکہ مستقبل میں وہ اپنی معاشی بدحالی پر قابو پا کر ایک خوشحال مسلم معاشرہ کے فردکی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے قابل ہو سکیں۔

یتیم خانہ

اس شعبہ کے توسط غریب ونادار اور یتیموں کی رہائش، خوراک اور لباس کے ساتھ دینی ودنیاوی تعلیم کی سہولت بہم پہنچائی جاتی ہے اب تک شعبہ یتیم خانہ سے سیکڑوں یتیم بچے تکمیل حفظ کے بعد خدمت دین میں مامور ہیں۔

ارزاں رضا لائبریری

لائبریری کا مقصد مدرسہ شرعیہ اور یتیم خانہ کے طلبہ کے اندر لکھنے پڑھنے کا شوق پیدا کرنا اور اسلامی وادبی تاریخ کے معلومات میں اضافہ کرنا ہے لائبریری میں اسوقت اسلامی، ادبی، تاریخی اور اصلاحی عناوین پر مشتمل پانچ ہزار سے زائد کتابیں ہیں جن سے طلبہ فرصت کے اوقات میں استفادہ کرتے ہیں۔

ادارۂ شرعیہ بہار اس وقت اپنی عمر کے ۳۴ رسالہ بہاریں گزار رہا ہے ان مدتوں میں اس کی ریاستی شاخیں جھارکھنڈ، بنگال، اتر پردیش، گجرات، آسام اور مہاراشٹر کے علاوہ کئی صوبوں میں پھیلی ہوئی ہیں اس نے اپنی عمر کی تین دہائیوں میں بہت نشیب فراز دیکھے کئی رخنوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا ہے باوجود اس کے بحمدہ تعالیٰ اراکین واساتذہ اور جملہ معاونین ومخلصین کے تعاون سے علامہ ارشد

القادری کی سربراہی میں ترقی کی منزلیں طے کرتا رہا۔ ادارہ شرعیہ سے بہار سمیت ملک کی معزز شخصیتوں، مشائخ، علماء کرام اور سینکڑوں مخلصین کا تعلق رہا ہے جنہیں انگلیوں پر گنا نہیں جاسکتا ہے۔

ادارۂ شرعیہ کا دائرہ کار پہلے صرف صوبۂ بہار تک محدود تھا مگر اب ملک کے مختلف صوبوں میں پھیل چکا ہے جو اس کا اصل مقصد بھی ہے جیسا کہ ادارہ کے اغراض و مقاصد کے مقصد اول سے ظاہر ہے کہ ملکی سطح پر مسلمانوں کو متحد و منظم کرنا'' (بحوالہ ریکارڈ فائل) اس کے دائرہ کار کے انجام دہی کے لئے تین نوعیت کی مجلسیں تشکیل دی گئی ہیں۔ (۱) مجلس منتظمہ (۲) مجلس شوریٰ (۳) اور مینجنگ ٹرسٹی۔

مجلس منتظمہ

بہتر افراد پر مشتمل ہے۔ جس کے صدر ناظم اعلیٰ قاضی شریعت اور صدر مفتی ایک ایک فرد اعلیٰ حکام کی حیثیت سے ہوتے ہیں ۱۹۶۸ء سے اب تک مختلف فیہ زمانہ میں صدر پانچ۔ ناظم اعلیٰ چار۔ قاضی شریعت دو۔ مہتمم تین اور صدر مفتی چار ہو چکے ہیں۔

مجلس شوریٰ

یہ مذہبی، علمی، ادبی، سماجی اور ثقافتی اشخاص پر مشتمل ہے جس کے عہدیداران و ممبران اضلاع و ریاست کے حساب سے ہوتے ہیں ہر ایک ضلع سے ۱۱؍۱۱ خصوصی معتمد اور ۲۵۱ سے ۵۵۱ تک ممبران اور ہر ایک ریاست سے ۱۱؍۱۱ معتمد اعلیٰ ہوتے ہیں اس طرح مجلس شوریٰ کے عہدیداران کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچتی ہے اب تک دس ہزار افراد اس کے خصوصی ممبر اور عوامی طور پر جملہ مسلمانان اہلسنت ہیں۔ مذکورہ دونوں مجلسوں کو چست و درست کرنے کے لئے خصوصاً مذہبی امور کی رہنمائی کے لئے یک رکنی اعلیٰ منصب ''امین شریعت'' عمل میں آتا ہے اب تک تین شخصیتیں اس عہدہ پر فائز ہو چکی ہیں جن کے مدت کار اس طرح ہے۔

☆ امین شریعت اول حضرت مفتی محمد رفاقت حسین علیہ الرحمہ از ابتداء ۲۸؍د، ۱۹۸۳ء

☆ امین شریعت دوئم حضرت ابوسہل مفتی انیس عالم علیہ الرحمہ ۲۹ دسمبر ۱۹۸۳ء تا ۱۰؍دسمبر ۱۹۹۹ء

☆ امین شریعت سوئم حضرت مفتی عبد الواجد قادری ۱۱؍دسمبر ۱۹۹۹ء تا حال۔

مینجنگ ٹرسٹی

یہ ملک کے مشاہیر، فقہاء، علماء اور دانشوران پر مشتمل ۱۱ رکنی کمیٹی ہے جسے ادارہ کے تمام بڑے اہم امور پر آخری فیصلے لینے کا اختیار حاصل ہے اس کا ایک چیئر مین ہوتا ہے اس کا دائرہ اختیار مجلس منتظمہ، مجلس شوریٰ اور مینجنگ ٹرسٹی کی کارکردگی اور احوال وکوائف پر نظر رکھنا اور احکامات و ہدایات جاری کرنا اور یہی چیر مین جملہ امور کا سربراہ اعلیٰ ہوتا ہے۔ (بحوالہ ریکارڈ فائل) سربراہ اعلیٰ اول اور بانی ادارۂ شرعیہ ہونے کی حیثیت سے اب تک علامہ ارشد القادری نے ایک سو پچاس سے زائد احکامات و ہدایات جاری کئے ہیں جو ادارہ کے لئے مشعل راہ ہیں۔ ادارۂ شرعیہ کی ترقی کے لئے ہمیشہ متفکر رہتے تھے انہوں نے اپنے خون جگر سے اسکو سینچا ہے۔ علامہ قادری کی رحلت سے سربراہ اعلیٰ کا عظیم منصب عہدہ خالی ہوگیا ہے۔ جس کے بعد ادارۂ شرعیہ کے سامنے دینی و عصری تقاضے درپیش ہیں اب ادارہ ایسی شخصیت کا اس منصب پر انتخاب عمل میں لائے جو پاسدار ملت اور آسمان رشد و ہدایت کا ستارہ ہو۔

ادارۂ شرعیہ نے ۳۴ سالہ عرصہ میں جو خدمات انجام دی ہیں ان کی لمبی فہرست ہے اور قوم و ملت کے سماجی زندگی پر اس کے بہت ہی دور رس اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ یہ وہ عظیم الشان مذہبی و ملی قلعہ ہے جو پورے ملک کے مسلمانوں کے دکھ درد میں محسن کی حیثیت سے ہر وقت کھڑا رہتا ہے مگر آج ادارۂ شرعیہ کے بام و در مخلصین وارا کین اساتذہ وطلبہ عالم اسلام کے عظیم مفکر سربراہ اعلیٰ محسن ادارہ اور حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ والرضوان کی رحلت پر ملال و غمزدہ ہیں۔

تحریر: شارق جمال ناگپوری

علامہ ارشد القادری ناگپور میں

ناگپور۔ ہندوستان کے وسط میں ہونے کے سبب، ہندوستان کا دل بھی کہا جاتا ہے۔ اور ہر مشکل دور میں اسے بھارت کا دارالسلطنت بنائے جانے پر بھی غور کیا گیا ہے۔ یہ شہر سنتروں کا شہر دوردور تک مشہور ہے اس شہر ناگپور کو آرینج سٹی کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ یہاں کسی زمانے میں باغات کی کثرت تھی جھیلوں کا سلسلہ میلوں تک تھا، غلے کی فصلیں خوب سے خوب تر ہوتی تھیں۔ ناگ پھنی کا جنگل بھی اطراف شہر کے خوب تھا۔ 1700ء سے قبل کی آبادی ناگ ونسی قوم پر مشتمل تھی۔ 1700ء کے بعد یہاں دوسری قومیں آکر آباد ہوئیں۔ دوسری قوموں کے ورود کا پتہ بھی اسی زمانے سے چلتا ہے۔

اس زمانے میں گونڈ قوم کا بھی عمل دخل تھا۔ دیوگڈھ کا راجہ جو گونڈ ہی تھا۔ ناگپور سے تقریباً ڈیڑھ سو میل دور رہتا تھا۔ ناگپور کو از سرِ نو آباد کیا۔ اور اسے اپنی راجدھانی بنا کر قریب کے علاقوں سے لوگوں کو بلا کر یہاں بسایا۔ خود نو مسلم تھا۔ مسلم تہذیب کا دلدادہ تھا۔ اور بحیثیت بلند شاہ کے مسلم نام سے مشہور ہوا۔ ہندو مسلم دونوں قوم کا چہیتا تھا۔ یہاں دوسرے مقامات سے آکر آباد ہونے والوں میں علماء اور فضلاء بھی تھے۔ لیکن برسوں تک کوئی دینی مدرسہ یا علوم دینوی کا کوئی مرکز قائم نہ ہوسکا۔

کافی زمانے کے بعد 1937ء میں فتح پور (یوپی) سے جب الحاج علامہ، مفتی عبدالرشید خاں صاحب فتح پوری نور اللہ مرقدہٗ۔ فتح پور سے ناگپور تشریف لائے اور یہاں کی دینی تعلیمی کمی کو محسوس کیا۔ تو ایک چھوٹے سے محلّے میں کرائے کا مکان لے کر ایک چھوٹے سے مدرسے کی بنیاد رکھی۔ پھر جلد ہی عام تشنہ گانِ علم دیں کے لئے صاحب حیثیت لوگوں کے مالی تعاون سے محلہ نعل صاحب میں ایک بڑا مکان خرید کر چھوٹے مدرسے کو "جامعہ عربیہ اسلامیہ" کا مبارک نام دے کر مذہبی، دینی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔

تعلیم کے کئی شعبے قائم کئے۔ ناظرہ اور حفظِ قرآن کے شعبے کے ساتھ۔ درسِ نظامی کا ایک شعبہ بھی اپنی کارکردگی انجام دینے لگا۔ عربی زبان میں مولوی کے تینوں کورس کے لئے اور فارسی زبان میں منشی کے تینوں کورس کے لئے اپنی شعبے قائم کئے گئے۔ ادیب کے بھی تینوں امتحان علی گڈھ کے نصاب کے مطابق دینے کا اہتمام کیا گیا۔ بعد ازاں یہاں سے علم تفسیر، علم فقہ، علم منطق وفلسفہ کی اسناد حاصل کرنے کا اسی مدرسے سے موقع ملا۔ اس طرح یہ دینی ادارہ بہت جلد پورے ہندوستان میں اپنی دینی خدمات کا پرچم لہرانے لگا۔

اپنے زمانے کے اِسی دینی علوم کے واحد مرکز جامعہ عربیہ اسلامیہ میں حضرت علامہ ارشد القادری دامت برکاتہم العالیہ، مدرسہ جامعۃ الاشرفیہ سے سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد 1943ء میں تشریف لائے۔ اور اسی مدرسے میں اپنی معلمانہ خدمات کا مبارک سلسلہ شروع فرمایا۔ کہ اِن دنوں مذکورہ دینی ادارے میں طالبانِ علم

دین کی آمد کا سلسلہ کثرت کے ساتھ شروع تھا۔علم دین کے حاصل کرنے کی ایک لہر تھی جس کے تحت طلباء کھنچے چلے آرہے تھے اور روز افزوں یہ تعداد بڑھ رہی تھی۔ اطراف کے علاقے کے علاوہ دور دراز کے علاقوں سے بھی جامعہ عربیہ اسلامیہ میں داخلے کے لئے علم دین کے طالبوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ایک تو یہ کہ حضرت مرحوم علامہ مفتی عبدالرشید خاں صاحب قدس سرہ کی ذاتِ ارفع صفات تھی جس کے سبب اور جن کی خالص اپنی دینی خدمات کے سبب پر آنے والا ملنے والا متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا۔ اس مدرسے کے سلسلے میں حضرت علامہ نوراللہ مرقدہٗ کی قربانیاں بھی بہت تھیں۔ایک دارُالیتٰمی بھی قائم کیا تھا۔ جس میں غریب باپ کی علم دین سے شوق اور رغبت رکھنے والی اولاد کے مستفید اور مستفیض ہونے کے کافی روشن مواقع تھے۔

حضرت علامہ مولانا ارشدالقادری مدظلہٗ العالی اس دینی ادارے سے کسی خاص سبب کے تحت دو تین سال بعد ہی علاحدہ ہو کر بہ رضا و رغبت مدرسہ اسلامیہ، مومن پورہ میں منتقل ہوئے۔ یہاں شبینہ مدرسہ قائم کیا گیا۔ علامہ موصوف نے اس شبینہ مدرسے سے اپنے دینی علمی مشن کو شروع کیا۔اس موقع پر غالباً استاذ العلماء حضور حافظِ ملت بھی تشریف لائے تھے۔انہیں کی ایما پر یا خود موصوف کے اشارے پر اس مذکورہ مدرسے کا نام "مدرسہ شمس العلوم" رکھا گیا۔

مدرسۂ اسلامیہ یا مدرسہ شمس العلوم مومن پورہ، ناگپور میں ناظرہ، حفظ قرآن کریم اور درس نظامی کے پڑھانے کا خاص اہتمام سے سلسلہ شروع کیا گیا۔ خود علامہ موصوف مدظلہٗ العالی بخاری شریف، شرح وقایہ کا درس طلباء کو دیتے تھے۔آپ کے زمانے میں جو طلباء تھے یا جو آپ کے تلامذہ تھے اُن میں مولانا محمد یٰسین صاحب، مولانا صفی اللہ صاحب بناری۔ مولانا رحمت اللہ صاحب راشد احمد آبادی اور عبدالجلیل صاحب خاص طور سے قابل ذکر طلباء شمار ہوتے ہیں ان افراد کا ذکر علمی مجلسوں میں یا حضرت علامہ موصوف کے ذکر کے ہونے پر آج بھی علامہ موصوف کے لائق و فائق تلامذہ ہوتا ہے۔

حضرت مولانا ارشد القادری مدظلہٗ العالی کی شخصیت کافی جاذبِ نظر اور پرکشش تھی جو ایک مرتبہ آپ سے مل بیٹھتا، بار بار ملنے کی تمنا کرتا۔ ہر کسی سے محبت کے ساتھ ملتے۔ نرم لہجے میں گفتگو کرتے۔مشفقانہ انداز گفتگو ہوتا۔متاثر کرنے والا لہجہ ہوتا۔علم و ادب کے قدرداں تھے۔شعر و ادب سے گہرا تعلق تھا۔خود بھی اشعار کہتے اور ادب دوستوں کو شعر فہموں کو سناتے۔عمدہ شعر تخلیق کرنے والوں کے نعتیہ شعر سنتے بھی تھے۔لیکن اس ادبی ذوق و شوق کے ہوتے ہوئے بھی ایک مخصوص حلقے میں رہے۔اپنے ادبی حلقے کو وسیع نہیں کیا شعری محفلوں سے خود کو دور رکھا۔یہ آپ کی انا نہیں تھی احتیاط و خود داری تھی لیکن اس احتیاط و خود داری میں تکبّر اور بڑائی کا غلط جذبہ یا عنصر نہ تھا۔کہ ایک دینی علمی مشن کو چلانے والی اہم اور بلند شخصیتوں میں سے آپ ایک تھے۔

جس زمانے میں حضرت علامہ ارشد القادری دامت برکاتہم مدرسۂ اسلامیہ میں درس و تدریس کے سلسلے کو پوری تندہی اور دلچسپی کے ساتھ قائم کئے ہوئے تھے۔لائق و فائق طلبہ کو دینی تعلیم سے آراستہ فرما رہے تھے۔اس زمانے میں میں نے بھی اپنے ادبی سفر کا آغاز کیا تھا۔ادبی دنیا میں اور شعر گوئی کی دنیا میں قدم رکھنے کا یہ میرا اپنا بھی زمانہ تھا۔شعر گوئی کا نیا نیا ذوق تھا۔اور برِّصغیر ہند و پاک کے معروف شاعر، مرحوم حضرت طرفہ قریشی سیمابی کے تلامذہ میں تھا۔روزانہ ان سے ملاقات ہوتی۔ملاقات کے دوران وہ جہاں بھی جاتے مجھے بھی ساتھ لے لیتے۔ ہر جگہ میں ان کے ساتھ ہوتا۔حضرت استاذ مرحوم ان دنوں مہدی باغ کالونی لال گنج میں پرائمری اسکول میں مدرس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔شام 5 بجے تک وہ بھی مومن پورہ آجاتے۔ میں بھی اپنے مشاغل سے فراغت کے بعد ان سے ملنے آجاتا۔۔مومن پورہ محمد علی روڈ پر الحاج عبدالعزیز صاحب جو شعر

وادب کے دل دادہ تھے ان کی دوکان پر ہم جمع ہوتے۔ اور یہیں سے اکثر مدرسہ اسلامیہ، عصر اور مغرب کے درمیان علامہ موصوف سے ملاقات کی غرض سے پہنچ جاتے۔ جہاں مدرسے کی بلڈنگ میں فرسٹ فلور پر شمالی حصے کے ایک درمیانی کمرے میں حضرت علامہ مدظلہ العالی کا دفتر تھا یا ان کی لائبریری تھی۔

یہیں دونوں بزرگوں میں علمی۔ دینی اور ادبی گفتگو بھی ہوتی۔ کبھی کبھی سننے اور سنانے کا سلسلہ بھی چل پڑتا۔ ان ملاقاتوں سے مجھے بھی علم ہوا کہ حضرت موصوف ایک مثالی معلم ہی نہیں ایک عمدہ نعت گو شاعر بھی ہیں۔ آنحضورﷺ سے گہری محبت کے سبب عشق محمد ﷺ میں ڈوبے ہوئے شعر تخلیق فرماتے ہیں۔ اور ان عشق میں ڈوبے ہوئے اشعار سنانے کا اسلوب بھی ماشاء اللہ خوب ہوتا تھا۔ لیکن ان مختصر ملاقاتوں میں جو چند ماہ ہی کی رہیں۔ افسوس ہے کہ میرے علم میں یہ بات نہ آسکی کہ علامہ موصوف اردو زبان کے ایک صاحبِ طرز نثر نگار بھی ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش بڑا ہی عمدہ اور متاثر کن ہے۔ آپ کا تنقیدی شعور بھی آپ کے ہم عصروں میں منفرد انداز کا ہے۔ آپ کے مکتوب بھی ایک ادبی اور علمی شہ پارے کی حیثیت کے ہوتے ہیں۔

آج بھی حضرت علامہ موصوف کا نورانی چہرہ، نورانی پیکر آپ سے ملاقات کا نقش وعکس، مشفقانہ لہجے کا ٹھہراؤ تصور کی وادی کو روشن اور منور کر دیتا ہے۔ اور جب تک زندگی ہے علامہ موصوف کی یادیں ہیں۔ میں اپنی وادئ تصور کو روشن اور تابناک دیکھتا رہوں گا۔ آپ کے نرم اور مشفقانہ لہجے کی تابنا کی، علمی، دینی، ادبی گفتگو کی روشنی سے مستقبل میں بھی اپنے ذہن کے پردے کو روشن دیکھتا رہوں گا۔ اور طمانیت حاصل کرتا رہوں گا۔

آج یہ یاد نہیں کہ علامہ موصوف نے کن وجوہ کی بنا پر ناگپور کو خیر باد کہا۔ صرف اتنا ذہن کے پردے پر نقش کی طرح رہ گیا ہے کہ 1952ء میں اپنے چند ہونہار طلباء کو ایک جلسے میں دستار فضیلت سے سرفراز فرما کر اپنے ارادت مندوں اور احباب کو نیز سعادت مند تلامذہ کو ملول اور رنجیدہ حالت میں چھوڑ کر سرزمین جمشید پور (ٹاٹا نگر) کی طرف کوچ فرمایا۔

ناگپور کی سرزمین حضرت علامہ موصوف کو غالباً راس نہیں آئی۔ یا قدرت کچھ اور بڑا اور اہم کام لینا چاہتی تھی۔ اور قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ مشرقی ہند کے شہر جمشید پور کی سرزمیں جو قدرت نے غالباً پہلے سے مخصوص کر رکھی تھی۔ آپ کے حق میں آپ کے علمی، دینی کارنامے انجام دینے کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی کہ ناگپور چھوڑنے کے بعد یہاں آپ نے مدرسہ فیض العلوم کی بنیاد ڈالی۔ گو زمین سخت تھی۔ لیکن ایک مردِ آہن اور خدائی مدد کے آگے اسے نرم ہونا پڑا۔

اسی جمشید پور کی سرزمین پر مدرسہ فیض العلوم قائم کر کے اسے بے مثال ترقی سے ہم کنار کیا۔ یہیں رہ کر بستی حضرت نظام الدین اولیاءؒ میں داعیان دین مبین کے لئے دہلی جیسے بڑے شہر میں ایک بڑا علم دین کا مرکز قائم کیا۔ جس نے بین الاقوامی شہرت حاصل کی ہے۔

علامہ موصوف نے الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر میں اپنی بے مثال قربانیاں پیش کر کے اپنے مرشد کامل کا دل جیتا۔ یہیں سے آپ نے اپنی صحافتی خدمات کا سلسلہ شروع کیا۔ جس کے سبب کئی معروف رسالے سے دینی خدمات کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوا۔ شاید صحافتی خدمات ناگپور کے حصے میں نہ تھی۔ اس لئے علامہ موصوف نے منتقل ہونے کا ارادہ فرمایا۔

دعوت وتبلیغ کے ضمن میں اپنے قلم وفکر سے میدان سر کرنے والے علامہ ارشد القادری مدظلہ العالی نے یہیں سے اپنی تصنیفی، تالیفی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر خدمتِ دین کے جذبہ ہائے سعید و بلیغ

کی طمانیت کی خاطر کئی معرکۃ الآرا کتب طباعت کے مراحل سے گزار کر ملتِ اسلامیہ کے افراد کے سامنے پیش کیں۔ جو غالبًا ناگپور میں رہ کر یہ دینی کارہائے نمایاں ممکن نہ تھا۔ یہ اس کے لئے ناگپور میں وسائل کی کمی تھی۔

تعمیر مساجد و مدارس میں پوری دل جمعی کے ساتھ حصہ لینے والے علامہ موصوف نے ملک اور بیرون ملک میں دینی اداروں کی شاخیں قائم کرنے کے ساتھ ساتھ سیاسی خدمات میں پیچھے نہیں رہے۔ ملتِ اسلامیہ کے افراد کا درد، روزِ اول سے دل میں لئے ہوئے تھے، مسئلہ کشمیر، تحفظ بقائے افرادِ ملت، تحفظ مدارس و مساجد و اوقاف، مسلم پرسنل لا۔ ایمرجنسی اور نس بندی، مسئلہ بابری مسجد، سیاسی افراد سے مناسب تعلق، میل جول، ملت کے تمام مسائل سے دلچسپی اور ان کے حل کے لئے سوچنا ناگپور میں رہ کر ممکن نہ تھا کہ اتنی تندہی اور فکر سے پوری اپنی فطری بصیرت کے ساتھ ان سے کام لے کر آگے بڑھنا نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے علامہ موصوف نے ناگپور سے دور جمشید پور میں مدرسے کی ایک بنیاد ڈالنا قبول فرمایا۔

فاتح صوبۂ بہار (موجودہ جھارکھنڈ) حضرت علامہ موصوف کا علمی اور روحانی مقام بہت بلند ہے۔ کوہِ ہمالہ سے بھی اونچا ہے، درس نظامی پر، مکمل دسترس رکھنے والے علامہ موصوف فن تفسیر کے ماہر ہیں۔ علم حدیثِ نبوی ﷺ کے فن پر گہری نظر رکھنے والے علامہ موصوف علم فقہ اسلامی سے طالبانِ علم فقہ کو سیراب کرنے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں۔ عربی زبان پر عمیق نگاہ رکھنے والے علامہ موصوف اردو زبان کو بھی ارتقاء کی منزل سے ہمکنار کرنے میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ آپ کی ان فطری صلاحیتوں کا لوہا آج بھی اسلامی دنیا مانتی ہے اور ہمیشہ مانتی رہے گی۔

ان فطری صلاحیتوں سے ناگپور میں مستقل قیام فرما کر کام لینے کے مواقع غالبًا نہ تھے۔ یا مل نہ سکتے تھے۔ اسلئے سرزمین جمشید پور کاتبِ تقدیر نے آپ کے مقدر میں لکھی۔ کہ یہیں سے آپ اپنی دینی، علمی، تدریسی، سیاسی، صحافتی، تنظیمی، روحانی خدمات انجام دیں۔

علامہ موصوف کا روحانی مقام بھی۔ آپ کے ہم عصروں میں کم نہیں، بلند تر ہے، فاضل بریلوی حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحبؒ سے روحانی اور فکری تعلق بھی آپ کا ہے۔ اپنے ارادت مندوں کے لئے سلسلہ بیعت بھی قائم کر رکھا ہے۔ سرورِ کائنات حضور ﷺ سے سچی اور والہانہ محبت کے سبب آپ کا تصورِ عشق صادق بڑی سربلندی کا حامل ہے۔ بزرگان دین اور اولیائے کرام سے دل کی گہرائیوں کے ساتھ عقیدت و محبت نے غالبًا سلوک کی منزل کی طرف بڑھنے کے مواقع فراہم کردیئے ہیں۔

ایسی ہی علمی اور روحانی بلند و بالا شخصیتیں ہی منزل سلوک سے گزر کر اپنے وقت کے قطب ہوتے ہیں۔ ایسی ہی عملی اور روحانی شخصیتیں ہی اپنے روحانی کردار کے سبب قربِ خداوندی حاصل فرما کر عوام الناس کو مستفیض فرمانے کا ذریعہ بنتی ہیں۔ ایسی ہی علمی اور روحانی کردار والی شخصیتوں کے لئے عام مجلسوں کے ساتھ روحانی مجلسوں میں دعائیں ہوتی ہیں۔ کہ خدائے پاک انہیں عمرِ خضرؑ عطا فرماتا کہ افرادِ ملت تادیر ان روحانی بزرگوں سے مستفید و مستفیض ہوتے رہیں۔ (آمین ثم آمین)

علامہ ارشد القادری
اور
تحفظ ناموس الوہیت ورسالت

مولانا آلِ مصطفیٰ مصباحی
استاذ فقہ اسلامی، جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی مئو

انسان کے اقبال کی ارجمندی کا راز اس کے "فکر واعتقاد" کی صحت وسلامتی میں مضمر ہے، اعتقاد کی درستگی، اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت ووفاداری اور دین اسلام پر حقیقی وارفتگی، ذرہ کو آفتاب اور قطرہ کو سمندر بنادیتی ہے۔ اور ایک معمولی انسان زمانہ کی توجہ کا مرکز بن جاتا ہے۔ خیر القرون سے آج تک منصب بلند پر فائز علماء وصلحاء کی تاریخ اسی بات کی شاہد ہے۔

جب ہم اس تناظر میں مناظر اہل سنت رئیس القلم علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ کے گوشہ ہائے حیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام میں ان کو جو مقام رفیع اور رتبۂ بلند ملا ہے اس کے اسباب وعوامل گوکہ مختلف اور متنوع ہیں مگر ان سب میں بطور نقطۂ اشتراک ایمان واذہان کی پختگی اور دینی تصلب کے ساتھ ساتھ اسلام وسنیت کی ترویج واشاعت اور تحفظ ناموس الوہیت ورسالت کا عظیم وجلیل کارنامہ ضرور شامل ہے۔ علامہ موصوف کی پوری زندگی اسی روشن و پائیدار جذبے اور قابل احترام احساس وعمل سے سرشار رہی ہے۔ ملک ہو یا بیرون ملک جہاں گئے اسلام وسنیت کی اشاعت آپ کا اولین نصب العین رہا۔ آپ کی تمامتر دینی وملی تگ ودو تحفظ ناموسِ الوہیت ورسالت کی خاطر رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اصاغر سے لیکر اکابر تک علامہ موصوف کے علم ودانش، اصابت فکر وفہم دین اور عبقری صلاحیت کی تحسین کرتے ہیں ایک غیر جانبدار شخص جب آپ کے کارناموں پر نگاہ عمیق ڈالتا ہے تو اسے یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ علامہ ممدوح نے علمی، دینی، فکری، تحریری، تعمیری، تبلیغی، اشاعتی، ہر میدان میں "تحفظ ناموس الوہیت ورسالت" کا گرانقدر کارنامہ انجام دیا ہے۔

زیر نظر مقالے میں اس تعلق سے صرف چند بنیادی گوشوں کا سرسری جائزہ پیش کیا جارہا ہے جن سے میرے دعوے کی صداقت کا یقین کرنے میں کسی بھی اہل نظر کو تامل نہ ہوگا۔

(۱) اسلام کی ترویج میں مدارس اسلامیہ کا کیا رول ہے؟ وہ اہل فکر و دانش سے مخفی نہیں بلکہ عالمی حالات کے تناظر میں یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ اگر آج اسلامی مدارس نہ ہوتے تو دین کی اشاعت کا کام ماند پڑ چکا ہوتا۔ دوسری طرف وہاں دیوبندی مکاتبِ فکر کے اداروں سے فارغ ہونے والے افراد اپنے پیشواؤں کے اقتداء واتباع میں شانِ الوہیت ورسالت میں بے ادبی وگستاخی کا جو مزاج لے کر نکل رہے تھے اس کی روک تھام کا کوئی مستقل حل ضروری تھا جس کے لئے سنی اداروں کا قیام ناگزیر تھا۔ مناظر اہلسنت رئیس القلم نے وقت کی اس اہم ترین ضرورت کو محسوس کیا۔ گوکہ اس وقت تک اپنے متعدد ادارے معرض وجود میں آچکے تھے۔ تاہم ان کی تعداد معمولی تھی اور ملک کے اہم خطوں میں اس کے قیام کی ضرورت بشدت محسوس کی جارہی تھی۔ جو رئیس القلم نے اس اہم ضرورت کو محسوس کیا کہ بے اس کے اسلام وسنیت کی خاطر خواہ اشاعت نہیں ہوسکتی اور نہ ہی اس بڑھتے ہوئے

سیلاب گمراہی کی روک تھام کے لئے مظبوط بند باندھا جاسکتا ہے اور نہ ہی ناموس الوہیت ورسالت پر کئے جانے والے اوچھے حملوں کا بھر پور دفاع کیا جاسکتا ہے ہے چنانچہ آپ نے اس اہم ترین ضرورت کی تکمیل کے لئے انتہائی جانفشانی اور غیر معمولی جدّ وجہد اور کوشش و محنت سے صرف ہندوستان کے اندر کوئی ۲۸ ادارے قائم فرمائے ان میں بعض ایسی جگہیں بھی شامل ہیں جہاں ہمہ شما مدرسہ کے قیام کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جس میں بہار، بنگال، آسام، اڑیسہ، یوپی، دہلی جیسے مقامات شامل ہیں۔ اور بیرونی ممالک میں ہالینڈ برطانیہ، امریکہ میں آپ نے تعلیمی ادارے قائم فرمائے۔ ورلڈ اسلامک مشن (لندن) اور دعوت اسلامی (کراچی) جیسے تبلیغی ادارے اور ہندوستان میں دینی، ثقافتی اداروں اور تنظیموں میں ادارۂ شرعیہ پٹنہ بہار، کل ہند مسلم پرسنل لا کانفرنس سیوان، کل ہند مسلم متحدہ محاذ رائے پور ایم۔پی۔ آپ کے دینی وملی احساسات اور تحفظ ناموس الوہیت و رسالت کے جذبۂ گرانمایہ کی روشن دلیل ہے۔ آپنے بحث ومناظرہ، ردوابطال اور تحریر وتقریر کے ذریعہ تحفظ ناموس الوہیت ورسالت کے تعلق سے جو قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

اب ہم ذیل میں ان کے مناظرانہ ومتکلمانہ بحثوں اور تحریروں کی روشنی میں یہ شواہد فراہم کریں گے کہ علامہ ارشد القادری۔ علیہ الرحمہ نے تحفظ ناموس الوہیت ورسالت سے متعلق زندگی بھر تن تنہا جو جدوجہد کی ہے وہ مجموعی اعتبار سے کسی عظیم ادارے کی خدمات سے کم نہیں۔

مناظرہ

اظہار حق کی خاطر دوشی کے درمیان پائی جانے والی نسبت میں دو اشخاص کا برسر پیکار ہونا۔ هو توجه المتخاصمين فى النسبة بين الشيئين اظهاراً للصواب (مناظرہ رشیدیہ)

مناظرہ اور مباحثہ کو ہر دور میں اظہار حق کا بہترین ذریعہ مانا گیا ہے۔ خدا کی وحدانیت پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مناظرہ نمرود سے ہوا۔ جو خدائی کا دعویدار تھا۔ قرآن کریم میں ان کے مناظرہ کا ذکر اس طرح ہے۔ ''اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تھا کہ اُسے جو ابراہیم سے جھگڑا اس کے رب کے بارے میں اِس پر کہ اللہ نے اسے بادشاہی دی۔ جبکہ ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے کہ جوجلاتا اور مارتا ہے۔ بولا میں جلاتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے فرمایا تو اللہ سورج کو لاتا ہے پورب سے تو اس کو پچھم سے لے آ۔ تو ہوش اڑ گئے کافر کے اور اللہ راہ نہیں دکھاتا ظالموں کو (سورہ بقرہ پ۳، آیت ۲۵۸)

کوئی ایک صدی سے وہابیوں، دیوبندیوں نے انگریزوں کی شہہ پر ناموس الوہیت ورسالت پر جواوچھے حملے تحریر وتقریر کے ذریعہ شروع کئے ہیں وہ کسی بھی زندہ ضمیر رکھنے والے صحیح العقیدہ مسلمان کے لئے قطعی ناقابل برداشت ہیں۔ اس خصوص میں مولوی اسماعیل دہلوی کے علاوہ دیگر اکابرین دیوبند میں مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کے نام سرفہرست ہیں۔

غیر منقسم ہندوستان کی صاف وشفاف فضا کو ان اکابرین دیوبند نے اس طرح مکدر کردیا ہے اور مسلمان افتراق وانتشار کا ناقابل بیان حد تک شکار ہو چکے ہیں۔ علماء اہلسنت نے تقریر وتحریر اور بحث ومناظرہ کے ذریعہ ان اکابرین دیوبند کی گستاخیوں اور انکار ضروریات دین کے عقیدے پر کاری ضرب لگائی ہے۔ اور سادہ لوح عوام کو باطل و فاسد عقیدے سے آگاہ فرما کر تحفظ ناموس الوہیت ورسالت کا گراں قدر فریضہ انجام دیا ہے، ماضی قریب میں جماعت اہلسنت کے سرکردہ مناظرین ومتکلمین میں رئیس القلم علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ تعالی علیہ بھی ہیں۔ جن کی مناظرانہ ومتکلمانہ مہارت کا اندازہ آپ اس سے بھی لگا سکتے ہیں کہ آپ کو ہماری صف ثانی کے اکابر علماء ومشائخ متفقہ طور پر عموماً اہل باطل سے مناظرہ کے لئے منتخب

فرماتے تھے۔ حضور مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمٰن قادری علیہ الرحمہ کے تو آپ معتمد خاص تھے۔

آپ نے چھوٹے بڑے متعدد مناظرے کئے ہیں جن میں چھ مناظرے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مناظرے کی تفصیلات تو بہت ہیں۔ لیکن مناسب خیال کرتا ہوں کہ ان کی مختصر جھلکیاں پیش کردی جائیں۔ مناظر اہلسنت نے اپنی خودنوشت سوانح عمری میں اپنے پہلے مناظرے کی جو جھلک پیش فرمائی ہے۔ اختصار کے ساتھ انہیں الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے۔

پہلا مناظرہ

یہ مناظرہ مولوی اشرف علی تھانوی کی کتاب حفظ الایمان کی کفری عبارتوں پر ہوا۔ اہلسنت کی طرف سے صدر جلسہ حضور مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ قادری الہ آبادی علیہ الرحمہ تھے جبکہ دیوبندیوں کے طرف سے صدر جلسہ مولوی اسمٰعیل سنگی تھے۔ دیوبندیوں کی طرف سے مولوی منظور نعمانی کے استاذ مولوی عبد اللطیف نعمانی مناظر تھے جبکہ اہلسنت کی طرف سے مجھے مقرر کیا گیا۔ مناظرے کے دوسرے دن بحث کے دوران دیوبندی مناظر کو اقرار کرنا پڑا کہ حفظ الایمان کی عبارت میں لفظ ایسا تشبیہ کے لئے ہے اور اس عبارت کے ذریعہ علم پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رذائل کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو موجب اہانت وکفر ہے۔ اس اقرار کے نتیجے میں سارے مجمع پر یہ بات واضح ہوگئی کہ مولوی اشرف علی تھانوی اور ان کی حمایت کرنے والے دیوبندی مناظرین اقراری طور پر اہانت رسول کے مرتکب اور خارج از اسلام ہیں۔

یہ اعلان ہونا تھا کہ دیوبندی مناظرین اسٹیج چھوڑ کر بھاگ گئے اور اہلسنت نے فتح مبین زندہ باد کے نعرے لگائے۔

دوسرا مناظرہ

علامہ موصوف کا دوسرا مناظرہ بھوا بازار ضلع چھپرا بہار میں ہوا۔ مناظرہ قیام وسلام کے موضوع پر تھا۔ قیام وسلام اگرچہ کوئی ایسا عمل نہیں جس کے انکار یا ترک پر گمراہی یا گناہ کا حکم لگایا جا سکے۔ اور نہ ہی یہ سنیوں اور دیوبندیوں کے درمیان اختلاف کی اصل بنیاد ہے۔ لیکن چونکہ دیوبندیوں وہابیوں نے نبی کی تعظیم کے ہر پہلو کو ترک کرنا اور اس کے خلاف بکواس کرنا اپنا شعار بنا لیا ہے۔ اس حیثیت سے اسکی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔

اس مناظرے میں اہلسنت کی طرف سے بحیثیت صدر سلطان المتکلمین علامہ مفتی رفاقت حسین صاحب قبلہ مفتی اعظم کانپور تھے۔ اور دیوبندی جماعت کی طرف سے مولوی نور محمد ٹانڈوی صدر دیوبند تھے۔ اور مناظر مولوی عبد السلام لکھنوی دیوبندی تھے۔ یہ مناظرہ صرف ایک دن میں تمام ہوگیا اور دیوبندیوں کی شکست فاش ہوئی۔ اس مناظرہ کا محرک مولوی عبدالسلام لکھنوی کی تقریر تھی۔ جب انہوں نے قیام وسلام کی مذمت کرتے ہوئے اُسے ناجائز حرام قرار دیا تھا۔ مناظر اہلسنت حضرت رئیس القلم رحمۃ اللہ علیہ کی مناظرانہ گرفت کا اندازہ آپ اس اجمالی روداد سے لگا سکتے ہیں۔ جو خود حضرت رئیس القلم نے بیان فرمائی ہیں۔ آپ رقم طراز ہیں.....

"جب مناظرہ شروع ہوا تو اس موضوع پر بحث کے آغاز سے پہلے میں نے ان سے سوال کیا کہ قیام وسلام کے بارے میں آپ کا جماعتی عقیدہ کیا ہے۔ آپ اس کو حرام سمجھتے ہیں یا جائز سمجھتے ہیں۔ سوال کے تیور سے انہوں نے سمجھ لیا کہ اگر میں حرام کہتا ہوں تو یہ بحث مجھے مخمصے میں ڈال دیگی۔ اس لئے انہوں نے جواب سے جان چھڑانے کے لئے الٹے مجھ سے سوال کردیا کہ آپ بتایئے کہ آپ قیام وسلام کو کیا سمجھتے ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ میرے سوال کے بعد آپ کی حیثیت صرف مجیب کی ہے۔ آپ جواب دے سکتے ہیں تو جواب دیجئے ورنہ صاف صاف کہ دیجئے کہ میں جواب نہیں دے سکتا۔ پھر وہ کھڑے ہوئے اور الٹے مجھ سے سوال کرتے رہے۔"

دیوبندی مناظر کی اس بے اصولی گفتگو کا کیا نتیجہ نکلا؟ علامہ موصوف کی زبان ملاحظہ فرمائیں۔

''جب کئی بار ایسا ہوا تو مجمع میں سے بہت سے لوگ کھڑے ہوگئے اور انہوں نے چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا کہ آج سے تین ماہ پہلے آپ ہی یہاں آئے تھے اور آپ جلسے میں گلا پھاڑ پھاڑ کر چیختے رہے کہ سلام وقیام حرام ہے، سلام وقیام حرام ہے۔ لیکن آج جب شیر آیا ہے تو وہی بات اس کے سامنے کیوں نہیں دہراتے۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ ہم لوگوں کو مورکھ سمجھ کر آپ نے دھوکا دیا۔ جب آپ ہمارے مناظر کے سامنے اپنا عقیدہ نہیں بیان کر سکتے تو پھر آپ بحث کیا کریں گے۔''

عوام کے جوابی مطالبات اس قدر پرزور تھے کہ دیوبندی مولوی کو اسٹیج خالی کرنا پڑا اور سب فرار ہوگئے۔

تیسرا مناظرہ

بمقام نیر ضلع امراوتی (مہاراشٹر) میں ایک قلعہ کے اندر ڈی ایس پی کی موجودگی میں ہوا۔ اس مناظرہ کا موضوع ''تبلیغی جماعت'' تھا۔ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے اپنی افتتاحی تقریر میں اپنے حریف دیوبندی مناظر مولوی ارشاد احمد مبلغ دارالعلوم دیوبند کو مخاطب کر کے ملفوظات مولوی الیاس کے حوالے سے دعویٰ کیا کہ ''تبلیغی جماعت کے قیام کا مقصد قرآن وحدیث کی تعلیمات کو پھیلانا نہیں ہے بلکہ مولوی اشرف علی تھانوی کی تعلیمات کو عوام میں پھیلانا ہے اس لئے اہلسنت کے جو علماء تھانوی صاحب کی تعلیمات کو قرآن وحدیث کے خلاف سمجھتے ہیں انہیں بجا طور پر حق پہنچتا ہے کہ وہ تبلیغی جماعت کا خود بھی بائیکاٹ کریں اور اپنے عوام کو بھی تبلیغی جماعت سے الگ رہنے کی تلقین کریں۔

اس کے جواب میں مولوی ارشاد نے جو کچھ کہا اس پر علامہ صاحب نے اتنی شدید گرفت فرمائی کہ ڈی ایس نے کھڑے ہو کر کہا۔

''دونوں طرف کی گفتگو سننے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تبلیغی جماعت سے سنی بریلوی علماء کی علیحدگی مظبوط بنیادوں پر ہے اور انہیں قطعاً حق پہنچتا ہے کہ خود بھی تبلیغی جماعت سے علیحدہ رہیں اور اپنے عوام کو بھی علیحدہ رہنے کی تلقین فرمائیں اس کے بعد انہوں نے مناظرے کے اختتام کا اعلان کر دیا۔''

چوتھا مناظرہ

چوتھا مناظرہ بمقام بولیا، مندسور، راجستھان میں ہوا، دیوبندیوں کے صدر مولوی نور محمد ٹانڈوی تھے اور مناظر کی حیثیت سے مولوی ارشاد احمد دیوبندی تھے۔ جب آپ نے حفظ الایمان کی عبارت پر گرفت فرمائی اور المہند کے فریب کا پردہ چاک کیا تو دیوبندی مناظر آپ کے استدلال والزام کی تردید نہ کر سکا۔ نہ ہی اس سے جواب بن پڑا دوسرے دن پھر مناظرے کا اعلان ہوا۔ مگر دیوبندیوں کے مناظر ومعاونین نے راہ فرار اختیار کرنے میں اپنی عافیت سمجھی۔

پانچواں مناظرہ

پانچواں مناظرہ بمقام جھریا ضلع دھنباد، بہار میں ہوا، اس میں بحیثیت صدر حضور مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمٰن علیہ الرحمہ تھے۔ اور دیوبندی اسٹیج کے صدر مولوی ارشاد احمد تھے جب کہ مناظر کی حیثیت سے مولوی طاہر گیاوی کا نام پیش کیا گیا تھا۔

دیوبندی مناظر تو سنی مناظر کے الزام کی تردید سے عاجز رہا۔ البتہ اس نے الملفوظ کے حوالے سے چند عبارتیں پیش کر کے سنی مناظر کو مخاطب کر کے کہا کہ آج آپ کی باری ہے کہ آپ اپنے اکابرین کا مسلمان ہونا ثابت کریں۔ اس کے جواب میں حضرت مناظر اہلسنت نے دیوبندی مناظر کی جو گرفت فرمائی ہے وہ قابل دید ہے۔ آپ نے فرمایا.....

''سب سے پہلے آپ اپنی یہ حیثیت پہچانیں کہ آپ اپنی جماعت کے نمائندہ اور وکیل ہونے کی حیثیت سے ہمارے مخاطب ہیں اپنی ذاتی حیثیت میں آپ ہمارے قطعاً مخاطب نہیں ہیں اس لئے آپ سب سے پہلے اپنے اکابر کی طرف سے ہمارے خلاف کفر کا فتویٰ دکھلایئے اگر آپ کے اکابر نے ہمارے خلاف کفر کا فتویٰ صادر

نہیں کیا ہے تو ہم سے یہ مطالبہ کرنا کہ ہم اپنا اسلام ثابت کریں اسے جہالت وحماقت کے سوئی اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

اس کے باوجو فتاویٰ دارالعلوم دیوبند اور تھانوی صاحب کی کتابوں میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ ”ہم بریلی والوں کو مسلمان سمجھتے ہیں، انہیں کافر نہیں کہتے ان کے پیچھے ہماری نمازیں ہو جاتی ہیں“ بحث کے دوران دیوبندی لٹریچر سے اس طرح کی ساری عبارتیں پڑھ کرسنائی گئیں۔

اب رہ گیا الملفوظ کی عبارتوں پر آپ کا اعتراض تو اس کا جواب ہماری طرف سے آپ لوگوں کو بار بار دیا جاچکا ہے۔ اس کے باوجود اگر واقعی آپ حضرات کے نزدیک ان عبارتوں میں کفر ہے تو آپ کو ہم سے لڑنے کے بجائے اپنے اکابر سے لڑنا چاہئے کہ اتنے کفریات کے باوجود وہ ہمیں مسلمان کیوں سمجھتے ہیں۔ ہمارے پیچھے ان کی نمازیں کیوں کر درست ہیں،،

اس مناظرے کی دلچسپ کہانی یہ ہے کہ دیوبندی مناظر نے مولوی رشید احمد گنگوہی کے حوالے سے ایک فرضی کتاب کی عبارت پڑھ کر سنائی، جس میں اعلیٰ حضرت پر فتویٰ کفر لگایا گیا تھا۔ تو اس وقت کا منظر بڑا دلچسپ اور قابل رحم تھا۔ دیوبندی مناظر کتاب دینے کو تیار نہ تھا۔ اور ایک سنی نمائندہ تصحیح نقل کے لئے کتاب حاصل کرنے اور اس کے فراڈ کا پردہ چاک کرنے کی غرض سے دیوبندی مناظر کے سر پر سوار تھا۔ بالآخر فرضی کتاب کا کوئی وجود چونکہ نہیں ہوتا۔ دیوبندی مناظر نہ کتاب دکھا سکا نہ کتاب کی عبارت۔ اس دھوکہ بازی کی وجہ سے خود دیوبندی عوام کے ہاتھوں اس کے مناظر کو جو ہزیمت ورسوائی اٹھانی پڑی وہ بڑی عبرت ناک تھی۔ حق فاتح ہوا اور باطل رسوا۔ جس کا مشاہدہ سب نے اپنی کھلی آنکھوں سے کیا۔

چھٹا مناظرہ

چھٹا مناظرہ کٹک اڑیسہ میں آپ نے کیا۔ آپ کے مقابلے میں دیوبندیوں کے تین مناظر بدلے گئے۔ اس کا نتیجہ وہی ہوا جو مناظرہ میں دیوبندی کا ہوتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو کہ اس مناظرے کے صدر عالم ربانی مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمن قدس سرہٗ تھے۔ جن کی مناظرانہ مہارت کے بارے میں کچھ کہنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا۔ اس مناظرے میں بعض غیر ضروری بحثیں بھی دیوبندی مناظر نے چھیڑی تھی۔ مثلاً امام احمد رضا کو اعلیٰ حضرت کہنے پر اعتراض۔ جس کا ایسا دنداں شکن جواب مناظر اہل سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے دیا کہ دیوبندی مناظر دم بخود رہ گیا۔ اور اس سے کوئی جواب نہ بن سکا الزامی جواب میں آپ نے ان تمام علمائے دیوبند کے نام بھی گنائے جن کے نام کے ساتھ یہ لوگ لفظ اعلیٰ حضرت کا استعمال کرتے ہیں۔ اس مناظرے میں دیوبندی کفریات پر بڑی سیر حاصل بحثیں ہوئیں جن کے جواب سے دیوبندی مناظر ومعاونین عاجز وساکت رہے۔؟؟؟؟؟

یہ تو زبانی مناظروں کا محض ایک اجمالی خاکہ تھا وہ بھی خالص مناظروں کا لیکن اب ذیل میں کچھ تنقیدی تحریروں اور مباحثوں کا ذکر کیا جارہا ہے۔ تحریری بحث وتنقید تو جیسے علامہ موصوف کا خاص موضوع تھا۔ جب مخالف حریف کی عبارت پر نقد وجرح کر کے گرفت فرماتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شکار کے گلے میں پھنداڈالا جاچکا ہے۔ جس کی باگ علامہ کے ہاتھ میں ہے جب چاہیں اس کی رگ حیات منجمد کردیں۔ آپ کی گرفت سے بچ کر مخالف کسی جانب بھاگنے اور لایعنی تاویل کرنے کی قوت بھی کھو بیٹھتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ناموس الوہیت ورسالت پر حملے کرنے والے اقوال کا جس مناظرانہ ومتکلمانہ انداز تحریر میں آپ نے ردوابطال فرمایا ہے وہ اپنے اور غیر سب کے لئے قابل دید ہیں۔ آپ کے فکر وقلم کی یہی وہ قوت ہے، جس نے بہت سے دیوبندیوں کو سنی صحیح العقیدہ بننے پر مجبور کردیا، اور کتنے دیوبندی عالم ونقاد ہیں جنہیں علامہ کی قوت تحریر کا لوہا ماننا پڑا اور انداز تحریر کی تحسین کرنی ہی پڑی۔ حلقہ دیوبندی میں مولوی عامر عثانی ایڈیٹر ماہنامہ تجلی دیوبند اپنی ادبی وتنقیدی تحریر میں اپنی مثال

آپ مانے جاتے تھے۔ اختلافی مسائل ان کا خاص موضوع ہوا کرتا تھا۔ دیوبندی مذہب کو انہوں نے نئی زندگی دینے کی کوشش کی۔

لیکن جب خاص سنی دیوبندی اختلافی مسائل پر علامہ موصوف کی کتاب ''زلزلہ'' منظر عام پر آئی تو پوری دنیائے دیوبندیت میں واقعی زلزلہ آ گیا۔ اور قصر وہابیت و دیوبندیت لرزہ براندام ہوگیا۔ دیوبندیوں کو توقع تھی کہ جب یہ کتاب مولوی عامر عثمانی ایڈیٹر ماہنامہ ''تجلی'' کے پاس پہونچے گی۔ تو وہ اس کا کم از کم اس حد تک ضرور جواب دیں گے کہ دیوبندی عوام مطمئن ہوجائے۔ مگر آپ حیرت و استعجاب میں ڈوب جائیں گے کہ جب ''زلزلہ'' نامی کتاب ان کے پاس پہنچی اور انہوں نے اس کا تعمق نظر سے مطالعہ کیا تو کتاب پر تبصرہ و تنقید کا نقشہ ہی کچھ عجیب تھا۔ گویا مرکزی کردار ہی الٹ کر رہ گیا۔ زلزلہ پر ایڈیٹر تجلی کے مبنی بر حقیقت تبصرے نے حلقۂ دیوبند کو نہ صرف یہ کہ مایوس کیا بلکہ ان کی سسکتی روح پر مزید کاری ضرب لگائی۔ اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی کہ علامہ موصوف نے ناموس الوہیت و رسالت پر حملے کرنے والوں کا چہرہ بے نقاب کر کے تحفظ ناموس کا جو عظیم اور قابل قدر کارنامہ انجام دیا اس کا انکار اپنے تو اپنے غیر بھی نہیں کر سکتے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ''زلزلہ'' پر مولوی عامر عثمانی ایڈیٹر ماہنامہ تجلی دیوبند کے تبصرے کے کچھ اقتباسات ہدیہ ناظرین کروں۔

''اس کتاب میں صاحب کتاب نے علماء دیوبند کی تحریروں سے یہ واضح کیا ہے کہ یہ حضرات عقائد کے معاملہ میں سخت تضادات کے شکار ہیں۔ اور جن امور کو یہ بریلویوں کے تعلق سے بدعت و شرک اور کفر وغیرہ لکھتے ہیں انہیں وہ اپنے بزرگوں کے لئے عین ایمان قرار دیتے ہیں''

''بات اگر اس اوندھے علم کلام کی ہوتی جس کا مظاہرہ بریلوی مکتب فکر کی طرف سے بالعموم پمفلٹوں اور پوسٹروں وغیرہ میں کیا جاتا رہتا ہے تو ہم نوٹس ہی نہ لیتے مگر یہ کتاب دستاویزی حقائق اور ناقابل تردید شواہد پر مشتمل ہے۔''

''بات یقیناً تشویش ناک ہے۔ مصنف نے ایسا ہرگز نہیں کیا ہے کہ اِدھر اُدھر سے چھوٹے موٹے فقرے لیکر ان سے مطلب پیدا کئے ہوں۔ بلکہ پوری پوری عبارتیں نقل کی ہیں اور اپنی طرف سے ہرگز کوئی معنی پیدا نہیں کئے ہیں۔ اگر چہ ہم حلقۂ دیوبند ہی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ہمیں اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں کہ اپنے ہی بزرگوں کے بارے میں ہماری معلومات میں اس کتاب نے اضافہ کیا اور ہم حیرت زدہ رہ گئے کہ دفاع کریں تو کیسے؟ دفاع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی بڑے سے بڑا منطقی اور علامۃ الدہر بھی ان اعتراضات کو دفع نہیں کرسکتا جو اس کتاب کے مشتملات متعدد بزرگان دیوبند پر عائد کرتے ہیں (تبصرہ صفحہ ۱۷ مشمولہ زلزلہ)

''یہ دیوبندیوں کے لٹریچر کی خاصی مشہور کتابیں ارواح ثلثہ، تذکرۃ الرشید، سوانح قاسمی، اشرف السوانح، الجمعیۃ کا شیخ الاسلام نمبر، انفاس قدسیہ وغیرہ، ان کی صورتیں دیکھنے اور کہیں کہیں سے پڑھنے کا شاید ہمیں بھی اتفاق ہوا۔ لیکن یہ ''زلزلہ'' ہی سے منکشف ہوا کہ ان میں کیسے کیسے عجوبے اور کیسی کیسی ان کہنیاں محفوظ ہیں۔ استغفر اللہ ثم استغفر اللہ۔ واقعہ یہ ہے کہ فحش ناول بھی اپنے قارئین کو اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتے جتنا ان کتابوں نے پہونچایا ہوگا۔ (صفحہ ۱۸)

''مصنف بار بار پوچھتے ہیں کہ علمائے دیوبند کے اس تضاد کا جواب کیا ہے۔ انصاف تو یہ ہے کہ اس سوال کا جواب مولانا منظور نعمانی یا مولانا محمد طیب صاحب کو دینا چاہئے مگر وہ کبھی نہ دیں گے۔ کیونکہ جو اعتراض ایک ناقابل تردید صداقت کی حیثیت رکھتا ہے اس کا جواب دیا بھی کیا جاسکتا ہے۔'' (صفحہ ۱۸)

''یہ کتاب ''زلزلہ'' جو نقد جواب طلب کر رہی ہے۔ اس سے عہدہ برآ ہونے کی صورت آخر کیا ہوگی۔ اپنی کسی غلطی کو تسلیم کرنا تو ہمارے آج کے بزرگان دیوبند نے سیکھا ہی نہیں۔ انہوں نے صرف یہ سیکھا ہے کہ اپنی کہے جاؤ اور کسی کی مت سنو۔ انشاء اللہ اس کتاب

کے ساتھ بھی انکا سلوک اس سے مختلف نہیں ہوگا۔" (صفحہ ۲۱)

دیکھ رہے ہیں آپ تبصرے کا اسلوب بیان اور اعتراف حقیقت کا دلنشیں منظر! آخر وہ کون سی حقیقت بیانی ہے جو مولوی عامر عثمانی جیسے فاضل دیو بند کو بھی منوانے پر مجبور کر رہی ہے؟ اس سوال کا جواب "زلزلہ" کے قارئین کے لئے بہت آسان ہے، معاملہ یہ ہے کہ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ الباری نے اپنی اس کتاب میں علمائے دیو بند کی تحریروں کے حوالے سے تصویر کے دو رخ پیش کئے ہیں۔ پہلے رُخ کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔

غیب دانی کا اعتقاد دلوں کے خطرات پر اطلاع، سیکڑوں میل کی مسافت سے کیفیات کا علم، ماں کے پیٹ میں کیا ہے، اپنے ارادہ وتصرف سے مارنا، شفا بخشنا، مصیبت کے وقت غائب کو اپنی مدد کیلئے پکارنا، وغیرہ وغیرہ، یہ رہی ساری باتیں جنہیں علمائے دیو بند کی مذکورۃ الصدر کتابوں میں صرف خدا کا حق تسلیم کیا گیا ہے اور غیر خدا یہاں تک کہ رسول مجتبیٰ ﷺ کے حق میں بھی اس طرح کے اعتقادات کو کفر وشرک قرار دیا گیا ہے۔

("زلزلہ" ملخصاً ۶۲)

دوسرے رُخ پر یوں روشنی ڈالی ہے۔

لیکن کمال حیرت کے ساتھ یہ خبر وحشت اثر سنئے کہ یہی خدائی کا منصب، یہی کھلا ہوا کفر وشرک، اور یہی توحید کے منافی اعتقادات علمائے دیو بند نے اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں بے چون وچرا تسلیم کر لئے ہیں" (حوالہ مذکورہ ۶۳)

"سبب تالیف" کے عنوان کے تحت علمائے دیو بند کی دورُخی کا ذکر علامہ موصوف نے اس طرح کیا ہے۔

"اس کتاب کے مندرجات کے ذریعہ مسلمانوں کی عدالت سے صرف اس بات کا فیصلہ چاہتا ہوں کہ جن باتوں کو علمائے دیو بند انبیاء واولیاء کے حق میں شرک قرار دیتے ہیں اگر قرآن وحدیث کی رو سے واقعتاً وہ شرک ہے تو پھر انہوں نے اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں اُسے کیوں جائز ٹھہرا لیا ہے۔ اور اگر قرآن وحدیث کی رو سے وہ شرک نہیں ہیں تو انبیاء واولیاء کے حق میں انہوں نے کیوں اسے شرک قرار دیا ہے" (زلزلہ صفحہ ۵)

ان تمام ریمارک اور تبصروں سے علامہ ممدوح کا جو مقصود اصلی ہے اور کتاب کی سطر سطر جس نصب العین کی طرف اشارہ کرتی ہے وہ ہے تحفظ ناموس الوہیت ورسالت تا کہ سادہ لوح مسلمان بارگاہ الوہیت ورسالت کے گستاخوں کے ہفوات کے زہریلے اثر سے محفوظ رہیں۔

اب ہم ذیل میں کتاب "زلزلہ" کے چند اقتباس سے انکے اس مقصد کو اجاگر کرنے کی کوشش کریں گے پہلے باب میں سلسلۂ واقعات کے تحت ارواح ثلثہ ۳ ج صفحہ ۲۴۲ کے حوالے سے مولوی قاسم نانوتوی کے تعلق سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ وفات کے بعد مدرسہ دیو بند میں آئے۔ مولوی رفیع الدین سے کہا کہ محمود حسن کو کہہ دو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے۔ مولوی اشرف علی تھانوی نے اس روز کی قاسم نانوتوی صاحب کی اس حاضری کی توضیح یہ کی کہ یہ جسد مثالی تھا۔ مگر مشابہ جسد عنصری کے یا روح نے خود جسد عنصری تیار کر لیا ہو۔ اس تصرفاتی واقعہ کو نقل کرنے کے بعد مصنف "زلزلہ" تحریر فرماتے ہیں۔

"لاالٰہ الا اللہ! دیکھ رہے ہیں آپ! اس ایک واقعہ کے ساتھ کتنے مشرکانہ عقیدے لپٹے ہوئے ہیں پہلا عقیدہ تو مولوی قاسم صاحب نانوتوی کے حق میں علم غیب کا ہے۔ کیونکہ ان حضرات کے تئیں اگر انہیں علم غیب نہیں تھا تو عالم برزخ میں انہیں کیونکر خبر ہوگئی کہ مدرسہ دیو بند میں مدرسین کے درمیان سخت ہنگامہ ہو گیا ہے یہاں تک کہ مدرسہ کے صدر مدرس مولوی محمود الحسن صاحب بھی اس میں شامل ہوگئے ہیں چل کر انہیں منع کر دیا جائے۔

اور پھر ان کی روح کی قوت تصرف کا کیا کہنا کہ تھانوی صاحب کے ارشاد کے مطابق اس جہان خاکی میں دوبارہ آنے کے لئے اس

نے خود ہی آگ پانی اور ہوا، مٹی کا ایک انسانی جسم تیار کیا اور خود ہی اس میں داخل ہو کر زندگی کے آثار اور نقل وحرکت کی قوت ارادی سے مسلح ہوئی اور لحد سے نکل کر سیدھے دیو بند کے مدرسہ میں چلی آئی۔''

اس کے بعد ان علماء دیو بند کی دورُخی عقیدے پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''سوچنے کی بات یہ ہے کہ مولوی قاسم صاحب نانوتوی کی روح کے لئے یہ''خدائی اختیارات'' بلاچوں وچرا مولوی رفیع الدین صاحب نے بھی تسلیم کرلیا۔ محمودالحسن صاحب بھی اس پر آنکھ بند کر کے ایمان لے آئے اور تھانوی صاحب کا کیا کہنا کہ انہوں نے تو جسم انسانی کا خالق ہی اُسے ٹھہرادیا۔ اور اب قاری طیّب صاحب اس کی تشہیر فرمارہے ہیں۔

ان حالات میں ایک صحیح العقیدہ آدمی یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ روح کے جو تصرفات واختیارات، اور غیبی علم وادراک کی جو قوتیں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے مقربین کے حق میں تسلیم کرنا یہ حضرات کفر وشرک سمجھتے ہیں وہی اپنے''مولانا'' کے حق میں کیونکر اسلام وایمان بن گیا؟

کیا یہ صورت حال اس حقیقت کو واضح نہیں کرتی کہ ان حضرات کے یہاں کفر وشرک کی یہ تمام بحثیں صرف اس لئے ہیں کہ انبیاء واولیاء کی حرمتوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے انہیں ہتھیار کے طور استعمال کیا جائے۔ ورنہ خالص عقیدہ توحید کا جذبہ اس کے پس منظر میں کارفرما ہوتا تو شرک کے سوال پر اپنے اور بیگانے کے درمیان قطعاً کوئی تفریق روانہ رکھی جاتی۔''

(زلزلہ صفحہ ۶۷۔۶۸)

مصنف زلزلہ کا یہ تبصرہ حق وباطل کے درمیان خط امتیاز کھینچنے میں کسی تبصرہ کا محتاج نہیں۔ اپنے ہی ہاتھوں اپنے مذہبی اصولوں کا خون کرتے ہوئے علماء دیو بند کو اخر افسوس کیوں نہیں ہوتا؟ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی نظر میں ناموس الوہیت ورسالت کی تو کوئی وقعت نہیں لیکن اپنے بزرگوں کے ناموس کا بڑا پاس ولحاظ ہے۔

یہ صرف نانوتوی صاحب کی بات نہیں ہے تھانوی صاحب کے حق میں بھی دیو بندی علماء نے غیب دانی کا صاف وصریح دعویٰ کیا ہے۔ مولوی عبدالماجد دریابادی تھانوی صاحب کا خلیفۂ خاص ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب حکیم الامت میں تھانوی کی ایک مجلس کا حال لکھتے ہوئے اپنے جن تاثرات کا اظہار کیا ہے وہ تھانوی صاحب کے مذہب کا صریح رد وابطال ہے۔ مصنف زلزلہ نے پہلے حکیم الامت نامی کتاب کا یہ اقتباس نقل کیا ہے۔

''بعض بزرگوں کے حالات حضرت نے اپنی زبان سے اس طرح ارشاد فرمائے کہ گویا''درحدیث دگراں'' بعینہٖ ہملوگوں کے جذبات وخیالات کی ترجمانی ہوتی ہے۔ دل نے کہا کہ دیکھو روشن ضمیر ہیں نا، سارے ہمارے مخفیات ان پر آئینہ ہوتے جارہے ہیں۔ صاحب کشف وکرامت ان سے بڑھ کر کون ہوگا۔ (چند سطروں کے بعد) خیر اس وقت تو گہرا اثر اس غیب دانی اور کشف صدر کا لے کر اٹھا۔ مجلس برخاست ہوئی۔''

(حکیم الامت صفحہ ۲۴)

مصنف زلزلہ حضرت رئیس القلم علیہ الرحمہ نے اِس دورُخی فکر وعقیدے کا پردہ کچھ اس طرح چاک کیا ہے۔

''اخیر کا جملہ دوبارہ پڑھئے۔ یہاں بات ایک دم کھل کر سامنے آگئی ہے۔ مجاز واستعارہ کے ابہام سے ہٹکر بالکل صراحت کے ساتھ تھانوی صاحب کے حق میں''غیب دانی'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہی وہ لفظ ہے جس پر پچاس برس سے یہ حضرات جنگ کرتے آرہے ہیں کہ اُس لفظ کا اطلاق رسول اکرم ﷺ کی ذات پر قطعاً کفر اور شرک ہے۔

(زلزلہ صفحہ ۱۶۷)

پوری کتاب میں علمائے دیو بند کے اعتقاد وعمل کا تضاد اِسی طرح دکھلایا گیا ہے۔ اصل حقیقت سے نقاب کشائی کی یہی وہ قابل

قدر کوشش ہے جس نے ''زلزلہ'' کو پوری دنیا میں مقبول ومشتہر کر دی ہے۔

راہ اعتدال سے ہٹی ہوئی نو پید جماعتوں میں ''جماعت اسلامی'' بھی ہے جس کے بانی مولوی ابوالاعلیٰ مودودی ہیں جن کی تحریر میں آزادروی اور اسلامی فکر و مزاج سے دوری عام سی بات ہے۔ علامہ موصوف نے اِس جماعت کے گمراہ کن لٹریچر سے عوام کو بچانے اور ناموس الوہیت و رسالت کی خاطر ''جماعت اسلامی'' نام سے ایک کتاب لکھی جو ۱۰۹ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ علامہ نے عقل و استدلال کی روشنی میں جماعت اسلامی کے فکر و اعتقاد کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ نمونے کے طور میں صرف ایک جائزے کو بیان کر رہا ہوں۔ یہ وہ جائزہ ہے جس میں حضرت رئیس القلم نے مودودی سے متعلق عقیدۂ رسالت سے گریز کے نئے راستے کا انکشاف کیا ہے۔ پہلے انہوں نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ پہلا مرحلہ رسول خدا کی تصدیق و ایمان کا ہے، عبادت قطعاً دوسرے مرحلے کی چیز ہے۔ اسلامی عقیدے میں رسول خدا پر ایمان لائے بغیر بڑے سے بڑے عمل کا کوئی نفع آخرت میں ہرگز مرتب نہیں ہوسکتا۔ لیکن مولانا مودودی منفعت اخروی کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کو قطعاً ضروری نہیں سمجھتے۔ چنانچہ علامہ ارشدالقادری نے تفہیمات کے مندرجہ ذیل عبارت پیش کی ہے۔

جو لوگ جہالت و نابینائی کے باعث رسول عربی کی صداقت کے قائل نہیں ہیں مگر انبیائے سابقین پر ایمان رکھتے ہیں اور صلاح وتقویٰ کی زندگی بسر کرتے ہیں ان کو اللہ کی رحمت کا اتنا حصہ ملے گا کہ ان کی سزا میں تخفیف ہوجائے گی۔''

(تفہیمات ج اصفحہ ۱۶۸)

اس اقتباس کو نقل کرنے کے بعد علامہ موصوف کا قلم حقیقت رقم حرکت میں آیا ہے۔ وہ انتہائی آزردہ خاطر ہوکر مگر جرأت ایمانی کے ساتھ لکھتے ہیں۔

''اسلام میں اگر رسول عربی کی رسالت کا انکار کفر ہے تو بالکل پہلی بار اس غیر اسلامی عقیدے سے ذہن آشنا ہوا کہ کفر کے ساتھ تقویٰ بھی جمع ہوسکتا ہے۔ میں چیلنج کرتا ہوں کہ قرآن و حدیث میں کہیں بھی اس عقیدے کی سند موجود ہو تو پیش کیجئے کہ جو اہل کتاب جہالت و نابینائی کے باعث رسول عربی پر ایمان نہ لائیں اور ان کا خاتمہ کفر پر ہوجائے تو وہ مرجانے کے بعد کسی درجہ میں بھی رحمت الٰہی کے سزاوار ہوں گے۔ اور انہیں اپنے عمل کا نفع آخرت میں ملے گا۔

نئی جماعتوں میں تبلیغی جماعت اپنے کام اور نقل و حرکت کی وجہ سے دیوبندی جماعت میں خاصی مقبول ہے۔ بلکہ یوں کہہ لیجئے کہ آج دیوبندیت تبلیغی جماعت ہی کی وجہ سے زندہ ہے مگر اس جماعت کے مزخرفات سے جب ہم آپ کو آگاہ کریں گے۔ اس وقت سر پیٹ لینے کو جی چاہے گا۔ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے حقائق و معلومات کے اجالے میں تبلیغی جماعت کا خدوخال کا جائزہ لیا۔ یہ جائزہ ۲۰۷ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ لیکن ہم یہاں صرف ایک تبصرے پر اکتفا کرتے ہیں۔ جس میں مولانا الیاس بانی تبلیغی جماعت کے پیغمبرانہ منصب کی طرف پیش قدمی کرنے اور انہیں مثل انبیاء علیہم السلام لوگوں میں ظاہر کئے جانے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ ملفوظات الیاس کے مرتب کا متعلقہ اقتباس اور ''دینی دعوت'' صفحہ ۴۵ کا وہ اقتباس جو نزول وحی سے متعلق ہے نقل کرنے کے بعد علامہ موصوف رقمطراز ہیں۔ لا الہ الا اللہ! ذرا غضب دیکھئے کہ آیت کریمہ بھی خدا ہی کی نازل فرمودہ ہے اور اس کی تفسیر بھی وہی القا فرما رہا ہے فرق صرف یہ ہے کہ آیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ تفسیر مولانا الیاس پر اتری ہے۔ بس خدا ہی کی طرف سے جب آیت و تفسیر دونوں نازل ہوئی ہے تو کون خدا کا باغی بندہ ہے کہ ایک پر ایمان لائے دوسرے سے انکار کردے۔ دیکھ رہے ہیں آپ! کتنے مسلح طریقے سے پیغمبرانہ منصب کی طرف پیش قدمی کی گئی ہے۔ کہ آدمی انکار بھی کرنا چاہے تو انداز بیان کی ہیبت سے مرعوب ہوکر رہ جائے۔

تقریباً چودہ سو برس سے دنیائے اسلام میں یہ آیت پڑھی جارہی ہے۔ سب نے اس کا مفہوم یہی سمجھا کہ یہ آیت کریمہ امت محمدی کے حق میں نازل ہوئی ہے کہ تم بہترین امت ہو، تمہارا فرض منصبی یہ ہے کہ تم لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاؤ اور برائی سے روکو۔ لیکن چودہ سو برس کے بعد آج یہ پہلی حقیقت منکشف ہوئی کہ معاذ اللہ یہ آیت کریمہ مولانا الیاس کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اور اسکا تفسیری مفہوم یہ ہے کہ مولانا الیاس مثل انبیاء علیہم السلام کے لوگوں کے واسطے ظاہر کئے گئے ہیں۔ خدا کی پناہ! آدمی جب شقاوت پر اتر آتا ہے تو کیسی کیسی لرزا دینے والی جسارتیں کرتا ہے۔" (تبلیغی جماعت)

حضور اقدس ﷺ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوسکتا نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ مگر انگریزوں کی شہہ پر قادیان اور دیوبند کی مشترکہ کوششوں سے اس مسلم عقیدے پر کاری ضرب لگائی گئی۔ اور نئے نبی کا نہ صرف دروازہ کھولا بلکہ قادیان میں نئے نبی کا مدعی بھی پیدا ہوگیا۔ مگر اس پورے منظر نامے کا جب آپ جائزہ لیں گے تو یہی ظاہر ہوگا کہ نئے نبی کا دروازہ دیوبند میں مولوی قاسم نانوتوی نے کھولا۔ اور قادیان میں مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اِس افسوس ناک گوشے پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت رئیس القلم سلطان المناظرین علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ کسی جدید نبوت کی راہ میں ختم نبوت کا یہ قرآنی عقیدہ ہمیشہ حائل رہا کہ حضور اکرم ﷺ خاتم النبیین ہیں ان کے بعد کوئی نیا نبی پیدا نہیں ہوسکتا۔ اب نئی نبوت کی راہ میں قرآن کی طرف سے جو رکاوٹ کھڑی تھی اسے دور کرنے کے دو ہی راستے تھے یا تو قرآن کی اس آیت ہی کو بدل دیا جائے جس میں حضور انور ﷺ کے لئے صراحت کے ساتھ خاتم النبیین کا لفظ موجود ہے جس کے معنی آخری نبی کے ہیں یا پھر خاتم النبیین کا لفظ جوں کا توں رہنے دیا جائے صرف اس کا مفہوم بدل دیا جائے۔ پہلا راستہ ممکن نہیں تھا کہ روئے زمین پر قرآن کے کروڑوں نسخے اور لاکھوں حفاظ موجود تھے، لفظ کی تحریف چھپائے ہوئے نہیں چھپ سکتی تھی۔ اسلئے معنوی تحریف کا راستہ اختیار کیا گیا اور طے پایا کہ لفظ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی جو عہد صحابہ سے لیکر آج تک ساری امت میں شائع اور ذائع ہے۔ اسے بدل دیا جائے اور اس لفظ کا کوئی ایسا معنی تلاش کیا جائے جو کسی نئے نبی کے آنے میں رکاوٹ نہ بنے چنانچہ راستے کا یہ پتھر ہٹانے کے لئے دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی کی خدمات حاصل کی گئیں۔

میں اپنی طرف سے کوئی الزام عائد نہیں کررہا ہوں بلکہ خود ایک قادیانی مصنف نے اپنی کتاب "افادات قاسمیہ" میں پوری تفصیل کے ساتھ یہ مضمون بیان کیا ہے۔ یہ کتاب سالہا سال سے چھپ رہی ہے لیکن دیوبند سے اب تک اس کی کوئی تردید شائع نہیں ہوئی جس سے سمجھا جاتا ہے کہ قادیانیوں کی طرف سے نانوتوی صاحب کے خلاف جھوٹا الزام عائد کیا گیا ہے۔

ناموس الوہیت ورسالت کو تار تار کرنے والوں میں دیوبندی مکتبۂ فکر کے مولوی پالن حقانی کا نام بھی آتا ہے جس نے اپنی جاہلانہ تقریر وتحریر کے ذریعہ اللہ ورسول جل وعلا وصل اللہ علیہ وسلم کے ناموس وعظمت کو پامال کیا ہے۔ وہ نا قابل بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں انبیائے کرام علیہم السلام کی شان میں گستاخی کی اس کی جاہلانہ تقریر و تحریر کا بنیادی عنصر قرار دیا جاسکتا ہے۔ جب جمشید پور میں اِس دریدہ دہن نے "شریعت یا جہالت" نامی کتاب لکھ کر جو فتنہ پھیلانے کی کوشش کی تھی اور انبیاء کرام کی اہانت اور حضور ﷺ کی تنقیص کا جو گھناؤنا دکافرانہ کارنامہ انجام دیا تھا، اس نے علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ جیسے وفادار اسلام اور عاشق نبی کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ جب پالن کی یہ کتاب حضرت رئیس القلم نے دیکھی اور پڑھی تو ان کا دل زخمی ہوگیا جس کی ٹیس ان کے لئے نا قابل برداشت تھی فوراً انہوں نے بنام "شریعت" کتاب لکھ کر تحفظ ناموس الوہیت و رسالت کا مقدس فریضہ انجام دیا۔ اور مولوی پالن کی جہالت وحماقت کو بھی واشگاف

فرمایا۔

پالن جی نے آیت کریمہ کذالك جعلناکم امة وسطاً الآیہ کا ترجمہ کرنے کے بعد اس کی یہ غیر شرعی وگستاخانہ تشریح لکھی تھی سبحان اللہ! یہ شان ہے نبی کریم ﷺ کے امت کی جو بھلائی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکنے والے ہیں ان کی گواہی سے بعض نبیوں کا چھٹکارا ہوگا۔"

(شریعت یا جہالت صفحہ ۲۰)

"اس پر علامہ موصوف نے مندرجہ ذیل ریمارک لگایا ہے

چھٹکارے کا سوال تو اسی کے لئے پیدا ہوتا جو پہلے ملزم کی حیثیت سے پکڑا جائے۔ لہٰذا ان کے کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کے یہاں ملزم کی حیثیت سے جب انبیاء پکڑے جائیں گے تو حضور کی امت کے لوگ انہیں چھٹکارا دلائیں گے۔ خدا کی پناہ۔ اور ذرا ابلیسی نخوت ملاحظہ فرمایئے کہ اتنا کہہ کر وہ خاموش نہیں ہوگئے بلکہ انہوں نے ان لوگوں کی نشاندہی بھی فرمائی ہے جو قیامت کے دن انبیاء کو چھٹکارا دلائینگے۔ ان کے الفاظ کے آئینے میں آپ جھانک کر دیکھیں گے تو چھٹکارا دلانے والوں میں خود آنجناب اور ان کے ساتھیوں کی تصویر نظر آئے گی۔"

(شریعت صفحہ ۲۴)

پس خدا کا شکر ہے کہ انبیاء کرام کی بارگاہوں میں اس ملعون جسارت کی نسبت انہوں نے ہم اہل سنت کی طرف نہیں کی اور ہمیں یہ کہنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی کہ اے خدا ہم پناہ مانگتے ہیں تیرے قہر وغضب سے کہ تیرے انبیاء کی شان میں یہ گستاخانہ دعوے کر کے ہم اپنی آخرت برباد کریں۔

یہاں تو حقانی صاحب نے امت محمدی کے پردے میں اپنے لوگوں کو گواہ کی حیثیت سے پیش کر کے انبیاء کو چھٹکارا دلانے کا دعویٰ کیا ہے۔ لیکن اب دو قدم آگے بڑھ کر کہتا ہے۔

"میرے پیارے بھائیو! یہ مرتبہ اور عالی شان مقام ہے۔ حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا کہ انبیا علیہم السلام کے درمیان یہ لوگ گواہ منصف فیصل اور جج بن کر کھڑے ہونگے۔

(شریعت یا جہالت صفحہ ۲۰۰)

خدا کی پناہ! وہاں تو امت محمدی کے لوگ صرف گواہ تھے اور یہاں جج اور منصف بن گئے۔ گواہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی حاکم کے سامنے کسی کے موافق یا خلاف صرف اپنا بیان دیتا ہے اور بس! لیکن جج اور منصف کا منصب گواہی دینا نہیں بلکہ ملزمین کا فیصلہ کرنا ہے۔ لہٰذا انبیاء کے درمیان امت محمدیہ کے لوگوں کا جج اور منصف بن کر کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ وہ قیامت کے دن داور محشر کی کرسی پر بیٹھ کر انبیاء کا فیصلہ کرینگے۔ اور معاذ اللہ! ملزم کی حیثیت سے انبیاء کرام ان کی عدالت میں پیش کئے جائیں گے۔"

(شریعت صفحہ ۲۷)

اسی طرح پوری کتاب میں علامہ موصوف نے پالن جی کی گستاخیوں سے اہل اسلام کو خبردار کیا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ علامہ کے جواب کے بعد جمشید پور کی فضا میں سناٹا چھا گیا۔ اور لوگ پالن کی گستاخیوں پر اُسے تھوکنے لگے۔ اللہ جل وعلا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کے تحفظ کی خاطر علامہ موصوف نے اپنے رسالہ "جام نور" میں "تعزیرات قلم" کے عنوان سے ایک کالم مخصوص کر رکھا تھا جس میں وہ اہل باطل کی گستاخانہ تحریروں کا سنجیدگی سے جائزہ لیکر ان کا ردو ابطال فرماتے تھے۔

اہلِ شوق آج بھی ان مضامین کو پڑھ کر اپنے ایمان وعقیدے کے لئے صاف غذا حاصل کرتے ہیں۔ آج وہ ہم میں نہیں رہے۔ لیکن ان کی تحریریں ہمیشہ ان کی یاد دلاتی رہیں گی۔ اور ان کے کمال ایمان وعشق رسول کی شہادت دیتی رہیں گی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

رئیس القلم کے خوابوں کی تعبیر

جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء

مولانا مقبول احمد مصباحی
استاذ جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء نئی دہلی

رئیس القلم مبلغ اسلام، مناظر اہل سنت، بانی مدارس کثیرہ حضرت علامہ ومولانا ارشد القادری صاحب اسی گہوارہ علم وادب کے ایک نامور فرزند ہیں، جنھوں نے براہ راست اس چشمۂ زلال سے اکتساب فیض کیا ہے، حضرت استاذ العلماء کی نگرانی میں ان کی خصوصی تربیت ہوئی، انہوں نے اپنے مرشد سے کیا کچھ نہ سیکھا ان کا پورا وجود اس روزگار فقیر کے احسانوں سے شرابور ہے، علامہ ارشد القادری صاحب اس وقت بین الاقوامی شہرت کی حامل ایک عظیم علمی، ادبی اور روحانی شخصیت کا نام ہے، جن کے تاریخ ساز کارناموں کا سلسلہ نصف صدی طویل عرصے پر محیط ہے، وہ قلم کے دھنی ہیں، دل کے غنی، فکر کے کشور کشا، درس وتدرس ان کا آبائی پیشہ ہے، امامت و قیادت اور سیاست وحکومت ان کے ناخن تدبیر کی شرمندہ احسان، مناظروں کی کوہ پیمائی کی اور میدان دعوت وتبلیغ کی آبلہ پائی، وہ کون سی وادی ہے جس میں انہوں نے قدم نہ رکھا ہو، تنظیم وتحریک کی دنیا میں ان کا کوئی ثانی نہیں، اپنے پرائے سب ان کی عقل رسا کا لوہا مانتے ہیں، بزرگوں نے ان کو اپنی دعاؤں سے نوازا، اساتذہ نے ان پر فخر کیا، شاگردوں کو ان کے تلمذ پہ غرور ہوا، جوان سے جڑا خاک کی پستیوں سے ہمدوش ثریا ہوگیا، وہ ایک ایسی شخصیت ہیں جس میں ایک عالم سمایا ہوا ہے، دیکھنے والے حیران ہیں کہ یہ کس کان کا ہیرا ہے جس کی قیمت لگانے سے تجار عالم ورطۂ حیرت میں ہیں---

یوں تو علامہ قادری نے پورے ملک میں مدارس ومکاتب کا جال بچھادیا ہے، لیکن ان کے فکر وعمل کا آخری شاہکار اور حسین مرقع ''جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء'' ہے جسے انہوں نے سوجتن سے سرزمین دہلی میں قائم کیا ہے، علامہ قادری کہتے ہیں:

''میری عمر کا بڑا حصہ یورپ اور مغربی ممالک کی خاک چھاننے میں گزری، میں نے وہاں شدت سے محسوس کیا کہ ایسے علماء کی سخت ضرورت ہے، جو بین الاقوامی زبانوں میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دے سکیں، یورپ میں چونکہ عربوں کی بھی معقول تعداد آباد ہے، اس لئے عربی کے ذریعہ بھی یورپ میں کام کرنے میں آسانی ہوگی لیکن یہ کام کسی روایتی مدرسہ میں نہیں ہوسکتا تھا، اس کے لئے الگ سے ایک ترتیبی مرکز قائم کرنے کی ضرورت تھی، اس لئے میں نے فیصلہ کرلیا کہ ایسا ادارہ ضرور قائم کروں گا، جہاں قدیم نظام تعلیم وتربیت کے پروردہ علماء کو جدید علوم وفنون سے مسلح کرنے کا کام کیا جاسکے''

ایک بار میں نے حضرت علامہ سے جب وہ خوش گوار موڈ میں تھے سوال کردیا کہ حضور والا نے جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء کے قیام کے لئے سرزمین دہلی کا ہی انتخاب کیوں کیا؟ میرے خیال میں اس کام کے لئے یوپی کی فضا زیادہ ہموار وسازگار تھی، کیونکہ افرادی قوت، مالی تعاون اور اساتذہ کی فراہمی وغیرہ جیسے پریشان کن مسائل

وہاں آسانی سے حل ہو سکتے تھے، مگر اس کے برخلاف حضرت والا نے ایک نہایت بنجر اور دشوار گزار زمین کا انتخاب کیا؟ میرے اس سوال پر حضرت علامہ پھڑک اٹھے بولے:

”چھوٹی منہ بڑی بات، آج تم نے ایسا سوال کر دیا ہے جس سے میری بیس سالہ جاں فشانیوں کا صبر آزما دور میری نگاہوں کے سامنے گردش کرنے لگا ہے، دراصل دہلی ہندوستان کا دل و دماغ ہے، یہ کبھی مسلم اقتدار کا مرکز ہوا کرتا تھا، اس کے در و دیوار پہ آج بھی ہماری عظمتوں کے ہزاروں نقوش ثبت ہیں، یہیں پر لال قلعہ ہے، یہیں پر جامع مسجد ہے، یہیں پر حضرت محبوب الٰہی کا آستانہ ہے، یہیں پر حضرت بختیار کاکی کی آخری آرامگاہ ہے، دھلی آج بھی ہمارے دلوں کی دھڑکن ہے، یہاں پر علم وادب کا چلن ہے، یہ بازار جنس سخن ہے، دہلی کے گوشے گوشے میں تعلیمی مراکز آباد ہیں۔ یہ وہ شہر ہے جہاں تقریباً نصف درجن یونیورسٹیز پائی جاتی ہیں۔

ہوا یہ کہ آزادی کے بعد مسلمانوں نے اسے بھلا دیا، اور اہل سنت و جماعت نے تو جامعہ کے قیام سے قبل تک دہلی سے اپنی نگاہیں پھیر رکھی تھیں، جس کی وجہ سے ہم لامرکزیت کے شکار ہو گئے، ارباب اقتدار نے ہمیں بالکل نظر انداز کر دیا، اس تباہ کن صورتحال نے میرے ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، اور میں نے تہیہ کر لیا کہ اگر زندگی نے وفا کی تو ضرور اہل سنت و جماعت کا ایک علمی مرکز اس شہر دہلی میں تعمیر کروں گا ----- الحمد اللہ میرا خواب شرمندہ تعبیر ہوا اور آج دہلی میں ہمیں سر چھپانے کا ایک ٹھکانہ مل گیا ہے ----“

یہ تھے حضرت علامہ کے وہ احساسات جس نے دہلی میں جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء کو قائم کرنے پر آمادہ کیا ---- راقم السطور ۱۹۹۸ء سے جامعہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہا ہے، ملک کے مختلف گوشوں سے بار بار مجھ سے یہ سوال کیا گیا کی آخر جامعہ میں کیا پڑھایا جارہا ہے؟ وہاں کیا ہو رہا ہے؟ علامہ قادری صاحب آخر کس طرح کے افراد وہاں سے پیدا کرنا چاہتے ہیں؟ میں سوال کرنے والوں کی نیت پر شبہ نہیں کرتا اور نہ مجھے اس کا حق ہے، البتہ اتنا ضرور کہوں گا کہ تنظیموں اور تحریکوں کی زندگی میں بہت سے موڑ ایسے آتے ہیں جہاں سب کچھ کہا نہیں جاتا، کچھ باتیں ارباب دل کو خود بھی محسوس کرنی چاہئے۔ بہر حال ذیل میں پیش ہے ایک تفصیلی رپورٹ، جس میں جامعہ کے بنیادی خط وخال کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ابتک ہم نے دہلی میں رہ کر جو کچھ کیا ہے اس کی اجمالی روداد ہے، جسے پڑھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اب تک ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہیں رہے بلکہ شب و روز ہماری جدوجہد جاری رہی۔

شعبۂ تخصص ادب و دعوت

حقیقت یہ ہے کہ جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء اہل سنت و جماعت کے جماعتی ارتقاء کی ایک علمی و فکری تحریک کا نام ہے، جو حضرت محبوب الٰہی کی چوکھٹ سے شروع کی گئی تھی، آج وہ تحریک دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستان کے طول و عرض میں پھیل گئی ہے، ہندوستان کا گوشہ گوشہ اس کی خوشبوؤں سے مہک رہا ہے اور خوش عقیدہ سنی مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن اس کے نام سے ہی تیز ہو جاتی ہے، چونکہ جامعہ کے قیام کا محرک عام دینی مدارس سے بالکل منفرد تھا، اس لئے اس کی لسانی و فکری اور تبلیغی و دعوتی تربیت کا سارا نظری خاکہ بھی خود ہمیں بنانا پڑا، یہ خاکہ نہایت آفاقی اور متنوع تھا، جسے اہل سنت و جماعت کے اعلیٰ دماغوں اور دانشوروں نے تیار کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ جامعہ کے خاکہ میں رنگ آمیزی سے قبل علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ نے جو خواب دیکھا تھا وہ اتنا تلخ اور مشکل تھا کہ اس کی تعبیر کی تلاش جوئے شیر لانے سے کم نہ تھی، لیکن یہ صرف اور صرف خداوند قدوس کا فضل و احسان ہے کہ آج وہ خواب شرمندہ تعبیر

ہوگیا اور ملت کا سر احساس افتخار سے بلند ہوگیا۔

شعبۂ تخصص ادب ودعوت ہی جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء کا بنیادی اور مرکزی شعبۂ ہے جس کی وجہ سے اس جامعہ کا قیام عمل میں آیا اور قربانیوں کی ایک سیریز سجائی گئی، حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ جامعہ کے تعارفی رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''آج سب سے بڑا مسئلہ قابل افراد کی تیاری کا ہے، امت کی قیادت کا کام سب سے مشکل ترین کام ہے، اس لئے زبان دانی، وسیع علم اور صحیح فکر کے ساتھ اعلیٰ کردار کی ضرورت ہے۔ اہل سنت کے نوجوان علماء کو جب تک ان سارے وسائل سے مسلح نہیں کیا جائیگا، آفاق کی وسعتوں میں اپنے لئے جگہ نہیں بنا سکیں گے''

یہ شعبہ دراصل عام دینی مدارس سے فارغ ہونے والے فضلاء کی جدید خطوط پر تعلیم وتربیت کے لئے قائم کیا گیا ہے، چونکہ درس نظامیہ درجنوں علوم وفنون کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے اسلئے طالب علم ان کے درمیان اس طرح گم ہوجاتا ہے کہ بسا اوقات اسے کسی ایک فن میں خصوصی مہارت یا دستگاہ نہیں حاصل ہو پاتی، عربی اور انگریزی زبان و ادب اس المیہ سے خاص طور پر دوچار ہیں، ہم اس میدان میں دوسروں سے بہت پیچھے رہ گئے، جائزے کے مطابق ہم دیگر مکاتب فکر سے تقریباً ایک صدی کے فاصلہ پر ہیں۔

حیرت تو یہ ہے کہ انگریزی زبان وادب کے تعلق سے ہماری جماعت میں بہت سے ایسے ارباب بست وکشاد آج بھی موجود ہیں جو نہایت سخت گیر رویہ کے حامی ہیں، انہیں اس کی افادیت ومعنویت کا قائل کرنا خاصا مشکل کام ہے۔ عموماً مدارس نے اس سے بے اعتنائی برتی ہے اور جہاں اسے قبول کیا گیا، وہاں بے سروسامانی کا عالم قابل دید ہوتا ہے۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور نے اس خصوصی مہم میں پیش رفت کی ہے، دوسرے ادارے بھی اس کے نقش قدم پر چلنے کی کامیاب کوشش کررہے ہیں۔

الحمد اللہ! جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء کو اس میدان میں دہلی میں واقع ہونے کا بھرپور فائدہ مل رہا ہے، جدید عربی ادب اور دینی علوم وفنون کی تربیت کے علاوہ انگریزی زبان و ادب میں طلبہ پوری مستعدی کے ساتھ مہارت بہم پہنچانے میں مصروف ہیں، جو علماو مشائخ اور جدید تعلیم کے حامی دانشوران جامعہ کی زیارت کرتے ہیں اور طلبہ سے ملاقات کرتے ہیں ان کی آنکھوں میں اکثر خوشیوں کے آنسو دیکھے گئے ہیں، نصاب تعلیم میں انگریزی کو خاصی اہمیت دی گئی ہے، جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء ہندوستان میں وہ واحد تعلیمی ادارہ ہے جہاں عربی سے انگریزی اور انگریزی سے عربی میں ترجمہ وتشریح کا معقول بندوبست ہے، البتہ جدید درسگاہوں میں یہ سلسلہ پہلے سے جاری ہے، اس لئے وہ اس اطلاق سے مستثنیٰ ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اس شعبہ کا مقصد ایسے علماؤ ائمہ اور مبلغین اسلام کی تیاری ہے جو بین الاقوامی سطح پر مختلف زبانوں میں دین کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ تقریری وتحریری اعتبار سے پوری کامیابی کے ساتھ انجام دے سکیں۔ مذکورہ بالا منہج پر جامعہ میں تعلیم وتربیت کا کام شروع ہوچکا ہے، قافلہ منزل کی طرف بڑھ رہا ہے، دور افق کے دھندلکوں میں منزل کے نشان نظر آرہے ہیں، جس سے ہمارے قدموں کی رفتار اور دل کی دھڑکن خود بخود بڑھ جاتی ہے۔

شعبۂ دار الافتاء

جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء کا قیام اگرچہ بنیادی طور پر بین الاقوامی زبانوں میں علماء مدارس کو تربیت دینے کے لئے ہوا ہے مگر شہر اور علاقے کی ضرورت کے پیش نظر اس شعبہ کا قیام ضروری تھا۔ الحمد اللہ! قیام کے مختصر سے عرصے میں کثرت سے سوال آرہے ہیں، ملک کے علاوہ بیرون ممالک جہاں جہاں علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ کے اثرات ہیں وہاں سے بھی فقہی سوالات آرہے ہیں۔

سردست ایک جوان سال مفتی، اور دو معاون مفتی کا انتظام کیا گیا ہے جو شب وروز ہمہ تن اپنے کام میں مشغول ہیں، البتہ فقہ وفتاویٰ کی کتابوں کی کمی ہے اگر معاونین حضرات صدقات جاریہ کے بطور وقف کتب کا سلسلہ شروع کریں تو یہ مشکل آسان ہوسکتی ہے۔

شعبۂ تبلیغ ودعوت

جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء کے لئے جو نصاب تعلیم وضع کیا گیا ہے اس میں دو ہی مقاصد پیش نظر ہیں۔ ایک تو عربی وانگریزی زبان وادب دوسرے دعوت وتبلیغ اور اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو مقصد اول مقصد ثانی کی تکمیل کا آلہ کار ہے۔ گویا اصل الاصول تبلیغ ودعوت ہے اس سلسلے میں تبلیغ ودعوت کے نام سے ایک گھنٹی درس نظام میں شامل ہے اس کے علاوہ ہفتہ یا پندرہ روز میں ایک بار تبلیغ و دعوت کے تعلق کسی بھی موضوع پر لیکچرس کا اہتمام کیا جاتا ہے، جس میں طلبہ کو سوالات کرنے اور اپنی معلومات میں اضافہ کرنے کی پوری آزادی ہوتی ہے۔۔

النادی کے ذریعہ بھی ہمیں فائدہ پہنچ رہا ہے، طلبہ مختلف اسلامی موضوعات پر عربی، اردو اور انگریزی میں تقریری مشق کرتے ہیں، جس سے عملی زندگی میں انہیں کافی فائدہ پہنچتا ہے اور پھر جامعہ کے طلبہ چونکہ مدارس کے فارغ التحصیل علماء ہوتے ہیں اسلئے بھی انہیں اس طرح کے امور کی انجام دہی میں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی، اس طرح تربیت کا پہلا مرحلہ بڑی سہولت کے ساتھ علم وادب کی چہار دیواری میں مکمل ہوجاتا ہے، اس کے بعد انہیں ذاکر نگر کی سنی مساجد میں بھی بھیجا جاتا ہے جہاں وہ پنج وقتہ نمازوں میں اپنی باتیں لوگوں کے سامنے رکھتے ہیں، اس کے بعد جمعہ کی نمازوں میں منبر نبوت سے خطاب کرنے کا موقع دیا جاتا ہے اور یہ ان کی تربیت کا آخری مرحلہ ہوتا ہے۔۔

مذکورہ بالا تینوں مرحلوں میں کامیابی سے گزر جانے کے بعد شہر کی دیگر مساجد، خانقاہوں اور روحانی مراکز میں انہیں روانہ کیا جاتا ہے جہاں وہ اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کرتے ہیں، شہر کے مختلف حصوں میں منعقد ہونے والے عید میلاد النبی، گیارہویں شریف، محرم شریف، عید الاضحیٰ اور شادی بیاہ کے موقعوں پر منعقد ہونے والی مجلسوں میں بھی خطاب کرکے اپنی داعیانہ صلاحیتوں کو صیقل کرتے ہیں، ہماری انہیں کوششوں کا نتیجہ ہے کہ شہر میں سنیت زندہ ہورہی ہے، مذہبی جلسوں وجلوسوں کا چلن عام ہورہا ہے، شہر دہلی میں قائم دیگر اداروں کو بھی اس سے تقویت ملی ہے اور وہ نئی قوت کے ساتھ میدان عمل میں اتر آئے ہیں، جامعہ نظام الدین اولیاء نے راہ دکھادی ہے، منزل کے متلاشی آبلہ پائی کے لئے آمادہ ہیں۔

کتابوں کے انتخاب کا مسئلہ بڑا نازک ہوتا ہے، اس سلسلے میں معمولی سی لغزش بھی نسلوں کو تباہ کرسکتی ہے، ہر علم اس کے بانیوں سے اور ہر زبان اہل زبان سے ہی حاصل کی جاتی ہے، اس لئے نصاب تعلیم میں خاص طور پر انہیں کتابوں کو جگہ ملنی چاہئے جو اہل زبان نے لکھی ہوں، لیکن اہل ہند اس معاملے میں بڑے بدقسمت رہے ہیں، جبکہ عرب جامعات اور ہندوستان کی عصری دانش گاہوں نے نہایت انقلابی اقدامات کئے اور اس کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے، ان کے یہاں علوم وفنون کی ترقی کی جو رفتار ومعیار ہے وہ عصر جدید کے تقاضوں اور زندگی کی مطالبوں سے ہم آہنگ ہے۔

اہل ہند نصاب سازی کو بڑا سہل عمل تصور کرتے ہیں، ان کی نظر میں نصاب سازی صرف کتابوں کے انتخاب کا نام ہے اور طرفہ کا تماشہ یہ کہ انتخاب کے لئے بھی ماہرین کی خدمات کا حصول ضروری نہیں خیال کرتے، بلکہ فہرست کتب کی مدد سے چند کتابوں کا انتخاب کرکے مطمئن ہوجاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ نصاب سازی کا حق ادا ہوگیا، اس طرح ہر مدرسہ کا نصاب تعلیم جدا جدا ہوتا ہے، گویا اسلامی مدارس

میں نصابوں کا اختلاف کسی تعلیمی منصوبہ بندی کی وجہ سے نہیں بلکہ فکری انتشار کی وجہ سے ہوتا ہے۔

نصاب تعلیم

اور جہاں تک جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء کا تعلق ہے تو چونکہ اس کا تعلیمی و تربیتی خاکہ نہایت عظیم الشان تھا اس لئے اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک ہمہ گیر اور عصری و دینی علوم وفنون پر مشتمل ایک جامع نصاب تعلیم کی ضرورت تھی ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم نے کوئی ایسا ہی کامل اور جامع نصاب وضع کرلیا ہے، لیکن اتنا ضرور کہیں گے کہ اصلاح وانقلاب کے لئے جس جرأت کی ضرورت تھی اس کی جانب ہم نے پیش قدمی شروع کردی ہے، اس کے لئے ہم نے عصری علوم وفنون خصوصاً عربی وانگریزی زبان وادب کے ماہرین کی خدمات حاصل کیں اور طویل جدوجہد کے بعد ایک ایسا نصاب تعلیم وضع کرنے میں کامیاب ہو گئے، جو جامعیت اور تنوع میں اپنی مثال آپ ہے۔ ہمارا نصاب کسی خاص زاویہ نظر سے چند کتابوں پر قناعت کرنے کی پرانی پالیسی کے خلاف اعلان بغاوت ہے، سردست ہمارا نصاب دوسالہ ہے، اس کا معیار عصری جامعات کے ایم اے کے معیار سے کہیں بلند تر ہے، متعدد عصری دانش گاہوں کے نصاب تعلیم اور عربی مدارس کے منہج کو پیش نظر رکھ کر ہی اس کا خاکہ طے کیا گیا ہے، اس نصاب میں قدیم مروجہ علوم وفنون کے بجائے عصری وادبی فنون کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔

نظام تعلیم

دوسرے یہ کہ درسگاہوں میں کتابوں کی حرف بحرف تکمیل وترجمہ اور ان کی تکرار پر کافی زور صرف کیا جاتا ہے اور کبھی کبھی تو ایک ہی فقرہ کو حل کرنے میں کئی کئی گھنٹے صرف ہو جاتے ہیں۔۔ اب یہ طریقہ کار کسی بھی عصری دانش گاہ میں فرسودہ اور از کار رفتہ ہو چکا ہے، وہاں وقت میں اتنی گنجائش نہیں ہوتی کہ کسی ایک مضمون کے پیچھے ہاتھ دھوکر پڑا جائے، وہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ معلومات طلبہ تک منتقل کر دینا چاہتی ہیں، کتاب زیادہ اہمیت نہیں رکھتی، فن پیش نظر ہوتا ہے، اس کے لئے استاذ بسا اوقات نوٹس (Notes) تیار کرکے لاتا ہے، اس کی روشنی میں اپنا لکچر (lecture) مکمل کرتا ہے، اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ گفتگو مربوط ہوتی ہے، غیر ضروری مباحث راہ نہیں پاتے۔

جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء نے اس اصول کو مکمل طور پر برتنے کی کوشش کی ہے، اس لئے ہمارے طلبہ کے پاس کتابوں کا بار کم ہوتا ہے اور اس کی ایک وجہ ہے کہ زیادہ تر موضوعات کا تعلق زبان و بیان سے ہے، جن میں عقلیت پسندی کی بجائے تحریر وذوق کی ضرورت ہوتی ہے، مدارس کا انحصار چونکہ بہت حد تک علوم نقلیہ پر ہوتا ہے، اس لئے کتابیں بہت حد تک ان کی مجبوری بھی ہوتی ہیں۔ جامعہ میں مختلف مواقع پر محاضرات کا بھی نظم کیا جاتا ہے، جس سے کسی خاص موضوع کا ماہر مقررہ وقت میں سیر حاصل معلومات طلبہ تک پہونچاتا ہے اور یہ بھی جدید نظام کا نہایت مفید حصہ ہے غیر ضیکہ ہمارا پیغام جمود کو توڑنا، اور اصلاح کے لئے راستہ ہموار کرنا ہے۔

طریقۂ تعلیم

بظاہر نظام اور طریقۂ تعلیم ایک ہی شئے کے دو نام معلوم ہوتے ہیں، مگر ان میں زمین وآسمان کا فرق ہے البتہ ایک دوسرے سے ضرور تعاون کرتے ہیں، طریقۂ تعلیم دراصل نظام تعلیم کا ہی ایک فعال رکن ہے، جو ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں اور افادیت کو بڑھاتے ہیں، طریقۂ تعلیم جس قدر مفید اور ٹھوس ہوگا، طالب علم اسی قدر مقصدیت سے قریب ہوگا، جامد اور عقیم طریقہ طالب علم کی ذہنی نشو ونما کو روک دیتا ہے، عصری دانش گاہوں میں اس موضوع پر مسلسل نئی تحقیقات

سامنے آرہی ہیں۔ اور اساتذہ جدید سے جدید تر ذریعہ تعلیم اختیار کرنا پسند کرتے ہیں۔ کمپیوٹر اس وقت ایک طاقتور طریقہ تعلیم بن گیا ہے، مدارس میں ابھی کمپیوٹر کی ہی تعلیم کی ضرورت ہے، اس کے بعد ہی کمپیوٹر کو ذریعہ تعلیم بنایا جاسکتا ہے، ترقی یافتہ ملکوں میں طلبہ بغیر استاذ کی مدد کے کمپیوٹر سے بہت سے علوم حاصل کررہے ہیں اور مدارس میں ابھی کمپوٹر کا ہی تعارف کرایا جارہا ہے، اس سے ملت اسلامیہ کی تعلیمی پسماندگی کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء کا طریقہ تعلیم کسی حد تک عام درس گاہوں سے ممتاز ومنفرد ہے، عام درس گاہوں میں طلبہ عبارت خوانی کرتے ہیں، جو بدقسمتی سے نہایت ناقص ہوتی ہے اور یہ ان کی ایک طرح سے مجبوری ہوتی ہے کیونکہ قوائد کا اجرا اس کے بغیر نامکمل رہتا ہے۔ اس کے بعد استاذ حاشیہ، بین السطور اور مختلف شروح کی مدد سے عبارت کا پوسٹ مارٹم (post mortem) شروع کرتا ہے، جو کبھی کبھی گھنٹوں جاری رہتا ہے، اس دوران گھنٹی ختم ہوجاتی ہے اور اس کا کلاس خالی ہوجاتا ہے۔

ذریعہ تعلیم کے طور پر جامعہ میں دو زبانوں کا عموماً استعمال کیا جاتا ہے، عربی مضامین عربی میں اور انگریزی مضامین انگریزی میں پڑھائے جاتے ہیں، حسب ضرورت افہام وتفہیم کے لئے اردو زبان کا بھی سہارا لیا جاتا ہے، اس کے لئے اکثر طلبہ کو مکالمہ ومباحثہ کے ذریعہ راہ نمائی کی جاتی ہے اور بسا اوقات زیر درس مضمون کی تخلیق وترتیب جدید کا کام بھی لیا جاتا ہے، تاکہ عملی طور پر اس علم کو پڑھنے کا شوق پیدا ہو جائے۔

داخل نصاب کتاب دو طرح کی ہیں، ایک وہ جو داخل درس ہوتی ہیں دوسرے وہ جو داخل مطالعہ ہوتی ہیں داخل مطالعہ کتابوں کا بھی امتحان ہوتا ہے اور اس کے حاصل کردہ نمبرات فیصد (percentage) کی تشکیل میں مؤثر رول ادا کرتے ہیں اور مارکس شیٹ (marksheets) میں ان کا اندراج کیا جاتا ہے اور داخل نصاب کتابوں کا امتحان ہر ماہ کے آخر میں لیا جاتا ہے، تعلیم وترتیب کا سلسلہ متوازن طریقے سے قائم رہے اور طالب علم سب کچھ صرف امتحان کو پاس کرنے کے لئے نہ کرے۔

طلبہ کی مزید تربیت اور ذہنی نشود ونما کے لئے ثقافتی انجمنیں (cultural organisations) قائم کی گئی ہیں، جو حسب ضابطہ کام کرتی ہیں ان کا اہتمام وانتظام طلبہ کے ہی ذریعہ ہوتا ہے، ان انجمنوں کے ذریعہ طلبہ کو ذہنی، عقلی، فکری وثقافتی اعتبار سے طاقتور اور ناقابل تسخیر بنایا جاتا ہے، وہ علمی زندگی میں انشاء اللہ کسی بھی صورت حال کا باآسانی مقابلہ کرسکتے ہیں۔

جدید محاورات وضرب الامثال، تعبیرات جدید اور مفید جملوں کی تکرار و حفظ کا بھی خاص خیال رکھا جاتا ہے، کیونکہ ذخیرہ الفاظ کے بغیر کسی بھی زبان پر قدرت کا تصور محال ہے۔ جدید انگریزی وعربی اخبارات ورسائل کی مدد سے جدید تعبیرات اور مفید جملوں کو نوٹ کرایا جاتا ہے اور ان کو یاد کراکر سنایا جاتا ہے، نیز عملی طور پر ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کا خاص طور پر کام لیا جاتا ہے، مثلاً اردو وانگریزی، انگریزی اردو، عربی اردو، اردو عربی، انگریزی عربی اور عربی انگریزی ترجموں کے ذریعہ لفظوں کے تبادلے کا ایک متوازن نظام قائم ہے، جس کی وجہ سے ان تینوں زبانوں میں بیک وقت تقریری و تحریری صلاحیتیں فروغ پارہی ہیں۔

نظام داخلہ

عربی مدارس اور دینی جامعات میں عام طور پر ابھی زبانی امتحان (interview) کا طریقہ رائج ہے، چونکہ مسلم بچوں کا عموماً دینی تعلیم کی طرف رجحان کم ہے اور مدارس بھی اپنی خستہ حالی کی وجہ سے ان کے لئے باعث کشش نہیں ہوتے اس لئے بہت کم تعداد میں

بچے ان کی طرف رخ کرتے ہیں، نتیجتاً وہ اپنا معیار برقرار نہیں رکھ پاتے، غیر معیاری طلبہ کو داخلہ دینے پر مجبور ہوتے ہیں، لیکن جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء نے شروع سے ہی اس سلسلے میں سختی برتی اور کمیت کی بجائے کیفیت کو ہمیشہ اپنا نصب العین بنایا، اس لئے داخلہ "تحریری امتحان" (written test) پر منحصر رکھا، طالب علم جب تک امتحان پاس نہیں کرے گا داخلہ کا مجاز نہ ہوگا، داخلہ امتحان کے لئے معروضی انداز میں پرچہ تیار کرایا جاتا ہے، جو پچاس سوالوں پر مشتمل ہوتا ہے، اسے حل کرنے کے لئے تین گھنٹے کا وقت دیا جاتا ہے، اس امتحان کے سارے مروجہ اصول برتے جاتے ہیں، کاپیاں چیک کی جاتی ہیں اور رزلٹ نکالا کیا جاتا ہے، کاپیوں پر ناموں کی بجائے رول نمبر (Roll number) درج ہوتا ہے تاکہ کسی کے ساتھ کسی طرح کی رعایت یا نرمی کا اندیشہ نہ رہے، اس کے ذریعہ مجموعی طور پر طالب علم کے استعداد اور قابلیتوں کو پرکھا جاتا ہے اور انگریزی و عربی زبان و ادب کے تعلق سے خصوصی سوالات ہوتے ہیں، اس امتحان میں کامیابی کے بعد کوئی طالب علم داخلہ کا مجاز ہوتا ہے۔ امتحان پاس کرنے کے بعد ایک دشوار گزار مرحلہ انٹرویو کا ہوتا ہے، جس میں امیدوار سے عربی اور انگریزی زبان میں سوالات کئے جاتے ہیں، سوالات کے لئے کوئی موضوع طے نہیں ہوتا ہے بلکہ طالب علم کی پوری شخصیت کا ایک عکس تیار کیا جاتا ہے، تاکہ اس کی روشنی میں اس کی آنے والی زندگی میں اس کی رہنمائی کی جاسکے۔

نظام امتحان

جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی میں وقوع کی مناسبت اور جامعہ ملیہ اسلامیہ جیسے عظیم قومی تعلیم ادارہ کی ہمسائیگی کی مناسبت سے جدید نظام امتحان کو نافذ کرتی ہے، سارے پرچے عربی یا انگریزی زبان میں ہوتے ہیں، سوالات میں بھی جدید طریقہ کار کو برتا جاتا ہے، امتحان بنیادی طور پر دو حصوں میں منقسم ہے۔ سالانہ (annual) اور ششماہی (half yearly) امتحان۔ ششماہی امتحانات کی کاپیاں جامعہ کے اساتذہ خود ہی چیک کرتے ہیں، جب کہ سالانہ امتحانات کی کاپیاں دیگر عصری یا دینی اداروں کے اساتذہ کے ذریعہ چیک کرائی جاتی ہیں۔ سارے مضامین کے امتحانات تحریری ہوتے ہیں، شفوی کچھ بھی نہیں ہوتا، صرف انٹرویو شفوی ہوتا ہے، جو سالانہ امتحان کے موقع پر لیا جاتا ہے اور طالب علم کے ذوق طلب کو مہمیز کیا جاتا ہے اور بسا اوقات الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے اساتذہ بھی تشریف لاتے ہیں اور طلبہ کی لیاقت کا جائزہ لے کر اپنی رپورٹ مجلس تعلیمی (Acedemic council) کو پیش کرتے ہیں۔ امتحانات میں کسی طرح کی نرمی یا رعایت نہیں کی جاتی ہے، کاپیوں کی جانچ بھی نہایت سختی سے کی جاتی ہے، حتی الامکان کسی کے ساتھ ناانصافی سے گریز کیا جاتا ہے، معیار بندی میں امتحان کے مقررہ اصولوں سے ہم کسی طرح سمجھوتہ نہیں کرتے ہیں، جس کی وجہ سے طلبہ کی جدو جہد پورے سال تک جاری رہتی ہے اور فراغت کے بعد وہ ملک کی نامور دانش گاہوں میں کھرے اترتے ہیں۔

نظام تربیت

علامہ ارشد القادری صاحب کی عقابی نگاہوں نے شروع سے ہی تاڑ لیا تھا کہ ہمیں جامعہ کے فارغین کو اس روحانی زوال اور فکری انارکی سے بچانا ہے، ورنہ مستقبل ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے گا، چنانچہ جامعہ کے ابتدائی تعارفی کتابچے میں تحریر کرتے ہیں۔

"تعلیم سے زیادہ ہمارے یہاں داعیوں کی عملی تربیت اور ان کی شخصیت کی تعمیر کی طرف خصوصی توجہ دی جارہی ہے، تاکہ آنے والی زندگی میں وہ اولوالعزمی کے ساتھ ہر طرح کے حالات کا سامنا کرسکیں اور اپنی دعوت ہی سے نہیں بلکہ اپنے کردار اور اپنی زندگی کے خدوخال

سے بھی وہ عوام کو قائل کرسکیں، اس راہ میں چونکہ سب سے زیادہ ضبط و تحمل، ایثار و جفاکشی اور فکر و تعقل کے ساتھ وقت پر صحیح اقدام کی ہے، اس لئے شروع سے ہی طلبہ کو انتظامی ذمہ داریوں اور جماعتی کردار کے مراحل سے گزارا جارہا ہے۔ جس طرح کے افراد ہم اپنے یہاں ڈھالنا چاہتے ہیں ان کا پورا سراپا بھی ہمارے ذہن میں ہے اور متوقع نتائج تک پہونچنے کے وسائل سے بھی ہم پوری طرح باخبر ہیں، اس لئے ہماری ہر گزرنے والی شام اور ہر آنے والی صبح اسی متعین منزل کی طرف رواں دواں ہے"

ذہنی زندگی کی علامتوں میں سب سے واضح علامت نماز اور ظاہری تشخص ہے، اس لئے جامعہ کے نظامی مسجد کو ہم نے طلبہ کے سجدوں سے آباد کر دیا ہے، طلبہ اتنی پابندی کے ساتھ جماعت میں شریک ہوتے ہیں کہ عبادت اب ان کی عادت ثانیہ بنتی جارہی ہے، موذن اور امام کے فرائض بھی طلبہ خود ہی انجام دیتے ہیں، عموماً اذان و اقامت شعبۂ حفظ کے ذمہ اور امامت و خطابت شعبۂ تخصص کے ذمہ ہوتی ہے۔

ماہانہ تعلیمی وظیفہ

دور جدید میں ماہنامہ تعلیمی وظیفہ کا تصور نہایت بلند ہو چکا ہے، جو کورس جس قدر مشقت طلب ہے، حکومتیں اور تعلیمی ادارے طلبہ کے لئے اسی قدر سہولتیں بھی مہیا کرتے ہیں، ماہانہ تعلیمی وظیفہ بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے، بعض کورسیز میں یہ رقم کبھی کبھی اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ عام مدارس کے مدرسین بھی اس کا تصور نہیں کرسکتے، یہ وظیفہ صرف اس لئے دیا جاتا ہے تاکہ طالب علم پوری ذہنی یکسوئی کے ساتھ اپنا تعلیمی سفر جاری رکھ سکے۔

مدرسوں میں مالی بحران کے سبب وظیفہ کا تصور بالکل ختم ہو چکا ہے، اسی لئے بانی جامعہ رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ نے وظیفہ کی اسکیم (Scheme) کا اعلان کیا تو بہت سے تعلیمی و ادبی حلقوں نے اس پر حیرانی کا اظہار کیا، دراصل یہ علامہ ارشد القادری صاحب کا ہی جگر تھا جس نے ایسا قدم اٹھایا، ورنہ جہاں یومیہ مطبخ کا خرچ چلانا دشوار ہو وہاں ماہانہ وظیفہ چہ معنی دارد؟

بہر حال حسب ضابطہ جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء نے پانچ سو روپیہ ماہانہ وظائف طلبہ تخصص ادب و دعوت کے لئے مقرر کیا ہے، البتہ مالی مشکلات یا خوش حالی کے مدنظر یہ مقدار گھٹتی یا بڑھتی رہتی ہے، جس کے لئے ہم اپنی مجبوریوں اور قوم کی بے التفاتیوں کے پیش نظر کسی طرح کی معذرت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، اگر قوم ہمارے ہاتھوں کو مضبوط کرے اور خوش حال مسلمان ہماری مالی سرپرستی کریں تو ہمیں کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔

مقالہ برائے تخصص ادب و دعوت

عصر حاضر میں مقالہ نگاری عصری جامعات کے منتہی طلبہ کے کورسز کا لازمی جز ہے، مثلاً ایم۔اے۔ وغیرہ میں ایک مضمون تحقیقی مطالعہ کا داخل ہوتا ہے، الہ آباد، یو.پی، بورڈ میں بھی فاضل ادب میں ایک مضمون برائے تحقیقی مطالعہ داخل نصاب ہے، اس موضوع پر طالب علم ایک مختصر مقالہ کی شکل میں اپنے مطالعہ کا نچوڑ پیش کرتا ہے، یونیوسٹیز (Universities) میں یہ طریقہ کار صرف ادبی علوم و فنون، یا عصری علوم وفنون تک محدود نہیں ہے، بلکہ دینی علوم وفنون میں بھی یہ طریقہ معروف ہے، نحو و صرف جو کہ نہایت خشک موضوع مانے جاتے ہیں، لیکن وہاں ان کے تعلق سے بھی مقالات تحریر کرائے جاتے ہیں، جب تک مقالہ جمع نہیں ہوجاتا، سند نہیں دی جاتی ہے۔ جہاں تک میرا علم ہے یہ سلسلہ ابھی تک سنی مدارس میں شامل نصاب نہیں ہوسکا ہے، جو طلبہ کی تحریری صلاحیتوں پر اثر انداز ہو رہا ہے، ان کی فطرتیں سہل پسند بنتی جارہی ہیں۔

جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء نے شروع سے ہی اس بات کو مدنظر رکھا کہ طلبہ کو مذہبی علوم کے ساتھ عصری علوم وفنون میں بھی کامل دستگاہ بہم پہونچائی جائے، اس سلسلے میں مجلس تعلیمی (academic council) نے ایک جامع اور فعال نظام تربیت وضع کر رکھا ہے جو مرحلہ بہ مرحلہ تجربہ وتطبیق کے دور سے گزر رہا ہے۔

اسی تربیتی سلسلے کی ایک سنہری کڑی یہ ہے کہ تخصص ادب و دعوت (سال دوم) کے طلبہ قبل فراغت کسی ادبی یا علمی موضوع پر ایک تحقیقی مبسوط مقالہ قلمبند کریں گے، اس مقالہ کی ترتیب، تکمیل کے بعد ہی وہ سند تخصص ادب ودعوت کے مستحق قرار پائیں گے۔ اس مقالے کے سلسلے میں عید قربان کی تعطیل کے فوراً بعد ضروری معلومات فراہم کر دی جاتی ہیں، طلبہ مقالے کا تفصیلی خط تیار کر کے حضرت پرنسپل صاحب کے پاس جمع کر دیتے ہیں، جو حضرت امیر جامعہ کی نظر ثانی اور منظوری کے بعد پاس کیا جاتا ہے، ہم نے یہ التزام برتا ہے کہ جب تک یہ مقالہ جمع نہ ہو جائے سند تخصص طلبہ کے حوالہ نہ کی جائے، یہی طریقہ کار دیگر مدارس میں بھی رائج ہونا چاہئے تاکہ علمی معیار بلند ہو اور طلبہ تن آسانی کے عادی نہ ہوں۔

فرزندان جامعہ، جامعہ ازہر مصر میں

مولا تعالیٰ حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ کی عمر میں برکتیں عطا فرمائے جنھوں نے ایک بوڑھی قوم کی آنکھوں میں حوصلوں کی نئی چمک پیدا کر دی اور دہلی میں جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء قائم کر کے وہ راہ داری ہمیشہ کے لئے کھول دی جس سے اہل سنت و جماعت جامعہ ازہر کی فضاؤں میں قدم رکھ سکتے ہیں۔

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب نے شیخ الازہر سے ضعف و ناتوانی کے باوجود اپنا رابطہ مسلسل بنائے رکھا، خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا، براہ راست بھی کوششیں ہوتی رہیں اور بالآخر وہ ساعت سعید آ پہنچی جب جامعہ ازہر نے جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء کے کورس کو "انٹر میڈیٹ" کے مساوی (equivalent intermediate) تسلیم کر لیا اور اس کے فارغین کو بی اے (B.A.) عربک میں داخلہ کا مجاز قرار دیا۔

الحمد اللہ اس وقت نصف درجن فرزندان جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء جامعہ ازہر مصر میں عربی زبان وادب اور اسلامی علوم وفنون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں ۔ انشاء اللہ جب سنی ازہری علماء کے قافلے ہندوستان واپس آئیں گے تو ہمارا جماعتی قد اتنا بلند ہو جائے گا کہ ہم پھولے نہ سمائیں گے اور انہیں کی برکتوں سے جماعتی سطح پر وہ انقلاب رونما ہوگا جسے برپا کرنے کے لئے جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء کا قیام عمل میں آیا ہے، میرا خیال ہے کہ اس عظیم و تاریخ ساز کامیابی کے بعد ہماری قوم اور ہمارے معاونین ہم سے یہ سوال نہ کریں گے کہ ہم دہلی میں بیٹھ کر کیا کر رہے ہیں۔ جامعہ ازہر گو ہماری آخری منزل تھی۔ لیکن راہ میں ہم نے بہت سے مرحلے چھوڑ دیئے تھے، جنہیں سر کرنا باقی ہے، چنانچہ اب جب کہ جامعہ ازہر مصر نے ہمارے کورس کو منظور کر لیا ہے ہمیں دوسرے عرب ملکوں کی یونیورسٹیز سے بھی منظوری حاصل کرنے میں آسانی ہوگی، سر دست عراق، لیبیا، سوڈان اور جارڈن سے رابطہ جاری ہے، انشاء اللہ یہ مرحلہ شوق بھی جلد ہی طے ہو جائے گا۔

فضلاء جامعہ، ملکی جامعات میں

جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء کے قیام کا بنیادی نصب العین علماء اہل سنت و جماعت کو جدید علوم وفنون اور بین الاقوامی زبانوں سے مسلح کر کے اسلام کا طاقتور داعی بنانا تھا، اس کے لئے ہمیں کئی محاذ پر کام کرنا پڑا۔ سب سے پہلا مرحلہ نصاب سازی کا تھا اور یہ بڑا مشکل مرحلہ تھا، بہر حال مختلف دانش گاہوں کے تجربات اور ماہرین کی آراء

سے استفادہ کرتے ہوئے ایک جدید ترین جامع نصاب تیار کرلیا گیا، جو علماء کرام کو جدید خطوط پر تربیت دینے میں کلیدی رول ادا کر رہا ہے۔ دوسرا مرحلہ ایسے قابل معلمین و اساتذہ کی فراہمی کا تھا جو اس نصاب کو پڑھا سکیں اور اس کے اسرار و رموز کو طلبہ کے دماغوں میں اتار سکیں اور قوم کو ایسے افراد تیار کر کے دے سکیں جو ان کی توقعات پر پورے اترتے ہوں، الحمد اللہ! اس مرحلہ میں بھی ہم سرخرو ہو کر گزرے، دہلی میں ایسے اساتذہ کی کمی نہیں! عصری درسگاہوں میں جدید اسلامی و ادبی موضوعات کی تدریس کا پختہ تجربہ رکھنے والے متعدد اساتذہ کی ہم نے خدمات حاصل کر رکھی ہیں، جو پوری تندہی سے ہمارے مقاصد کی بازیافت میں لگے ہوئے ہیں۔ تیسرا مرحلہ ان افراد کو بہ نفس نفیس عصری دانش گاہوں میں پہونچانے کا تھا، چنانچہ پہلے والے دونوں مرحلوں نے تیسرے مرحلے کا کام بہت حد تک آسان کر دیا، کیوں کہ تیسرے مرحلے کے لئے ہمیں جن تیاریوں کی ضرورت تھی وہ ہم نے پہلے والے دونوں مرحلے میں مکمل کر لی تھیں۔ طلبہ کو پوسٹ گریجویٹ کورس میں داخلہ کے لئے جس ذہنی نشو ونما، بیدار مغزی اور استعداد کی ضرورت تھی وہ ہم نے فراہم کر دیا، اس طرح نہایت آسانی کے ساتھ ہمارے فرزندوں کی ایک معقول تعداد دہلی کی متعدد عصری دانش گاہوں میں داخل ہوگئی، گویا ایک نئی زمین اور ایک نئی فضا میں اپنے آپ کو سنوارنے اور دوسروں کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی نئی راہیں پیدا ہو رہی ہیں، انشاء اللہ مستقبل قریب میں جماعتی سطح پر ہماری اس جدو جہد کے خوش کن اثرات مرتب ہوں گے، اس وقت تقریباً ایک درجن طلبہ دہلی کی مختلف یونیورسٹیز میں جامعہ اور اپنے اساتذہ کا نام روشن کر رہے ہیں، البتہ دشواری یہ ہے کہ ہمارا کورس ان یونیورسٹیز میں تسلیم شدہ نہیں ہے جس کی وجہ سے طلبہ دوسرے اداروں یا بورڈوں کی اسناد کا سہارا لے رہے ہیں، اس دشواری پر قابو پانے کے لئے ہماری کوششیں جاری ہیں، متعدد معروف یونیورسٹیز سے کورس کو منظور کرنے کے لئے درخواست دی گئی ہے اور ضروری کاروائیاں بھی مکمل کر لی گئی ہیں، نتائج کا انتظار ہے، انشاء اللہ قارئین کی دعائیں اگر ساتھ رہیں تو مشکلے نیست کہ آساں نہ شود--

---

قطعہ

علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ

خون ہے یہ شہہ لولاک کے شہزادوں کا
کوئی قیمت بھی لگائے تو لگائے کیونکر
عفوامت پہ صلح کرنے کو آمادہ ہے
سیدہ آپ کا ممنون ہے سارا محشر

مفتی محمد ایوب مظہر گانگی
دار العلوم وارثیہ، گومتی نگر لکھنؤ

گوہر شب چراغ

رئیس القلم علامہ ارشد القادری کو قدرت نے پہل دار بنا کے اُجالا ہے۔ تعلیم و تدریس، تحریر و تقریر، تالیف و تصنیف، دعوت و تبلیغ، صحافت و سیاست، تحریک و تنظیم ہر کوچہ ان کی تابانیوں سے منور ہے۔ مبدأ فیض سے اس سودا برہنہ پا کو ایسا جادو نگار اور سحر طراز قلم عطا ہوا ہے جس کی شگفتگی و شادابی، گل کاری و گہرباری، نے ریزی وے بیزی پر زمانہ والہ و شیدا ہے۔ ان کا رسیلا اُسلوب، سجیلا لہجہ، تیکھا اور کٹیلا رنگ و آہنگ زبان و ادب کو ایک نئے مزاج سے آشنا کرتا ہے۔ سچ ہے کہ علامہ نے سرشار جملوں، خمار آلودہ ترکیبوں، دل آویز بندشوں سے اردو دنیا کی ثروت میں گراں قدر اضافہ کیا ہے اور اپنی تحریروں کے رچاؤ، بانکپن، جاذبیت و دلکشی اور دل فریبی سے ایک نیا جہان آباد کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے ان اقتباسات میں لفظوں کا ترنم، ترکیبوں کی نغمگی اور بندشوں میں پروئی ہوئی موسیقی کی ترنگ:

(۱) نبی زادے کے خیر مقدم کے لئے آنکھوں کا فرش بچھانے والی آبادی اب اس کی تڑپتی ہوئی لاش کے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ تلواروں کی دھار، برچھوں کی آنی اور تیروں کی نوک پر اب بھی خون کے نشانات موجود تھے ابن زیاد کے حکم سے حضرت امام کی مقدس نعش شاہراہ عام پر لٹکا دی گئی تھی کئی دنوں تک لٹکتی رہی۔ نبی کا کلمہ پڑھنے والے کھلی آنکھوں سے یہ ہولناک منظر دیکھتے رہے آل رسول کی جان لیکر بھی شقاوتوں کی پیاس نہیں بجھ سکی، ہائے رے نیرنگئ عالم! زمین و آسمان کی وسیع کائنات جس کے گھر کی ملکیت تھی آج اس کی تربت کے لئے کوفہ میں گز بھر زمین نہیں مل رہی تھی۔ جس کی رحمتوں کے فیضان نے اہل ایمان کی جانوں کا نرخ اونچا کر دیا تھا آج اسی کے نور نظر کا خون ارزاں ہو گیا تھا شرم سے سورج نے مُنہ چھپا لیا فضاؤں نے سوگ کی چادر اوڑھ لی اور جب شام آئی تو کوفہ ایک بھیانک تاریکی میں ڈوب گیا تھا مہمانان کے ساتھ کوفہ والوں کی دغا قیامت تک کے لئے ضرب المثل بن گئی۔

(نقش کربلا)

(۲) ابھی چند ہی دن ہوئے کہ ماں کی ماتا نے پیار کی ٹھنڈی چھاؤں میں مدینے سے رخصت کیا تھا ناز اٹھانے کے لئے باپ کی شفقتوں کا قافلہ ساتھ ساتھ چل رہا تھا اب نہ باپ کا دامن ہے کہ پکڑ کر مچل جائیں نہ ماں کا آنچل ہے کہ سہم جائیں تو منہ چھپا لیں کچی نیند سو کر اٹھنے والے اب کسے آواز دیں کون ان کی پلکوں کا آنسو اپنی آستین میں جذب کرے۔ آہ! غنچوں کی وہ

نازک پنکھڑی جوشبنم کا بار بھی نہیں اٹھا سکتی آج اس پر غم کا پہاڑٹوٹ پڑا ہے۔

(نقش کربلا)

(۳) فاطمی شہزادوں کی بلائیں لیتے ہوئے اس کے یہ رقت انگیز الفاظ ہمیشہ کے لئے گیتی کے سینے میں جذب ہوگئے۔ ذرا دیکھئے! یہ کالی گھٹاؤں کی طرح کاکل یہ چاند کی طرح درخشاں پیشانی، یہ نور کے موجوں میں نکھرا ہوا چہرہ یہ پروئے ہوئے موتیوں کی طرح دانتوں کی قطار، یہ پھولوں کی پنکھڑی کی طرح پتلے پتلے ہونٹ، یہ گل ریز تبسم یہ گہر بار تکلم یہ رحمتوں کا سویرا، یہ سرگیں آنکھیں، یہ معصوم اداؤں کا چشمۂ سیال سچ بتایئے کیا یتیموں کی یہی سج دھج ہوتی ہے؟ خبر دار آج سے میرے ان جگر پاروں کو جو یتیم کہے گا میں اس کا منہ نوچ لوں گی ان کے گھر کا بخشا ہوا چراغ پہلے ہی سے گھر میں تھا۔ ہے نصیب کہ دو چراغ اور آگئے جس گھر میں تین چراغوں کا نور برستا ہو وہ خاکیوں کا گھر نہیں ستاروں کی انجمن ہے:

(لالہ زار)

یہ شاعری، ادب اور محاکات کی زبان ہے اس زبان کو علمی، فکری اور کلامی مسائل و مباحث میں خوش اسلوبی اور سلیقہ مندی سے برتنا اور شروع سے آخر تک نباہنا فنکارانہ قدرت کا متقاضی ہے اور علامہ کو یہ قدرت حاصل ہے۔

مثلاً یہ تحریریں ملاحظہ ہوں

دشمن کی نظر میں سرکار خواجہ کشور ہند کے سلطان کی طرح جگمگا رہے ہیں جبکہ دوست کی نگاہ انہیں پتھر کے صنم سے بھی زیادہ حیثیت نہیں دیتی۔ اس مقام پر مجھے صرف اتنی بات کہنی ہے کہ ایمان کی آنکھوں کا چراغ اگر گل نہیں ہوگیا ہے تو ایک طرف ان دیوبندی مشاہیر کے ذہن میں نانوتوی صاحب کا وہ سراپا دیکھئے کتنا بااختیار اور کبریائی قدرتوں سے کتنا مسلح نظر آتا ہے کہ کارسازی اور چارہ گری کے لئے وہ نیازمندوں کو اپنے مرقد تک بھی آنے کی زحمت نہیں دیتے جہاں ذرا سی آنچ محسوس ہوئی خود ہی عالم برزخ سے دوڑے چلے آتے ہیں اور اپنی کارسازی کا جلوہ دکھا کر واپس لوٹ جاتے ہیں اور آتے بھی ہیں تو اس پیکر مانوس میں کہ دیکھنے والے انھیں ماتھے کی آنکھوں سے دیکھیں اور پہچان لیں لیکن وائے رے دل حرماں نصیب کی نابکاری! کہ دوسری طرف اسی ذہن میں خواجہ ہند کا جو تصور ابھرتا ہے اس میں ان کے روحانی اقتدار کے اعتراف کے لئے قطعا کوئی گنجائش نہیں ہے۔

جسم ظاہری کی محسوس شوکتوں طلعتوں اور عطر بیز نکہتوں کے ساتھ کسی غم نصیب تک پہونچنے کی بات تو بڑی ہے کہ یہ حضرات تو ان کے متعلق اتنی بات بھی تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں کہ اُن کے کاکل ورخ کی جلوہ گاہ میں پہنچ کر بھی کوئی فیضیاب ہوسکتا ہے۔

(زلزلہ)

عقیدت کا خمار بھی کتنا ایمان شکن ہوتا ہے یہی مولانا عامر ہیں جنہیں ایمان کے سائے میں بھی شرک کے صنم خانے نظر آتے ہیں اور جن کے عقیدے میں اللہ والوں کی چوکھٹ پر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتے ہی سو برس کا ایمان غارت ہوجاتا ہے۔ لیکن قیامت ہے کہ وہی مولانا مودودی کے آستانۂ عظمت پر دن کی

روشنی میں سجدۂ نیاز لٹار ہے ہیں اور ان کے عقیدۂ توحید کو ذرا بھی ٹھیس نہیں لگتی، یاللعجب! کہ جو اولیاء اللہ کے آستانے پر ''نیاز بے سجدہ'' کو شرک جلی سمجھتا ہے وہ اپنے ممدوح کے سنگ آستانہ پر سجدۂ نیاز لٹاتے ہوئے ایمان کا فخر محسوس کر رہا ہے۔

(جماعت اسلامی)

غیب کی نقاب کشائی کی ذرا یہ شان ملاحظہ فرمایئے کہ پارس پتھر کی طرح ہتھیلی پر ہتھیلی رگڑتے ہی آنکھیں روشن ہوگئیں اور عرش تک کے سارے حجابات آن واحد میں اٹھ گئے اور صرف اٹھ ہی نہیں گئے بلکہ اپنے رنگین مزاج شاگرد کو پلک جھپکتے ہی وہاں پہونچادیا جہاں بجز سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عالم گیتی کا کوئی انسان اب تک نہیں ہونچ سکا۔

عالم غیب پر اپنے اقتدار کے تسلط کا تو یہ حال بیان کیا جاتا ہے کہ جسے چاہا غیب داں بنا دیا لیکن محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بیک زبان سب متفق ہیں کہ کسی اور کو حرم سرائے غیب کا محرم بنانا تو بڑی بات ہے کہ وہ خود غیب کی بات نہیں جانتے اور عرش کا تو پوچھنا ہی کیا ہے کہ فرش بھی ان کی نگاہ سے اوجھل ہے

(زلزلہ)

علامہ نے اظہار وترسیل کے لئے اطناب و ایجاز دونوں اسلوب کو اپنایا ہے اور دونوں ہی اسلوب میں گلہائے رنگا رنگ کی نمود نظر آتی ہے ایجاز بیانی کی چند مثالیں۔ جماعت اسلامی اور اس کے امیر مولانا مودودی کے فکری مزاج پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

خود ہی فتنۂ الحاد کا دروازہ کھولنا اور خود ہی اُسے بند کرنے کے لئے تحریک چلانا جماعت اسلامی کا اتنا بڑا تجارتی فن ہے جسے سمجھنے کے لئے گہرائی میں اُترنے کی ضرورت ہے۔

(جماعت اسلامی)

نیازی صاحب کا طویل مراسلہ اتنا واضح ہے کہ اس کے اہم گوشوں پر نہ بھی روشنی ڈالی جائے جب بھی جماعت اسلامی کی ''پراسرار دعوت'' اور ''فکری مصنوعات کی سجی ہوئی دکان'' کے پیچھے جو شرمناک حقائق ہیں وہ پورے طور پر بے نقاب ہوگئے ہیں اس آئینے میں جماعت کی تنظیمی، دینی، اخلاقی، سیاسی اور فکری حادثوں کی جو تصویر نظر آتی ہے اسے دیکھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی دینی جرائم کی تاریخ کا ایک خوبصورت ٹائیٹل ہے۔

(جماعت اسلامی)

جماعت اسلامی کا لٹریچر اس سے زیادہ اور کوئی خدمت انجام نہیں دے رہا ہے کہ مغرب زدہ ذہنوں کو ایک گمراہی سے نکال کر دوسری گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے تو فرق اتنا ہے کہ پہلے اسلام کے خلاف گمراہی تھی اب اسلام کے نام گمراہی ہے پہلی گمراہی سے پلٹنا آسان تھا دوسری گمراہی سے نجات پانا بہت مشکل ہے

گمراہیوں کا تبادلہ بھی اگر تحسین و پذیرائی کے قابل ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے جماعت اسلامی کے محاسن کی فہرست میں اسے ضرور شامل کرلیا جائے۔

(جماعت اسلامی)

صحابہ کرام سے لیکر تابعین، ائمہء مجتہدین، علمائے راسخین، مفسرین ومحدثین اور اولیائے کاملین شامل ہیں

جنگی مشترکہ جدو جہد اور متوارث کوششوں سے دین اپنی واضح اور مفصل تشریحات کے ساتھ ہم تک پہونچا ہے لیکن مولانا مودودی کو نہ ان بزرگوں کی فکرو دیانت پر اعتماد ہے اور نہ انکی تشریحات پر بھروسہ ہے وہ اکیلے سب کی رائے کو ٹھکرا کر اپنی رائے کی برتری دنیا سے منوانا چاہتے ہیں۔

(جماعت اسلامی)

مولانا مودودی ایک مطلق العنان فرمانبردار کی طرح مسند احتساب پر متمکن ہیں اور ایک ایک شخص کی ہستی کا جائزہ لے رہے ہیں کسی کی نامۂ زندگی ان کی نظر میں بے داغ نہیں ہے ہر شخص کسی نہ کسی الزام کی زد میں ہے۔

(جماعت اسلامی)

مولانا مودودی کو وہ نگاہ مبارک ہو جس نے کلیسا کا چراغ لیکر کعبہ کے پاسبانوں کا عیب تلاش کیا ہے۔

(جماعت اسلامی)

کیا جماعت اور امیر جماعت کے حقیقی خدوخال کو نمایاں کرنے کے لئے اس سے بڑھ کر بھی کوئی دوسرا دل نشین اور حسین پیرایہ ہوسکتا ہے چند فقروں میں معنی آفرینی، حسن کاری اور زبان و بیان کی چاشنی کے ساتھ ایسی تفصیلات رکھ دی گئی ہیں کہ قاری ان سبھی کی گہرائی میں جتنی دور تک اترتا جائیگا اتنے ہی جماعت کے تراشے ہوئے بلند بانگ نعروں اور خوبصورت اصطلاحوں کی قلعی اس پر کھلتی جائے گی ان جملوں میں ایجاز بیانی، طرّاری اور شوخی وطنازی کا ایسا خوبصورت امتزاج ہے کہ نثار ہونے کو جی چاہتا ہے۔ نوک قلم کا چھویا ہوا ایک ایک جملہ ذہن وفکر میں ایسی روئیدگی اور بالیدگی پیدا کر دیتا ہے اور ایسا چونکانے والا اثر چھوڑ جاتا ہے کہ وجدان جھوم اٹھتا ہے یہی وہ اسلوب ہے جس کو ''کوزے میں دریا بند کر دینا'' اور ''رگ گل سے تلوار کا کام لینا'' کہتے ہیں۔

ہر موضوع مواد، مضمون، نوعیت اور تکنیک کے اعتبار سے جداگانہ اسلوب اور پیرائیہ بیان کا متقاضی ہوتا ہے، علامہ نے اپنی تصنیفات میں ادب کے جملے تقاضوں کو ملحوظ رکھا ہے لیکن اس حسن ادا کے ساتھ کہ دلکشی، لطافت اور رعنائی جو ان کی تحریروں کا قدر مشترک ہے ہر تصنیف میں نمایاں رہے اور یہی خصوصیات ان کی تحریروں کو دیگر تمام تحریروں سے ممتاز بناتی ہیں علامہ اپنی ہر تحریر میں اسی قدر مشترک کے ساتھ موجود رہتے ہیں اس لئے موضوع چاہے جو بھی ہو ان کی دو چار سطروں اور جملوں کو پڑھنے کے بعد قاری بہ آسانی ان تک پہونچ جاتا ہے اور ان کا زرنگار قلم پہچان لیا جاتا ہے۔

علامہ اگر چہ ''زلزلہ'' اور ''زیروزبر'' کے مصنف کی حیثیت سے جاودانی ہیں مگر ان کی شخصیت صد اوصاف گراں مایہ کی حامل ہے علمی ثقاہت، فکری اصابت، تنقیدی بصیرت، جودت وذکاوت، تنظیمی قابلیت، مدبرانہ قیادت، قائدانہ لیاقت یہ سارے فضائل ان میں جمع ہیں لیکن ان کا سب سے نمایاں وصف جو انکو اپنے معاصرین سے ممتاز کرتا ہے جماعتی فکر و پیغام کے تحفظ وفروغ میں ان کا مدبرانہ اور دانشمندانہ کردار ہے۔

علامہ عابد شب زندہ دار یا زاہد مرتاض نہیں لیکن عشق رسول میں تفتہ جگر، شوریدہ سر اور سوختہ جان ہیں، عشق کا شرارہ ان کے رگ و پے میں زندگی کی طرح رواں دواں ہے سوز وگداز عشق نے ان کو رقیق القلب اور گداختۂ دل بھی بنادیا ہے عشق کی حرارت نے ان کے قلم اور انکی شخصیت میں ایسی تاثیر و جاذبیت اور ایسی سطوت وصولت پیدا کردی ہے کہ اپنے شادکام اور بیگانے لرزہ براندام رہتے ہیں حضور مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم بزرگان دین اور اولیائے کرام سے انکو بڑی والہانہ عقیدت ومحبت ہے اور یہی نسبت گرامی انکے افکار کا سرچشمہ اور انکی سرفرازی وار جمندی کا منبع ہے۔

مولانا محمد نوشاد عالم رضوی
سالماری، کٹیہار

''زیروزبر'' پس دیوار زنداں کی تحریر

خالق کائنات جن شخصیتوں سے خیر کا ارادہ فرماتا ہے اور دین کا کام لینا چاہتا ہے انہیں دین کی صحیح فکر اور کامل شعور عطا فرما کر کار خیر کی توفیق مرحمت فرماتا ہے۔ پھر وہ عظیم شخصیتیں خداداد فقاہت وصلاحیت کی بنیاد پر قوم کی صحیح رہنمائی فرماتی ہیں۔ صحیح اور غلط، حق اور باطل کے درمیان خط امتیاز کھینچتی ہیں۔

انہیں قابل قدر شخصیتوں میں ایک عظیم شخصیت حضرت علامہ ارشد القادری کی ہے۔ جن کو اہل سنت و جماعت کی غالب اکثریت رئیس القلم، مناظر اسلام، قائد ملت، آبروئے اہل سنّت بانی مدارس کثیرہ، صاحب تصانیف متعددہ وغیرہ القاب سے یاد کرتی ہے۔

علامہ موصوف نے ۱۹۴۴ء میں الجامعہ الاشرفیہ مبارک پور (عربی یونیورسٹی) سے استاذ العلماء جلالۃ العلم حضور حافظ ملّت شاہ عبد العزیز محدث مبارکپوری بانیٔ الجامعۃ الاشرفیہ کے مقدس ہاتھوں سند دستار فضیلت حاصل کی۔ پھر اپنی متحرک صلاحیتوں اور قابلیتوں کے اظہار و تعبیر کے لیے مدرسہ فیض العلوم جمشید پور کا سنگ بنیاد رکھا جو مشرقی ہندوستان کی ایک ممتاز ترین درسگاہ ہے۔

علامہ اپنے سینے میں بڑا مذہبی درد رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فراغت کے بعد آپ نے درس و تدریس، وعظ و نصیحت مناظرہ و مباحثہ تبلیغ وارشاد کے ذریعہ نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور اب تک دعوت و تبلیغ کی ان راہوں میں سرگرم عمل ہیں۔

آپ نے ہند اور بیرون ہند کا تبلیغی دورہ تسلسل کے ساتھ جاری رکھا۔ اور جگہ جگہ دینی مدارس، عربی جامعات اور انجمنیں قائم فرمائیں۔

موصوف کی تنظیمی اور جماعتی کارناموں میں سے قابل فخر اور عظیم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے درجنوں کتابیں تصنیف فرما کر قوم اور آنے والی نسل کے ایمان و عقیدے کی حفاظت و صیانت کا اسلامی فریضہ انجام دیا۔

سلسلۂ تالیفات وتصنیفات کی ایک اہم کڑی ''زیروزبر'' نامی کتاب ہے جو علامہ کی عمدہ تصنیف اور جمشید پور جیل کی ایک خوبصورت یادگار ہے۔

''زیروزبر'' کتاب کا یہ نام بہت مختصر، معنی خیز اور بامحاورہ ہے۔ کتاب کے نام ہی سے مصنّف کی بے پناہ علمی لیاقت اور ادبی صلاحیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ذالك فضل اللّٰه يعطيه من يشآء۔

علامہ نے ''زیروزبر'' میں ''زلزلہ'' نامی کتاب کے جواب میں لکھی گئی کتابوں کا تنقیدی جائزہ لیا ہے۔ دراصل یہ کتاب جواب الجواب کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ علمائے دیوبند نے جن معتقدات کو انبیاء و اولیاء کے حق میں کفر و شرک قرار دیا ہے انہیں معتقدات کو اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں ایمان و اسلام قرار دیا ہے۔

مثلاً ہندوپاک میں مسلمانوں کی عظیم اکثریت انبیاء و اولیاء کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ خدا نے ان پاک نفوس کو غیبی علم

وادراک کی مخصوص قوت عطا کی ہے جس کے ذریعہ انہیں مخفی امور اور پوشیدہ احوال منکشف ہوتے ہیں۔ یوں ہی ربّ قدیر نے انہیں کاروبارِ ہستی میں تصرف کا بھی اختیار عطا فرمایا ہے۔ جس کے ذریعہ وہ پریشان حال مصیبت زدوں کی دستگیری اور مخلوق کی حاجت روائی فرماتے ہیں۔ مگر علمائے دیوبند کا کہنا ہے کہ انبیاء واولیاء کے حق میں اس طرح کا عقیدہ رکھنا شرک اور کفر ہے۔

اسی قسم کے مندرجات پر مشتمل علامہ نے پہلے ''زلزلہ'' نامی مدلل ومفصل اور معرکۃ الآرا کتاب تصنیف فرما کر دیوبندی جماعت کو بے نقاب کیا اور ان کی دورخی اور تضاد پسند عقیدے کا راز بھی فاش کردیا۔

اور آپ کا سب سے بڑا فنی کمال تو یہ ہے کہ آپ نے ان کی بد عقیدگی کو انہیں کی متعدد کتابوں سے حوالہ جات کی روشنی میں ثابت کر دکھایا ہے۔ اسی کو کہتے ہیں۔ اسی کی تلوار اسی کے سر۔

اس کتاب نے دیوبندی جماعت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ ''زلزلہ'' کے جواب میں مولانا عامر عثانی مدیر ماہنامہ ''تجلی'' دیوبند نے مولوی ارشاد احمد مبلغ دارالعلوم دیوبند کا نام لیکر مخاطب کیا کہ وہ اس کتاب کا جواب لکھیں مگر اس کے باوجود مبلغ صاحب کے کانوں میں جوں تک نہ رینگی اور مورت کی طرح چپی سادھ لی اور ''زلزلہ'' کا جواب نہ دے سکے۔ جب اس کتاب کے بڑھتے ہوئے اثرات کو دیکھ کر دیوبندی علماء بوکھلا گئے اور عوام کی جواب طلبی سے مجبور ہوگئے تو جھلا کر کچھ مدت کے بعد دوسرے علمائے دیوبند نے ''زلزلہ'' کے جواب میں چھ کتابیں لکھیں۔

(۱)انکشاف (۲) بریلوی فتنہ کا نیا روپ
(۳)سیف حقانی (۴)زلزلہ درزلزلہ
(۵)دھماکہ (۶)زلزلہ پرزلزلہ

علمائے دیوبند یہ کتابیں لکھ کر بزعم خویش یہ سمجھ رہے تھے کہ صحیح جواب ہو یا نہ ہو مگر عوامی نقطۂ نظر سے ہم لوگوں نے میدان جیت لیا ہے اور قوم کو یہ تاثر دے رہے تھے کہ اس دھرتی پر اعلیٰ صلاحیت کا مالک اگر کوئی ہے تو بس ہم ہیں۔ اور ہماری جماعت کی حیثیت سچے پکے مسلمانوں کی ہے۔ ہمارے عقائد وافکار کتاب وسنت کے عین مطابق اور دائرہ اسلام میں ہیں۔ یہ کتابیں مارکیٹ میں پھیل کر جھوٹی شہرت حاصل کررہی تھیں اور قوم کو گمراہیوں کی طرف ڈھکیل رہی تھیں، مگر دلیل وبرہان کے اعتبار سے ان کتابوں کی حیثیت کیا ہے وہ اہل علم (خواہ وہ کسی مکتب فکر کے ہوں) اچھی طرح سمجھ رہے تھے۔ جب علامہ نے ان کتابوں کا مطالعہ فرمایا تو عام اہل علم کی طرح ان کا بھی یہی تاثر رہا۔ ذیل کا اقتباس پڑھئے اور ان کتابوں کے تعلق سے علامہ کا مبنی برحقیقت ریمارک ملاحظہ فرمایئے۔

آپ فرماتے ہیں:

> ''چھ میں سے تین کتابیں ایسی ہیں کہ ان کے سرورق پر ''زلزلہ'' کے جواب کا صرف سائن بورڈ ہی ہے ورق الٹئے تو زلزلہ کے اٹھائے ہوئے مباحث کا دور دور تک کہیں پتہ نہیں ہے ان کتابوں کے مصنفین نے اسی کو غنیمت سمجھا کہ سائن بورڈ لگا کر شہیدوں میں اپنا نام لکھوالیں۔
>
> البتہ تین کتابیں ایسی ہیں جنہوں نے غلط سلط جیسے بھی بن پڑا ہے ''زلزلہ'' کے مباحث کو چھونے کی کوشش کی ہے۔ لیکن یہ تو آنے والے اوراق ہی بتائیں گے کہ انہوں نے جواب دے کر گلو خلاصی کی ہے یا اپنی گردنوں کے لئے اور نئے پھندے تیار کرلئے ہیں۔
>
> وہ تین کتابیں یہ ہیں۔
>
> (۱)انکشاف (۲) بریلوی فتنہ کا نیا روپ (۳)زلزلہ درزلزلہ

(زیروزبر صفحہ۲)

پھر کہنا ہی کیا ان کتابوں کی تردید وتغلیط میں فکر وقلم اور شعور وادراک کے عظیم سورما علامہ ارشد القادری دامت برکاتہم العالیہ کا قلم حقیقت رقم جنبش میں آیا اور آپ نے ''زیروزبر'' جیسی فکر انگیز اور

بصیرت افروز کتاب لکھ کر مذکورہ تینوں کتابوں کا بخیہ ادھیڑ دیا۔

اگر قارئین اسے محسوس شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں تو ''زیروزبر'' کا مطالعہ فرمائیں۔

ہم یہاں اپنے انداز میں علمائے دیوبند کے تضاد اور دورخی عقائد کے صرف تین نمونے اوراس پر علامہ کی فاضلانہ تنقید ''زیروزبر'' کے حوالے سے پیش کررہے ہیں جو بھی جماعتی عصبیت سے بالاتر ہو کر پڑھے گا اسے اعتراف کرنا پڑے گا کہ واقعی علمائے دیوبند کے دل میں اپنے نبی کے متعلق کتنا غبار بھرا ہوا ہے۔

اب قارئین پہلا نمونہ ملاحظہ کریں

مولوی رشید احمد گنگوہی کے نزدیک ''انگریزی حکومت'' مالک ومختار ہے جیسا کہ تذکرۃ الرشید کے مصنف مولوی عاشق الٰہی میرٹھی نے لکھا ہے۔

> ''(آپ) سمجھے ہوئے تھے کہ میں حقیقت میں سرکار کافرماں بردار ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بیکا نہ ہوگا۔ اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔''

(تذکرۃ الرشید جلد ا صفحہ ۸۰)

اس عبارت میں مولوی رشید احمد گنگوہی، صاف لفظوں میں یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے انگیریزی حکومت کے خلاف علم جہاد بلند نہیں کیا ہے۔ اگر کوئی میرے بارے میں ایسا کہتا ہے تو یہ جھوٹا الزام ہے۔ مگر گنگوہی صاحب کے عقیدتمند یہ الزام ان پر آج تک دہرا رہے ہیں کہ انہوں نے انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا اس میں گنگوہی صاحب کے معتقدین نے کس قدر صریح تکذیب کی ہے۔

اس پر علامہ نے ''زلزلہ'' میں بے لاگ تبصرہ کیا ہے۔ تبصرہ کا یہ حصہ بار بار پڑھنے کے قابل ہے۔

> خدا کے باغیوں کے لئے تو جذبۂ عقیدت کا یہ اعتراف کہ وہ مالک بھی ہیں اور مختار بھی۔ لیکن احمد مجتبیٰ محبوب کبریا ﷺ کی جناب میں ان حضرات کے عقیدے کی زبان یہ ہے۔

> جس کا نام محمد یا علی ہو وہ کسی چیز کا مختار (مالک) نہیں۔

(تقویۃ الایمان صفحہ ۴۲ بحوالہ زیروزبر صفحہ ۸۸)

اس الزام کا جواب جو مفتیان دیوبند نے ''انکشاف'' نامی کتاب میں دیا ہے وہ اپنے نبی کے متعلق دل کے چھپے ہوئے نفاق کا ایک کھلا ہوا اعتراف ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

تقویۃ الایمان میں تو مالک ومختار حقیقی کی نفی کی گئی ہے وہ اللہ کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔ اب رہا حضرت گنگوہی کا ارشاد کہ سرکار مالک ہے تو یہاں سے مجازاً یالغۃً مراد لیا جاسکتا ہے۔

(انکشاف صفحہ ۱۵۱ بحوالہ زیروزبر صفحہ ۸۸)

اس پر ''زیروزبر'' میں علامہ نے جو تنقیدی جائزہ لیا ہے اور اپنا قلمی جوہر دکھایا ہے یقیناً اسے پڑھ کر آپ کی روح خوش ہو جائے گی۔ اور طبیعت جھوم جھوم اٹھے گی۔

مصنف انکشاف کی مذکورہ تاویل پر حضرت رئیس القلم کا عالمانہ ریمارک ملاحظہ فرمائیں۔ جسے پڑھ کر یقیناً اہل ایمان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔ آپ فرماتے ہیں:

> نہ ''مختار حقیقی'' کا لفظ تقویۃ الایمان میں ہے اور نہ مالک مجازی کی ترکیب تذکرۃ الرشید میں۔ دونوں جگہ صرف ''مختار'' اور صرف ''مالک'' کا لفظ ہے لیکن اخلاق ونفاق کا یہ فرق محسوس کیجئے کہ سرکار برطانیہ کو مالک ثابت کرنے کے لئے مجازی کا سہارا لیا گیا۔ اور نبی کے حق میں مالک ومختار کی نفی کرنے کیلئے حقیقی کی قید بڑھا دی گئی۔ قلم کی کاری گری دونوں جگہ ہے لیکن ایک جگہ حمایت میں ہے اور دوسری جگہ مخالفت میں۔
>
> یہاں تو انگریزوں کو مالک ثابت کرنے کے لئے نہیں بھی تاویل کی گنجائش تھی تو نکال لی گئی۔ لیکن ایک وفادار امتی نے اپنے رسول ﷺ کے بارے میں لکھ دیا تھا کہ وہ تمام آدمیوں کے مالک ہیں جو انہیں مالک نہ

جانے حلاوت سنّت سے محروم ہے۔

(زیروزبر صفحہ ۸۹)

تو صرف اتنی سی بات پر مفتیان دیوبند اتنے مشتعل ہو گئے کہ اپنے قلم کی شرافت بھی برقرار نہ رکھ سکے اور زہر میں بجھی ہوئی تحریر سے مصنف بہار شریعت کے جذبۂ عقیدت کو اس طرح مجروح کیا۔

''ایسی جرأت بیجا کے ساتھ قرآن وحدیث کی مخالفت کرنے والے کیا اب بھی مسلمان اور وحدت پرست رہ سکتے ہیں۔''

(انکشاف صفحہ ۱۰۷ بحوالہ زیروزبر صفحہ ۸۹)

اس پر علامہ کا تبصرہ قابل مطالعہ ہے۔

سرکار برطانیہ کو اپنا مالک ومختار قرار دے کر اگر آپ کے اکابر آپ حضرات کے نزدیک مسلمان اور وحدت پرست ہیں۔ تو جو لوگ نبی کو اپنا مالک کہہ رہے ہیں ان کا اسلام کیوں خطرے میں پڑ جائے گا۔ انگریزوں کو اپنا مالک ومختار سمجھنا کیا قرآن وحدیث کی مخالفت نہیں؟

(زیروزبر صفحہ ۸۹)

یہاں تک عقیدۂ تضاد اور اس پر بے مثال تنقید کا ایک نمونہ ختم ہوا۔ اب دوسرا نمونہ ملاحظہ کریں۔

انبیاء واولیاء کے بارے میں صاحب تقویۃ الایمان کا یہ عقیدہ ہے کہ انہیں اپنا حاجت روا سمجھنا شرک ہے۔ لیکن اپنے بزرگوں کے متعلق دیوبندیوں نے ''اصطلاحات صوفیہ'' نامی کتاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہی لوگ مسند ارشاد کے وارث ہوتے ہیں۔ ان سے مخلوق کی حاجت روائی ہوتی ہے۔

(انکشاف صفحہ ۲۵ بحوالۂ زیروزبر صفحہ ۱۳۳)

اس پر علامہ نے جو گرفت فرمائی ہے وہ کس قدر صداقت و حقانیت پر مبنی ہے فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہوں ملاحظہ کریں

علامہ فرماتے ہیں:

''آپ حضرات کے دعوے کے مطابق جب ان سے مخلوق کی حاجت روائی ہوتی ہے تو لازماً وہ حاجت روا ہوئے۔ کہاں تو انبیاء تک کو حاجت روا سمجھنا شرک تھا۔ اور اب اپنے بزرگوں کے صدقے میں سالکین کو بھی حاجت روائی کا منصب آپ لوگوں نے دے دیا۔

واضح رہے کہ تضاد کے الزام سے جان چھڑانے کے لئے اب اس تاویل کی بھی گنجائش باقی نہیں ہے کہ سالکین کے لئے اس منصب خداداد کا تعلق حیات ظاہری سے ہے۔ وفات کے بعد ان میں کسی طرح کے تصرف کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ اپنی اسی کتاب میں آپ حضرات نے اقرار کیا ہے کہ:

اولیاء کرام کی ولایت اور انکی کرامت، اُن کی وفات کے بعد بھی باقی اور باذن اللہ جاری رہتی ہے۔ اس ضمن میں اتنا سمجھ لیجئے کہ اللہ کے حکم سے ارواح اولیاء دنیا میں بھی آسکتی ہیں۔ اور بحکم الٰہی دوسرے کی مدد بھی کرسکتی ہیں۔''

(انکشاف صفحہ ۶۷ بحوالہ زیروزبر صفحہ ۱۳۴)

اس پر علامہ کی فاضلانہ تنقید اور عالمانہ گرفت ملاحظہ کریں آپ فرماتے ہیں:

''بحکم الٰہی کی بار بار قید لگا کر بھی شرک کے الزام سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ بقول صاحب تقویۃ الایمان بعطائے خداوندی بھی کسی کے متعلق تصرف کا عقیدہ رکھنا شرک ہے۔ اس لئے بحکم الٰہی یا باذن اللہ کی قید سے آپ لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔

بس دیانت نام کی کوئی چیز آپ لوگوں کے یہاں موجود ہو تو آپ ہی حضرات دیانت سے فیصلہ کریں کہ یہ عقیدہ وعمل کا تضاد نہیں تو اور کیا ہے؟''

(زیروزبر صفحہ ۱۳۴)

یقیناً علامہ کی یہ سنجیدہ اور مخالفین کی عدالت میں خود انہیں کے خلاف استغاثہ ہے۔ اگر مخالفین اسے جماعتی عصبیت کے جذبے سے ہٹ کر

پڑھیں گے تو بلا چون و چرا انہیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ واقعۃً یہ عقیدہ و عمل کا تضاد ہے۔

اس سے قبل کہ میں تیسرا نمونہ پیش کروں۔ ''زلزلہ'' کے جواب میں ''زلزلہ در زلزلہ'' نامی کتاب جو لکھی گئی ہے اس نام کے انتخاب پر علامہ نے جو تنقید و تبصرہ فرمایا ہے وہ فکر انگیز ہونے کے ساتھ بڑا دلچسپ ہے پہلے آپ اسے ملاحظہ کریں:

> ''زلزلہ در زلزلہ'' کے مصنف مبارکپور کے مولوی محمد نجم الدین احیائی نام کے کوئی فاضل دیوبند ہیں۔ اسے بھی دور حاضر کا تماشا ہی کہا جائے گا کہ جو لوگ صحیح طور پر کتاب کا نام تک نہیں رکھ سکتے وہ مصنف بن بیٹھے ہیں۔
>
> زلزلہ کا مفہوم تو سمجھ میں آتا ہے لیکن بتایا جائے کہ ''زلزلہ در زلزلہ'' اردو زبان کا کون سا محاورہ ہے۔ اور واقعاتی سطح پر ''زلزلہ'' میں ''زلزلہ'' کا آخر مفہوم کیا ہے؟
>
> میرا اپنا خیال ہے کہ مصنف نے شاید یہ سوچا ہو کہ کتاب کا نام ایسا رکھا جائے جس میں زلزلہ کا لفظ ایک بار نہیں دوبار آجائے.... تاکہ نام ہی سن کر لوگ چونک جائیں کہ جب ایک زلزلہ نے ایشیاء سے یورپ تک ہر طرف تہلکہ مچادیا تو دو زلزلے نے کیا غضب ڈھایا ہوگا۔''

اس کے بعد علامہ نے ایک لطیفہ بیان فرمایا ہے جو بڑا پر لطف ہے اسے بھی علامہ کے قلم سے ملاحظہ کریں۔

> اسی طرح کا ایک لطیفہ مجھے یاد آیا۔ آج سے دس پندرہ سال پیشتر میں ایک بار مدھیہ پردیش کے شہر بالا گھاٹ ایک جلسے میں گیا ہوا تھا۔ قیام گاہ پر ایک صاحب اپنی چھوٹی بچی کو دم کرانے کے لئے میرے پاس لائے۔ میں نے بچی کا نام دریافت کیا۔ انہوں نے بتایا کہ بچی کا نام وصغیرہ بیگم ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ نام میں ''واؤ'' کیوں بڑھایا گیا ہے فرمانے لگے اس بچی کی پیدائش ۱۳۸۳ھ میں ہوئی۔ تاریخی نام میں چونکہ چھ عدد کم ہوتے تھے اس لئے ''واؤ'' بڑھا کر میں نے اس کمی کو پورا کردیا۔ میں نے انہیں مشورہ دیا کہ تاریخی ہی نام رکھنا تھا تو بہت سے نام ہو سکتے تھے لیکن شروع میں یہ ''واؤ'' کا پیوند اچھا نہیں لگتا۔ انہوں نے جواب دیا کہ نام تو اور بھی ہو سکتے تھے مگر مشکل یہ ہے کہ اس کی بڑی بہن کا نام کبیرہ بیگم ہے اگر کوئی نام رکھتے تو دونوں بہنوں کا وزن باقی نہیں رہتا اور ''واؤ'' ہٹا دیتے تو تاریخی نام میں چھ عدد کی کمی ہو جاتی۔
>
> غرض کہ تاریخ اور وزن کے چکر میں انہوں نے نام کا حلیہ بگاڑا اور یہاں احیائی صاحب نے جھوٹی شہرت کے لالچ میں اپنی کتاب کا ایسا مہمل نام رکھ دیا کہ کتاب کا نام سن کر مصنف کی علمی لیاقت کا حلیہ سمجھ میں آجاتا ہے۔''

(زیروزبر صفحہ ۳۷۷)

بات بظاہر معمولی ہے مگر ہے دلچسپ۔ جس مصنف کو کتاب کے نام کی ترکیب اور اس کے محاوراتی معنی کا پتہ نہیں اس نے کتاب کے مضامین میں کیا گل کھلائے ہوں گے۔ اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

اس تبصرے سے جہاں علامہ کی غیر معمولی تنقیدی صلاحیت کا اظہار ہوتا ہے وہیں یہ بھی عیاں ہو جاتا ہے کہ مولوی نجم الدین احیائی فاضل دیوبند کی حیثیت علامہ کے سامنے طفل مکتب کی ہے۔

اب میں تیسرا نمونہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

مولوی نجم الدین احیائی فاضل دیوبند نے سید الانبیاء روحی فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی علمی تنقیص ثابت کرنے کے لئے قرآن کی یہ آیت پیش کی ہے ''وما ادری مایفعل بی ولا بکم ''(اور میں

نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا؟) اس آیت کو پیش کر کے احیائی صاحب نے بڑے طنطنے کے ساتھ دعویٰ کیا ہے کہ جب پیغمبر کو خود اپنا اور اپنی امت کا حال تک معلوم نہیں کہ مرنے کے بعد ان کے ساتھ کیا کیا جائے گا تو ان کے حق میں سب کچھ جاننے کا عقیدہ بریلوی حضرات کا خودساختہ عقیدہ نہیں تو اور کیا ہے؟

مت پوچھئے اس پروفا شعار امتی حضرت علامہ کا قلم حرکت میں آتا ہے اور احیائی صاحب کی بے حیائی کا پردہ چاک کر دیتا ہے۔ احیائی صاحب نے کتنی بے دردی کے ساتھ آیت کی تشریح میں معنوی تحریف کی ہے۔ علامہ نے اسی آیت کے تحت تفسیر خازن کی عبارت پیش فرما کر احیائی صاحب کی چوری پکڑی ہے۔ ''زیروزبر'' کے حوالے سے تفسیر خازن کی یہ عبارت مع ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

لما نزلت هذه الآية فرح المشركون فقالوا واللّات والعزّىٰ ما امرنا وامر محمد الّا واحد وماله علينا من مزّية وفضل لولا انه ما ابتدع مايقوله لاخبره الذى بعثه بما يفعل به فانزل الله عزّوجلّ. ليغفرلك الله ماتقدم من ذنبك الاية. فقالت الصحابة هنيئالك يا نبى الله. قد علمت ما يفعل بك فما ذا يفعل بنا. فانزل الله. ليدخل المومنين والمؤمنات جنّات الاية. وانزل الله بشر المؤمنين بانّ لهم من الله فضلا كبيرا. وهذا قول انس وقتادة وعكرمه قالوا انّما هذا قبل ان يخبر بغفران ذنبه وانّما اخبر غفران ذنبه عام الحديبيه فنسخ ذالك. (تفسیر خازن)

یعنی جب یہ آیت نازل ہوئی تو کفار و مشرکین بہت خوش ہوئے۔ اور انہوں نے لات و عزا کی قسم کھا کر کہا کہ اب ہمارا اور محمد کا معاملہ بالکل یکساں ہو گیا........اور ہم پر انہیں کسی طرح کی برتری حاصل نہیں رہی۔ قرآن کے نام سے جو کچھ وہ پڑھ کر سناتے ہیں اگر وہ ان کا اپنا بنایا ہوا نہ ہوتا تو جس (خدا) نے انہیں بھیجا وہ ضرور انہیں خبر دیتا ہے کہ ان کے ساتھ آخرت میں کیا معاملہ کیا جائے گا۔ مشرکین کے اس طعنے کے جواب میں جب خدا نے.....ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك ...والی آیت نازل فرمائی تو صحابۂ کرام خوشی سے جھوم اٹھے اور کہنے لگے کہ مبارک ہو آپ کو اب تو آپ نے جان لیا آپ کے ساتھ آخرت میں کیا معاملہ کیا جائے گا لیکن ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا کاش یہ بھی معلوم ہو جاتا تو اس پر.....ليدخل المومنين والمؤمنات جنات الآیۃ اور بشر المومنين بانّ لهم من الله فضلا كبيرا ....والی آیتیں نازل ہوئیں۔

حضرت انس، حضرت قتادہ اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہم صحابہ کرام نے ارشاد فرمایا کہ۔لآ ادرى مايفعل بى ولا بكم ....والی آیت صلح حدیبیہ کے سال ان آیتوں کے ذریعہ منسوخ ہوگئی۔ (تفسیر خازن) زیروزبر صفحہ ۴۵۲

تفسیر خازن کی عبارت پڑھنے کے بعد قارئین حضرات یقیناً روحانی مسرت حاصل کریں گے کہ اس میں احیائی صاحب کے اعتراض کا جہاں مدلل اور دندان شکن جواب ہے وہیں ان کی جہالت پر بین ثبوت بھی ہے۔ اور یہ بات بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ مصنف زیروزبر حضرت علامہ ارشد القادری صاحب مدظلہ العالی کو دیگر علوم و فنون میں دسترس حاصل ہونے کے ساتھ فن تفسیر میں بھی کامل دسترس حاصل ہے۔

''زیروزبر'' یہ کتاب بلاشبہ اسم بامسمیٰ ہے۔

کتاب کے اوراق الٹیے اور جائزہ لیجئے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ علمائے دیوبند نے اپنے عقائد کی عمارت جن دلائل کی بنیاد پر کھڑی کی ہے۔ علامہ نے قرآن و حدیث کی روشنی میں انکے دلائل کو زیروزبر یعنی تباہ و برباد کر دیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

رئیس القلم اور جامعہ فیض العلوم

مفتی عابد حسین مصباحی
شیخ الحدیث وخادم افتاء جامعہ فیض العلوم جمشید پور

ایمان وعقیدے کی صیانت وحفاظت اور تعلیمات نبوی کو عام کرنے کے لئے آج سے تقریباً ڈیڑھ صدی پیشتر امام احمد رضا بریلوی نے ایک تحریک چلائی تھی جس کی بنیاد محبت وعشق رسول پر رکھی گئی تھی۔ اس سلسلے میں محدث مبارکپور سے حافظ ملت نے اپنی توجہ خاص مبذول فرمائی اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور قائم کر کے پوری دنیا میں اسلامی سپاہیوں کو پھیلا دیا۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے مردم شناسی اور افراد سازی میں اپنی مثال آپ تھے وہ فقید المثال جوہری بھی تھے۔ سونا اور چاندی پرکھنے والا جوہری نہیں بلکہ انسان کے اندر چھپی خوبیوں اور لیاقتوں کو پرکھنے والا جوہری۔ اسی جوہری کے تراشے ہوئے ہیروں میں ایک علم ودانش اور علم وفضل کا ہیرا، عالمگیر شخصیت کا حامل اور جہد وعمل کی نسباتی نکہت عطا فرمانیوالا خوش بخت مرد مجاہد کا نام مناظر اہل سنت فاتح جمشید پور، سیاح یوروپ وایشیاء رئیس القلم قائد ملت حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

حضرت علامہ ارشد القادری ۱۳۷۲ھ ۱۹۵۲ء میں علم وفن، حلم مروت اخلاق وکردار اور عزم واستقلال کا ہمالہ بن کر حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کے حکم سے مشرقی ہند کے ایک شہر جمشید پور میں تشریف لائے۔ اور کھلے آسمان کے نیچے مدرسہ فیض العلوم کی بنیاد رکھی اور درس وتدریس اور تبلیغ وارشاد کا سلسلہ جاری کیا اور اپنے خون جگر سے ویرانے میں دین کا گلشن لہلہایا، سنگلاخ کو سبزہ زار کیا اور سنگریزوں سے ہیرے تراش کر عالم اسلام میں پھیلا دئے۔

مگر حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ والرضوان نے نسبت قادری اور فیضان رضوی سے لیس ہوکر اور فیض العلوم کے بنیاد رکھکر اس شہر کو جو سنگ وآہن کا گھر تھا علم وآہن کا گھر بنا دیا اور یہ صرف لوہے کا گھر نہ رہا علم وحکمت کا بھی شہر بن گیا۔ حلم ومروت، اخلاق وکردار کا بھی شہر بن گیا۔ افراد سازی اور کردار سازی کی بنیاد پر بھی فخر ہندوستان ہوگیا ہے۔ اب یہ کہا جانے لگا کہ.....

علم وحکمت کا گھر ایک انوکھا نگر
فخر ہندوستان شہر ٹاٹا نگر

حتی کہ فیض العلوم کی وجہ سے جمشید پور کا سر علمی دنیا میں بھی اونچا ہوگیا، ادبی حلقوں میں اس کی آواز سنائی دینے لگی۔ فیض العلوم صرف جھارکھنڈ ہی میں نہیں مذہبی اعتبار سے اس کی شہرت چہار دانگ عالم میں پھیل گئی بلکہ پورے مشرقی ہند میں اس کی دھمک سنائی دینے لگی۔

فیض العلوم نے اپنے پچاس سالہ دور میں ایسے نادر روزگار علماء وفضلاء کو تیار کر کے ملک کے گوشے گوشے میں پھیلا دیا جو اپنے وقت کا کوئی واعظ ہے تو کوئی مسجد کا امام، کوئی شاعر ہے تو کوئی ادیب، کوئی مبلغ ہے تو کوئی مناظر، کوئی حافظ ہے تو کوئی قاری، کوئی محدث ہے کوئی فقیہ اور کوئی زبردست مفتی۔ فیض العلوم کی زیر تربیت پلنے والی یہ وہ جماعتیں ہیں جو اسلامی بقا، مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ واستحکام میں ہمہ تن اپنے اپنے مقام میں مصروف ہیں۔ ضلالت وگمراہی کی تیز

ز آندھیوں، طوفانوں اور بجلیوں کے ہجوم میں بھی اپنے کاروان حیات کو آگے بڑھاتے رہے ہیں اور کائنات علم وفضل کو شاداب کرتے ہیں جو ایک طرف سلیم الطبع قلوب وادیاں کو عشق رسالت کی خوشبوؤں سے معطر کرتے ہیں تو دوسری طرف نیزہ رضا کی مار سے عقائد کفریہ اور تحریکات باطلہ کو کیفر کردار تک پہنچا رہے ہیں۔

جمشید پور کو چھوڑیئے.... پورے ضلع سنگھ بھوم میں بلکہ پورے چھوٹا ناگ پور میں اہلسنت وجماعت کا کوئی مدرسہ نہ تھا۔ پوکھریرا، آرہ، گیوال بیگھا گیا، چھوڑ کر بہار، بنگال، اڑیسہ میں دور دور تک کو معقول مدرسہ نہ تھا۔ آج رانچی، بکارو اسٹیل، بکارو تھرمل، ہزاری باغ، گریڈیہہ، لوہردگا، پلاموں، رفیع گنج، دیوگھر دمکا، دھنباد، کلکتہ، ہوڑہ، مدنا پور، پرولیا۔ میوربھنج، سندرگڑھ اور راوڑکیلا جس طرف نگاہ ڈالیئے سیکڑوں مدارس نظر آتے ہیں۔ یہ فیض العلوم اور حضرت علامہ ارشد القادری قدس سرہٗ السامی کی خدمات کا نتیجہ ہیں۔

علامہ موصوف نے خود راقم سے ایک نشست میں فرمایا کہ:

''میں دیہاتوں اور شہروں میں جاتا تقریریں کرتا اور لوگوں کے ذہن کو ہموار کر کے کہتا کہ تم جلسہ کا پروگرام رکھو علماء کا بلانا میرا کام ہے، پھر علماء وشعراء کو دعوت دیکر جلسہ کرواتا اور مدرسہ کے قیام کے تعلق سے ذہن دیکر پہلے کسی کے گھر میں مدرسہ قائم کروا دیتا اور ایک مدرس بحال کرواتا پھر دھیرے دھیرے وہاں کے لوگ خود مدرسہ کی اپنی ذاتی زمین لیتے اور عمارت تیار کرنے پر آمادہ ہوجاتے اس طرح جابجا مدارس قائم ہوگئے۔''

اس تعمیر وترقی میں ان بزرگوں کی نیک دعائیں، آرزوئیں اور قلبی ہمدردیاں شامل ہیں۔ آج یہ ان علماء ومشائخ کی آرزو اور منصوبوں کی تکمیل اور حضرت علامہ موصوف کے خوابوں کی تعبیر ہے تاجدار اہلسنت حضور مفتیٔ اعظم ہند علیہ الرحمہ فیض العلوم کے معائنہ رپورٹ میں خود رقم طراز ہیں۔

''مدرسہ فیض العلوم کو دیکھ کر مسرت ہوئی، دل خوش ہوگیا۔ مولیٰ تعالیٰ اس مدرسہ کو روز افزوں ترقی بخشے اور مولانا سلمہٗ (حضرت علامہ) کے حسب مراد بلکہ فوق المراد ہر اعتبار سے اس مدرسہ کو بام ترقی پر پہونچائے۔ بہت بہترین عمارت ہے، ایک منزلہ ہے، اگر دو منزلہ ہوجائے تو منارۂ ہدایت دور دور سے نظر آئے۔ اور اس سے متصل ہی اور زمین پڑی ہے۔ جو انشاء اللہ تعالیٰ مدرسے کو اپنے پاؤں پر کھڑا کر دیگی۔ اگر مسلمانوں نے ادھر توجہ کی اور اس میں کرایہ کا مکان اور دکانیں بنادیں۔ مولیٰ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دے۔'' (۳ر شعبان المکرم ۱۳۸۲ھ)

چونکہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ والرضوان کی دیرینہ آرزو تھی کہ جمشید پور میں ایک مرکزی ادارہ قائم کیا جائے۔ اس لئے آپ نے حضرت علامہ صاحب کو علم وحکمت سے سنوار کر اور جہد وعمل کی قوتوں سے آراستہ کر کے حکم دیا کہ جمشید پور میں مدرسہ قائم کر کے پورے جمشید پور اور اس کے مضافات میں تعمیری، تبلیغی، اشاعتی اور افراد سازی کے امور منظم طور پر انجام دئے جائیں یہ کہنا بجا ہوگا کہ فیض العلوم اور حضرت حافظ ملت کے درمیان ایسا اٹوٹ رشتہ ہے کہ آپ کے بغیر فیض العلوم کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے آپ کے ہی مقدس ہاتھوں سے مدرسہ کی بنیاد تعمیر عمل میں آئی اور اس ادارہ کی کارکردگی پر آپ ہمیشہ مطمئن اور خوش رہے۔ ہر سال آپ ہی فضیلت والے طلبہ کا امتحان لیتے اور ختم بخاری کرواتے رہے۔

آپ ایک معائنہ رپورٹ میں رقمطراز ہیں۔

''بفضلہٖ تعالیٰ فیض العلوم کے فیض کو جاری پایا اور ہر شعبہ کی ترقی کا اندازہ ہوا۔ یہ خالص دینی مذہبی مرکزی ادارہ ہے جو اپنی خدمات میں نہایت ہی سرگرمی سے منہمک ہے اور بہت ہی کامیاب ہے۔ طلبہ اور طالبات کی کثیر تعداد تحصیل علم میں مصروف ہے جن کو دیکھتے ہی یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ فیض العلوم کا معیار تعلیم قابل تحسین ہے۔ طلبہ کی سنجیدگی اور سلامت روی انکی بہترین تربیت کا پتہ دیتی ہے اور ان کے روشن مستقبل کی دلیل ہے۔ اسلئے عزیزم مکرم حضرت علامہ ارشد القادری زید کرمہ فیض العلوم کی روح رواں ہیں ان کے مخلصانہ خدمات سے یہ ادارہ ہر دور سے گزرتا ہوا سارے مراحل

ومنازل طے کرتا ہوا چلا جارہا ہے۔ اور بفضلہ تعالیٰ اس وقت بہت اچھی حالت میں ہے۔ میں مسلمانان اہلسنت کو توجہ دلاتا ہوں کہ فیض العلوم کے فروغ کے لئے کوشاں رہیں، مولیٰ تعالیٰ اسے روز افزوں ترقی عطا فرمائے۔" (آمین)

اس سلسلے میں حضرت مجاہد ملت دھام نگری قدس سرہٗ رقمطراز ہیں کہ "اسکی عمارت و تعلیمی نظام اور دیگر امور انتظامیہ کی روز افزوں ترقی سے طبیعت خوش ہوئی۔ باری عزوجل اپنے حبیب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے صدقے میں اور طفیل حضرت غوث جیلانی رضی اللہ عنہ روز افزوں دینی خدمات کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ (آمین)"

عارف زمانہ سرکار پٹنہ حضرت مولانا سید شاہ فدا حسین رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ایک معائنہ رپورٹ قابل مطالعہ ہے۔

"یہ کہتے ہوئے مجھے خوشی ہوتی ہے کہ مدرسہ فیض العلوم میری بہترین آرزوؤں اور محبوب دعاؤں کا سرسبز و شاداب گلشن ہے۔ اس درسگاہ کی عالی شان عمارت اور اس کی تعلیمی ترقی دیکھ کر خدا کی غیبی تائید اور پیران سلاسل کے فیضان پر بے اختیار سجدۂ شکر ادا کرنے کو جی چاہتا ہے۔"

جامعہ فیض العلوم نے کئی شاخوں اور تعلیمی اداروں کو جنم دیا ہے ان میں سے کئی ادارے کو آزاد و خود مختار بھی کیا اور کئی ادارے آج بھی اس کی آغوش نگرانی میں پروان چڑھ رہے ہیں۔ (۱) جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی (۲) ادارۂ شرعیہ پٹنہ (۳) مدرسہ تنویر الاسلام ٹیلکو (۴) مدرسہ عزیز العلوم جکسلائی (۵) مدرسہ عزیز الاسلام رانی کودر (۶) مدرسہ دار السلام، آزاد نگر (۷) فلاحی مرکز آزاد نگر (۸) اسلامی مرکز رانچی (۹) مدرسہ گلشن بغداد ہزاری باغ (۱۰) مفتاح العلوم راور کیلا (۱۱) دار العلوم مخدومیہ گوہاٹی آسام، اسی فیض العلوم کی تحریک کی یادگار اور اس کی کاوشوں کے نتائج و ثمرات ہیں۔

جامعہ فیض العلوم کا مختصر تعارفی خاکہ

۱۔ حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے حکم پر حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ نے ۱۹۵۲ء میں کھلے آسمان کے نیچے مدرسہ فیض العلوم کی بنیاد رکھی

۲۔ ۳ سال کی لگاتار کوشش کے بعد ۳ ر مارچ ۱۹۵۵ء کو ٹاٹا اسٹیل کمپنی نے فیض العلوم کی عمارت کے لئے زمین الاٹ کیا۔

۳۔ ۱۵ ر فروری ۱۹۵۷ کو حافظ ملت اور دیگر علمائے اہلسنت کے مقدس ہاتھوں سے دو منزلہ عمارت کی بنیاد رکھی گئی۔

۴۔ ۱۹۶۰ء میں ایک منزل مکمل ہو جانے کے بعد فیض العلوم کی درسگاہ اپنی ذاتی عمارت میں منتقل ہوگئی۔

۵۔ مسلمان بچوں کو صنعتی تعلیم و تربیت کے ذریعہ خود کفیل بنانے کے لئے جون ۱۹۷۲ء میں فیض العلوم ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کا قیام عمل میں آیا۔

۶۔ ۱۹۷۳ء میں مدرسہ فیض العلوم کی عمارت کی دوسری منزلہ پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

۷۔ بیرونی طلبہ کی رہائش کے لئے ۶ ر مارچ ۱۹۷۰ء کو ٹاٹا اسٹیل کمپنی سے ہوسٹل بلڈنگ کے لئے زمین حاصل کی گئی۔

۸۔ حضور مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم نے اپنے مقدس ہاتھوں سے اپریل ۱۹۷۴ء میں ہوسٹل کی دو منزلہ عمارت کی بنیاد رکھی۔

۹۔ یکم جنوری ۱۹۷۰ء کو فیض العلوم اردو مڈل اسکول کا قیام عمل میں آیا۔

۱۰۔ ۱۹۷۷ء میں ہوسٹل بلڈنگ کی ایک منزل مکمل ہوگئی۔

۱۱۔ صنعت وحرفت کی مختلف شاخوں میں مسلم ماہرین کی صلاحیتوں کو ملی اور قومی مفاد میں استعمال کرنے کیلئے ۱۹۷۳ء میں فیض العلوم ٹیکنیکل ایڈوائزری کے نام سے ایک مشاورتی ادارہ قائم کیا گیا۔

۱۲۔ فیض العلوم نے انجمن فیضان ملت کے نام سے ۳۷ سال قبل طلبہ کی ایک انجمن قائم کی جس کے تحت ہزاروں کتابوں

پر مشتمل ایک عظیم لائبریری چل رہی ہے اور جس کے زیر اہتمام ہر سال ۱۲/ربیع النور کے موقع پر نہایت کروفر اور تزک واحتشام کے ساتھ جلسہ وجلوس کی شکل میں نبی کونین ﷺ کے یادگار منائی جاتی ہے۔

۱۳۔ ۲۱/فروری ۱۹۹۷ کو علامہ ارشد القادری صاحب نے بنفس نفیس دیگر علماء کی معیت میں فیض العلوم مکہ مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس کی فلک بوس دومنزلہ عمارت آج بھی آسمان سے باتیں کرتی ہیں اس مسجد کی زمین کے حصول میں مسلسل ۱۶/سال حضرت علامہ صاحب نے کوشش کیں اور صرف ایک روپیہ میں بہار کے وزیر اعلیٰ لالو پرساد سے حاصل کی جبکہ اس زمین کی قیمت دو کروڑ سے کم نہیں ہے۔ یہ مسجد مشرقی ہند میں سب سے زیادہ وسیع وعریض اور بے مثال ہے۔ روزنامہ ہندوستان ٹائمس کے مطابق پورے جھارکھنڈ میں سب سے بڑی مسجد ہے۔

خدمات اور کارنامے

۱۔ ۱۹۵۲ء سے اب تک فیض العلوم نے چار ہزار سے زائد ایسے علماء، حفاظ، قراء، خطباء اور اصحاب قلم پیدا کئے جو آج ملک کی معیاری درسگاہوں، مسجدوں اور اداروں اور تبلیغی مرکزوں میں دین کی عظیم خدمات انجام دے رہے ہیں۔

۲۔ چھ ہزار سے زائد طلبہ فیض العلوم کے درس عالیہ کے شعبے سے فارغ ہوئے جن میں سے سیکڑوں طلبہ ہائی اسکولوں میں اور وہاں کے ڈاکٹری، انجینئرنگ اور علم وفن کی مختلف شاخوں میں کامیابی حاصل کی۔

۳۔ نوجوانوں کے کئی دستے فیض العلوم ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ سے تربیت حاصل کر کے صنعت وحرفت کے مختلف میدانوں میں آج خوشحالی کی زندگی گزار رہے ہیں۔

۴۔ مشرقی ہند کے مختلف صوبوں میں فیض العلوم نے اپنی کئی درجن شاخوں کے ذریعے لاکھوں افراد تک دین کی روشنی پہونچائی اور ہزاروں بچوں کو علم دین کی راہ پر لگایا اور سینکڑوں آبادیوں کو اسلام کی برکت سے مالا مال کیا۔

۵۔ ہند اور بیرونی ہند میں اسلام کے فروغ وترقی اور دائرہ عمل کی مختلف سطحوں پر مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کے لئے فیض العلوم ایک عظیم مرکز عمل کی حیثیت سے ہمیشہ پیش پیش رہا۔

۶۔ فیض العلوم کے ذریعہ بہار، جھارکھنڈ اور اڑیسہ کے کروڑوں مسلمانوں میں جو جماعتی، تنظیمی، مذہبی اور تبلیغی شعور پیدا ہوا وہ ایک مسلم حقیقت کی طرح ناقابل انکار ہے۔

۷۔ فیض العلوم کی تحریک وتعاون سے مشرقی ہند کے کئی لاکھ مربع میل علاقوں میں بے شمار مساجد، مدارس، اسکول، قبرستان اور اداروں کی عمارتیں وجود میں آئیں جو آنے والی نسلوں کو اسلام اور اسلام کی روایات کے ساتھ مربوط رکھیں گی۔

فیض العلوم کے شعبے

۱۔ جامعہ فیض العلوم درسگاہ نظامیہ
۲۔ فیض العلوم اردو گرلز اینڈ بوائز ہائی اسکول
۳۔ فیض العلوم ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ
۴۔ فیض العلوم مکہ مسجد
۵۔ فیض العلوم مرکز کتابت
۶۔ فیض العلوم مڈل اسکول
۷۔ فیض العلوم انجمن فیضان ملت
۸۔ فیض العلوم دار الافتاء
۹۔ فیض العلوم نشر واشاعت
۱۰۔ فیض العلوم شعبۂ حفظ وقرأت

☆☆☆☆☆☆

علامہ ارشد القادری اور مسندِ افتاء

مساجدِ کشمیر میں نماز کے بعد ذکر بالجھر اور درود سلام کا وِرد

خورشید جان قریشی
سری نگر کشمیر

ســــوال:۔تقریباً پچھلے سات سو سال سے (یعنی جب سے کشمیر میں اسلام کا ظہور ہوا) یہاں کی کم وبیش ساری مساجد اور درگاہوں میں فرض اور سنت نمازوں کے بعد تمام سنی مسلمان مختصر ذکر واذکار اور درود شریف ''صلی اللّٰہ علیك یا رسول اللّٰہ وسلم علیك یا حبیب اللّٰہ بالجہر بڑے احترام وعقیدت کے ساتھ پڑھتے ہیں اور مذکورہ درود کے ساتھ نعت شریف جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف اور حضور کو حیات النبی جان کر ان سے روحانی فیض حاصل کرنے کے لئے نداء واستمداد بھی کرتے ہیں اور ساتھ ہی الصّلوٰۃ ، والسلام علیك یـا رسول اللّٰہ۔ الصلوٰۃ والسلام علیك یـا حبیب اللّٰہ کا ورد بھی کرتے ہیں۔اسی معمول پر صدیوں سے ہمارے کشمیر کے میر واعظ خاندان کے اعلیٰ پایہ کے روحانی علماء فضلاء واسلاف (جن میں دیوبندی مسلک کے سابق علماء بھی شامل ہیں) کاربند رہے ہیں۔

اب عرض ہے کہ کئی سالوں سے شدومد کے ساتھ مذکورہ درود شریف(صلیٰ اللّٰہ علیك یا رسول اللّٰہ۔ وسلم علیك یا حبیـب اللّٰـہ) پر کچھ حضرات اکثر امام صاحبان اور مصلیان مسجد کو ٹوکتے ہوئے اعتراض کرتے ہیں کہ احادیث کی روشنی میں اس درود کی کوئی سند موجود نہیں ہے۔نہ ہی ہندوستان یا پاکستان کی کسی بھی بریلوی یا دیوبندی مسجد میں اس درود کو بآواز بلند پڑھا جاتا ہے۔یہ درود صرف کشمیر کی وادی تک ہی محدود ہے۔اس درود کو پیشہ ور مولویوں اور قبر پرست ملاؤں نے کشمیر میں ایجاد کیا ہے۔نیز اس درود کو مسجد میں بلند آواز سے پڑھنے سے شوروغل پیدا ہوجاتا ہے۔جس سے مصلیان مسجد کو نماز پڑھنے میں خلل پیدا ہوجاتا ہے۔نتیجۃً مسجد کی بےحرمتی ہوتی ہے۔

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اندر اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد صرف اور صرف درود ابراہیم پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے جس کا تذکرہ صحیح بخاری ومسلم ودیگر احادیث کی کتابوں میں ملتا ہے۔

اب حالت یہاں تک پہونچ چکی ہے کہ رفتہ رفتہ درود حضوری جس کا تذکرہ اوپر ہوچکا ہے بیشتر مساجد میں سراً وجہراً پڑھنے کا معمول ختم ہوتا جارہا ہے۔

آپ سے استدعا ہے کہ برائے مہربانی اولین فرصت میں تفصیل کے ساتھ مذکورہ درود شریف مساجدِ کشمیر میں جہراً پڑھنے کے جواز پر تسلی بخش جواب مضمون کی شکل میں عنایت فرمائیں۔نوازش ہوگی۔والسلام

المستفتی

سید محمد امین علوی سابق صدر ورلڈ اسلامک مشن کشمیر
محمد عبداللہ دیوتا نائب صدر ورلڈ اسلامک مشن کشمیر
ڈاکٹر محمد رمضان اویسی مگرل باغ سرپرست ورلڈ اسلامک مشن کشمیر
شفاعت احمد حسینی۔محمد مقبول میر کتب خانہ غوثیہ پلوامہ

بذریعہ خوشید جان قریشی دعوت اسلامی کشمیر شاخ، مورخہ ۷ مئی ۱۹۹۱ء

الجواب:۔ کشمیر کے صحیح العقیدہ سنی مسلمانو!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

(۱) ایک غیر ملکی سفر سے واپسی کے بعد دہلی میں جمع شدہ ڈاک میں آپ کا مکتوب ملا۔ درود حضوری سے منع کرنے والوں پر مجھے سخت افسوس ہے کہ فرض اور سنت نمازوں کے اختتام کے بعد جو درود شریف سات سو برس سے کشمیر کی وادی میں پڑھا جارہا ہے کہ وہ جائز نہیں ہے۔ سات سو برس کی لمبی مدت میں جن ہزاروں علماء ومشائخ اور فقہاء اور اولیاء نے اس درود کے جواز پر عملاً اپنی مہر توثیق ثبت فرمائی ہے ان کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا کھلی ہوئی گمراہی ہوگی کہ وہ سب کے سب ایک ناجائز اور حرام چیز کو فروغ دینے والے تھے۔ سات سو برس کے سارے علماء ومشائخ کو گمراہ قرار دینے کے مقابلے میں یہ فیصلہ کرنا ہمارے لئے آسان ہے کہ آج جو طبقہ (چند کتابیں اور رسائل پڑھ کر) اس درود کی مخالفت کررہا ہے وہی گمراہ اور بدعقیدہ ہے۔ علم اور تقویٰ، خدا ترسی اور حق گوئی میں آج کے لوگ پچھلے سات سو برس کے علماء وعام لوگوں سے ہرگز نہیں بڑھ سکتے۔

(۲) درود ابراہیمی کا ماثور ومنقول ہونا ہرگز اس بات کو لازم نہیں کرتا ہے کہ اس کے علاوہ درود شریف کے جتنے صیغے ہیں ان کا پڑھنا حرام وناجائز ہے۔ چودہ سو برس کی طویل مدّت میں ائمہ حدیث وفقہ اور اکابر امت کی لاکھوں تصنیفات ہمارے سامنے ہیں۔ ان کے خطبۂ افتتاحیہ میں جتنے بھی درود وسلام کے الفاظ لکھے گئے ہیں نہ وہ درود ابراہیمی ہیں اور نہ درودِ ابراہیمی کی طرح حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں۔ سارے مصنفین نے اپنی اپنی پسند کے مطابق کتاب کے شروع میں درود وسلام کے الفاظ لکھے ہیں۔ کیا اس بنیاد پر کشمیر کے یہ نئے معلمین چودہ سو برس کے سارے مصنفین کو بدعت وگمراہی کا مرتکب قرار دیں گے۔

اور اتنی دور کیوں جایئے خود موجودہ دور کے ہزاروں مصنفین ہیں جن میں اہل دیوبند، علماءِ اہلسنت بریلی، اہل حدیث جماعت اسلامی، اہل ندوہ کے علماء بھی شامل ہیں وہ بھی اپنی اپنی تصنیفات کے افتتاحی خطبے میں درود وسلام کے جو صیغے (الفاظ) استعمال کرتے ہیں نہ وہ درودِ ابراہیمی ہیں اور نہ درود ابراہیمی کی طرح حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کے خلاف کوئی بھی زبان طعن دراز نہیں کرتا۔ نہ مصنفین کو بدعتی اور گمراہ قرار دیا جاتا ہے۔

(۳) علاوہ ازیں آج اردو فارسی اور عربی میں ہزاروں منظوم درود وسلام ہیں جن کے الفاظ حدیث کی کتابوں میں منقول نہیں ہیں لیکن کوئی بھی انہیں حرام یا ناجائز نہیں کہتا۔ صرف ہندو پاک ہی میں نہیں بلکہ روئے زمین کی ساری امتِ مسلمہ نے بلانکیر انہیں قبول کرلیا ہے۔ جو لوگ اس بیناد پر کشمیر میں رائج دورد وسلام کو ناجائز یا حرام کہہ رہے ہیں یہ درود شریف نہ تو کتاب وسنت کے مطابق ہے اور نہ سلف وخلف کی روایات کے مطابق۔ ان کا یہ قول صرف ان کی لاعلمی اور اپنے گمراہ کن ذہن کی پیداوار ہے جس کا کوئی علاج نہیں!

(۴) فرض وسنت نماز کے اختتام کے بعد بلند آواز سے درود وسلام پڑھنا اگر ناجائز اور حرام قرار دیا جائے تو مسجدوں میں نماز کے بعد بلند آواز سے وعظ وتقریر کرنا بھی ناجائز وحرام ہوجائے گا۔ حالانکہ جو لوگ بلند آواز سے درود وسلام پڑھنے کی ممانعت کر رہے ہیں وہ بھی کشمیر کی مسجدوں میں بہ آواز بلند اعلانات بھی کرتے ہیں اور وعظ وتقریر بھی کرتے ہیں اور انہیں کوئی بھی منع نہیں کرتا کہ اس سے نماز میں خلل پڑتا ہے۔

غرض جو لوگ کشمیر میں رائج درود وسلام ناجائز کہہ رہے ہیں ان

کے پاس منع کرنے کے لئے قرآن و حدیث سے کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ مسلمانوں کے قلوب (دلوں) میں وہ محبتِ رسول حبِ اولیاء کا کوئی جذبہ زندہ حال میں نہیں دیکھنا چاہتے۔

(۵) واضح رہے کہ یارسول اللہ اور یا نبی اللہ کے ساتھ درود وسلام کا صیغہ کشمیر کے صحیح العقیدہ علماء اور مسلمانوں کا اختراع (ایجاد) کیا ہوا نہیں ہے بلکہ اس صیغے کو التحیات میں بھی شامل کردیا گیا ہے۔ تا کہ نمازی مسجدوں میں اس صیغے کے ساتھ حضور کو سلام کرے۔ اور یہ بھی سن لیا جائے کہ اس صیغے کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صلوٰۃ وسلام کی پیش کش صرف کشمیر کی مسجدوں کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ مسجد نبوی شریف حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ پاک پر ان ہی الفاظ کے ساتھ ساری دنیا کے مسلمان حضور کو سلام پیش کرتے ہیں۔

کشمیری مسلمانوں کے لئے قابل غور بات یہ ہے کہ جب وہابی نجدیوں کی حکومت میں یہ سلام بند نہیں ہوسکا تو کشمیر کی وادی میں جہاں عاشقان رسول کا اقتدار ہے وہاں یہ سلام کیونکر بند ہوسکتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کشمیر کے غیور اور سرفروش مسلمان چند مولویوں کی خاطر اپنے رسول کو چھوڑتے ہیں یا اپنے رسول کے لئے ان مولویوں کو ٹھکرادیتے ہیں۔ سات سو برس کا سرمایہ اگر اس طرح لٹتا رہا تو چند سالوں کے بعد کشمیر کے مسلمانوں کے پاس کیا رہ جائیگا۔ انہیں چاہیے کہ اپنے عقیدے اور اپنے بزرگوں کے مسلک کی حفاظت کے لئے وہ اپنی صفوں کو منظم کریں اور باطل قوتوں کی سازشوں کو ناکام بنادیں۔ وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وآله وصحبه اجمعین

ارشد القادری
بانی ومہتمم جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء
اسٹریٹ نمبر 22، ذاکرنگر، نئی دہلی۔25

قطعہ

علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ

آبگینوں میں شہیدوں کا لہو بھرتے ہیں
صبح سے آج فلک والوں میں بیتابی ہے
ہو نہ ہو اس عرق روح عمل سے مقصود
شجر امت مرحوم کی شادابی ہے

مولانا عبدالحنان فیضی
خادم التدریس مدرسہ فیض العلوم جمشید پور

علامہ ارشد القادری کی علمی ضیاباریاں

آفتاب عالم کی ضیاپاشیوں سے کسی فرد کو انکار ہیں، ہر روز پورے آب وتاب کے ساتھ مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور کل کائنات کو اپنی تجلیوں اور کرنوں سے روشن ومنور کر کے افق مغرب میں غروب ہو جایا کرتا ہے۔ طلوع شمس کے بعد لمحات بڑی تیزی سے صبح کو دوپہر اور دوپہر کو شام میں تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو ظلمت وتاریکی پورے کرۂ ارض پر چھاجاتی ہے مگر ایک ایسا آفتاب آسمان علم وادب کے افق پر اپنی ضیاباریوں کے ساتھ طلوع ہوا جس کا غروب رہتی دنیاں تک ناممکن ہے۔ اس بےنظیر آفتاب کی جلوہ گری سے ان گنت گم گشتگان راہ اپنی اپنی منزل سے ہمکنار ہوتے رہے مگر آج تک اس کی شعاعوں پہ کمند نہ ڈالا جاسکا اور نہ قیامت تک اس کی نورانیت کم ہوگی۔ اس بےانتہا روشن اور کبھی نہ ڈوبنے والے سورج کا نام قائد اہلسنت، سلطان المناظرین عمدۃ المحققین، رئیس القلم، مبلغ یورپ وایشیاء، بانی مدارس کثیرہ مصنف زیروزبر، زلزلہ وکتب دیگر حضور علامہ ارشد القادری (نوراللہ مرقدہ) ہے۔

آفتاب علم وادب حضور علامہ ارشد القادری کی جلوہ افروزی ہر چہاردانگ عالم میں ہر آن وہر لحہ یکساں طور پر محسوس کی جارہی ہے۔ علماء ہوں یا غیر علماء ہر ایک انجمن کے لئے وہ مشعل راہ ہیں خاص طور پر انکا تحریری اثاثہ Documentry Work مینارۂ رشد وہدایت کا کام انجام دیتا ہے۔

ایوان باطل پر بجلیاں گرا کر ایمان کی روشنی عطا کرنے والی زلزلہ ہو یا زیروزبر، ادبی دنیا میں ہلچل مچا کر پند ونصیحت سے لبریز لالہ زار ہو یا عشق وعرفان کی کہانیاں، ضلالت وگمراہی میں پھنسے افراد کے ہاتھوں رشد وہدایت کا چراغ دینے والی دعوت انصاف ہو یا محمد رسول اللہ قرآن کے آئینے میں، ہر ایک قلمی کاوش ونگارش سے بھی ایمانی کرن پھوٹتی ہے۔ جو دلوں کی تاریکی ختم کر کے روشنی سے معمور کرتی ہے۔

وعدۂ الٰہی کے مطابق کائنات کے ذرہ ذرہ کو کسی نہ کسی جہت سے غروب ضرور ہونا ہے اگر چہ ایک آن ہی کے لئے مگر کچھ برگزیدہ ہستیاں ایسی ضرور معرض وجود میں آئی ہیں جو اس آن کے بعد بھی حیات ابدی کے ساتھ ہیں یا اپنے کارناموں کی بنیاد پر زندہ وجاوید ہیں۔

قائد اہلسنت حضور علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ والرضوان کے کارنامے کسی بھی ذی شعور کی نگاہ سے مخفی نہیں بلکہ اظہر من الشمس ہیں۔ وہ اپنے تصنیفی، تعمیری، تنظیمی، تقریری، تدریسی اور جماعتی کارناموں کی بنیاد پر معاشرہ Society مساجد، مدارس، خانقاہوں اور اداروں میں زندہ ہیں اور قیامت کی صبح تک زندہ رہیں گے۔

اگر میں ان کے تصنیفی یا تدریسی، تعمیری یا تنظیمی، تبلیغی یا جماعتی، تقریری یا تحریری ہر ایک کارنامہ کو اپنے نوک قلم سے اجاگر کرنا چاہوں

تو یہ میرے لئے ناگزیر ہے، اپنی بساط علم کے مطابق صرف ان کے تحریری کارناموں کی ایک جھلک پیش کرتا ہوں۔

جب تحریک وہابیت زور پکڑنے لگی، اور علمائے دیوبند کے غلط عقائد سے افراد معاشرہ وادیٔ کفر وضلالت میں گرنے لگے ایسے نازک حالات میں قلم کا بادشاہ اٹھا اور اپنے رشحات قلم سے زلزلہ جیسی کتاب تصنیف فرما کر ایوان باطل میں واقعی زلزلہ پیدا کر دیا، وہابیت کی دھجیاں بکھیر کر رکھدیا اور دیوبندیت کا قلع قمع کر دیا۔

اور جب علمائے دیوبند کی طرف سے متضاد افکار ونظریات کے درمیان تطبیق کی صورت پیدا کرنے کی کوشش کی گئی، اپنے غلط عقائد کی بنیاد پر علامہ کے طرف سے ہونے والے یلغار کو دفاع کرنے کی سعی پیہم کی گئی، طرح طرح کی تاویلیں کی جانے لگیں اور جواب میں زلزلہ در زلزلہ اور انکشاف جیسی واہیات پر مشتمل کتابیں لکھی جانے لگیں تو علم وادب کا آفتاب پورے آب وتاب کے ساتھ طلوع ہوا اور زیروزبر تحریر فرما کر اپنے علمی تپش سے وہابیت ونجدیت کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

علامہ موصوف نے ۲۸۰ رصفحات پر مشتمل زلزلہ تصنیف فرما کر ہر جگہ ثابت کر دیا کہ علماء دیوبند جن باتوں کو انبیاء واولیاء کے حق میں شرک قرار دیتے ہیں ان ہی باتوں کو اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں عین اسلام قرار دیتے ہیں۔

علامہ کا طریقۂ استدلال نہایت مناظرانہ، الفاظ وجملہ نہایت ادیبانہ، افکار ونظریات نہایت فاضلانہ، کلام وزبان نہایت عالمانہ، جسے مطالعہ کرنے کے بعد قاری متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا گم گشتگان وادیٔ ضلالت رشد وہدایت کی منزل کی طرف پلٹنے میں تاخیر نہیں کر سکتا۔

زلزلہ کا منظر عام پر آنے کے بعد ضلالت وگمراہی کی تاریکیوں میں حق وہدایت کی شمع روشن ہوگئی، الحاد وباطل کی ظلمتوں میں رشد وہدایت کی قندیل چمک اٹھی، ہزاروں گم گشتگان راہ ایمان کی دولت سے سرفراز ہوگئے، اور بے شمار قلم کاروں نے تحریری تاثرات وتائیدات پیش کر کے اس کی حقانیت کا اعتراف کیا، جیسا کہ دیوبندی مکتبۂ فکر کے ایک بڑے نقاد عامر عثمانی مدیر تجلی دیوبند اس کی حقانیت کا اعتراف کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''ہم اگر چہ حلقۂ دیوبند ہی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ہمیں اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں کہ اپنے بزرگوں کے بارے میں ہماری معلومات میں اس کتاب نے اضافہ کیا اور ہم حیرت زدہ رہ گئے کہ دفاع کریں تو کیسے؟ دفاع کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کوئی بڑے سے بڑا منطقی اور علامۃ الدہر بھی ان اعتراضات کو دفع نہیں کر سکتا۔ جو اس کتاب کے مشتملات متعدد بزرگان دیوبند پر عائد کرتے ہیں۔''
(تجلی ڈاک نمبر، بحوالہ زلزلہ صفحہ ۱۷)

علامہ موصوف نے تقویۃ الایمان، فتاوی ارشیدیہ، فتاویٰ امدادیہ اور حفظ الایمان وغیرہ جیسی کتابوں کے کچھ گستاخانہ الفاظ، توہین آمیز عبارت پر ایسی گرفت فرمائی کہ اس کے بعد علماء دیوبند کے پاس تاویل کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ ہاں! ایک صورت ہے جسے عامر عثمانی نے اپنے رسالہ ''تجلی'' میں قلمبند کیا۔

''ہمارے نزدیک جان چھڑانے کی ایک ہی راہ ہے یہ کہ یا تو تقویۃ الایمان اور فتاویٰ رشیدیہ، فتاویٰ امدادیہ اور بہشتی زیور اور حفظ الایمان جیسی کتابوں کو چوراہے پر رکھ کر آگ دیدی جائے اور صاف اعلان کر دیا جائے کہ ان کے مندرجات قرآن وسنت کے خلاف ہیں۔'' (تجلی ڈاک نمبر، بحوالہ زلزلہ صفحہ ۲۳)

الغرض اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ علامہ کی یہ کتاب افکار وتصورات کی دنیا میں تہلکہ خیز ثابت ہوئی اور اس سے نظریات کی بنیادیں متزلزل ہوگئیں، خیالات کے پرانے پیمانے ٹوٹے، اذہان کی آبادیاں تہہ وبالا ہو کر رہ گئیں، عشق وعرفان کی چنگاریاں شعلۂ جوالا کی صورت اختیار کر چکیں، قلوب واذہان کی شب تاریک میں ایمان ویقین کی صبح نمودار ہوگئی۔

''جلوۂ حق'' سے میری آشنائی

مولانا شکیل احمد قریشی
خطیب وامام قادری مسجد ملاڈ ویسٹ ممبئی

کتابوں کے مطالعہ اور کتابوں کی دنیا میں قدم رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تصنیف وتالیف بھی تمام علوم وفنون کے ساتھ ایک عدیم المثال فن سپہ گری ہے یہ فن انتہائی نازک اور اہم فن ہے۔ درس وتدریس، دعوت وتبلیغ افتا نویسی، تقریر ووعظ، تحریر وتصنیف، یہ سب تبلیغ واشاعت دین کے لئے بے حد مفید اقدام ہیں۔ ان سب فنون میں افتاء کے بعد سب سے مشکل فن تحریر وتصنیف ہے۔ کہنے کو تو یہ فن بہت آسان ہے لیکن جن حضرات نے اس میں قدم رکھا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ کتنا کٹھن کام ہے۔ اس خوبی کو پالینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ بھی ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے عظیم نعمت ہے اللہ پاک جس کو چاہے اس فن سے نواز دے۔ اس لئے کہ بہت سے علماء واکابرین، ادباء وشعراء ایسے گزرے ہیں جو ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر علم وفن وحکمت وعمل کے کوہ گراں تھے تمام علوم وفنون میں یکساں دسترس رکھتے تھے لیکن تصنیف وتالیف اور تحریر سے بہت دور تھے اسی لئے دنیا ان عظیم المرتبت ہستیوں کو دھیرے دھیرے وقت گذرنے کے ساتھ تحریر وتصنیف نہ ہونے کی صورت میں ان کے ناموں کو بھی بھولتی گئی بہر صورت یہ فن تصنیف وتحریر مشکل ترین فن ہے اس کا اندازہ حضرت مفتی جلال الدین کی اس عبارت سے لگایا جاسکتا ہے اسکے بارے میں وہ لکھتے ہیں۔

''چونکہ افتاء کے لئے مفتی کا اجتہاد کی ایک گونہ صلاحیت سے متصف ہونا لازمی ہے اس لئے یہ کام تمام دینی خدمات میں بہت زیادہ دشوار ہے۔ ترتیب یوں ہے کہ ان میں سب سے زیادہ آسان ہے تقریر اس سے مشکل ہے تدریس اور تدریس سے مشکل ہے تصنیف وتالیف۔''

(فتاویٰ مصطفویہ صفحہ ۶ ۔ ۷ مطبوعہ رضا اکیڈمی ممبئی)

لیکن جن لوگوں نے اپنی حیات ظاہری میں اس فن کو اپنایا مرنے کے بعد بھی آج تک وہ ہستیاں اپنے ناموں اور کارناموں کے ساتھ زندہ وتابندہ ہیں۔

مفکر اسلام حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ نے جملہ اکابرین اہلسنت کے نقش پا کو اپناتے ہوئے تحریری میدان میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے نقش قدم کو عملی جامہ پہنایا اور نمایاں خدمات انجام دیں۔ جنہوں نے نہ صرف یہ کہ درس وتدریس، تبلیغ ودعوت، مناظرہ وتحریک کے میدان میں نمایاں کامیابی حاصل کی بلکہ تصنیف وتالیف کی دنیا میں بھی اپنا سکہ جمایا۔

رئیس القلم کی ذات بحیثیت مناظر وخطیب ایڈیٹر وادیب، مدرس ومبلغ، مصنف ومولف، مرتب ومضمون نگار محتاج تعارف نہیں۔ جو خوبی آپکی تحریر وتصنیف میں نظر آتی ہے وہ بہت کم بریلوی جماعت کے قلم کاروں میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ آپ کی تحریر میں فصاحت

وبلاغت، ندرت ونکہت، بلا کی چاشنی، رموز ونکات اور دلکشی ودل جمعی کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

آپ کی لکھی ہوئی کتابوں اور دیگر مصنفین کی کتابوں کا میں نے مطالعہ کیا اور جائزہ لیا لیکن علم غیب کے موضوع پر جس نے سب زیادہ مجھے متاثر کیا وہ آپکی تحریر کردہ کتاب ''جلوۂ حق'' ہے جو علم غیب کے موضوع اور ثبوت میں فکر انگیز اور مدلل کتاب ہے جو لا جواب ولا ثانی ہے دیکھنے میں تو وہ کتاب نہیں بلکہ ۵۶ صفحات پر منی ایک کتابچہ ہے لیکن درحقیقت وہ علم غیب کے ثبوت میں دلائل و براہین سے مرصع مستند ومدقق کتاب ہے جو اگرچہ ضخیم نہیں مگر ضخیم کتاب کے مترادف اور مانند ہے جو یقیناً حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ بلیاوی ثم جمشید پوری کی علمی بصیرت اور علمی جلالت اور تبحر علمی کی بین دلیل ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حضرت رئیس القلم نے سمندر کو کوزے میں سمودیا ہے ''جلوۂ حق'' سے میری آشنائی ہوئی تو یہ تحریر میرے دل پر کافی اثر انداز ہوئی۔

''جلوۂ حق'' کے اندر وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک قاری کو اس کے اطمینان کے لئے ضروری ہوا کرتی ہیں۔ جس کے اندر حضرت علامہ نے علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مقدس کی آیات کریمہ، احادیث مبارکہ، اقوال تابعین، وتبع تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین، بزرگان دین اور مستند تفسیرات کے حوالے سے مدلل ثبوت پیش فرمایا ہے۔ جس کا مطالعہ سے ذہن وفکر کی کج روی، بدعقیدگی وگمراہی اور گم گشتگان راہ کے لئے بہترین رہنما ثابت ہوگی اور ایمان وعقیدہ میں اصلاح پیدا ہوگی۔

''جلوۂ حق'' لکھنے کی غرض وغایت بتاتے ہوئے حضرت علامہ لکھتے ہیں کہ۔

''سب سے پہلے اس حادثے پر میں اپنے دلی رنج وغم کا اظہار کرتا ہوں کہ'' آستانہ دہلی'' کو عام طور پر لوگ صوفیائے کرام کے مسلک کا ترجمان سمجھتے تھے۔ لیکن مئی ۱۹۸۴ء کے شمارہ میں ایک مضمون پڑھنے کے بعد جس کی سرخی یہ ہے کہ'' کیا حضور غیب داں تھے'' ہر طرف یہ محسوس کیا جانے لگا ہے کہ آستانہ اب اس کیمپ کی نمائندگی کررہا ہے جو انبیاء اولیاء اور صوفیائے کرام کی بارگاہوں میں نہایت گستاخانہ ذہن رکھتا ہے یہ الزام نہیں ہے بلکہ خود مضمون اس جارحانہ ذہنیت کی بھرپور عکاسی کررہا ہے۔

انصاف ودیانت کے ساتھ ایڈیٹر صاحبہ کے اس مضمون کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تو یہ دعویٰ اظہر من الشمس ہوجائے گا کہ وہ حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب داں نہیں سمجھتیں۔ اور ذہنی طور پر وہ دیوبندی مکتبہ فکر سے اس درجہ قریب ہوئی ہیں کہ انکار علم غیب سے لیکر انداز استدلال تک، دیوبندی مذہب فکر کی ساری خصوصیات انہوں نے اپنالی ہے۔''

(جلوۂ حق صفحہ ۵ رضا سوسائٹی بھیونڈی ۱۹۸۵ء)

ویسے تو حضرت علامہ کا علمی استحضار قابل صد آفرین ہے اور پیش کردہ عبارت پر گرفت کی عجیب نظر عمیق ہے کہ قاری مطالعہ کے بعد انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ یہ خوبی ہر مصنف یا قلم کار کے اندر نہیں پائی جاتی۔ الا ماشاء اللہ۔ لیکن حضرت علامہ اس اعتبار سے بھی منفرد نظر آتے ہیں علم غیب کے انکار پر علمی وادبی گرفت اور آپ کے علمی استحضار کا ایک چھوٹا سا نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

تحریر فرماتی ہیں۔'' جب امہات المومنین حضرت عائشہ صدیقہ پر الزام لگایا گیا تھا اور ہمارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل ایک ماہ تک حضرت عائشہ سے ناراض رہے تھے۔ اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو پھر انہیں حضرت عائشہ کی پاکیزگی پر شک کیوں ہوا۔''

(آستانہ، صفحہ ۲۳، بحوالہ جلوۂ حق)

'' کن لفظوں میں اس دل آزار تحریر کے خلاف میں اپنے کرب کا اظہار کروں کہ مضمون نگار صاحبہ نے علم غیب کے انکار میں دلیل

پیش کرنے کے بجائے بہتان تراشی کا مذموم الزام اپنے سر لے لیا ہے ایک نہیں دو دو، اور وہ بھی اپنے واجب الاحترام نبی کی ذات پر جس کا وہ کلمہ پڑھتی ہیں۔

پہلا بہتان تو انہوں نے یہ تراشا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل ایک ماہ تک حضرت عائشہ سے ناراض رہے تھے۔ اور بہتان یہ لگایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ حضرت عائشہ کی پاکیزگی پر شک تھا۔

ایک طرف مضمون نگار صاحبہ کا مبلغ علم ملاحظہ فرمائیے کہ انہیں عربی زبان کی اتنی بھی واقفیت نہیں ہے کہ وہ واحد اور جمع کا فرق سمجھ سکیں۔ امہات ''ام'' کی جمع ہے۔ جس کا اطلاق ایک عورت پر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس لاعلمی کے نتیجے میں انہوں نے بجائے ام المومنین کے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ''امہات المومنین'' لکھ دیا ہے۔ اور دوسری طرف گستاخانہ ذہن کی یہ جسارت ہے کہ انہوں نے قیاس فاسد کے ذریعہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی اہانت آمیز باتیں منسوب کر دی ہیں جن کی کسی حدیث میں بھی صراحت نہیں ملتی اور جن کے متعلق سوا اس کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ صرف ان کی غلط اندیش ذہن کی پیداوار ہے۔

ان کی افتراء پردازی کے ثبوت کے لئے الگ سے مجھے کچھ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ موصوفہ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں ایک طویل حدیث کا اردو ترجمہ بھی اپنے مضمون میں نقل کیا ہے۔ اگر چہ انہوں نے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے کہ کس کتاب سے انہوں نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔ پھر بھی انہیں کی پیش کردہ حدیث میں جگہ جگہ اسی امر کی صراحت موجود ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ اپنی رفقیۂ حیات سے ناراض تھے اور نہ ان کی پاکیزگی پر انہیں کسی طرح کا شک تھا۔

جیسا کہ اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ ان ایّام میں ایک ماہ تک میں بیمار رہی۔ علالت کے دوران حضور پاک میرے پاس تشریف لاتے۔ مجھے سلام فرماتے اور میرے قریب بیٹھ کر مجھ سے خیریت دریافت فرماتے اور دوسری جگہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت بھی بایں الفاظ نقل کی گئی ہے کہ انہیں ایام میں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور قوم کو ان الفاظ میں خطاب فرمایا:۔

''اس شخص کی طرف سے مجھے کون معذور سمجھے گا یا میری مدد کرے گا جس نے میری بیوی پر بہتان تراشی کر کے مجھے تکلیف دی ہے۔ خدا کی قسم میں نے اپنی اہل میں کسی قسم کی برائی نہیں دیکھی ہے۔'' (آستانہ صفحہ ۲۵ بحوالہ مذکورہ)

قارئین کرام انصاف فرمائیں کہ جب قسم کھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعلان فرما رہے ہیں کہ میں نے اپنی اہل میں کسی کی کوئی برائی نہیں دیکھی ہے تو اب کسی طرح ناراضگی یا بدگمانی کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ اور بخاری شریف میں حدیث شریف کے اس ٹکڑے کا عربی متن یہ ہے۔

واللّٰہ ماعلمت فی اھل الا خیراً	قسم خدا کی اپنے اہل کے بارے میں خیر اور بہتری ہی کا علم ہے۔

غور فرمایئے! مجمع عام میں ایک صادق الامین پیغمبر کے اس اعلان خیر و اعتماد کے بعد بھی مضمون نگار صاحبہ کو اصرار ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ناراض تھے اور انہیں ان کی پاکیزگی پر شک تھا۔ نعوذ باللہ من ذالک

(جلوہ حق صفحہ ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲)

پھر چند سطور کے بعد رقم طراز ہیں

''اس وقت مدینہ کا ماحول بالکل اسی طرح کا ہو گیا تھا۔ رأس المنافقین عبداللہ بن ابی کی سرکردگی میں سارے منافقین کھل کر سامنے آگئے تھے اور طرح طرح کی افواہوں کے ذریعہ اس فتنہ کو اس طرح

ہوا دے رہے تھے کہ متعدد صحابہ کرام تک غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ ان حالات میں احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ حضور خود اعلان برأت نہ فرمائیں اور وحی الٰہی کا انتظار کریں۔ بالآخر ایک ماہ کے طویل انتظار کے بعد حضرت عائشہ کی برأت میں وحی نازل ہوئی اہل ایمان بھی مطمئن ہوئے اور منافقین کی زبانیں بھی ہمیشہ کے لئے مقفل ہو گئیں۔"

(جلوۂ حق صفحہ ۱۳، ۱۴)

علم غیب رسول کے ثبوت میں استدلال آیت قرآن سے فرماتے ہوئے خود لکھتے ہیں۔

عـالـم الـغيـب فـلا يظهرك علىٰ غيبهٖ احدا الا من ارتضى من رسول.

عالم الغیب خدا، اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا۔ لیکن جسے چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے۔

ومـاكـان الـلـه ليـطـلـعكم على الغيب ولٰكن الله يجتبى من رسله من يشاء

اللہ کی یہ شان نہیں کہ تم میں سے ہر ایک کو غیب پر مطلع کردے۔ لیکن اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے اسے غیب کا علم عطا فرماتا ہے۔

(جلوہ حق صفحہ ۲۴۔۲۵)

اب اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم غیب کا استدلال قرآن مقدس کے آیت سے پیش کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں۔

قـل لا يـعـلـم من فى السمٰوٰت والارض الغيب الا الله۔

اے رسول آپ کہہ دیجئے کہ زمین وآسمان میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔

وعنده مفاتيح الغيب لا يعلمها الا هوا۔

اور اللہ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(جلوہ حق صفحہ ۲۵۔۲۶)

ان مذکورہ آیتوں کو پیش کرنے کے بعد حضرت علامہ ارشد القادری صاحب اپنے خیالات کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں۔

"دونوں طرح کی آیتوں کا مفہوم واضح ہو جانے کے بعد ایک دوسرا سوال آپ سے ہم کر سکتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں علم غیب کی ثبوت والی آیتوں کے بعد آخر انکار والی آیتوں کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے عرب میں کہانت کا بڑا زور تھا کاہنوں اور رمّالوں کے بارے میں اہل عرب کا عقیدہ تھا کہ وہ غیب کی باتیں جانتے ہیں۔ اسی باطل عقیدہ کی تردید میں انکار والی آیتیں نازل ہوئیں، جس کے ذریعہ واضح طور پر اعلان کر دیا گیا کہ غیب کی بات سوا خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ لیکن یہ کتنا بڑا ستم ہے کہ ان ساری آیتوں کو جو کاہنوں، رمالوں، اور نجومیوں کی غیب دانی کے باطل عقیدہ کی تردید کے لئے نازل ہوئیں۔ منکرین علم غیب ان ساری آیتوں کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر منطبق کرتے ہیں۔

کاہنوں کے متعلق تو یہ عقیدہ اس لئے غلط تھا اور ہے کہ خدا نے انہیں یہ علم عطا ہی نہیں کیا لیکن اپنے رسول کو تو خدا نے علم عطا کیا جس کا بیان آپ متعدد آیتوں میں پڑھ چکے۔ اس مضمون کی ایک حدیث بھی حضور پاک صل اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے سرکار ارشاد فرماتے ہیں۔

"جو کاہن کے پاس آئے اور اس کی کہی ہوئی باتوں کو سچ سمجھے تو اس نے قرآن کے ساتھ کھلا کفر کیا۔"

(جلوہ حق صفحہ ۳۳، ۳۴)

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ کا انداز بیان، طرز تحریر اور اسلوب بیان نرالا اور انوکھا ہے انکار کی کوئی صورت ہی باقی نہیں رہ جاتی۔ پوری کتاب ہی مدلل ہے۔ آیت کریمہ کے بعد

استدلال احادیث مبارکہ سے ہے۔ جو حدیث شریف کی مشہور کتاب مشکوٰۃ المصابیح، اور تفسیر میں تفسیر بغوی، تفسیر بیضاوی، راویان اور مفسرین سے مستنبط ہے طوالت کے خوف سے یہاں پر وہ الفاظ نقل نہیں کئے جاتے۔ مزید معلومات کے لئے مذکورہ کتاب سے رجوع کرسکتے ہیں۔

(۱) اکابرامت اور اجلۂ صوفیاء کے اقوال سے علم غیب کا ثبوت (۲) علم غیب کے ثبوت میں امام غزالی کی شہادت۔ (۳) قطب الاقطاب سیدی شیخ عبدالعزیز دباغ کی ایمان افروز شہادت۔ (۴) حضرت امام قسطلانی شارح مواہب لدنیہ کی شہادت (۵) امام التفسیر حضرت شیخ احمد صادی کی ایمان افروز عبارت۔ (۶) مسئلہ علم غیب میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا عقیدہ۔ (۷) شارح حدیث ملاعلی قاری علیہ رحمت الباری کی روح پر شہادت۔ (۸) امام وقت حضرت علامہ قیصری کا ایمان افروز عقیدہ۔ (۹) رسول پاک کے حاضر وناظر ہونے کے سلسلے میں حضرت ابن دینار تابعی رضی اللہ عنہ کا حقیقت افروز عقیدہ۔ (۱۰) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا ارشاد گرامی۔

ان تمام اکابرین امت کے اقوال سے حضرت علامہ نے نبی کریم ﷺ کا علم غیب جس خوبصورتی کے ساتھ ثابت کیا ہے اس پر جماعت اہل سنت کو فخر ہے۔

باب ۱۴

منزل بہ منزل

(تبلیغی ودعوتی اسفار)

کبھی شاخ و سبزہ و برگ پر کبھی غنچہ و گل و خار پر
میں چمن میں چاہے جہاں رہوں مرا حق ہے فصلِ بہار پر

اراکین دارالعلوم قادریہ صابریہ برکاتِ رضا
پیران کلیئر روڑکی

جماعت اہل سنت کے

بطلِ عظیم حضرت **علامہ ارشد القادری**، رئیس القلم فاتح یورپ وایشیاء مبلغ اسلام

کی سانحۂ ارتحال پر اپنے قلبی رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں اور خواجگانِ چشت اہل بہشت کے وسیلے سے رئیس القلم کی بلندیٔ درجات کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں ملتمس ہیں۔

نوٹ:۔ ادارہ ہٰذا جماعت اہل سنت کی افکار ونظریات کی تبلیغ واشاعت میں اپنا بھرپور کردار ادا کررہا ہے۔ آپ تمامی حضرات سے ہرممکن تعاون کی گزارش کی جاتی ہے۔ **جزاك الله خير۔**

علامہ ارشدالقادری علیہ الرحمہ

کشمیر کا ایک دلکش سفرنامہ

۱۳ر ستمبر کی شام کو میں جمشید پور سے کشمیر کے لئے روانہ ہوا۔ واضح رہے کہ کشمیر کا میرا یہ سفر تفریح و سیاحت کے لئے نہیں بلکہ مذہب اہلسنت کی تبلیغ و اشاعت کی وسائل کے تلاش کے لئے تھا۔

دوسرے دن شب میں میری ٹرین بریلی شریف کے اسٹیشن پر پہنچی۔ وہی بریلی شریف جسکی طرف انتساب اب اہل سنت کا علامتی نشان بن چکا ہے۔ یک بیک جذبۂ شوق نے انگڑائی لی اور میں سرکار اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہٗ کے مزار پُر انوار کی زیارت کے لئے اتر پڑا۔

آستانۂ رضویہ پر حاضری

نماز فجر کے بعد امام اہلسنت کے آستانے پر جب میری حاضری ہوئی تو جذبۂ دل کے مدوجزر کا عجیب عالم تھا۔ ایک عشق سراپا، ایک پیکر وفا، ایک اخلاص مجسم، اور ایک بحرعلم وفضل کی خواب گاہ ناز نظر کے سامنے تھی۔ فرط عقیدت سے آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ بیساختہ یہ شعر یاد آ گیا۔

کیوں رضا آج گلی سونی ہے
اٹھ میرے دھوم مچانے والے

نہ جانے کس عالم میں اعلیٰ حضرت نے یہ شعر کہا تھا۔ گھنٹوں سوچتا رہا! اسی عاشق پاکباز کا مرقد ہے جو شہر خموشاں کے ارجمندوں کی حرمت وتوقیر کے لئے زندگی بھر بے چین رہا۔ اس کے نوک قلم سے روشنائی نہیں ٹپکتی تھی عشق وعرفان کا آبشار پھوٹتا تھا۔ اس کی تحریر میں عجیب سحر حلال تھا کہ بریلی کی سرزمین پر بیٹھے بیٹھے اس نے ساری دنیا کو اپنے گرد سمیٹ لیا۔

عالم تحیر میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ بیساختہ زبان دل سے دعا نکلی اور درودیوار نے آمین کہا۔

احمد رضا! تمہاری تربت پر شام وسحر رحمت و نور کا ساون برسے۔ تمہارے قلم کی روشنائی نے شہیدوں کے لہو کی طرح چمنستان اسلام کو لالہ زار بنادیا۔ تم نے آندھیوں کی زد پر عشق کا چراغ جلایا اور خون کے ایک ایک قطرے سے محبت کا خراج وصول کیا۔

دنیائے اسلام کے محسن! تم نے حق وباطل کے درمیان اتنی واضح لکیر نہ کھینچ دی ہوتی تو آج امنڈتے ہوئے ان سیاہ فتنوں کے ہجوم میں امت مسلمہ کا کیا حال ہوتا۔ کیا معلوم کہ ہم سرگشتگان بادۂ غفلت عقل غلط اندیش کی رہنمائی میں کہاں بھٹکتے ہوتے۔

اہل سنّت کے امام؟ خدائے غافر وقدیر تمہاری خواب گاہ کو رحمتوں کے پھول سے بھردے۔ تمہارا یہ احسان ہم کبھی نہیں بھول سکتے کہ تم نے نہایت نازک وقت میں ایمان کے ساتھ ہماری روحوں کا سر رشتہ ٹوٹنے سے بچالیا۔

ویسے کہنے کے لئے ساری دنیا رسول مجتبیٰ کے پروانوں سے بھری ہوئی تھی لیکن نجد کے گستاخوں کے منھ میں لگام دینے کے لئے

تمہارے سوا کون کھڑا ہوا۔ کس نے اپنی ہستی کی ساری صلاحیتوں کو حمایت حق کے مورچے پر لگا کر اسلام کی فصیل کو کفر والحاد کے طوفان سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ مزارات کے وارث اور خانقاہوں کے سجادہ نشین کہاں نہیں تھے لیکن کسے ہمت ہوئی کہ ابلیس کے امنڈتے ہوئے لشکر کو شکست فاش دینے کے لئے خون کا آخری قطرہ تک نثار کر دے۔

ہر محفل کا چراغ بننا اور ہر طبقے میں نیک نام کہلانا کون نہیں پسند کرتا لیکن پیارے! یہ تمارا ہی جگر تھا کہ حق کی خوشنودی کے آگے تم نے نہ کسی کے روٹھنے کی پرواہ کی نہ کسی کے طعن و تشنیع سے آزردہ ہوئے ایک اپنے محبوب کو راضی کر کے تم سارے جہاں سے مستغنی ہو گئے۔

اہل حق کی دنیا آج بھی اعتراف کرتی ہے کہ تم نے غیرت عشق کی یہ بھٹی نہ سلگائی ہوتی تو اس عہد نفاق آشوب میں یقین وعرفان کا یہ نکھرا ہوا سونا کسے میسر آتا۔

پس اے امیر کشور اخلاص! دشمنان حق نے اپنے مذہبی غیض میں سلگ سلگ کر تجھے جتنے طعنے دیئے ہیں عالمین کا پروردگار اُن ساری دل آزاریوں کا تجھے بے پایاں اجر عطا کرے۔

دل کے انہیں تاثرات کے ساتھ با دیدۂ پرنم آستانہ رضویہ کی جلوہ گاہ فیض سے میں واپس لوٹا اور سیدی حضور مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم کے دولت سرائے اقبال پر تھوڑی دیر کے لئے قیام کیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت اقدس شب گذشتہ کی ٹرین سے کل ہند سنی جمعیۃ العلماء کی تنظیمی کانفرنس میں شرکت کے لئے بمبئی تشریف لے گئے۔

اس کے چند ہی گھنٹے کے بعد میں عزیزم محترم مولانا بہاء المصطفےٰ سلمہ کے ہمراہ شیخ طریقت برادر گرامی حضرت مولانا الحاج صوفی شاہ غلام آسی صاحب قبلہ کے بچوں سے ملاقات کے لئے قصبہ بھینسوڑی شریف ضلع رام پور کے لئے روانہ ہو گیا۔ وہاں پہونچ کر قطب وقت حضرت صوفی شاہ محمد حسن ابوالعلائی جہانگیری رحمۃ اللہ علیہ اوران کے شیخ کے مزارات پر فاتحہ پڑھی۔

ایک اندوہناک حادثہ

جب میں واپس لوٹ کر قصبہ ملک پہنچا جہاں برادر محترم کے بچے اپنے ذاتی مکان میں سکونت پذیر ہیں تو اس وقت وہاں کے مسلمانوں میں ایک عجیب طرح کا ہیجان برپا تھا۔ جگہ جگہ ٹولیوں میں لوگ اداس وغمگین کھڑے تھے۔ میرے پہنچنے کی اطلاع پاتے ہی مسجد کے امام صاحب اور درگاہ حسینی کے پیرزادہ حضرت محبوب میاں میرے پاس تشریف لائے اور لرزہ خیز واقعہ کی اطلاع دی کہ آج ٹھیک نماز فجر کے بعد محکمہ تعمیرات عامہ کے لوگوں نے ایک ہجوم کے ساتھ مسجد کی عمارت کا وہ حصہ شہید کر ڈالا جس کا رُخ سڑک کی طرف تھا چنانچہ جب میں جائے وقوع پر پہنچا تو مسجد کا منہدم حصہ دیکھ کر میری آنکھوں سے خون ٹپک پڑا۔ وہیں لوگوں کے ذریعہ یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ضلع رام پور کے کلکٹر صاحب اسوقت یہیں ڈاک بنگلے میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

چنانچہ فوراً ہی میں چند مقامی مسلمانوں کو ہمراہ لئے ہوئے ان کے پاس پہنچا اور ان سے کہا کہ غالباً آپ ہمارے اس فطری جذبے سے ناواقف نہیں ہونگے کہ مسلمان اپنی جان ومال کا ہر نقصان برداشت کرسکتا ہے لیکن مسجد کی دیوار پر ایک ہلکی سی خراش بھی قطعاً اس کے لئے برداشت ناقابل ہے۔

انہوں نے جواب دیا کہ محکمہ تعمیرات کے لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ مسجد کا جو حصہ توڑا گیا ہے وہ پی، ڈبلو، ڈی کی زمین پر واقع تھا۔ میں نے کہا یہ بالکل عذر لنگ ہے کیونکہ اگر واقعہ ایسا تھا تو مسجد کے محاذ میں جتنی عمارتیں واقع تھیں سب کو توڑنا چاہئے تھا۔ حالانکہ سوائے مسجد کی عمارت کے کسی عمارت کو بھی انہوں نے کوئی نقصان نہیں پہونچایا ہے

جب کہ بعض عمارتیں مسجد کے مقابلے میں سڑک کی طرف زیادہ نکلی ہوئی ہیں۔اس سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے قطعاً کسی دوسرے جذبے میں مسجد کو نقصان پہونچایا ہے۔

اس گفتگو کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلکٹر صاحب بذات خود تحقیقات کے لئے تیار ہوگئے چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ جائے وقوع پر آئے تو ان کے سامنے مسجد کی زمین کا نقشہ رکھ دیا گیا اور فیتہ سے لائن کھینچ کر یہ بات ان کے ذہن نشین کرادی گئی کہ مسجد کے محاذ میں برابر کی ساری عمارتوں کو چھوڑ کر صرف اسی کو منہدم کرنے کا مقصد کیا ہوسکتا ہے؟

چلتے وقت تو انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ انصاف کریں گے لیکن تادم تحریر کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی کہ انہوں نے کیا کاروائی کی۔البتہ یہ خبر ضرور ملی ہے کہ مسجد کا منہدم شدہ حصہ اسی حالت میں اب تک پڑا ہوا ہے۔

چونکہ میرا ٹکٹ ڈائرکٹ تھا اسلئے اسی دن شام کو سیالدہ پٹھان کوٹ ایکسپریس سے کشمیر کیلئے روانہ ہوگیا۔

کشمیر میں مذہب اہل سنت کے آثار

دوسرے دن صبح کو میں پٹھان کوٹ پہنچا۔تھوڑی ہی دیر کے بعد سرینگر کی طرف جاتی ہوئی ایک کار مل گئی جس سے تقریباً ساڑھے چار سو کلومیٹر لمبی پہاڑیوں کا سلسلہ عبور کرنیکے بعد میں ساڑھے دس بجے شب کو سرینگر میں داخل ہوا۔رسپشن سنٹر (استقبالیہ مرکز) میں پہنچ کر میں نے ایک بوٹ ہاؤس میں اپنا قیام منظور کرلیا۔چونکہ اس وقت گلابی قسم کی سردی پڑ رہی تھی اس لئے جھیل کی سطح پر رات بسر کرنے میں مجھے کوئی زحمت نہیں پیش آئی۔

صبح کو ناشتے سے فارغ ہوکر جیسے ہی میں شہر دیکھنے کے ارادے سے سڑک پر آیا اونی کپڑوں کے تجارتی فرم "کشتوار برادرس" کے ایک نمائندے سے میری ملاقات ہوگئی۔وہ اپنی کار میں بٹھلا کر مجھے اپنا شوروم دکھانے لے گئے۔وہاں پہنچ کر مجھے سب سے زیادہ خوشی فرم کے مالکان سے ملاقات کرکے ہوئی۔دولتمند طبقے میں سرکار غوث الوریٰ کے ایسے دیگر عشاق بہت کم میری نظر سے گذرے ہوں گے۔

ان کی زبانی کشمیر میں اہل سنت کے معتقدات وروایات کی ایمان افروز تفصیلات معلوم کر کے مجھے بے پایاں خوشی حاصل ہوئی۔انہوں نے بتایا کہ کشمیری مسلمان بالکل عید کی طرح ۱۲ربیع الاول اور گیارہویں شریف کا دن مناتے ہیں۔صبح کی نماز کے بعد یہاں کی ساری مسجدوں میں بالالتزام باواز بلند صلوٰۃ وسلام پڑھنے کی رسم جاری ہے انہوں نے جذبۂ عقیدت کی ترنگ میں یہ اطلاع بھی دی کہ کشمیر کی وادی میں سات سو برس سے سرکار بغداد کے فیضان کا چشمہ جاری ہے۔اس عرصے میں کتنی جھیلیں سوکھ گئیں لیکن قادری آبشار کا بہتا ہوا سوتا آج تک بہہ رہا ہے۔

سرینگر کے علماء ومشائخ سے ملاقات

حضرت مولانا سید شاہ غلام محی الدین نوری

یہ جامع الکمالات حضرت ایشان شیخ یعقوب صرفی رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادے کے چشم وچراغ اور انکی عظیم خانقاہ کے وارث ومتولی ہیں۔

حضرت ایشاں وہی بزرگ ہیں جنھوں نے دسویں ہجری میں جب کہ کشمیر پر یعقوب چک نامی ایک غالی قسم کے شیعہ بادشاہ کی حکومت تھی اور وہ مذہبی دشمنی میں اہلِ سنت پر ناقابلِ برداشت مظالم ڈھا رہا تھا، شبانہ روز پیدل چل کر چھپتے چھپاتے کسی طرح دہلی پہنچے اور اکبر بادشاہ کو اس کے مظالم کی اطلاع دی اور وہاں سے ۳۰ہزار کا لشکر جرار اپنے ہمراہ لے کر آئے اور اس کی حکومت کا تختہ الٹ کر اس کے مظالم سے اہل سنت کو نجات دلوائی۔

آپ حضرت امام ابن حجر مکی، حضرت شیخ سعدی، حضرت امام

جامی، حضرت مجدالف ثانی اور حضرت شیخ شاہ سلیم چشتی رحمۃ اللہ کے معاصرین میں سے ہیں اوران بزرگوں سے افادہ واستفادہ کا تعلق بھی ثابت ہے، آپ ساری عمر اہل سنت کی خیر خواہی اور ان کی دینی و دنیوی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں رہے۔(ماخوذ جامع الکمالات)

مولانا غلام محی الدین صاحب نوری بڑے مرتاض اور سراپا اخلاص قسم کے بزرگ ہیں ہر وقت آپ کی خانقاہ میں اہل حوائج کی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ ہندوستان میں اہل سنت کے مراکز کی تفصیل معلوم کر کے آپ بیحد مسرور ہوئے اور خواہش ظاہر کی کہ کشمیر سے ہم اپنی دینی تحریکوں کا رابطہ قائم کریں۔

میر سید محمد عبداللہ صاحب قادری

آپ دربار غوثیہ کے سجادہ نشین ہیں ان کی مجلس میں پہنچنے کے بعد ہم نے اچانک ایسا محسوس کیا کہ کئی سو برس پیشتر عہد قدیم کے کسی باخدا درویش کی خانقاہ میں پہنچ گئے ہوں۔ وہی ٹوٹی ہوئی چٹائی بے ساز و سامان حجرہ، پشمینہ کا خرقہ اور وارفتگی ومحویت کا عالم۔ میں جب پہنچا تو آنکھیں بند تھیں۔ خادم خاص نے جب انہیں اطلاع دی تو آنکھیں کھولدیں اور فرمایا اپنا تعارف کراؤ میں نے اپنے تعارف میں بریلی شریف کا نام لیا۔ فوراً دریافت فرمایا، عرفان حق کے خازن وامین مولانا احمد رضا خان صاحب کو جانتے ہو۔" عرض کیا میں انہیں کے سلسلے کا خادم و مبلغ ہوں۔ یہ سنتے ہی چہرہ فرط مسرت سے شگفتہ ہو گیا۔ غایت سرور میں کھلکھلا کر ہنس پڑے اور فرمایا بلاشبہ ان کے قلم نے دین وسنت کو زندہ کر دیا۔ ان کی تحریر میں عشق وعرفان کا نور جھلکتا ہے پھر انہوں نے نہایت شفقت کے ساتھ مجھے اپنے قریب بٹھلایا۔ عرفائے کشمیر کی تاریخ پر مشتمل ان کے پاس ایک نہایت گراں بہا قلمی کتاب تھی جس کی انہوں نے مجھے زیارت کرائی۔

پھر انہوں نے سفر کی غایت دریافت کی۔ عرض کیا کشمیر کے سنی علماء ومشائخ سے ہندوستان کے اہل سنت کا رابطہ قائم کرنا چاہتا ہوں یہ سنکر انہوں نے اپنی بے پایاں خوشی کا اظہار کیا اور مشورہ دیا کہ اس مہم میں مولانا جلال الدین صدر مفتی کشمیر کا تعاون نہایت مفید ثابت ہوگا۔

مولانا جلال الدین صدر مفتی کشمیر۔

آپ نہایت ذہین، صاحب بصیرت اور علمی دنیا سے مربوط بزرگ ہیں علوم شرق وغرب دونوں سمتوں میں قابل اعتماد مہارت رکھتے ہیں۔ آپ کے فتاوے سارے کشمیر میں وقعت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ آپ نے کشمیر میں اہلسنت کی بہبود وتنظیم کی مہم کے لئے اپنے بہترین تعاون کا یقین دلایا۔

آپ کی ایک بات مجھے نہیں بھولتی۔ سری نگر کے مشہور مذہبی کارکن جناب ڈاکٹر سید محمد اشرف صاحب نقشبندی سے جب انہوں نے ٹیلیفون پر میرا تعارف کرایا تو ان کے یہ الفاظ میرے دل پر نقش ہو گئے۔ ہندوستان میں اہل سنت کا مرکز جو بریلی کے نام سے مشہور ہے وہاں سے ایک صاحب تبلیغی مہم پر آئے ہوئے ہیں ہمیں ان کے ساتھ بھر پور تعاون کرنا چاہیئے۔

ٹیلیفون ہی پر ڈاکٹر صاحب سے دس بجے رات کا وقت ملاقات کے لئے طے پا گیا۔

ڈاکٹر محمد اشرف صاحب نقشبندی

آپ خواجہ شاہ نیازی گگری بل کی درگاہ کے سجادہ نشین ہیں۔ نہایت دردمند اور پرسوز طبیعت پائی ہے۔ آپ کی ذاتی ڈسپنسری ہے جس میں دور دور کے مریضوں کا ہجوم لگا رہتا ہے۔ اپنے فن کی بدولت نہایت خوشحال اور متمول آدمی ہیں۔ رات کی ملاقات میں ہماری دینی مہم سے اپنی دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ دن ہمارے لئے انتہائی فرحت وسرور کا ہوگا جس دن ہندوستان کے سنی علماء ومشائخ کا نورانی قافلہ ہماری سرزمین پر نزول اجلال فرمائے گا۔

انہوں نے دوران گفتگو اس امر پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ سری نگر جیسے مرکزی شہر میں دینی تعلیمات کا کوئی ایک بھی ایسا معیاری دارالعلوم نہیں ہے جہاں سے علماء وحفاظ کی فراغت ہوتی ہو جس کے نتیجہ میں اب ہماری مذہبی زندگی مستند رہنماؤں سے محروم ہوتی جارہی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہندوستان کے صاحب بصیرت علماء اس طرف توجہ فرمائیں۔

گفتگو کا سلسلہ اس حصے پر تمام ہوا کہ آئندہ ماہ جون میں ایک خاص دینی تبلیغی کانفرنس سرینگر میں منعقد ہوگی جس میں ہندوستان کے مشاہیر علماء اہل سنت شرکت فرمائیں گے اور حالات کو سامنے رکھ کر وہاں کے مسلمانوں کی علمی ودینی بہبود کے لئے کوئی مفید اسکیم تیار کریں گے۔

مجھے افسوس ہے کہ وقت کی تنگی کے باعث میں سرینگر کے ان مشاہیر سے بالمشافہ ملاقات نہ کرسکا جنکے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ خواجہ عبدالرحیم بانڈے متولی زیارت شریف حضرت بل، صاحبزادہ میاں محمد حسین علوی، جناب میر حبیب اللہ صاحب کابلی سجادہ نشین درگاہ اکملیہ۔ جناب مفتی بشیر الدین صاحب۔ جناب میر محی الدین صاحب اندرآبی جناب پیر غلام حسن صاحب۔ جناب میر واعظ ہمدانی وغیرہ۔

سرینگر میں تبرکات کا خزانہ

سرینگر کی مختلف درگاہوں میں تبرکات کا تفصیل معلوم کرکے مجھے انتہائی مسرت ہوئی اور اس سے اندازہ ہوا کہ عہد قدیم میں اہل اللہ اور ان کے آثار شریفہ کے ساتھ کشمیری مسلمانوں کو کیسی عقیدت وشیفتگی تھی۔ قارئین ذیل میں اسکا اجمالی خاکہ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ مولائے کائنات حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے دست مبارک کا لکھا ہوا وہ قرآن مجید جسکی تلاوت کرتے ہوئے امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جام شہادت نوش فرمایا تھا۔ اس کے صفحات پر آج بھی ان کے مقدس خون کے دھبوں کے نشانات موجود ہیں۔

۲۔ عصائے مبارک امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۳۔ جبۂ مبارک حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ۔

۴۔ موئے مبارک سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۵۔ عصا وکلاہ مبارک حضرت شیخ شہاب الدین سہروری رضی اللہ عنہ

۶۔ کمر بند شریف حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۷۔ عصائے مبارک حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رضی اللہ عنہ۔

۸۔ کلاہ مبارک حضرت امیر کبیر میر سعد علی ہمدانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۹۔ عمامہ وکلاہ مبارک حضرت ایشان شیخ یعقوب صرفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

کشمیر میں اردو زبان

یہ معلوم کرکے مجھے بہت زیادہ خوشی ہوئی کہ کشمیر میں اردو زبان بالکل اسی طرح بولی اور سمجھی جاتی ہے جس طرح دہلی، لکھنؤ اور پٹنہ میں چنانچہ اس وقت سری نگر سے اردو کے کئی روز نامے ہفتہ وار اور ماہ نامے نکل رہے ہیں۔ اس لئے جہاں تک افہام وتفہیم کا تعلق ہے اردو زبان کو آسانی کے ساتھ ذریعہ بنایا جاسکتا ہے۔

کشمیر جنت نظیر کے بارے میں یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ وہاں مظاہر قدرت کی زیبائیوں کا کیا عالم ہے؟

چونکہ مجھے بمبئی کی تنظیمی کانفرنس میں شریک ہونا تھا اس لئے تیسرے صبح ہوائی جہاز کے ذریعہ جموں پہنچا اور وہاں سے ۴ بجے شام تک پٹھان کوٹ پہنچ گیا اور ایک گھنٹہ کے بعد فرنیٹیر میل سے بمبئی کے لئے روانہ ہوگیا۔

آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کی تنظیمی کانفرنس

اس نعمت کبریٰ کو ہم جماعت کی خوش بختی ہی سے تعبیر کریں گے کہ صف اوّل کے اکابر کی اب گرانقدر توجہ ہندوستان کے طول عرض میں پھیلے ہوئے چھ کروڑ اہل سنت کی تنظیم کیطرف منعطف ہوگئی ہے۔

بمبئی کے تنظیمی کانفرنس نے نئے حوصلوں کا جو چراغ جلایا ہے خدا کرے طوفانوں کی زد پر بھی وہ جلتا رہے۔

اس مبارک اجتماع میں ملّت طاہرہ کے تقریباً سارے عمائدین جلوہ فرما ہوگئے تھے اوران کے انفاس طیبات کی برکتوں سے بہت سارے اہم مسائل حل ہوگئے ان میں سے مخصوص حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱) تاجدار اہل سنت سرکار مفتیٔ اعظم ہند دامت برکاتہم (۲) برہان ملت حضرت علامہ الحاج شاہ مفتی برہان الحق صاحب رضوی جبل پوری صدر کل ہند جماعت رضائے مطفےٰ (۳) سید العلماء حضرت مولانا سید شاہ آل مصطفےٰ صاحب برکاتی قادری (۴) استاذ العلماء حضرت علامہ الحاج حافظ عبدالعزیز صاحب قبلہ اشرفیہ مبارکپور (۵) مجاہد ملت حضرت علامہ الحاج محمد حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ صدر کل ہند تبلیغ سیرت (۶) سلطان المتکلمین حضرت الحاج مفتی رفاقت حسین صاحب قبلہ صدر ادارۂ شرعیہ بہار (۷) خطیب مشرق حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی (۸) نقیب قادریت حضرت مولانا الحاج خواجہ نظام الدین صاحب بدایونی (۹) محبوب العلماء حضرت مولانا محمد محبوب صاحب اشرفی (۱۰) حضرت مولانا حکیم یونس صاحب نظامی (۱۱) فاضل محترم حضرت مولانا قاری محمد یحیٰ صاحب ناظم اعلےٰ دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور (۱۲) جامع الفضائل حضرت مولانا حامد اشرف صاحب خطیب زکریا مسجد (۱۳) طوطیٔ حق حضرت مولانا مفتی رجب علی صاحب (۱۴) مجاہد اہل سنت حضرت مولانا الحاج علی محمد صاحب شیر گجرات (۱۵) حضرت محترم مولانا قاری معین الدین صاحب دانش خطیب مینارہ مسجد۔ حضرت علامہ عبد الشکور صاحب اعظمی۔

قیصر باغ میں کھلا اجلاس

تنظیمی ہفتے کی آخری دوراتوں میں قیصر باغ ہال کے اندر کھلے اجلاس منعقد ہوئے جن میں اہل سنت کے عمائدین نے تنظیمی زندگی کے مسائل پر مختلف زاویوں سے روشنی ڈالی۔

سید العلماء حضرت سید شاہ آل مصطفےٰ صاحب صدر آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے خطبۂ صدارت کے مندرجہ ذیل اقتباسات خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہیں۔

۱۔ حضرات! سنی جمعیۃ العلماء کی تنظیمی کانفرنس کی دعوت پر جماعت کے اکثر بالغ نظر و صاحب الرائے حضرات کا اتنی بڑی تعداد میں اکٹھا ہوجانا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ ایثار و قربانی کا ہمہ گیر جذبہ سب کے دلوں کا ایک ایسا قدر مشترک ہے جو وقت کی ایک معمولی سی آہٹ سے بیدا ہوتا ہے۔ خدائے قدیر اس جذبے کو سلامت رکھے اور ہماری تنظیم کو حیات سرمدی عطا فرمائے۔

۲۔ حضرات! گیارہ برس کی خدمات میں ہم نے کس حد تک کامیابی حاصل کی اور کہاں تک ناکام رہے؟ اسکا فیصلہ ہمارے ہاتھ نہیں، یہ آپ حضرات کا اپنا حق ہے۔ ہاں ہم یہ ضرور جانتے ہیں کہ جو ہمارا فریضہ تھا اس کی انجام دہی میں دیدۂ و دانستہ ہم نے کوئی کوتاہی نہیں برتی۔ مسلم پرسنل لا، تعدد ازدواج، اوقاف اور زبان اُردو سے متعلق سنی جمعیۃ العلماء کا ریکارڈ انتہائی درخشاں و تابناک ہے، وقت میں گنجائش نہیں کہ ہم اسکی تفصیلات میں آپ کو لے جائیں لیکن اتنا بتادینا ضروری جانتے ہیں کہ جب جب بھی مسائل نے ہمیں پکارا ہے کسی خوف و ہواس کا خدشہ لائے بغیر ہم بے تحاشہ میدان عمل کی طرف دوڑ پڑے ہیں۔

۳۔ دوستو! جماعتیں فقط نعروں کے سہارے زندہ نہیں رہتیں بلکہ نعروں کے پیچھے کچھ بنیادی اور ٹھوس حقائق ہوتے ہیں اگر آپ ایک زندہ قوم کی حیثیت سے جینا چاہتے ہیں تو وہ اسلوب زندگی اختیار کیجئے جو ایک زندہ قوم کی نشانی ہے۔ اسباب و وسائل سے منہ موڑ کر جینے کی آرزو کرنا ہتھیلی پر سرسوں جمانے کے مترادف ہے.................

حضرت برہان الملت دامت برکاتہم نے تنظیم کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔

''اس دور میں عددی اکثریت ہی طاقت کا اصل معیار ہے لیکن یہ بھی وقت کا سب سے بڑا سانحہ ہے کہ ہم ہندوستان میں سب سے بڑی اقلیت ہوتے ہوئے بھی سب سے کمزور طبقے میں شمار کیجئے جاتے ہیں۔ میں پورے وثوق کے ساتھ یہ اعلان کررہا ہوں کہ تنہا اہل سنت ہی اگر منظم ہوجائیں تو ساری مسلم اقلیت کا مسئلہ آن واحد میں حل

ہوسکتا ہے۔ بلکہ تنہا اپنے بل پر ہم دستور ساز ایوانوں میں اپنے قابل اعتماد نمائندے بھی بھیج سکتے ہیں۔ اور سن لیا جائے کہ جب تک ایسا نہیں ہوگا حالات کا رخ ہرگز نہیں موڑا جاسکتا۔"

حضرت استاذ العلماء شیخ الحدیث اشرفیہ مبارکپور نے تنظیم و اتحاد کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا..........

"یہ دنیا ایک سرائے فانی ہے۔ یہاں زندگی کی نعمت سے جو بھی سرفراز ہوتا ہے اسے ایک نہ ایک دن موت کا ذائقہ بھی چکھنا ہے لیکن بہت کم لوگ ہیں جنہیں موت کی حقیقت پر غور کرنے کا موقع ملا ہو۔ دراصل موت نام ہے جسم وروح کے درمیان رشتۂ اتحاد کے ٹوٹ جانے کا۔ پس جب جسم وروح کے باہمی رشتے کا انتشار فرد کی موت کا سبب بن سکتا ہے تو جماعت کا انتشار جماعت کو کیونکر زندہ رہنے دے گا۔ اس لئے جب تک کہ قالب و روح کی طرح ہم آپس میں متحد نہیں ہوجاتے اجتماعی زندگی کے فیضان سے ہم کبھی بہرہ یاب نہیں ہوں گے۔

حضرت سلطان المتکلمین مفتی اعظم کانپور نے تحفظ اوقاف اور مساجد کی بازیابی سے متعلق ایک تجویز پر تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ "تقسیم ہند کے بعد سے اب تک بیسیوں کانفرنسوں اور اجتماعات میں یہ تجویز اتنی بار دہرائی گئی ہے کہ اب اس کے الفاظ تک زبانی یاد ہوگئے ہیں۔ لیکن یہ ہماری سیکولر اسٹیٹ ہے کہ آج تک اس نے یہ بتانے کی بھی زحمت نہیں گوارا فرمائی کہ جن مساجد اور مقابر کی بازیابی کے لئے ہم ۲۲ سال سے تحریک چلا رہے ہیں حکومت اس کے لئے کیا کر رہی ہے۔ بڑا ماتم اب اس بدنصیبی کا ہے کہ شریفوں کی زبان میں اب کوئی بات ہی سمجھنے کے لئے تیار نہیں اور اپنا حال یہ ہے کہ سوائے اس زبان کے ہم اور کوئی زبان ہی نہیں جانتے۔ سخت حیرانی کا عالم ہے کہ ہم اپنے بنیادی حقوق کس طرح حاصل کریں۔

ایک طرف تو یہ کہا جاتا ہے کہ اس ملک میں ہر فرقے کا مذہبی حق محفوظ ہے اور دوسری طرف دن دھاڑے دستور ہند کی ضمانت کا مذاق اڑایا جارہا ہے۔ اور اس کے پاسبانوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی، قول وعمل کے تضاد سے ہم اتنے مایوس ہوگئے ہیں کہ رفتہ رفتہ اب یہ بھی "ہندوستانی" بنتا جارہا ہے۔

مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ نے فرقہ وارانہ فسادات سے متعلق ایک تجویز پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

"علم تمدن میں حکومت کا پہلا کام امن وامان کا قیام بتایا گیا ہے لیکن ہمارے یہاں پہلا کام فساد اور اس کے بعد ریلیف کا روزگار ہے۔ ایک خوددار اور جمہوری حکومت کے لئے اس سے زیادہ شرمناک بات اور کیا ہوسکتی ہے کہ ہم اپنے ہر اجتماع میں فسادات کے انسداد کی تجویز پیش کرکے حکومت سے ایک ایسے فرض کی ادائیگی کا مطالبہ کرتے ہیں جس کے لئے اس کی تشکیل ہی عمل میں آئی ہے۔

ہم نہیں سمجھتے کہ جو حکومت اپنا بنیادی مقصد تک پورا نہیں کرسکتی وہ کس دلیل سے اپنے آپ کو عوام کا محافظ کہتی ہے۔

یقین کے اس موقف سے ہمیں کوئی نہیں ہٹا سکتا کہ جس دن حکومت نیک نیتی کے ساتھ یہ طے کرلیگی کہ ملک میں فساد نہیں ہونے دیا جائے گا وہی دن فساد کے خاتمے کا ہوگا۔ ہوسکتا ہے ہماری اس رائے سے کسی کو اتفاق نہ ہو لیکن ہماری وزیر اعظم اندرا گاندھی اس سے اختلاف نہیں کرسکیں گی کیونکہ اسی بنیاد پر انہوں نے سابق وزیر داخلہ سے استعفاء کا مطالبہ کیا تھا جبکہ انسداد گاؤکشی کے مسئلہ میں نئی دہلی کا تاریخی فساد پھوٹ پڑا تھا۔ اسلئے مجھے ذرہ برابر اس میں شبہ نہیں کہ حکومت خود نہیں چاہتی کہ فساد کا سلسلہ بند ہو۔ کانفرنس میں مختلف مسائل پر اثر انگریز تقریر کرنے والوں میں حضرت مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی، حضرت خواجہ مولانا الحاج خواجہ نظام الدین صاحب بدایونی، مولانا مفتی رجب علی صاحب نانپارہ، اور مولانا حکیم یونس نظامی کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

بھیمڑی میں تبلیغی جماعت کا ایک نیا فتنہ

بمبئی کے قیام میں ایک دن حضرت استاذ العلماء کی ہمرکابی میں بھیمڑی ضلع تھانہ جانے کا اتفاق پیش آیا۔ دار العلوم اشرفیہ کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ صاحب بھی ہمراہ تھے۔ وہاں پہونچکر ایک نہایت ہولناک فتنے کی خبر ہمیں موصول ہوئی۔

ایک نوجوان نے اپنی آپ بیتی سناتے ہوئے کہا کہ کچھ دنوں پہلے عین بے خبری کی حالت میں وہ تبلیغی جماعت کے ایک گروہ کے ساتھ گشت پر نکلا۔ اثنائے سفر میں امرائے جماعت نے اسے کلمے کی

تلقین شروع کی۔صرف لا الٰہ الا اللہ کی بار بار تکرار کراتے رہے جب کافی دیر ہوگئی تو نوجوان نے کہا محمد رسول اللہ بھی اسی کلمے کا ایک جز ہے آپ حضرات نے اسے کیوں الگ کر دیا۔انہوں نے جواب دیا کہ یہ کوئی ضروری چیز نہیں ہے۔رسماً پڑھ لیا جاتا ہے۔ویسے تمہارا جی چاہے تو پڑھ لو۔بالکل ایسا ہی سمجھ لو جیسے ابراہیم خلیل اللہ، موسیٰ کلیم اللہ، عیسیٰ روح اللہ، رسماً کہا جاتا ہے ویسے ہی محمد رسول اللہ بھی رسماً ہی کلمہ طیبہ کے ساتھ لگا ہوا ہے۔

نوجوان کو تبلیغی جماعت کا یہ ملحدانہ عقیدہ معلوم کر کے سخت پشیمانی ہوئی فوراً ہی تبلیغی جماعت سے تائب ہو کر وہ واپس لوٹ آیا۔ تبلیغی جماعت کا یہ بھانڈا پھوٹ جانے کے بعد آج کل بھیمڑی میں سخت ہیجان برپا ہے۔

تبلیغی جماعت کے متعلق خوش فہمی کی جنت میں رہنے والے حضرات اب بھی آپنی آنکھ کھول لیں۔ابھی سویرا ہے۔ورنہ رسول اللہ ہی سے رشتہ ٹوٹ گیا تو کہیں پناہ نہیں مل سکے گی۔ویسے بھیمڑی اسی ہندوستان میں ہے جو لوگ واقعہ کی تصدیق کرنا چاہیں خود جا کر کر سکتے ہیں؟۔

فاضل جلیل حضرت مولانا عبدالشکور صاحب اعظمی خطیب اعظم بھیمڑی اور فاضل محترم حضرت مولانا صاحب حسین اور ان کے رفقاء کی جدوجہد سے بھیمڑی میں کئی اجلاس منعقد ہوئے جن میں تبلیغی جماعت کے مفاسد کی واضح طور پر نشاندہی کی گئی۔

قافلۂ شوق اجمیر کی طرف

بمبئی اور اس کے نواح میں ایک ہفتہ قیام کرنے کے بعد تاجدار اہلسنت سرکار مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم کی ہمرکابی میں ۳؍رجب المرجب کو ممبئی سے اجمیر مقدس کے لئے روانگی ہوئی۔رئیس الملۃ جناب الحاج شیخ محمد اسماعیل صاحب جانی اور جناب محترم مولانا محمد ابو سالم باوزیر ناظم کل ہند سنی جمعیۃ العلماء کی مساعی سے احمد آباد میل کا ایک ڈبہ حضور مفتی اعظم ہند اور ان کے خدام کے لئے محفوظ کر لیا گیا تھا۔درمیان کے اسٹیشنوں پر جگہ جگہ تاجدار اہل سنت کے مشتاقان دید ہجوم در ہجوم کھڑے تھے۔بعض بعض مقامات پر تو تکبیر و رسالت اور زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے سطوت اسلامی کی یاد تازہ ہوگئی۔

سورت کے اسٹیشن پر کولمبو سے آئے ہوئے کچھ احباب ملے جو سرکار مفتی اعظم ہند کے حلقۂ غلامی میں داخل ہونے کی آرزو لے کر سمندر اس پار سے آئے تھے، چنانچہ ٹرین ہی میں حضور والا نے انہیں داخل سلسلہ کیا۔

وہ شب بھی کتنی منور کتنی پر کیف اور کتنی روح پرور تھی۔بہجت و عرفان کی شمع فروزاں کے گرد نہ جانے کہاں کہاں سے پروانے سمٹ آئے تھے۔روحوں کی فضائے بسیط پر جیسے ہی کیف و سرور کی گھٹا چھائی کہ کسی نے نغمۂ نعت چھیڑ دیا بس اب کیا تھا۔رگوں کی تپش بڑھ گئی دلوں کی خاکستر دہکنے لگی، پلکیں آنسوؤں کی موجوں میں ڈوب گئیں۔ اور جذبات کے تلاطم کا عالم قابو سے باہر ہوگیا۔

اسی عالم رنگ و نور میں رات کے بارہ بج گئے۔ٹھیک صبح ۵ بجے ہماری ٹرین احمد آباد پہونچ گئی۔پلیٹ فارم پر مشتاقان دید کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔آنے والوں میں غلام مصطفیٰ صاحب، مولانا نثار احمد صاحب مبارکپوری مولانا قاری اسماعیل صاحب ٹنکاروی اور دارالعلوم شاہ عالم کے اساتذہ کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سارا دن انتہائی مصروفیت میں گزرا، شام کو ہمارا یہ نورانی قافلہ دہلی جنتا ایکسپریس سے اجمیر کے لئے روانہ ہوگیا۔

دربار خواجہ میں

۵؍رجب المرجب کی صبح کو ہم خواجۂ ہند کی راجدھانی میں داخل ہوئے اور اپنے نصیبے کی ارجمندی پر شکر الٰہی بجالائے۔سارا اجمیر حضرت خواجہ کے عشاق و زائرین سے بھرا پڑا تھا۔اہل اسلام کا یہ امنڈتا ہوا سیلاب دیکھ کر ایک مرد قلندر نے کہا:

یہ لاکھوں مسلمان جو خواجہ کی روحانی سطوت و اقتدار کا جیتا جاگتا یقین لیکر یہاں آئے ہیں اگر ان کے متعلق دیوبند کے مذہبی اجارہ داروں کی یہ بات صحیح مان لی جائے کہ یہ مشرک اور بت پرست ہیں تو پھر بتایا جائے کہ ہندوستان میں مسلمان کہاں ہیں؟

اور اگر درحقیقت یہ مسلمان اور خدا پرست ہیں اور خدا ہی کے رشتے سے خدا کے ایک مقبول بندے کی چوکھٹ پر حاضر ہوئے ہیں تو

پھر دیو بندی مذہب کے متعلق ہمارے ضمیر کا فیصلہ کیا ہوگا؟

ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ عرس اور اس کے پس منظر پر عقیدہ رکھنے والوں کو مسلمان بھی قرار دیا جائے اور دوسری طرف دیو بندی حضرات کے ان خیالات کی توثیق بھی کی جائے جو ان روایات کے بالکل مخالف سمت میں ہیں۔

جو حضرات ان دو متضاد حقیقتوں کے درمیان سمجھوتہ کرانے کی کوشش کرتے ہیں وہ دراصل خود اپنے عقیدے کی قوتوں سے جنگ کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ سے بھی عقیدت ہو اور خواجہ کے بد اندیشوں سے بھی حسن ظن! یہ دونوں باتیں ایک قالب میں کیونکر جمع ہو سکتی ہیں؟

مرد قلندر بلند دروازے کے زینے پر بیٹھ کر اپنے عالم جذب و مستی میں کتنے پتے کی بات کہہ رہا تھا۔ خود فریب انسانوں کی بالکل نبض پہ انگلی رکھ کر وہ نفس کی مخفی سازشوں کی نشاندہی کر رہا تھا میں فرط حیرت سے دم بخود ہو کے رہ گیا۔

ایک وحشت ناک خبر

تقسیم ہند کے بعد سے احاطۂ درگاہ میں فکری تصادم کے جو تلخ واقعات رونما ہوتے رہے ہیں۔ ان کی نشاندہی کئی بار کی جا چکی ہے۔ لیکن اقتدار کے متوالوں کا نشہ اتنا گہرا ہے کہ وہ ایک لمحے کے لئے بھی نہیں اترتا۔

''درگاہ خواجہ بل'' کے ذریعہ اب پوری درگاہ حکومت ہند کی گرفت میں ہے۔ جو لوگ اس کعبۂ مقصود کی پاسبانی کے لئے حکومت کی طرف سے مقرر کئے جاتے ہیں ان میں بیشتر وہی لوگ ہوتے ہیں جو بوجہلی ذہن کی نمائندگی کرتے ہیں چنانچہ ابھی حال ہی میں حیدر آباد سے کوئی ناظم صاحب آئے ہیں۔ ان کے متعلق یہ خبر گرم ہے کہ وہ جماعت اسلامی کے مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے ہیں جس کے تئیں درگاہ کی ساری روایات ہی ''مشرکانہ پوجا پاٹ'' کے ہم معنی ہیں۔

چنانچہ آتے ہی انہوں نے اپنے جارحانہ ذہن کا مظاہرہ شروع کر دیا گل پوشی، چادر، روشنی، فاتحہ یہ سارے امور یکلخت بند کر دینے کے انہوں نے منصوبے تیار کئے لیکن خدائے ذوالجلال ان خدام خواجہ کو سلامت رکھے۔ جنہوں نے نہایت جرأت مندی کے ساتھ ان کی ساری سازشوں کو ناکام بنا دیا۔ امسال عرس کے موقعہ پر ''نذر کی دیگ'' کے سلسلے میں ناظم صاحب نے ایک سرکلر کے ذریعہ دستور قدیم کی دیدہ و دانستہ خلاف ورزی کی اور دیگ کا تبرک یونہی دو دن تک دیگ میں پڑا رہا سننے میں آیا کہ ان کے سرکلر کی تعمیل میں جو پولیس افسران دیگ کے قریب مامور کئے گئے تھے وہ جل گئے۔

ہمیشہ سے عرس کے موقعہ پر ہر نماز کے بعد شاہجہانی مسجد میں، آداب زیارت، تصوف کے مسائل اور روایات عرس کے عنوانات پر باہر سے تشریف لانے والے علماء کرام کی بصیرت افروز تقریریں ہوا کرتی تھیں۔ امسال ناظم صاحب نے اپنی ایک نوٹس کے ذریعہ یکلخت یہ تبلیغی سلسلہ بند کرا دیا۔ تاکہ مذہب اہل سنت کی اشاعت نہ ہو سکے۔

ان ساری کاروائیوں کا جب ہمیں علم ہوا تو ایک وفد کی شکل میں ہم نے ناظم صاحب سے ملاقات کی وفد کے ممبران کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ حضرت مولانا سید مظفر حسین صاحب کچھوچھوی، حضرت مولانا سید شاہ عبد الحق، حضرت مولانا شاہ اسرار الحق صاحب شاہجہان پوری، حضرت مولانا شاہ سراج الہدیٰ صاحب گیاوی۔

ہم لوگوں نے انہیں متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ درگاہ کے مراسم و روایات اگر آپ کے تئیں حرام و شرک ہیں تو ہم آپ سے مطالبہ نہیں کرتے کہ انہیں ایمان و اسلام سمجھئے لیکن یہ نہایت درجہ شرم و بددیانتی کی بات ہوگی کہ صرف گراں بہاں تنخواہ کی لالچ میں نظامت کی کرسی پر بیٹھ کر یہاں کے روحانی مفادات سے آپ غداری کیجئے۔

آخر میں چلتے وقت ان سے صاف صاف کہہ دیا گیا کہ جماعت اسلامی کا جارحانہ ذہن اگر آپ نے احاطۂ درگاہ پر مسلط کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھیے کہ ہم آپ کے خلاف ہندوستان گیر احتجاج کریں گے تا آنکہ زیاں کار عناصر سے درگاہ کا ماحول پاک ہو جائے۔ ۷/رجب المرجب کو ہم اور مولانا سید مظفر حسین صاحب پٹنہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

ادارۂ شرعیہ بہار کا دو روزہ اجلاس

ادارہ شرعیہ بہار کے دستور کی ترتیب، ریاستی کابینہ کی تشکیل دار القضا، مدرسہ شرعیہ، بیت المال کے افتتاح اور اغراض و مقاصد

سے عامۂ مسلمین کو روشناس کرانے کے لئے بمبئی میں طے پایا تھا کہ تاجدار اہل سنت حضور مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم کی سرپرستی میں ۲۰/۲۱ رشعبان المعظم ۸۸ھ بمطابق ۱۲/۱۳ رنومبر ۶۸ء کو پٹنہ میں مشاہیر اہل سنت کا ایک اجتماع طلب کیا جائے۔

چنانچہ پٹنہ میں دو دن قیام کر کے ہم نے "انجمن اسلامیہ ہال" پٹنہ میں دو روزہ اجلاس عام کے سارے انتظامات مکمل کر لئے۔ ادارۂ شرعیہ بہار کا مرکزی دفتر نہایت مستعدی کے ساتھ صوبے کے سارے اضلاع سے رابطہ قائم کرنے میں مصروف ہے۔

اس اجلاس میں تقریباً اپنے سارے مشاہیر واکابر شرکت فرما رہے ہیں۔

موصول شدہ اطلاعات کے مطابق ہمیں توقع ہے کہ سیوان کانفرنس کی طرح پٹنہ کا یہ دو روزہ اجلاس بھی اپنی مثال آپ ہوگا۔

مجلس انسداد فسادات

آپ کو یاد ہوگا کہ سیوان کانفرنس میں فرقہ وارانہ فسادات کے انسداد کے لئے بنام "مجلس انسداد فسادات" بارہ ارکان پر مشتمل ایک مجلس کی تشکیل عمل میں آئی تھی جس کے چیئرمین سید العلماء حضرت مولانا سید شاہ آل مصطفےٰ صاحب صدر آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء بمبئی منتخب کئے گئے تھے۔ حضرت موصوف نے ایک گشتی مراسلے کے ذریعہ ۱۲/۱۳ نومبر کو ہونے والی پٹنہ کانفرنس میں جملۂ ارکان کو طلب کیا ہے اسی موقع پر مجلس انسداد فسادات کا جلسۂ شوریٰ منعقد ہوگا۔

فرقہ وارانہ فسادات کے انسداد کے متعلق ہندوستان میں مسلم نام کی ساری جماعتوں کے عمائدین سیاسی مشاہیر اور مسلمانوں کے مسائل سے ہمدردی رکھنے والے ممتاز مدبرین کو مندرجہ ذیل ایک سوالنامہ دفتر سے جاری کیا گیا ہے تاکہ اس مسئلے پر وہ اپنی قیمتی رائے سے مجلس کو باخبر کریں۔ اور موصول شدہ تجاویز کی روشنی میں کوئی عملی قدم اٹھایا جائے۔ سوالنامہ یہ ہے۔

سوالنامہ بابت انسداد فسادات

(۱) فرقہ وارانہ فسادات کے لئے اجتماعی محاذوں پر ابتک جتنی جدّ وجہد کی گئی ہے۔ ان کی ناکامی کے بعد اب انسداد کے لئے کوئی موثر، واضح متعین، اور قابل عمل فارمولا آپ کی رائے میں کیا ہے؟

(۲) فرقہ وارانہ فسادات کے انسداد کے لئے اب تک جماعتوں اور حکومت کے نمائندوں کے طرف سے جتنی کاروائیاں عمل میں لائی گئی ہیں ان کی ناکامی کے اسباب آپ کی نظر میں کیا ہیں؟ ازراہ کرم فروگذاشتوں کی نشاندہی فرمائیں۔

(۳) فرقہ وارانہ فسادات کے انسداد کے سلسلے میں حکومت کی طرف سے مایوس ہوجانیکے بعد قانون کی حدود میں رہ کر اگر مسلمان اپنے طور پر اپنا تحفظ کرنا چاہیں تو کیا کر سکتے ہیں؟ تفصیل سے اس پر روشنی ڈالیے۔

(۴) انسداد فسادات کے سلسلے میں غیر مسلم جماعتوں سے کس طرح کا تعاون حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اپنے تجربات کی روشنی میں جماعتوں کی نشاندہی فرمایئے۔ اور طریقۂ کار کی وضاحت کیجئے۔

(۵) انسداد فسادات کے سلسلے میں مسلم مدبرین کے تعاون سے اگر مجلس نے کوئی موثر فارمولا تلاش کرلیا تو اسے حکومت سے منوانے کے لئے کیا آپ کسی ایسی تحریک کے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں جس میں مشکلات ومصائب سے گزرنے کا بھی امکان ہو؟

☆☆☆☆☆☆☆

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ

تیسری عالمی کانفرنس لیبیا

مؤتمر (کانفرنس) کی کاروائی ۱۵ ستمبر سے ۲۰ ستمبر تک جاری رہی فندق باب البحر میں ہمارے قیام کا انتظام تھا اور اسی کے ہال میں موتمر کے اجلاس کا انتظام کیا گیا تھا۔ باہر کے مندوبین کے علاوہ قائد انقلاب معمر قذانی اور ان کے نائب مسٹر جلود نے موتمر کا خطاب کیا۔ جملہ مندوبین کو کرنل قذانی کی وہ رہائش گاہ بھی دکھلائی گئی جس پر پچھلے دنوں امریکہ نے بمباری کی تھی اب تک عمارتوں کا ملبہ اور بم کے ٹکڑے اپنی اصل حالت میں موجود ہیں۔ جو زبان حال سے جابرو سفاک امریکہ کے ظلم وشقاوت کی داستان سناتے ہیں۔

اسلام کی دعوت وتبلیغ، بلاد اسلامیہ کے اتحاد وروابط، عراق و ایران جنگ کے خاتمے، دنیا میں پھیلی ہوئی مسلم اقلیتوں کی فلاح و بہبود، اعمال صالحہ اور دینی احکام کی پابندی، جذبہ اخوت اسلامیہ کے فروغ اور دینی تعلیمات کے پھیلاؤ کی ضرورت ان سارے عنوانات پر ۵۵ تقاریر اور ساڑھے تین سو تجاویز موتمر کی بارہ نشتوں میں پیش ہوئیں۔ موتمر میں رابطہ کی زبان انگریزی اور عربی تھی۔

لیبیا کی کل آبادی ۳۳ لاکھ ہے جب کہ زمین کا رقبہ نولاکھ مربع میل ہے۔ آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ، پٹرول ہے۔ آج کل روزانہ تیل کی پیداوار ۱۶ لاکھ بیرل ہے۔ صنعتی ترقی کی طرف لیبیا نہایت سرعت کے ساتھ پیش قدمی کر رہا ہے صنعتی کاروبار کا سب بڑا مرکز بنغازی ہے۔ ملک پر اشترا کی نظام کا پوری طرح تسلط ہے۔ ذاتی ملکیت کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ چھوٹی بڑی ساری تجارتیں حکومت کے قبضے میں ہیں۔ یہاں نہ کوئی بازار ہے اور نہ پرائیویٹ دکانیں ضرورت کی ہر چیز راشننگ سسٹم سے ملتی ہیں۔ سرکاری دکانوں پر لوگوں کو لائن لگانی پڑتی ہے یہاں من پسند چیز کی خریداری کا کوئی تصور نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات دو دو ہفتے تک لوگوں کو گوشت اور انڈا نہیں ملتا، یہاں آنے کی بعد تجربہ ہوا کہ اشترا کی نظام حکومت میں شخصی آزادی کس طرح سلب کی جاتی ہے۔ عوام کی رہائش کے لئے جگہ جگہ حکومت کی طرف سے مکانات تعمیر کئے گئے ہیں۔ کوئی شخص بھی اپنی پسند کا مکان خود تعمیر نہیں کر سکتا۔

خود مذہبی معتقدات میں ملحدانہ خودسری اور اس کے نفاذ کے لئے جبری نظام کی وجہ سے ملک کی قدامت پسند مسلمان کرنل قذافی سے ناخوش ہیں۔ لیبیا میں جب تک ہم رہے باہر خطوط بھیجنے پر پابندی تھی۔ اس لئے لندن پہنچ کر یہ ساری تفصیلات ڈاک کے سپرد کر رہے ہیں۔

پرائیویٹ مجلسوں میں مختلف بلاد سے آئے ہوئے وفود کے ساتھ بات چیت ہوئی ہمیں بار بار خفت وشرمندگی کا سامنا کرنا پڑا جب انہوں نے ہندوستان کے اندر ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات کا تذکرہ کیا۔ اس وقت شدت کے ساتھ ہمیں یہ احساس ہوا کہ ہمارے ملک کے فرقہ پرستوں اور حکمرانوں کو باہر نکل کر جائزہ لینا چاہئے کہ لگاتار فسادات کی وجہ سے دنیا میں ہمارے ملک کی کتنی بڑی بدنامی ہو رہی ہے ویسے کرنل قذافی ہندوستان کے لئے دوستی کا بہترین جذبہ رکھتے ہیں۔ گاندھی جی سے وہ بہت زیادہ متاثر ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی لائف کو انہوں نے یہاں کی درسی کتابوں میں شامل کر دیا ہے۔

موتمر میں ہندوستانی وفد کی طرف سے ہم نے جو تجاویز پیش کی تھیں وہ ہدیہ قارئین ہیں۔

جناب سکریٹری جنرل جمعیۃ الدعوۃ الاسلامیہ العالمیہ

طرابلس ـــــ (لیبیا جماہیریہ) ـــــ

سب سے پہلے ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے جمعیۃ الدعوۃ

کے تیسرے موتمر میں ہمیں شریک ہونے کا موقع عنایت فرمایا۔

امریکی حملہ کے وقت ہندوستانی مسلمانوں نے قائد انقلاب کرنل قذافی اور لیبیا کی حمایت اور جابر و سفاک امریکہ کی مذمت میں جو ملک گیر مظاہرہ کیا تھا اس کی اطلاع آپ کو ہوگی۔ بالخصوص امریکی سفارت خانہ کے سامنے دہلی میں جس عظیم غم وغصہ کا اظہار کیا گیا اس میں ظلم واستبداد کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے میں ہمارے ملک کے غیر مسلم عوام بھی ہمارے دوش بدوش تھے۔

قائد انقلاب کرنل قذافی کو ہندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے یہ پیغام پہنچا دیں کہ کلمۂ اسلام کی سربلندی کے لئے ہماری ساری ہمدردیاں اور اخلاقی توانائیاں ان کے ساتھ ہیں۔ کیونکہ ہندوستان ایک لادینی اسٹیٹ ہونے کے باوجود ہمارے مذہبی احساسات کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کھلے بندوں اپنے ملک میں فلسطین کی آزادی اور اسرائیل کی مذمت میں بغیر کسی روک ٹوک کے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ ہندوستان کے طول وعرض میں ہمارے لاکھوں دینی مدارس ہمارے بیشمار علمی اور ثقافتی ادارے، اور ہماری کئی لاکھ آباد مسجدیں، اس بات کا زندہ ثبوت ہیں کہ اسلامی احساسات وروایات اور اپنے ملی وجود کے بقا کی جدوجہد میں ہم کسی بھی مسلم ملک سے پیچھے نہیں بلکہ بہت سے مسلم ملکوں سے آگے ہیں۔

نہایت اختصار کے ساتھ ہم اپنی بات کو ختم کرتے ہوئے جمعیۃ الدعوۃ الاسلامیۃ العالمیہ کی افادت عامہ کے لئے پانچ تجاویز ہندوستانی وفد کی طرف سے آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں، امید ہے کہ آپ ان تجویزوں کو ایوان کے سامنے رکھیں گے۔

تجاویز

۱۔ دنیا کے مختلف خطوں اور ملکوں میں بسنے والی مسلم اقلیتوں کے تعلیمی، مذہبی، اقتصادی احوال کا سروے کرنے کے لئے جمعیۃ الدعوۃ کی طرف سے ایک علیحدہ مستقل شعبہ قائم کیا جائے۔ اور اسی شعبہ کی جمع کردہ رپورٹ کے مطابق اسلامی جذبہ اخوت کے رشتے سے مسلم اقلیتوں کی مشکلات کا مناسب حل تلاش کیا جائے۔

۲۔ جمعیۃ کی طرف سے منعقد کئے جانے والے عالمی موتمرات میں مسلمانوں کے داخلی، مذہبی اور فقہی اختلاف کی بحث چھیڑنے کے بجائے موتمر کے مقررین مشارکین کو صرف انہی موضوعات پر اظہار خیال کا پابند بنایا جائے۔ جن کا تعلق پوری دنیا کے مسلمانوں کے ملی وجود کے تحفظ اور اسلامی نظام حیات کے اجتماعی مصالح اور اس کے غلبہ اور برتری سے ہے۔

۳۔ ہر عالمی موتمر کے انعقاد سے کم از کم تین ماہ پیشتر جمعیۃ کی ساری ملکی اور علاقائی شاخوں کے ذریعہ مندرجہ ذیل معلومات فراہم کی جائیں اور انہیں ایک جامع رپورٹ کی شکل میں مرتب کر کے ایک ایک کاپی موتمر کے ہر مندوب کو بھیج دی جائے۔ تاکہ اس رپورٹ کو سامنے رکھ کر وہ مستقبل کے لئے مناسب اقدامات کی طرف ایوان کی توجہ مبذول کرا سکیں۔

دریافت طلب امور کی تفصیل یہ ہے

الف۔ اس علاقہ میں بسنے والے مسلمانوں کی تعداد۔

ب۔ مساجد کی تعداد

ج۔ دینی مدارس کی تعداد

د۔ قادیانیوں اور عیسائیوں کی تبلیغی سرگرمیوں کی تفصیل و نتائج۔

ہ۔ مسلمانوں کے تعلیمی اور اقتصادی احوال وکوائف

۴۔ دنیا کی غیر مسلم اقوام میں اسلام کی موثر دعوت پہونچانے کے لئے جمعیۃ کی طرف سے ایک عالمگیر تبلیغی نظام قائم کیا جائے جس میں مختلف زبانوں میں اسلام کے دل نشیں، تعارف پر مشتمل لٹریچر کی تیاری اور مبلغین کی تربیت کے علاوہ جگہ جگہ فلاحی اداروں کے قیام کے منصوبوں کو بھی شامل کیا جائے۔

۵۔ قادیانیوں، عیسائیوں اور دوسرے مذاہب باطلہ کی تبلیغی سرگرمیوں کے زہریلے اثرات سے کمزور اور سادہ لوح مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے جمعیۃ کی طرف سے ایک مستقل شعبہ قائم کیا جائے۔ اور اس عظیم مقصد کے لئے مختلف زبانوں میں لٹریچر بھی تیار کیا جائے اور تربیت یافتہ مبلغین بھی تیار کئے جائیں۔

سرینام یورپ اور امریکہ کا ایک معلوماتی سفر

جنوبی امریکہ میں ہندوستانی نسل کی تہائی آبادی والا ملک

علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ

ورلڈ اسلامک مشن کی سرپرستی میں چلنے والے ہالینڈ کے ایک دینی تبلیغی مرکز ''جامعہ مدینۃ الاسلام'' کے جلسۂ دستار بندی میں شرکت کے لئے میں ۱۱؍جون ۱۹۸۸ء کو ایمسٹرڈم پہونچا جامعہ کا فاؤنڈر چیئر مین ہونے کی حیثیت سے اس تقریب میں میری شرکت ضروری سمجھی گئی تھی۔ اس ملک میں جلسۂ دستار بندی کی یہ پہلی کانفرنس تھی جس میں پانچ حفاظ کی دستار بندی ادا کی گئی۔

ہالینڈ کے گورے باشندوں اور حکومت کے عمائدین کو بھی اس جلسہ میں خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا گیا تھا جب ان کے سامنے قرآن کریم کی ضخیم جلد ایک طرف رکھی گئی اور دوسری طرف ۱۳؍۱۴ سال کے بچے کھڑے کئے گئے اور انہیں بتایا گیا کہ ان بچوں نے اس عظیم کتاب کا ایک ایک حرف زبانی یاد کر لیا ہے اور اس وقت بھی یہ کتاب ان کے دل و دماغ میں اس طرح مستحضر ہے کہ جہاں سے چاہئے پڑھوا کر سن لیجئے تو وہ حیران رہ گئے اور اپنی روایت کے مطابق تالیاں بجا کر انہوں نے اس اعلان کا پر جوش خیر مقدم کیا۔

اس واقعہ کو یورپ میں اتنی اہمیت دی گئی کہ کئی ہفتے تک ٹیلی ویژن پر انہوں نے ان بچوں کو ملک ملک میں دکھلایا گیا۔ اور پریس کے نمائندے مہینوں جامعہ میں آتے رہے اور بچوں سے انٹرویو لیتے رہے وقت ایسا محسوس ہوا تھا کہ خدائے قدیر نے یورپ میں قرآن کریم کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لئے ان کے دلوں کا دروازہ کھول دیا ہے۔ ایک یورپین صحافی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ اتنی ضخیم کتاب کو مستحضر کر لینا انسان کے بس کی بات نہیں خود اس کتاب کا معجزہ ہے۔

اس حوصلہ افزا واقعہ کے بعد جامعہ کی مجلس انتظامیہ نے طے کیا کہ درجۂ حفظ و قرأت کے ساتھ ساتھ عالم و فاضل کے درجات بھی جامعہ میں کھول دیئے جائیں۔ کیوں کہ جن لڑکوں کی مادری زبان ڈچ، انگلش، جرمنی، اور فرنچ ہے انہیں علوم اسلامیہ کا فاضل بنا کر یورپ میں علماء کی ایسی نسل تیار کی جائے جو یورپین اقوام تک ان کی مادری زبانوں میں اسلام کا پیغام پہونچا سکیں چنانچہ ایک مہینہ کی مدت میں ہم نے کافی غور و خوض اور مختلف حلقات کے ماہرین تعلیمات کے ساتھ مشاورت کے بعد دین کی اعلیٰ تعلیم کا ایک ایسا جامع منصوبہ تیار کر لیا ہے جو یورپ کے ذہنی اور فکری تقاضوں سے ہم آہنگ ہے یہ طویل العمر منصوبہ تیار کر لینے کے بعد اب اسے پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے ہمیں ایسی وسیع و عریض عمارت کی ضرورت پیش آتی جو جامعہ کی ساری تعلیمی ضروریات کے لئے کافی ہو۔

خدا کا نام لے کر ہم نے اس طرح کی عمارت کی تلاش شروع کی خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک ایجنٹ کے ذریعہ ہمیں کچھ ہی دنوں میں عیسائیوں کے ایک کالج کی شاندار عمارت مل گئی جو ہماری ساری تعلیمی ضرورتوں کو پورا کرتی تھی۔ اس سے ملحق ایک وسیع میدان بھی تھا جو ہمارے منصوبے کے مطابق لڑکیوں کی درسگاہ کے لئے بہت ہی

موزوں تھا اس کے بعد اسی ایجنٹ کے ذریعہ ہم نے عمارت کے مالکان کے ساتھ رابطہ قائم کیا تا کہ قیمت طے کی جائے خدا کا شکر ہے کہ کئی راؤنڈ بات چیت کے بعد پونے نولاکھ ڈالر میں ہمارے اور ان کے درمیان سودا طے پا گیا جو ہندوستانی سکے باسٹھ لاکھ کے برابر تھا۔

ابتدائی معاہدے کے مطابق قیمت کا چالیس فیصد حصہ جمع کرنے کے بعد ہم نے عمارت کی کنجی حاصل کرلی اور ۲راکتوبر کو ہم اس میں داخل ہو گئے۔ باقی رقم کی ادائیگی کے لئے ہم نے دومہینہ کی مہلت لے لی۔ افتتاحی تقریب کے موقعہ پر جب ہالینڈ کے مسلمانوں نے اس عمارت کو دیکھا تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی۔ بار باران کی زبانوں پر یہی ایک سوال تھا کہ ایسی لق ودق اور مضبوط و خوبصورت سہ منزلہ عمارت پونے نولاکھ ڈالر میں آپ کو کیسے مل گئی۔ اس سے زیادہ تو صرف اس کی زمین کی قیمت ہے ہم نے کہا یہ صرف خدا کا فضل واحسان ہے ہمارا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

ہمارے اس تعلیمی منصوبے کی خبر جب جنوبی امریکہ میں سورینام کے مسلمانوں تک پہنچی تو انہوں نے ہمیں دعوت دی کہ ہم ان کے یہاں بھی اسی طرح کا ایک دینی تعلیمی ادارہ قائم کریں چنانچہ میں ان کی دعوت پر ۳۰ راکتوبر کی صبح کو سورینام پہونچا ائیر پورٹ پر کافی احباب جمع تھے "پارا ماری بو" سرینام کے راجدھانی ہے اس وقت یہیں میرا قیام ہے۔

قبل اس کے کہ میں اپنی اصلاحی، تعلیمی اور تبلیغی سرگرمیوں سے قارئین کو باخبر کروں سورینام کی تاریخ اور اس کے حالات سے واقف کرانا ضروری سمجھتا ہوں۔

اس ملک کے ایک طرف گیانا ہے دوسری سمت تین فرنچ گیانا ہے تیسری طرف برازیل ہے اور چوتھی طرف بحر اٹلانٹک ہے جو نیویارک تک چلا گیا ہے یہاں کی کل آبادی ساڑھے چار لاکھ ہے جب کہ ملک کا رقبہ ہندوستان کے اڑیسہ کے برابر ہے پورے ملک میں صرف دوشہر ہیں ایک راجدھانی "پاراماری بو" اور دوسرا "نکیری" جو ضلع کا صدر مقام ہے۔ باقی چھوٹے گاؤں ہیں جو جنگلوں میں آباد ہیں۔ اس ملک کا نصف حصہ جنگلوں پر مشتمل ہے یہاں کے جنگلوں میں بوما نام کا ایک اژدہا کثرت سے پایا جاتا ہے اس کی لمبائی ۳۰ فٹ سے پچاس فٹ تک ہوتی ہے یہ آدمی کی گود میں اتنی سرعت کے ساتھ لپٹ جاتا ہے کہ مدافعت کا ذرا بھی موقع نہیں دیتا اور اور اس کے بعد اتنی قوت کے ساتھ آدمی یا جانور کے جسم کو اپنے شکنجے میں کستا ہے کہ ہڈیاں چور چور ہو جاتی ہیں اور اس کے بعد جسم پر خوب تھوکتا ہے تا کہ چکنا ہو جائے اور پورے جسم کو نگل جاتا ہے۔

ایک دن جلسہ میں شرکت کے لئے میں نکیری جارہا تھا۔ اسٹیمر سے ایک دریا کو کراس کرتے ہوئے میں نے گہرے سرخ رنگ کے کئی بگلے دیکھے لوگوں نے بتایا دنیا میں سرخ رنگ کے بگلے صرف اسی خطے میں پائے جاتے ہیں۔ یہاں دھان کی کاشت سال میں تین چار بار کی جاتی ہے۔

سورینام میں ہندوستانیوں کی آمد

۱۹۸۸ء میں جب سورینام ڈچ کالونی کی حیثیت سے ہالینڈ کے زیر نگیں تھا اور اسی کے پڑوس میں گیانا پر برٹش حکومت تھی تو دونوں حکومتوں کے درمیان اپنی اپنی کالونیوں کی آبادکاری کے لئے ایک معاہدہ ہوا۔ اسی معاہدہ کے تحت جنگل کاٹنے اور کھیتی باڑی کے کام کرنے کے لئے پانچ ہزار مزدور ہندوستان سے یہاں بحری جہاز کے ذریعہ لائے گئے۔ اور انہیں جہاز سے اتار کر ایک ہی کیمپ میں سب کو رکھا گیا۔ پانچ ہزار ہندوستانیوں میں ہندو بھی تھے۔ اور مسلمان بھی کوئی سکھ نہیں تھا۔ آنیوالوں کی نسل سے جو ہندو مسلمان اسوقت یہاں آباد ہیں ان کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ لوگ چھپرہ بلیا، گھورکھپور، گونڈہ، بستی، لکھنؤ اور کلکتہ سے لائے گئے تھے ان کا بحری جہاز کلکتہ کی بندرگاہ

پر لگا تھا۔ اسی لئے کلکتہ کے لوگ بھی اس قافلے میں شامل ہو گئے تھے۔

ان کے اس بیان کی تصدیق ان کی موجوہ نسل کی مادری زبان سے بھی ہوتی ہے جسے اب تک انہوں نے زندہ رکھا ہے یہ لوگ ڈچ بھی بولتے ہیں اور اپنی مادری زبان بھی۔ ان کی مادری زبان میں بلیا، چھپرہ، گورکھپور، گونڈہ اور بستی کے خطہ میں بولی جانے والی زبان کا عنصر بہت غالب ہے محاورہ اور لہجہ بھی قریب قریب بالکل وہی ہے۔ یہاں کے ہندوؤں اور ہندوستانی مسلمانوں کے درمیان رابطہ کی زبان یہیں ہے لکھنؤ اور کلکتہ میں بولی جانے والی زبانوں کے بہت سارے الفاظ بھی ان کی زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں یہاں کلکتہ اسٹریٹ کے نام سے ایک اسٹریٹ بھی موسوم ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس گلی میں زیادہ تر لوگ کلکتہ کے آباد تھے۔

اس زمانے میں چونکہ یہاں ہندوستانیوں کے علاوہ افریقہ سے حبشی لوگ بھی منگوائے گئے تھے اسی لئے غیر ملکی لوگوں کے مقابلے میں ہندوستانیوں کے درمیان وطن اور زبان کی اپنائیت کا رشتہ بڑا مضبوط تھا۔ اس کے بعد انڈونیشیا اور جاوا سے بھی کافی لوگ یہاں آئے جن میں مسلمانوں کی تعداد غالب تھی یہ سارے مسلمان شافعی المذہب تھے جو آج تک اپنی روایات کے ساتھ موجود ہیں۔ ان کی اپنی مسجدیں بھی ہیں۔ لیکن ہندوستانی مسلمانوں کی طرح ان میں مذہبی بیداری کی وجہ میلاد کی محافل اور مواعظ کے جلسے ہیں جو اکثر منعقد ہوتے رہتے ہیں۔

سورینام کے سیاسی حالات

۱۹۷۵ء میں یہ ملک ڈچ حکومت کی غلامی سے آزاد ہوا اس کے بعد یہاں جمہوری حکومت قائم ہوگئی۔ کچھ عرصہ تک یہاں فوجی حکومت تھی اس کے بعد عام انتخاب کے ذریعہ عوامی حکومت اقتدار میں آئی لیکن اب بھی حکومت پر فوج کا بہت حد تک کنٹرول ہے۔

حکومت کے اہم عہدوں پر ہندوستانیوں کا قبضہ ہے۔ چنانچہ اس وقت یہاں کا صدر جمہوریہ شنکر نام کا ایک ہندوستانی ہے اس سے پہلے ایک نیگرو تھا۔ پارلیمنٹ کا اسپیکر لچھمن نام کا ایک ہندوستانی ہے لیکن لوگوں کا کہنا ہے عملاً سارے کلیدی اختیارات اسی کے ہاتھ میں ہیں، پولیس کا محکمہ بھی جوا جودھیا نام کے ایک ہندوستانی کے قبضہ میں ہے یہاں کے مسلمان مختلف سیاسی پارٹیوں میں بٹے ہوئے ہیں حالانکہ وہ اپنی تعداد کے اعتبار سے ملک کا ایک تہائی حصہ ہیں اور وہ متحد ہو کر اپنی کوئی الگ سیاسی پارٹی بنالیں تو اپنے مذہبی اور سیاسی تشخص کے ساتھ ملک میں ایک نمایاں مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ اسوقت یہاں تین سیاسی پارٹیاں ہیں، ہندوستانی، نیگرو اور جاوی، اس وقت تینوں پارٹیوں کی ملی جلی سرکار ہے۔

گذشتہ ہفتہ ریڈیو سے میری ایک تقریر نشر ہوئی جس میں مذہبی اخلاقی پیغامات کے ساتھ میں نے یہاں کے مسلمانوں کو تلقین کی کہ اس ملک کی تعمیر و ترقی میں انہیں ایک قابل سیاسی قوت بنکر ابھرنا چاہئے۔ اس کے دوسرے دن یہاں کے سارے سیاسی اور مذہبی مسلم عمائدین کی ایک اہم میٹنگ اپنی قیام گاہ پر میں نے طلب کی اور ایک جمہوری ملک میں ان کی سیاسی بے قدری کی طرف میں نے ان کی توجہ مبذول کرائی میری تقریر سے لوگ اس درجہ متاثر ہوئے کہ فوراً "سورینام مسلم پولیٹکل کونسل" کے نام سے ایک سیاسی تنظیم کی بنیاد ڈال دی گئی اور اسے اختیار دیا گیا کہ وہ جاوی اور نیگرو مسلمانوں سے رابطہ قائم کر کے ایک مشترک مسلم سیاسی فرنٹ قائم کرنے کی کوشش کریں اور اس طرح اس ملک میں اپنی ایک سیاسی قوت بنائیں خدا کرے ہماری یہ کوشش بارآور ہو۔ اور اس ملک کے سیاسی حالات میں مسلمانوں کو بھی ان کا واجبی حصہ ہے۔ اس کونسل کا کنوینر ایک ایم پی کو بنایا گیا ہے جو ہندوستانی نژاد حنفی مسلمان ہے۔ دو چار دنوں میں اسی فرنٹ کی پالیسی اور اقتدار تک پہنچنے کے مراحل بھی طے کئے جائیں

گے۔

سورنیام کی مذہبی تاریخ

۱۹۶۸ء میں مزدوروں کے قافلے کے ساتھ جو مسلمان یہاں آئے تھے وہ سب کے سب مذہبا سنی حنفی تھے۔ پانچ سال کی معیاد پوری کرنے کے بعد کچھ لوگ ہندوستان واپس لوٹ گئے باقی سارے لوگ یہیں رہ گئے ان کی نسل سے جو لوگ اسوقت موجود ہیں ان کی مجموعی تعداد پچاس ساٹھ ہزار سے زائد ہے جو اپنی سکونت کے اعتبار سے دو حصوں میں بٹ گئے ہیں آدھے سے زیادہ ہالینڈ میں ہیں اور باقی سورنیام میں ہیں۔ اسی زمانے میں سورینام کی راجدھانی میں جب ڈچ حکومت نے انہیں رہائش کے لئے زمینیں دیں اور وہ اجتماعی طور پر ایک جگہ آباد ہو گئے تو انہوں نے حسب ضرورت مساجد کی تعمیر شروع کی جو آج تک موجود ہیں۔ اسی طرح رفتہ رفتہ ان لوگوں کا یہاں ایک مذہبی معاشرہ بن گیا جو آج تک اپنی مذہبی روایات کے بل پر یہاں کی دوسری قوموں کے درمیان ممتاز اور نمایاں ہے۔

سورینام میں علمائے حق کی آمد

قادیان مذہب کی تاریخ سے جو لوگ واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ فرقہ انگریزوں کی گود میں پیدا ہوا اور انہیں کی گود میں پروان چڑھا جیسا کہ اس حقیقت کا اعتراف خود اس فرقہ کے بانی مرزا غلام احمد نے بھی کیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس فرقہ کے مبلغین اپنے باطل مذہب کی اشاعت و تبلیغ کا مرکز اسلامی ملکوں کے بجائے ان ملکوں میں قائم کرتے ہیں جو انگریزوں کے زیر اقتدار ہیں یا وہ غیر مسلم ملک ہے۔

چنانچہ انہیں ایام میں قادیانی مبلغین برٹش گیانا میں پہونچے اور وہاں اپنا ایک مضبوط مرکز قائم کر لیا اس کے بعد انہوں نے سورینام میں بھی اپنا ایک مرکز قائم کر لیا اور یہاں کے مسلمانوں کی بے خبری اور لاعلمی سے انہوں نے پورا پورا فائدہ اٹھالیا یہاں اپنے مرکز کا نام انہوں نے انجمن احمدیہ رکھا سادہ لوح مسلمانوں نے ان مبلغین کو مذہبی پیشوا سمجھ کر ان پر اعتماد کر لیا اور ان کے حلقے میں شامل ہو گئے۔ اسوقت تک یہاں کوئی سنی عالم نہیں پہونچ رہا تھا۔ اس لئے وہی مسلمانوں کے مقتدا بن گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ انہوں نے یہاں کی مسلم آبادی کو احمدیہ فرقے میں تبدیل کر دیا۔

اسی زمانے میں عالم اسلام کے مشہور مبلغ اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے خلیفہ اجل مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی ویسٹ انڈیز میں اپنے تبلیغی دورے پر آئے ہوئے تھے۔ اس موقعہ پر وہ سورینام بھی تشریف لائے۔ موصوف قدیم و جدید عربی انگریزی، جرمنی، فرنچ اور سلور جبلی زبانوں پر کمال درجہ قدرت رکھتے تھے ان کے اندر قوت گویائی اور قوت استدلال اس غضب کی تھی کہ بڑے بڑے مجمع اور سخت سے سخت معائد سے بھی وہ اسلام کی حقانیت کا لوہا منوالیتے تھے۔

دلوں کے آفاق پر چھا جانے والے اسلام کے ایک مخلص داعی کی حیثیت سے انہوں نے ایشیاء، افریقہ اور امریکہ میں ہزاروں عیسائیوں یہودیوں حبشیوں اور مرزائیوں کو اسلام میں داخل کیا۔ دنیا کے مشہور مفکر جارج برناڈ شا کے ساتھ ان کا ایک معرکۃ الآرا مباحثہ ہوا تھا جس کے اختتام پر جارج نے اعتراف کیا تھا کہ اگر یہی اسلام ہے جس کی ترجمانی آپ نے کی ہے تو میں پیش گوئی کرتا ہوں کہ مستقبل میں دینا کا مذہب اسلام ہوگا۔

حضرت موصوف نے سورینام کی راجدھانی پارامار یبو میں ایک ہوٹل میں قیام کیا اور حالات کا جائزہ لینے کے بعد رات کے جلسہ میں نہایت تفصیل کے ساتھ قادیانی مذہب کا سارا کچا چٹھا مسلمانوں کے سامنے رکھ دیا۔ ایک ہی تقریر سے یہاں کی ایسی کایا پلٹی کہ سوا ان لوگوں کے جن لوگوں پر مہر لگ گئی تھی سارے مسلمان مرزائیوں کے

دام فریب سے نکل آئے اس کے بعد انہوں نے دینی جماعتی امور کے انصرام واہتمام کے لئے سورینام مسلم ایسوسی ایشن کے نام سے یہاں کے سنی مسلمانوں کی ایک تنظیم قائم کردی جو آج تک موجود ہے اور سورینام کے مسلمانوں کی سب سے بڑی موثر اور ملک گیر تنظیم ہے اس تنظیم کی سرپرستی میں پارامارابو میں اس وقت سنی حنفی مسلمانوں کی بارہ عظیم الشان مسجدیں ایک یتیم خانہ ایک ہائی اسکول اور دو پرائمری اسکول نہایت حسن وخوبی کے ساتھ چل رہے ہیں یہاں سے ڈھائی سو کلومیٹر کے فاصلے پر نکیری نام کا ایک قصبہ ہے جو ضلع کا صدر مقام ہے وہاں بھی اس تنظیم کے تعاون سے چھ شاندار مسجدیں اور مکاتب چل رہے ہیں حضرت مبلغ اعظم مولانا عبدالعلیم صدیقی کے انتقال کے بعد ان کے فرزند ارجمند قائد اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی یہاں کی ساری مسلم تنظیموں کی سرپرستی فرماتے ہیں۔ یہاں کے مسلمانوں کی خواہش کے مطابق میں نے اسی سفر میں دین کی اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم علیمیہ کے نام سے ایک عربی درسگاہ کی بنیاد رکھدی ہے۔ خدائے قدیر پردۂ غیب سے اس کی ترقی کے وسائل پیدا فرمائے۔

سورینام کے مسلمانوں کی مذہبی اور معاشرتی زندگی

یہاں کے مسلمان چند چیزوں پر نہایت سختی کے ساتھ کاربند ہیں اس پر غریب چھوٹے بڑے اور عورت مرد کی کوئی تفریق نہیں ذیل میں ان کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) ان کے یہاں جنم دن منانے کی روایت قدیم عہد سے چلی آرہی ہے ہر خاندان اپنے افراد کی تاریخ ولادت محفوظ رکھتا ہے جب خاندان کے کسی فرد کی وہ تاریخ آجاتی ہے تو اس دن سارے اعزہ واقارب دور دور سے جمع ہوتے ہیں اور میلاد شریف کی محفل منعقد ہوتی ہے۔ دینا میں جتنے خوش آواز نعت خواں ہیں سب اپنے ساتھ میلاد اکبر لے کر آتے ہیں۔ جسے رومن رسم الخط میں انہوں نے اس مقصد سے چھپوالیا ہے۔ ہر شخص باری باری میلاد اکبر میں سے ایک نعت شریف پڑھتا ہے جسے سب مل کر دہراتے ہیں جب سب اپنے اپنے حصے کی نعت شریف پڑھ چکتے ہیں تو سلام وقیام پر یہ مجلس ختم ہو جاتی ہے۔ مجلس کے اختتام سب مل کر درازی عمر اور خیر وبرکت کی دعا کرتے ہیں عورتیں بھی ایک طرف بیٹھ کر نعت شریف سنتی ہیں کھانا کھلانے کے بعد سب کو رخصت کردیا جاتا ہے۔

۲۔ جب ان کے یہاں کوئی مرتا ہے تو جنازے کی نماز میں سب کے سب شریک ہوتے ہیں اور میت کے گھر چالیس دن تک سارے رشتہ دار مغرب کے بعد جمع ہوتے ہیں اور عشاء تک قرآن پڑھتے ہیں جنھیں قرآن شریف پڑھنا نہیں آتا وہ کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہیں۔

۳۔ ان کی ہر مسجد کے ساتھ ایک جماعت خانہ بھی ملحق ہوتا ہے جس میں کھانے پکانے کی بھی جگہ بنی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ایک بہت بڑا حال بھی ہوتا ہے اور اس میں میلاد اور وعظ کا جلسہ بھی کرتے ہیں اس ہال میں شادی بیاہ اور دعوت ولیمہ کی ساری تقریبات انجام پاتی ہیں۔ ان کے یہاں ہر چھوٹے بڑے جلسے میں لازماً کھانے کا انتظام ہوتا ہے۔

۴۔ وہ سال میں ایک بار اپنے بال بچوں کے ساتھ کسی بیرون ملک کے سفر پر ضرور جاتے ہیں۔ جیسے یہ لوگ نکانسی کہتے ہیں۔ دیندار قسم کے لوگ عمرے پر جاتے ہیں یا بغداد شریف کربلائے معلیٰ اور اجمیر شریف کا سفر کرتے ہیں۔

۵۔ ان کے یہاں ایک یہ بھی دستور ہے کہ جلسہ گاہ میں پہونچنے سے پہلے ہر آنے والے کو بیج لگایا جاتا ہے اور وہ حسب توفیق ایک ڈبہ میں کچھ رقم ڈال دیتا ہے۔ عورتوں کی طرف لڑکیاں یہ خدمت انجام دیتی ہیں اس طرح جلسہ کے خرچہ کا بوجھ ہلکا ہوجاتا ہے۔

فرقہ وارانہ امن وامان

یہاں کے مسلمان وہ سارے تہوار مناتے ہیں جو ہندوستان میں منائے جاتے ہیں۔ یہاں بھی شب برات اور شب قدر کے موقع پر لوگ قبرستان پر فاتحہ پڑھنے جاتے ہیں۔

یہاں کے ہندو بھی بھارت کے ہندوؤں کی طرح اپنے سارے تہوار مناتے ہیں۔

ایک خاص بات جسے ہندوستان کی حکومت اور وہاں کے عوام تک پہونچانا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ یہاں مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایک ساتھ رہتے ہوئے سوا سو برس گذر گئے لیکن آپس میں کوئی خونریز بلوہ تو بڑی بات معمولی چھڑپ تک نہیں ہوئی سب آپس میں خوشگوار تعلقات رکھتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کی مشکل میں کام آتے ہیں۔ غنیمت ہے کہ بھارت کا کوئی فرقہ پرست لیڈر اب تک یہاں نہیں پہونچا ورنہ خون اور آگ کی ہولی یہاں کے لوگ بھی اپنی آنکھ سے دیکھ لیتے۔ امسال یہاں کے جلوس عید میلاد النبی میں ہمیں شریک ہونے کا موقع ملا۔ دو میل کا لمبا جلوس جو سینکڑوں موٹر کاروں بسوں موٹر سائیکلوں اور گھوڑا سوار دستوں پر مشتمل تھا۔ جب شہر کی شاہراہوں سے گذر رہا تھا تو شہر کے باشندے سڑک کے دونوں طرف کھڑے ہو کر نہایت عقیدت کے ساتھ اس کا استقبال کر رہے تھے۔ ایک کھلی ہوئی کار پر مائک سے یہاں کی مذہبی اور جماعتی جناب الحاج مولانا عبد السبحان مشکل ڈچ زبان میں ہر دس پندرہ منٹ کے بعد پیغمبر اعظم ﷺ کی زندگی اور ان کے پیغام رحمت پر روشنی ڈالتے جاتے تھے۔

ایک نہایت عبرت آموز واقعہ

پچھلے دنوں سعودی عرب، عراق، اور خلیج فارس کی ریاستوں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ ہر جگہ ہندوؤں اور سکھوں سے ملاقات ہوئی جو بسلسلۂ معاش وہاں مقیم تھے۔ میں نے ان کے سامنے یہ سوال رکھا کہ بھارت میں آپ اکثریت میں ہیں اور ہم اقلیت میں لیکن یہ بتایئے کہ وہاں ہماری جان و مال غیر محفوظ کیوں ہے اور یہاں آپ حضرات کس طرح بے خطر ہیں نہ یہاں کے مسلم عوام کی طرف سے آپ کو کوئی خطرہ ہے اور نہ حکومت کی طرف سے لیکن بھارت میں ہم آپ کا بھی شکار ہیں اور حکومت کا بھی۔

میرے اس سوال کے جواب میں اور تو وہ کچھ نہیں کہہ سکے البتہ زہر میں بجھی ہوئی دو چار گالیاں انہوں نے آر۔ ایس۔ ایس، بی۔ جے۔ پی اور شیوسینا کو دیں اور باقی سارا الزام راجیو گاندھی پر رکھ دیا میں نے انہیں ٹوکتے ہوئے کہا کہ صحیح الزام قبول کر لینا آدمی کی سب سے بڑی خوبی ہے بھارت میں ہندو قوم کی اکثریت اگر ہمارے خون کا احترام کرتی تو آر۔ ایس۔ ایس، بی۔ جے۔ پی اور شیوسینا کے لئے ہندوستان میں کھڑے ہونے کی کوئی جگہ نہیں ملتی۔ ووٹوں پر بننے والی حکومت کا وزیر اعظم اکثریت کو ناراض کر کے کب تک وزیر اعظم رہ سکتا ہے اب رہ گئی بات حقیقت پسندی کی تو اصولوں کی خاطر کرسی کو لات مارنے والے آدمی اپنے ملک میں اب کہاں پیدا ہو رہے ہیں۔

اخیر میں اپنی بات ختم کرتے ہوئے میں نے کہا کہ جب آپ لوگ ہندوستان واپس جائیں تو موقع نکال کر آر۔ ایس۔ ایس، بی۔ جے۔ پی اور شیوسینا کے لیڈروں کو بتا دیجئے گا کہ مسلم اکثریت والے ملک میں آپ حضرات کس درجہ محفوظ ہیں ممکن ہے انہیں شرم محسوس ہو اور آئندہ وہ اپنے ملک کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ نہ لگائیں۔

اگر طوفاں میں کشتی ہو تو ہو سکتی ہے تدبیریں
اگر کشتی میں طوفاں ہو تو کیا الزام طوفاں پر

علامہ ارشد القادری کا تاریخی دورۂ ایران

مولانا سید محمد حسینی اشرفی مصباحی
سجادہ نشین آستانہ عالیہ شمسیہ اشرفیہ، رائچور
و چیف ایڈیٹر ماہنامہ ''سنی آواز'' ناگپور

حضرت علامہ ارشد القادری جماعت اہلسنت کی آبرو اور ایک قیمتی امانت ہونے کے ساتھ عظیم دینی و مذہبی رہنما ہیں جماعت اہلسنت کا اس عظیم شخصیت پر ہمیشہ ناز رہا ہے، ہر مفکر و مدبر اپنے پیچھے ایک تحریک لے کر چلتا ہے، علامہ ارشد القادری کسی تحریک کو لے کر چلنے والی ذات کا نام نہیں ہے بلکہ آپ کا وجود خود تاریخی تحریک ہے۔ یہ ذات دینی قیادت کے لئے ہی پیدا ہوئی ہے۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ سے علوم وفنون حاصل کرنے کے بعد اہلسنت نے دیکھا کہ ہر تحریک علامہ ارشد القادری کی ذات سے وابستہ ہونے کے لئے بے چین نظر آتی ہے نہ جانے کتنی تحریکیں علامہ ارشد القادری کی ذات سے وابستہ ہیں، آپ کی ذات سے وابستہ ہر تحریک پر گفتگو کی جائے تو سیکڑوں صفحات بھی کم ہیں۔

میں اس وقت خمینی صاحب کے دور حکومت میں آپ کے دورۂ ایران پر مختصر گفتگو کرنا چاہوں گا۔ خمینی صاحب رضا شاہ پہلوی کے انقلاب کے ذریعہ حکومت کا خاتمہ کر کے خود ایک انقلابی قائد بن کر ایرانیوں پر بہت بڑا ظالم و جابر اور مطلق العنان حکمراں کی شکل میں مسلط ہو گئے جس کے ظالمانہ دور اقتدار میں بڑے بڑے جرنل، کرنل، صحافی، لیڈر وغیرہ آلو اور مولی کی طرح کاٹے گئے۔ خمینی صاحب دنیا میں ایک خوف ودہشت کا نام بن کر ابھر گئے۔ ایسے ظالم و جابر حکمراں کے سامنے علامہ ارشد القادری نے جس حق گوئی و بے باکی کا مظاہرہ کیا ہے یہ دیکھ کر اپنے اسلاف کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

خمینی صاحب کے دور اقتدار میں اسلامی حکومت کے نام پر کیا ہو رہا تھا، اسوقت وہاں کے کیا حالات تھے، ایران کی سنی مسلمانوں پر کیا گزری تھی، اسلامی اتحاد اور دنیا کے مسلمانوں کو ملت واحدہ قرار دینے کے پیچھے سنیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جارہا تھا، حکومت، انتظامیہ، عدلیہ، اور پارلیمنٹ وغیرہ میں ان کو کتنی نمائندگی دی گئی تھی اور اس وقت ایران کے مذہبی لیڈروں کے کیا خیالات تھے، اس کی ہلکی سی جھلک حضرت علامہ ارشد القادری کے ۱۹۸۳ء کے دورے سے دیکھی جاسکتی ہے۔ علامہ ارشد القادری نے دورۂ ایران کے موقع پر پریس کانفرنس کے ذریعہ اور اردو کے موقر اخبارات کو خطوط لکھ کر حالات سے آگاہ کیا تھا۔ اس وقت کے حالات بڑے دلدوز تھے۔ علامہ ارشد القادری ہی کی ہمت و جرأت تھی کہ وقت کے ایسے ظالم و جابر مطلق العنان حکمراں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حق گوئی کا مظاہرہ کیا تھا۔

حکومت ایران کی جانب سے انقلابِ ایران کے جشن کے موقع پر ورلڈ اسلامک مشن برطانیہ کو شرکت کی دعوت ملی۔ وہاں سے علامہ ارشد القادری کی قیادت میں ایک قافلہ انگلینڈ سے ۲۹؍دسمبر کو روانہ ہوا جس میں علامہ قمر الزماں اعظمی، مولانا شاہد رضا، مولانا قاری اسماعیل وغیرہ شامل تھے یہ دورہ دو ہفتوں پر مشتمل تھا یہ وفد ایران ایئر

لائنس کے ذریعہ تہران پہنچا۔ حکومت ایران کے اعلیٰ افسران نے وفد کا شاندار استقبال کیا۔ ایرانی طرز کی استقبالیہ رسم کی ادائیگی کے بعد اس وفد کو ایک اعلیٰ ہوٹل میں قیام کے لئے لایا گیا، جہاں حکومت کی طرف سے قیام کا انتظام تھا۔ ۲۶ منزلہ ہوٹل میں اس وفد کے علاوہ دنیا کے چالیس ملکوں کے ۱۳۵ افراد بھی بطور ڈیلیگٹس قیام پذیر تھے، ایران میں سربراہان انقلاب کے نام سے کئی لاکھ نوجوانوں کی ایک عسکری تنظیم تھی جس کے کنٹرول میں سارا ملک تھا۔ ائیر پورٹ سے لے کر ہوٹل تک اس تنظیم کے سیکڑوں افراد اہلسنت کے اس وفد کو اپنے نرغے میں لئے ہوئے تھے۔ ہوٹل کے اندر بھی پاسداران کی بہت بڑی تعداد اس وفد کے گرد و پیش تھی اور یہ دیکھ کر وفد حیران رہ گیا کہ ہوٹل کے باہر چاروں طرف عمارتوں کی چھتوں اور سڑکوں پر مسلح پاسداران شب و روز پہرہ دیتے ہیں۔

تہران ائیر پورٹ پر اترنے کے بعد سے واپسی کے لئے جہاز پر سوار ہونے کے وقت تک اس وفد پر پاسداران کا اتنا سخت پہرہ تھا کہ کبھی کبھی ایسا محسوس ہونے لگتا تھا کہ وفد سخت قید میں ہے۔ اس سفر میں دیواروں کے نقوش وہاں کے رہنماؤں اور لیڈروں کی تقاریر کے کیسٹس اور انقلاب انگیز نعروں کی گونج ریڈیو ٹیلی ویژن اور خصوصی ملاقاتوں کے ذریعہ اس وفد نے ایران کا جو مطالعہ کیا اسکے چند قابل ذکر نکات ذیل میں دیکھئے۔

اہل سنت خوب اچھی طرح سے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ علامہ ارشد القادری نے حقائق کی ترجمانی میں اسکی قطعاً پرواہ نہیں کی کہ کون خوش ہوگا اور کسے تکلیف ہوگی۔ علامہ ارشد القادری کی تنقید اور تحسین کے پیچھے صرف سچائیوں کے اظہار کا جذبہ کارفرما ہے۔

علامہ ارشدالقادری کا بیان ہے کہ:

(۱) اس میں کوئی شک نہیں کہ خمینی نے صدیوں کی ایک روایت پرست اور ماتم گسار قوم کو انقلاب کی گھن گھرج کے ساتھ زندہ قوموں کی صفوں میں لاکر کھڑا کردیا ہے۔ اتنی سخت نظر بندی جیسے ماحول میں مذہبی انقلاب کے جو آثار وفد نے دیکھے اگر یہی تصویر پورے ایران کی ہے تو وہاں کے مذہبی رہنماؤں نے تاریخ کا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے کہ انہوں نے بہت قلیل مدت میں ہر شعبۂ زندگی کو مذہبی گرفت میں لے لیا ہے۔ ان کے بے دریغ قربانیوں ہی کا یہ ثمرہ ہے کہ آج ایران شاہ کے زمانے کے ایران سے اتنا مختلف ہے کہ اب اسے پہچاننا بھی مشکل ہے۔ قحبہ خانے مقفل ہیں رقص و سرور، مئے نوشی، اور قمار بازی، کے سارے مرکز ویران پڑے ہیں، فحاشی کا کوئی منظر نہ دیواروں پر نظر آتا اور نہ دوکانوں پر۔ عورتیں جو کل تک مردوں کے دوش بدوش تھیں آج پیکر نسوانیت ہیں، نوجوان کے ہاتھوں میں تسبیح اور کاندھے پر بندوق دیکھکر کئی سو سال پیچھے پلٹ جانے کو جی چاہتا ہے۔ ان دنوں ایرانی پارلیمنٹ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ عین سیشن کے وقت ہم لوگ پہنچے۔ ایوان میں علماء کی خاصی تعداد موجود تھی، برقعہ پوش خواتین ایک گوشے میں نظر آئیں۔ تھوڑی دیر ہی میں ملکی قوانین اور انتظامی محکموں پر مذہب کی حکمرانی کی بہت سی تصویریں نظر آئیں۔ لوگوں کو کہتے ہوئے سنا کہ یہاں ٹیلی ویژن پر اب اہل نظر کے لئے دلچسپی کا کوئی سامان باقی نہیں رہ گیا، خبریں بسم اللہ کے ساتھ شروع ہوتی ہیں، سارے ذرائع ابلاغ مذہب کے گرد گھومتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ نغموں کی تان بھی مذہب ہی پر آکر ٹوٹتی ہے۔ کارروائیوں کا زیادہ حصہ مذہبی تقاریر اور خمینی صاحب کی شخصیت کے مظاہروں پر مشتمل ہوتا ہے، کاروں سے گزرتے ہوئے وفد نے سینما ہاؤس بھی دیکھے جو کھلے ہوئے تھے لیکن یہ بتانا مشکل ہے کہ وہاں اہل دل کی تفریح کا سامان کیا تھا؟

شیعوں کے علمی شہر ''قم'' بھی وفد کو لے جایا گیا، ان کے استقبال کے لئے شاہراہوں پر دونوں طرف لوگوں کا اژدھام تھا، جن میں برقع پوش خواتین کی تعداد بھی اچھی خاصی تھی۔ انقلاب کی تحریک

کا آغاز چونکہ اسی شہر سے ہوا تھا اسی لیے یہ شہر ساری دنیا کے لئے مرکز توجہ بن گیا ہے۔ یہاں ہر مسجد میں ایک مذہبی درسگاہ ہے جہاں عہد قدیم کا نظام درس وتدریس آج تک زندہ ہے۔ یہاں حضرت سیدہ زینب کا مزار ہے۔ جس مسجد میں آپ کا مزار پاک ہے۔ شیعہ اسے حرم کہتے ہیں۔ ''خمینی صاحب پر درود پڑھا جاتا ہے اور انہیں امام الزماں کہا جاتا ہے'' شیعہ عقیدے کے تحت اپنے پیشوا کو بہت کچھ کہا جاتا ہے، چونکہ انقلاب ایران میں خمینی صاحب کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ تھا کہ عیاش صفت قوم میں انہوں نے ایک انقلاب برپا کیا اور یہ حقیقت بھی ہے کہ کسی بھی ملک کے استحکام وترقی میں وہاں کی قیادت پر عوام کے اعتماد کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اہل علم سے مخفی نہیں، علامہ ارشد القادری کہتے ہیں وہاں کے شیعہ اپنے عقیدے کے رنگ میں خمینی صاحب کو امام الزماں اور اپنا سب کچھ مانتے ہیں۔ ان کے ساتھ والہانہ عقیدت دیکھ کر ہمیں محسوس ہوا کہ ایران کے لوگ خمینی صاحب کو ''مافوق الفطرۃ'' طاقتوں کا مظہر سمجھتے ہیں اور ان کے خلاف کچھ کہنا تو بڑی بات ہے سوچنا بھی قہر الٰہی کا موجب گردانتے ہیں'' ''بے قید'' عقیدت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ جس طرح رسول اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پر ہمارے یہاں بالالتزام درود پڑھا جاتا ہے ٹھیک اسی طرح ہم نے دیکھا کہ جب کوئی مقرر اپنی تقریر کے دوران خمینی صاحب کا نام لیتا ہے تو درود کی آواز سے پورا حال گونج اٹھتا ہے۔ کبھی کبھی اسٹیج سے صلوٰۃ بر خمینی کا نعرہ بھی سنائی دیتا ہے اور درود شریف بھی پڑھا جاتا ہے تو اس التزام کے ساتھ کہ حضور پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم پاک لینے پر ایک بار اور خمینی صاحب کا نام لینے پر تین بار درود شریف پڑھا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں نے اسپر اعتراض کیا تو اسٹیج سے اس کا جواب دیا گیا کہ چونکہ خمینی صاحب کا نام سنکر امریکہ پر لرزہ طاری ہوتا ہے، اسی لیے ان کے نام پر تین بار درود پڑھا جاتا ہے۔ (معاذ اللہ)

جہاں تک کسی ملک کے محبوب لیڈر کی تصویر کے ساتھ اظہار عقیدت کا تعلق ہے تو آج کل یہ وبا ساری دنیا میں پھیل گئی ہے۔ لیکن ایران میں یہ جذبہ اتنا بے قابو ہوگیا ہے کہ خمینی صاحب کی تصویر مکانوں دوکانوں اور دفتروں سے گزر کر اب مسجدوں میں پہنچ گئی ہے اور نماز پڑھنے والے تصویر کے آگے سجدہ بھی کرتے ہیں۔

ایران میں سنی مسلمان کے مسائل

علامہ ارشد القادری فرماتے ہیں ''قم'' میں چند گھنٹے قیام کے دوران کئی مدارس کو دیکھنے کا موقع ملا، عمارت کے لحاظ سے، جناب منتظری کا مدرسہ کافی پرشکوہ ہے۔ ایران میں ''منتظری صاحب'' جناب خمینی صاحب کے سچے جانشین سمجھے جاتے ہیں ان کے مدرسہ میں ایک طالب علم کے ذریعہ جمہوریۂ ایران کے دستور کی کاپی مل گئی جو عربی ایڈیشن میں تھی، اسکی بارہویں دفعہ میں اس امر کی صراحت کی گئی تھی کہ ایران کا نظام حکومت فقہ جعفری یعنی شیعہ مذہب کے اصولوں پر مبنی ہوگا اس فقرے کے بعد اس قید کا بھی اضافہ کیا گیا تھا کہ ریاست کی یہ مذہبی حیثیت قطعا غیر متبادل ہوگی، اسی دفعہ میں اس امر کی بھی صراحت کی گئی تھی کہ دوسرے فقہی مذاہب کے پیروؤں کے ریاست میں ہر طرح کی مذہبی آزادی حاصل ہوگی، انہیں اپنے اپنے مذاہب کی تعلیم وتربیت وتبلیغ واصول کے مطابق زندگی گزارنے کا پورا پورا حق ہوگا، بارہویں دفعہ کی آخری سطر پڑھنے کے بعد ہمیں بار بار یہ کمی محسوس ہوئی کہ ''غیر متبدل'' کی جو قید فقہ جعفری (شیعہ مذہب) کے ساتھ لگائی گئی تھی وہ دوسرے فقہی مذاہب کے ساتھ بھی کیوں نہیں لگائی گئی۔ کیا اس جانبداری سے اس شبہ کو راہ نہیں ملتی کہ ایک مختصری ترمیم سے دوسرے مذاہب کے حقوق کبھی بھی ختم کئے جاسکتے ہیں۔

علامہ ارشد القادری کا دردمند دھڑکتا ہوا سنیت نواز دل کہتا ہے کہ۔

''بہر حال اس وقت ہمیں صرف اس امر کا جائزہ لینا تھا کہ

جمہوریہ ایران کے دستور میں جو حقوق وہاں سنی مسلمانوں کو دیئے گئے ہیں اس وقت عملاً انہیں حاصل ہیں، اس سلسلے میں جو تفصیلات ہم نے مختلف ذرائع سے حاصل کیں ہیں وہ نمبر وار ملاحظہ کیجئے

(۱) تہران جہاں پانچ لاکھ سنی مسلمان آباد ہیں انہیں آج تک مسجد تعمیر کرنے کی اجازت نہیں ملی جبکہ وہاں عیسائیوں کے بارہ گرجے، ہندوؤں کے دو مندر، سکھوں کے تین گردوارے، یہودیوں کے دو عبادت خانے اور مجوسیوں کے دو آتش کدے موجود ہیں، لیکن سنی مسلمانوں کی ایک مسجد بھی نہیں ہے۔

(۲) بادشاہ کے زمانے میں عیدین کی نماز تہران کے سنی پارک میں پڑھتے تھے لیکن جب سے مذہبی حکومت قائم ہوئی عید کے دن اس پارک پر مسلح افواج کا پہرہ بٹھا دیا گیا اور انہیں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔

(۳) جمعہ کی نماز کے لئے مذہبی حکومت سنیوں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ تہران یونیورسٹی کے میدان میں شیعہ امام کی اقتداء میں جمعہ کی نماز پڑھیں، لیکن اس کے باوجود سنی حضرات وہاں نماز نہیں پڑھتے بلکہ پاکستانی سفارت خانہ میں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ تہران یونیورسٹی کے میدان میں جمعہ کی نماز ایران کے ایک اعلیٰ آفیسر پڑھاتے ہیں جو شیعہ فرقے کے ایک مذہبی رہنما ہیں۔

(۴) ایران کے سنی مسلمان اپنی مذہبی تبلیغ و اشاعت اور اپنی اجتماعی فلاح و بہبود کے نام سے سنیوں نے ایک تنظیم قائم بھی کی تھی تو اسے مذہبی حکومت نے خلاف قانون قرار دے دیا۔

(۵) مسلمانان اہلسنت اپنی مذہبی کتابیں نہ خود چھپوا سکتے ہیں اور نہ باہر سے منگوا سکتے ہیں۔ بادشاہ کے زمانے میں سنی حضرات پاکستان سے کتابیں منگواتے تھے، لیکن مذہبی حکومت کے قیام کے بعد اس پر طرح طرح کی پابندیاں لگا دی گئیں۔

(۶) سرکاری اسکولوں کا نصاب بدلا جا رہا ہے اور نئے نصاب میں شیعہ مذہب کے عناصر شامل کئے جا رہے ہیں تاکہ سنیوں کے بچے غیر شعوری طور پر شیعہ مذہب کے پیرو بن جائیں۔

(۷) زاہدان کے صوبہ میں جہاں ۹۵ فیصد سنی مسلمان ہیں وہاں گورنمنٹ کے اسکولوں میں ابھی پانچ سو اساتذہ مقرر کئے گئے ہیں۔ جن میں صرف چھتیس اساتذہ سنی ہیں اور باقی چار سو چوسٹھ اساتذہ شیعہ ہیں۔ ایسا محسوس کیا جا رہا ہے کہ ایران سے سنی مذہب ہی ختم ہو جائے بہت آسان اور غیر محسوس طریقے سے سنی بچوں کو شیعہ مذہب میں تبدیل کیا جا سکے۔

(۸) ایران میں اہل سنت کی تعداد ۳۵ فیصد ہے، شاہ کے سامراجی نظام کے خلاف لڑی جانے والی جنگ آزادی میں شیعوں کے دوش بدوش ہزاروں سنیوں نے بھی جانی و مالی قربانیاں دی ہیں لیکن اسلامی جمہوری حکومت کہلانے والے حکومت میں انہیں جو حصہ ملا وہ ان کی آبادی کی تناسب کے لحاظ سے بالکل نہیں کے برابر ہے مثال کے طور پر ۲۷۰ ممبران پارلیمنٹ میں اہلسنت کی کل تعداد نو ہے جبکہ تناسب آبادی کے اعتبار سے ایک تہائی سے زیادہ حقدار تھے۔ ان کی تعداد کم سے کم ۸۰ ہونی چاہیے۔

(۹) انتظامیہ اور عدلیہ میں اہل سنت کا وجود بالکل صفر کے برابر ہے۔ صوبائی اور ضلعی سطح کا کوئی ذمہ دار عہدہ تو بڑی بات ہے سنی مذہب کا کوئی آدمی تھانیدار بھی نہیں ہے، ایران میں تین لاکھ پاسداران انقلاب میں جو حکومت کے ہر شعبہ پر حاوی ہیں اہلسنت کا ایک نمائندہ بھی نہیں ہے۔

(۱۰) ایران کی سنی مسلمانوں میں تعلیم یافتہ افراد کا تناسب صرف ۲ فیصد ہے۔ اس کے معنی یہ کہ وہ علمی صلاحیتوں کی بنیاد پر کبھی بھی اس قابل نہیں ہو سکیں گے کہ ایک جمہوری حکومت میں وہ اپنا واجبی حصہ پا سکیں اور حکومت کی موجودہ پالیسی کے پیش نظر امید بھی نہیں ہے کہ آئندہ اہل سنت کا تعلیمی تناسب بڑھ سکے گا، کیونکہ اپنا مذہبی تشخص

برقرار رکھتے ہوئے ان کے لئے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔

علامہ ارشد القادری کی جناب خمینی سے ملاقات

مختلف مراحل سے گذرتا ہوا علامہ ارشد القادری کی سربراہی میں خمینی جیسے مطلق العنان ظالم و جابر جیسے حاکم وقت سے ملاقات کے لئے یہ وفد خمینی کے دربار میں پیش ہوا، اندر کا ماحول اسلامی سادگی کو لئے ہوئے تھا، دربار میں مختلف قسم کی قیمتی قالین بچھی ہوئی تھیں، ایک شاندار حال میں وفد کو بٹھایا گیا، تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ انقلاب برپا کرنے والی شخصیت جس کا تذکرہ چل رہا تھا یعنی خمینی صاحب اندر سے جلوہ گر ہوئے، وفد کے ہر چہار جانب بندوق برداروں کا پہرہ تھا، اس دل دہلا دینے والے ماحول میں اس وفد نے خمینی سے ملاقات کی۔

پہلے خمینی جیسے دنیاوی انقلاب برپا کرنے والے انسان اور اس کی ہیبت وشوکت برپا کرنے کے لئے ماحول کا جائزہ لیجئے اور اس میں یہ اہل سنت کا وفد گھرا ہوا ہے۔ محسوس تو ایسا ہی ہوگا کہ ہر شخص خمینی صاحب کے دربار میں لرزہ براندام ہوگا لیکن اس وفد میں سے ہر ایک وقار و تمکنت لئے ہوئے نظر آرہا تھا اس میں علامہ ارشد القادری صاحب کی شخصیت نمایاں تھی آج حافظ ملت کا علمی سپوت اور محافظ مسلک اعلیٰ حضرت علامہ ارشد القادری دنیا کے سب سے زیادہ ظالم و جابر حکمراں سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مخاطب ہو رہے ہیں۔ پہلے دنیا کے حالات اور بالخصوص اسلام پر مختصر گفتگو کے بعد علامہ ارشد القادری نے اپنی گفتگو کا محور ایران کے سنی مسلمان اور ان کے حالات کو بنایا، بڑی بے خوفی سے مذکورہ بالا نمبر وار سنیوں کے جو حالات ذکر کئے گئے ان پر گفتگو شروع کی علامہ ارشد القادری نے پوری بے خوفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خمینی صاحب سے کہا کہ ”محترم دنیا کے ہر ملک میں اقلیتیں بستی ہیں اور ان کے بحیثیت اقلیتی قوم مسائل ہوتے ہیں اکثریتی حکام نے دستوری طور پر ان کے حقوق کو محفوظ کر دیا ہے اور انہیں حقوق کے تحت ہر قسم کی آزادی دی گئی اور اسلامی حکومتوں میں بھی شیعہ اقلیت میں ہی ہیں، وہاں بھی انہیں مذہبی، دینی، تعلیمی اور سیاسی آزادی حاصل ہے، لیکن ہم نے آپ کی اسلامی جمہوری حکومت میں سنی مسلمانوں کی حالات کا اچھی طرح جائزہ لیا ہے اس کے تحت ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ یہاں کے سنی مسلمان ہر قسم کی آزادی سے محروم نہایت پسماندہ خستہ حال ہیں۔ آپ تو داعئ اسلام کہلاتے ہیں آپ کے اسلامی جمہوری انقلاب اور اس کے نظام حکومت میں سنیوں کی یہ کیا حالت ہے“ خمینی صاحب سے اس پر کھل کر بلا خوف لومۃ لائم سنیوں کے مسائل پر گفتگو کی۔ خمینی صاحب اور ان کی درباری علامہ ارشد القادری کی بے خوفی اور سنیوں کے مسائل پر انداز گفتگو کو دیکھ کر دنگ رہ گئے ان کی نظر میں یہ پہلا انسان تھا کہ جس نے خمینی صاحب کو ان کے سامنے ان پر تنقید کی اور نہایت بے خوفی کا مظاہر کیا خمینی صاحب نے سنیوں کے مسائل کو غور سے سنا اور بہت ساری باتوں سے اتفاق بھی کیا اور یہ وعدہ بھی کیا کہ ہم سنیوں کے حالات کا از سر نو جائزہ لیں گے اور انہیں ان کے جائز حقوق لوٹا دیں گے اس کے بعد یہ معلوم ہوا کہ خمینی صاحب نے اسلامی انقلابی کمانڈر کو حکم دیا کہ سنیوں کے حالات کا پھر سے جائزہ لیا جائے اور ان کے حقوق بحال کر دئے جائیں۔ چنانچہ چند ہی دنوں کے بعد سنیوں کے لئے ان کے جائز حقوق واپس کر دئے گئے علامہ ارشد القادری کی بہت ساری تجویزوں کو روبہ عمل لایا گیا اس کے بعد سنیوں کے دن پھر گئے۔ علامہ ارشد القادری کا یہ تاریخی کارنامہ ہے جس کو تاریخ کبھی بھلا نہیں سکتی۔ علامہ ارشدا لقادری نے یہ بھی مشورہ دیا کہ آپ حضرات ہندو پاک کے شیعہ حضرات کو تبرا سے روک دیں تو یہ بھی دعوت اتحاد کی طرف بہترین پیشقدمی ہوگی۔ ایک مرتبہ پھر ایران کے حکمراں کی جانب نافذ کی گئی حالتوں کو غور سے دیکھئے اور اس پر علامہ ارشد القادری اور پورے اہل سنت کے وفد کی بے خوفی پر داد دیجئے۔

جب اس وفد کو خمینی صاحب سے ملاقات کے لئے لے جایا

گیا، جو گائڈ وفد کے ساتھ تھا بتایا کہ آپ لوگ قلم، گھڑی اور دھات کی کوئی چیز بھی ساتھ نہیں لے جاسکتے وفد کے دونوں طرف پاسدارانِ انقلاب کے حفاظتی دستے بھی ساتھ ساتھ تھے، خمینی صاحب کی قیام گاہ سے کچھ دور ہی سے وفد کو گاڑیوں سے اتار دیا گیا اور انقلابی کمانڈر کے دستے وفد کو اپنے نرغے میں لے کر پیدل چلنے لگے۔ اس وفد نے پلٹ کے دیکھا تو وفد کے چاروں طرف مسلح افواج بکھرے ہوئے تھے۔ ہر طرف بندوق ہی بندوق اور سر ہی سر نظر آرہے تھے۔ وفد یہ نہیں سمجھ سکا کہ یہ انتظام اس کو مرعوب کرنے کے لئے کیا گیا تھا یا کسی خطرے کے پیش نظر تدبیر مقصود تھی۔ خمینی صاحب کی قیام گاہ کی طرف پائپ نصب کر کے راستے اتنے تنگ کر دئے گئے تھے کہ ایک ہی آدمی کے گزرنے کی گنجائش تھی۔ وہاں پاسدارانِ انقلاب کے افراد نے ہر شخص کی جامہ تلاشی لی یہاں تک کہ وفد کی قیام گاہ سے ساتھ چلنے والے پاسداران انقلاب کے کسی فرد کو بھی نہیں چھوڑا گیا سب کی تلاشی لی گئی خمینی صاحب کی آمد پر وہ لوگ جو دربار میں تھے بیقرار ہوگئے۔ ''اللہ اکبر، خمینی رہبر'' جیسے نعرے لگنے لگے۔ علامہ ارشد القادری فرماتے ہیں کہ واپسی پر دیر تک ہم سوچتے رہے کہ دنیا کے اور ملکوں کے سربراہ بھی ہیں ان کے دوست اور دشمن ہیں لیکن اتنا سخت پہرہ کہ اپنے مہمانوں کو بھی مشتبہ سمجھا جائے اس کی مثال خمینی صاحب کے دربار کے علاوہ کہیں اور دیکھنے کو نہیں ملے گی۔

ایران میں بے شمار مذہبی سیاسی نعرے ہیں ان کے سہارے وہاں کے لوگوں کو زندہ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے ان نعروں کے الفاظ یہ ہیں، مرگ بر ضد ولایت فقہ (یعنی غیر فقہی جعفری حکومت مردہ باد) ''مرگ بر رشا'' (روس مردہ باد) ''مرگ بر اسرائیل'' (اسرائیل مردہ باد) یہ نعرے ایک ساتھ ہر مجلس میں لگائے جاتے ہیں'' علامہ ارشد القادری صاحب فرماتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ایک ساتھ ساری دنیا سے لڑائی مول لینا کون سی عقلمندی ہے۔ نارمل حالات میں اس قسم کے نعروں کا استعمال سوائے اشتعال انگیزی کے اور کیا ہوسکتا ہے۔ آثار و قرآئن سے وفد نے محسوس کیا کہ اسرائیل کی طرح ایران بھی ایک وسیع اور بڑی ریاست کا خواب دیکھ رہا ہے یہ راز اس وقت کھلا جب تہران ریڈیو کا ایک کارپرداز ہم سے انٹرویو لینے کیلئے آیا ہم نے نہایت مخلصانہ جذبے میں اسے مشورہ دیا کہ اس وقت ایران عالم اسلام کے اتحاد کا نعرہ بلند کر رہا ہے کیا ہی بہتر ہوتا کہ اسی جذبے میں عراق کے ساتھ مصالحت کی کوئی قابل قبول صورت پیدا کی جائے۔ بس اتنی سی بات پر وہ بھڑ گیا اور کہنے لگا کہ عراق سے مصالحت کی بات تو الگ رہی ہم جب تک مشرق وسطی کے ان سارے عرب ملکوں سے جو عراق کی مدد کر رہے ہیں ایک ایک کر کے انتقام نہیں لے لیں گے ہم چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ وفد کے اس خیال کو اس بات سے تقویت پہنچی کہ ایران کے شیعہ جمہوریہ عراق کے صدر صدام حسین کو کافر کہتے ہیں لیکن شام کے حافظ اسد کو ''مرد مومن'' سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ دونوں کمیونسٹ ہیں، پھر تفریق کی وجہ سوا اس کے اور کیا ہوسکتی ہے کہ حافظ اسد شیعہ تھے اور صدام حسین سنی ہیں۔

علامہ ارشد القادری فرماتے ہیں کہ ''قم'' اور تہران کی دیواروں پر لکھے ہوئے نعروں سے ہم نے اندازہ لگایا کہ جب تک ''کربلا'' اور نجف اشرف اور کاظمین پر ایران کا قبضہ نہیں ہوجاتا ہے جنگ کے خاتمے کا کوئی امکان نہیں ہے اس کے ساتھ ہوسکتا ہے کہ ایران کی دوسری پیش قدمی حجاز مقدس کی طرف ہو، خمینی صاحب کے لیے ''امام'' کا لقب اتنے التزام اور اتنے زور و شور سے استعمال کیا جاتا ہے کہ غیر جانبدار ذہن کے لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہوجاتے ہیں کہ عالم اسلام میں خمینی صاحب کو صرف ایران کا ہی نہیں بلکہ عالم اسلام کا امام مان لیا جائے۔ تاریخ اسلام علامہ ارشد القادری کا یہ ایرانی سفر کبھی بھلا نہیں سکتی۔ خاص طور پر اس سفر میں وہاں کے سنی مسلمانوں کو جو راحتیں ملی ہیں یہ علامہ ارشد القادری کی وجہ سے حاصل ہوئیں۔

باب ۵

زاویۂ نظر

(مکتوبات)

درد اٹھتے ہی تڑپنے لگا نا محرم راز !!
جو ادا سے تیری واقف تھا وہ خاموش رہا

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری

کی رحلت سے اہلسنت کا ہر فرد غمزدہ ہے اللہ کریم مصطفیٰ جان رحمت کے صدقے وطفیل علامہ کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔

میں صمیم قلب کے ساتھ ماہنامہ جامِ نور دہلی کو

رئیس القلم نمبر

نکالنے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں

سی۔ ایم۔ ابراہیم

(سابق مرکزی وزیر برائے اطلاعات ونشریات۔ حکومت ہند)

علامہ بدر القادری صاحب
اسلامک اکیڈمی دی ہیگ ہالینڈ

علامہ ارشد القادری اور حافظ ملت

علامہ ارشد القادری کے قالب میں حضور حافظ ملت نے ایک ایسی سیماب صفت روح ڈال دی ہے جسے کسی پل قرار نصیب نہیں۔ وہ جدھر رخ کرتے ہیں انقلابی کام سرانجام دیتے ہیں، جامعہ فیض العلوم جمشید پور سے لے کر ورلڈ اسلامک مشن برطانیہ اور جامعہ مدینۃ الاسلام ہالینڈ تک ان کے جذب دروں نے سیکڑوں ویرانوں میں پھول کھلائے ہیں۔ علامہ ارشد القادری جدھر رخ کرتے ہیں سیل موج خوں سے ایک نئے گلستان کی چمن بندی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ بقول شاعر۔

بنالیتا ہے سیل موج خوں سے ایک چمن اپنا
وہ پابند قفس، جو فطرتاً آزاد ہوتا ہے

حضرت علامہ ارشد القادری وہ شخصیت ہیں جن کے اندر قدرت نے متعدد صلاحیتوں کی نہایت فیاضی سے کاشت کی ہے۔ وہ اپنے معاصرین میں حالات کے مطابق نئے پروگرام بنانے، نیا محاذ کھولنے، نئی میگزین تیار کرنے اور نئی جہتوں سے کام کرنے میں بھی ممتاز ہیں۔

علامہ ارشد القادری شہنشاہ قلم ولسان بھی ہیں، اور صاحب طرز وبیان بھی۔ علامہ ارشد القادری ادیب شہیر بھی ہیں اور شاعر خوش مقال بھی......وہ نثر ونظم دونوں میں مہارت تامہ رکھتے ہیں علامہ ارشد القادری مناظر اسلام بھی ہیں اور مقرر بے بدل بھی۔

علامہ ارشد القادری کی شخصیت خاندانی ونسبی لحاظ سے خوش اعتقادی کے خمیر سے استوار شدہ بھی ہے اور اساتذہ ومرشدین کی طرف سے برکات قال کے ساتھ ساتھ کیفیات حال سے مانوس بھی۔ علامہ ارشد القادری کی سیرت وشخصیت اتنی دلآویز اور رنگا رنگ ہے، جس کا مطالعہ کرنے والا خوش کرداری کے ایک رنگ محل میں کھو جاتا ہے۔

علامہ ارشد القادری۔ اکابر علمائے اہل سنت کے نور نگاہ بھی ہیں اور مشائخ سلاسل کے دلوں کا چین بھی۔

علامہ ارشد القادری۔ عوام اہلسنت کی ڈھارس بھی ہیں اور خواص کی آبرو بھی۔

علامہ ارشد القادری۔ تحفظ ناموس رسالت کی تحریک کے وہ مجاہد جلیل ہیں جن کے نام سے ایوان توہب میں زلزلہ آگیا۔

علامہ ارشد القادری۔ تفہیم مضامین میں اردو کے مذہبی ادب کے اندر ایک اچھوتے انداز بیان، اور جدید اسلوب تنقید کے بانی ہیں۔ کاش انہیں اپنے اسی مخصوص طرز انشاء میں کام کرنے کے لئے وقت مزید اجازت دیتا تو دنیا دیکھتی کہ مذہبی زبان و ادب کو انہوں نے کن قیمتی خزانوں سے مالا مال کیا ہے۔

علامہ ارشد القادری فطری طور پر صرف ایک دینی خدمت گزار

ہیں مگر اپنی فطری ذہانت اور حالات روز گار کی نباضی نے انہیں ہر زمین اور ہر زمانہ میں موقع کی مناسبت سے آغاز کار کرنے پر آمادہ کیا۔ اسلام اور سنیت کے تحفظ اور بقا کی جنگ میں ان کی زندگی کے اندر متعدد ایسے موڑ بھی آئے جب ان کی جان کے لالے پڑ گئے تھے مگر عزم وہمت کی استواری اور اپنے آقایان نعمت کی روحانی حمایت نے ہمیشہ انہیں پورا پورا تحفظ فراہم کیا اور وہ بارود کے لپکتے ڈھیروں سے صحیح وسالم نکل آئے بلکہ اگر اسی بات کو بایں الفاظ کہیں تو غلط نہ ہوگا کہ وقت کے نمرودی آتشکدے سے وہ شعلوں کو روندتے ہوئے فاتحانہ مسکراہٹوں کے ساتھ برآمد ہوئے ہیں۔

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب کے بارے میں لکھنے کے لئے عناوین کی محتاجی نہیں ہے انہوں نے تو اپنی زندگی میں اتنے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دے دئے ہیں کہ جس رخ سے توجہ کی جائے، بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے میں اپنی خوش بختی سمجھوں گا اگر سرکار حافظ ملت علیہ الرحمہ کے اس چہیتے نور نگاہ کے بارے میں میرے قرطاس وقلم کچھ گلہائے عقیدت ومحبت تیار کرسکیں۔

نسبت سے تیری میرا قلم پائے گا عزت
محتاج نہیں تو مرے انداز بیاں کا

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب حافظ ملت کے روحانی فرزند ہیں۔ ان کی تمامتر کامیابیوں اور کامرانیوں کے پیچھے حافظ ملت کی دعاؤں اور روحانی حمایتوں کا زبردست ہاتھ رہا ہے۔ جمشید پور کی سنگلاخ زمین پر فیض العلوم جیسا سرچشمۂ علمی جاری کرنے میں قدم قدم پر حافظ ملت کی خاراشگاف نگاہوں نے کام کیا ہے۔

مخالفین سے مقابلہ کے مراحل رہے ہوں یا دارالعلوم کی تعمیر وتاسیس کے لئے زمین کے حصول کا مسئلہ۔ دارالعلوم قائم ہوجانے کے بعد مخالفین ومعاندین سے نبرد آزمائی کے محاذ رہے ہوں یا مدرسین ومعاونین کی تعیناتی وتقرری کے مراحل یا اہل شہر کو ادارہ کی جانب متوجہ کرنے اور ان کے قلوب کو دارالعلوم کے کام پر لگانے کا عمل، حافظ ملت علیہ الرحمہ کا التفات ہمہ وقت سایۂ ہمایونی بن کر، عنایت گستر دکھائی دیتا ہے۔ حافظ ملت ہر دور میں دین کی خیر خواہی کے پیش نظر جمشید پور پر خصوصی توجہ فرماتے تھے۔ حضرت علامہ صاحب کی کسی بات سے اگر مدرسین ومعاونین شہر میں سے کوئی ناراض بھی ہوتا تو حافظ ملت حالات کو معتدل بنا کر دینی مشن کو جاری رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے۔

آیئے تاریخ کے اوراق الٹ کر دیکھئے دارالعلوم فیض العلوم کے لئے زمین کے حصول کا مسئلہ سامنے ہے۔ جہاں تک دنیاوی مساعی کا معاملہ ہے تمام جتن کئے جاچکے ہیں۔ مگر زمین کا حصول نہیں ہوسکا۔ اب مرحلہ حافظ ملت علیہ الرحمہ کے پاس پہونچا کہ حضور اب آپ ہی کوئی روحانی وسیلہ لگائیں کہ فیض العلوم کے لئے زمین حاصل ہوجائے چنانچہ حافظ ملت نے کرم فرمایا اور زمین نہ صرف مل گئی بلکہ آج اس پر تعمیر شدہ دارالعلوم کا پچاس سالہ جشن منانے کی تیاریاں ہورہی ہیں، حافظ ملت کا اس سلسلہ کا مکتوب گرامی ایک عظیم تاریخی دستاویز ہے۔ اور دنیا بھر میں حافظ ملت کے خوان نعمت سے ریزہ چینی کرنے والوں کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ بھی۔

محب مکرم پیکر اخلاص سلمکم المولیٰ تعالیٰ

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ

دعوات وافرہ مع کاثرہ محبت نامہ صادر ہوا حالات معلوم ہوکر بیحد افسوس ہوا دعا ہے مولیٰ تعالیٰ اپنا فضل وکرم فرمائے اور اس دینی مقصد میں کامیابی دے اور اپنی زمین کا ایک حصہ مدرسہ فیض العلوم کو دیدے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صدقہ وطفیل میں دیدے اپنے دین کی خدمت کے لئے دیدے آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین آج ہی ختم آیت کریمہ کا قصد تھا لیکن یہاں بھی سخت ترین الجھنیں ہیں جس کی وجہ سے آج یہ کام نہ ہوسکا کل انشاء المولیٰ القدیر ضرور ہوگا اور بھی جو جو تدبیر ہوسکے گی عمل میں آئیگی آپ کے لئے ایک تعویذ روانہ ہے ٹوپی

کے اندر ایسی جگہ سی لیں جو سر کے اگلے حصہ پر رہے۔ یہی ٹوپی استعمال کی جائے خصوصاً جبکہ مقصد کے لئے کوشش کرنا ہو اشرفی خاندان کا ایک بہت ہی مجرب عمل ہے اور ایسے ہی سخت پریشانی کے وقت کے لئے ہے اس کو آپ ضرور کردیں وہ یہ ہے کہ اول دو رکعت نفل پڑھیں اسکے بعد ایک ہزار مرتبہ یہ دعاء پڑھیں اللھم یا لطیف ادر کنی بلطفك الخفی انا محتاج ذلیل وانت قوی غنی برحمتك یا ارحم الراحمین اول وآخر درود شریف گیارہ گیارہ بار صرف تین روز پڑھیں انشاء اللہ المولیٰ القدیر تین ہی دن میں مقصد وری ہوگی۔ دھنباد، گیا سے حضرت مولانا فیض الھدیٰ صاحب بھی تشریف لائے تھے موصوف دھنباد ٹھہر گئے میں چلا آیا۔ جمشید پور کا ارادہ رکھتے تھے میں نے تاکید کردی تھی کہ جلد ہی تشریف لے جائیں امید ہے کہ پہنچے ہونگے آں موصوف بھی مخلصانہ ہمدردی رکھتے ہیں۔ انشاء المولیٰ تعالیٰ ان کی توجہ کارآمد ہوگی۔ مولانا کو سلام مسنون، احباب کو سلام مسنون والدعا حالات سے باخبر کرتے رہیں۔ فقط۔ عبدالعزیز غفرلہٗ

۱۵ ربیع الثانی ۷۳ھ

علامہ ارشد القادری کو اپنے استاذ گرامی، معمار قوم وملت حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اور اپنے مادر علمی سے بیحد محبت ہے سرکار حافظ ملت علیہ الرحمہ بھی علامہ صاحب کو بیحد پیار فرماتے تھے۔ اپنی مخصوص دعاؤں میں ان کے لئے گریہ وزاری کرتے تھے اور ان کے دینی کاموں کی قدر کرتے تھے۔

سرکار حافظ ملت فرمایا کرتے تھے کہ اگر علامہ ارشد جیسے میرے تین شاگرد اور ہوتے تو ہندوستان پر میری حکومت ہوتی کسی موقع پر فرمایا "اگر میرے پاس وسعت ہوتی تو اپنے ارشد کو سونے سے تول کر خیرات کر دیتا۔"

ادھر علامہ ارشد صاحب کا یہ حال تھا کہ حضور حافظ ملت کی رضا جوئی کے لئے موقع تلاش کرتے رہتے۔ اور اپنے مرکز علمی الجامعۃ الاشرفیہ سے نہیں بلکہ مبارکپور کے بچے بچے سے انہیں بیحد محبت تھی اہل مبارک پور بھی ان کے دور طالبعلمی سے لیکر آج تک انہیں اپنا پروردہ لاڈلا عالم خیال کرتے ہیں۔

حضور حافظ ملت کے تعلق خاطر کا یہ عالم تھا کہ بہت سے کام محض علامہ کی خوشی کے لئے کرتے تھے۔ علامہ صاحب اگر کبھی علیل ہوتے تو حافظ ملت بیقرار و بےچین ہوجاتے۔ اور علامہ صاحب کے لئے خود بھی دعا فرماتے اور آیۂ کریمہ کا ختم کراتے۔ جامع مسجد راجہ مبارک شاہ کے جمعہ کے اجتماع میں جو کہ ہزاروں مصلیوں پر مشتمل ہوتا دعا کراتے۔ شفاء کے لئے مخصوص تعویذات بھیجتے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ کا مکتوب گرامی بنام علامہ ارشد القادری صاحب محررہ کیم ذو الحجہ ۸۲ھ کا مطالعہ فرمائیں جو حالت سفر میں اترولہ گونڈہ سے مرسل ہوا ہے۔

محب محترم ذوالمجد والکرم علامہ اشد القادری صاحب

زید مجدہٗ وافرہ محکا ثرہ متزائدہ وسلام مسنون

عزیز مکرم مولوی ثناء المصطفیٰ صاحب کے خط سے آپ کی علالت معلوم ہوکر بیحد صدمہ ہوا مولائے کریم شفاء کامل عاجل عطا فرمائے، تندرست کردے، قوت دے اور توانائی بخشے، پنجشنبہ کو دارالعلوم اشرفیہ میں آیۂ کریمہ کے ختم کے بعد آپ کی صحت کیلئے دعا کی گئی کل جامع مسجد اترولہ میں قبل خطبہ تمام مصلیان مسجد نے آپکی صحت وسلامتی کے لئے دعا کی، جلسہ میں بھی دعا کی گئی مولائے قدیر قبول فرمائے اور آپ کو جلد از جلد صحت کامل عطا فرمائے، عمر میں برکتیں عطا فرمائے، دینی خدمات کا دیر تک موقع عطا فرمائے آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔ تعویذ پینے کیلئے روانہ کرتا ہوں تین مسلسل تین دن کے لئے اور چار چالیس روز پانی میں پینے کے لئے تین روز تک استعمال کا طریقہ یہ ہے کہ نماز فجر کے بعد باوضو ایک تعویذ کو آب زمزم شریف میں حل کیا جائے اور قدرے پانی بڑھا کر پی لیا جائے تین روز کے بعد ایک تعویذ پانی میں دس روز تک استعمال کیا جائے، قدرے آب

زمزم بھی پانی میں شامل کردیا جائے اسطرح چار چالیس روز استعمال کریں انشاء المولیٰ القدیر صحت ہوگی، خیریت سے مطلع کریں احباب کوسلام، بچوں کودعا وپیار، اترولہ جلسے میں آیا ہوں یہیں سے یہ خط لکھا ہے۔عزیز مکرم مولوی ثناء المصطفےٰ صاحب سلمہ کوسلام مسنون والدعا۔

عبدالعزیز عفی عنہ

یکم ذی الحجہ ۸۲ھ

مناظر سازی

دنیائے سنیت میں یہ بات محتاج تعارف نہیں کہ علامہ ارشد القادری صاحب کو رب کائنات نے اور بہت سی خوبیوں کے ساتھ مناظرانہ صلاحیتوں سے بھی نوازا ہے۔ یہ فن بھی انہوں نے حضور حافظ ملت ہی سے سیکھا حضرت کی زندگی میں میدان عمل میں قدم رکھنے کے بعد جب کبھی میدان مناظرہ آراستہ ہوتا علامہ اپنے استاذ گرامی سے حصول فیض کرتے۔ جمشید پور کی سرزمین بھی وہابیت و دیوبندیت کے شکنجے میں تھی علامہ موصوف نے اسے اپنی مناظرانہ قوت سے فتح کیا۔اسی طرح اطراف ہند میں متعدد مقامات پر آپ نے وہابیت و دیوبندیت کے مناظر پہلوانوں کو شکست فاش دی اس موضوع پر مضمون لکھنے والے علماء اس کی تفصیل پیش کریں گے میں یہاں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اس باب میں اپنے اس تلمیذ ارشد کی کسی طرح رہنمائی فرمایا کرتے تھے۔ علامہ کے ایک مناظرانہ خط کے جواب میں حافظ ملت نے انہیں جو ہدایت نامہ تحریر فرمایا ہے اس کے مطالعہ سے قارئین کرام پر واضح ہوجائے گا کہ حافظ ملت صرف اشاروں اشاروں میں مناظرہ کے اہم نکات اپنے تلامذہ کو کس طرح سمجھاتے ہیں اور علامہ جیسا ذہین و فطین شخص انہیں اپنا کر کس طرح عظیم الشان مناظر اسلام بن جاتا ہے

محب محترم ارشد العلوم زیدت مدارجہ

ادعیہ وافرہ متکاثرہ وسلام ومسنون!

مکتوب گرامی موصول ہوا۔ فی نفسہ یہ تحریر واقعی خفت مٹانے ہی کے تحت ہے اور آپ کا جواب معہ سوالات کے اسکی دہن دوزی ہے، بہت معقول سوالات ہیں بلاشبہ انہیں سے بحث ہونا چاہئے عقائد بنیاد ہیں اعمال فرع لہذا پہلے عقائد ہی زیر بحث لانے چاہئیں۔ بعدہٗ میلاد شریف قیام میلاد فاتحہ عرس وغیرہ سب مسائل پر سیر حاصل بحث ہوگی۔ نیز مناظرہ میں یہ شرط بھی ضروری ہے کہ ہر مناظر اپنے جواب کو پہلے قلمبند کرکے ایک کاپی اپنے مقابل کو دے ایک اپنے پاس رکھے جس کو پڑھ کر مجمع کو سنا دے یہ تحریر اس لئے ضروری ہے کہ بعد میں انکار کی گنجائش نہ رہے ہر تحریر پر دستخط بھی لیا جائے۔تقویۃ الایمان صراط مستقیم وغیرہ کی کفریہ عبارتیں زیر بحث لائی جائیں بعد کے غیر مقلدین کی کتابیں جیسے ثناء اللہ امرتسری کا فتاویٰ ثنائیہ تفسیر ثنائی وغیرہ میں بہت مواد ہے مگر یہاں غیر مقلدین کی کتابیں نہیں ہیں یہ اصولی چیز ہے مخالف کے مذہب سے باخبر ہونا ضروری ہے تاکہ اس کے نقائص و کمزوریاں ظاہر کرسکے۔ میرے تجربہ میں سب سے زیادہ مفید ان کی تجہیل ہے حدیث کی اصلاحات پر نظر ہو اصول فقہ کو سامنے رکھتے ہوئے حدیث ہی میں انکی خوب تجہیل ہوسکتی ہے آپ کے سوالات میں ان سب کی طرف اشارہ ہے انشاء المولیٰ القدیر آپ کامیاب ہوں گے آپ غالب ہوں گے آپ مظفر ومنصور ہوں گے میں دعا کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا آپ تو کلا علیہ بزرگوں کے فیوض و برکات کی امید رکھیں کامیابی کا سہرہ آپ کے سر ہے حالات سے مطلع کرتے رہیں والدعا

عبدالعزیز

۲۳ رذیقعدہ ۱۳۸۰ھ

علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ فن مناظرہ میں نے حافظ ملت کی تصنیف العذاب الشدید درد مقامع الحدید سے سیکھا۔

آپ بغیر سفر بے لطف

جناب حاجی عبد الباری صاحب علامہ کے مخلص معاونین میں سے ہیں۔انہوں نے حافظ ملت علیہ الرحمہ کی خدمت میں اجمیر مقدس دربار خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کی حاضری علامہ ارشد القادری صاحب اور حافظ ملت کے ساتھ پروگرام بنایا۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ نے باوجود اپنی گوناگوں مصروفیات کے علامہ صاحب کی معیت کے خیال سے حاجی صاحب کی دعوت قبول فرمالی........ مگر وقت سفر آنے سے قبل ہی علامہ صاحب بیمار ہوگئے۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ نے علامہ صاحب کی علالت کا حال سنا تو بہت بے چین ہوئے پہلے تو ان کو ان کے علاج کی جانب توجہ دلائی۔ پینے کے تعویذات ارسال فرمائے۔

----

۷ نومبر ۶۴ء کے مکتوب گرامی میں حافظ ملت علیہ الرحمہ کی علامہ صاحب سے قلبی محبت کی کیفیت عیاں ہے۔ لکھتے ہیں۔

”حاجی عبد الباری صاحب نے مجھے آپ کی معیت میں سلطان الہند خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے دربار کی حاضری کی دعوت دی جس کو میں نے محض آپ کی وجہ سے منظور کیا تھا۔ یہاں طلبہ نے آپ کو جلسہ میں مدعو کیا۔ عزیزی مولوی ترنم صاحب کو آپ کے لینے کے لئے ”گیا“ بھیجا وہاں یہ پلان بنا کہ آپ کی ہمرکابی میں احباب کا پورا قافلہ مبارکپور آئے اور یہاں سے ہم سب اجمیر شریف چلیں۔ مگر آپ کی علالت سے یہ سارا پلان فیل ہوگیا۔ اب میں نہایت پریشان ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ فوراً ہی آپ سے ملاقات کروں مگر اب بھی حاجی عبد الباری صاحب کا یہی اصرار ہے کہ میں اجمیر شریف حاضری دوں حالانکہ اب یہ سفر بے لطف ہوگیا۔

بہر حال دربار خواجہ میں ہم سب لوگ آپ کی صحت کی درخواست لے کر جا رہے ہیں“

(مکتوب بنام عزیزی علامہ ارشد القادری)

رہائی پر بیحد خوش

علامہ ارشد القادری صاحب کو جمشید پور فساد کے زمانے میں اور متعدد مواقع پر حکومت نے نظر بند کر کے جیل بھیج دیا تھا اس دور میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی بیقراری اور بےچینی دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ حافظ ملّت علیہ الرحمہ ہر اہم موقع پر خود بھی ان کی باعزت رہائی کے لئے دعائیں فرماتے تھے اور مسلمانوں سے دعائیں کرواتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ علامہ صاحب جب اپنی پہلی بار کی نظر بندی سے رہا ہوئے تو مبارکپور دار العلوم اشرفیہ میں تار موصول ہوا۔ حافظ ملت علیہ الرحمہ کے حکم پر فوراً فارسی خانہ کے ہال میں تمام مدرسین وطلبہ اور قصبہ کے مخصوص اراکین اشرفیہ کا جلسہ ہوا جس میں حافظ ملت علیہ الرحمہ نے علامہ صاحب کی رہائی پر اپنی قلبی مسرت کا اظہار فرمایا۔ اور انکی خوبیوں کو سراہا اور سب لوگوں نے مل کر ان کے لئے دعائیں کیں جس کا ذکر مکتوبات عزیزی میں اس طرح ہے۔

محب محترم ذوالمجد والکرم علامہ ارشد القادری صاحب سلمکم المولیٰ تعالیٰ

دعوات وافرہ سلام مسنون!

آج آپ کی رہائی کا تار پا کر دل باغ باغ ہوا سارا رنج وغم مسرت و شادمانی سے تبدیل ہوگیا خدائے قدوس کا ہزار ہا ہزار شکر واحسان کہ اس نے اپنا خاص فضل فرمایا اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صدقہ میں آپ کو بری کیا فلہ الحمد والمنہ مبارکباد۔

آج دار العلوم اشرفیہ میں جلسۂ تہنیت منعقد ہوا مدرسین وطلبہ کا شاندار اجتماع تھا جس میں آپ کی دینی خدمات کو سراہا گیا آپ کی صحت وعافیت کے لئے دعائیں کی گئیں مولائے قدیر آپ کو ہمیشہ اپنی حفاظت وحمایت کے ظل کرم میں پناہ گزیں فرمائے۔ آمین، بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔ فیض العلوم کے تمام مدرسین واراکین وطلبہ ومسلمانان جمشید پور کو مبارکباد۔

دار العلوم اشرفیہ مدرسین وطلبہ واراکین مسلمانان مبارکپور کے طرف

سے ہدیہ تہنیت و مبارکباد و سلام مسنون والدعا

عبدالعزیز عفی عنہ
۲۲ جمادالثانی ۸۳ھ

حافظ ملت علیہ الرحمہ علامہ ارشد القادری صاحب کی گونا گوں خوبیوں کے باعث نہ صرف ان سے بے حد پیار کرتے تھے بلکہ ان کے اہل خانہ اور بال بچوں کو بھی خصوصی نگاہ کرم میں رکھتے تھے۔ علامہ صاحب جن دنوں برطانیہ میں مقیم تھے۔ حافظ ملت جمشید پور کی متعینہ سالانہ دعوتوں میں ضرور پہونچتے تھے اور ان کے اہل خانہ اور بچوں کے حالات کی نگہداشت فرماتے تھے۔ علامہ صاحب اور ان کے گھر والوں پر بھی اگر کبھی کوئی دشواری آتی تو وہ حافظ ملت ہی کی دہلیز پر دستک دیتے۔ اور حافظ ملت مبارکپور سے ان کی دستگیری فرماتے۔

علامہ ارشد القادری صاحب نے اپنی صاحبزادی کی کسی پریشانی کا تذکرہ بذریعہ خط حافظ ملت کے حضور کیا۔ جس کے جواب میں ۲۸ فروری ۱۹۷۶ء کو رقم طراز ہیں۔

محب محترم صاحب الفضل والکرم حضرت علامہ ارشد القادری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ مزاج شریف!

آپ کا خط ملا نور چشمی کے لئے تعویذ روانہ ہے چاندی کے خول میں مضبوط بند کر کے تیار رکھیں تعویذ پہننے سے پہلے یہ صدقہ ضرور دیں سوا سیر آٹا یا چاول مریضہ کے اوپر تین بار پھرا کر کسی بہت غریب مسلمان کو بہ نیت صدقہ دیں اس کے بعد تعویذ گلے میں پہنے پھر گلے سے کبھی بھی اتارا نہ جائے اس کی ترکیب یہ ہے کہ ڈورا چھوٹا رہے تا کہ بے خیالی میں بھی نکل نہ سکے انشاء اللہ تعویذ پہنتے ہی صحت ہو جائے گی پینے کا تعویذ بھی استعمال کرائیں تین تعویذ بترکیب خاص تین روز تک، ترکیب یہ ہے کہ بعد نماز فجر ایک تعویذ پانی میں ایسا حل کیا جائے کہ کاغذ بھی اس میں گھل جائے اس میں قدرے آب زمزم ملا کر پلا دیا جائے انشاء اللہ تعالیٰ کامل صحت ہوگی آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین

(مکتوبات عزیزی)

تم گلے مل گئے گلا نہ رہا

کسی کے پیار اور شفقت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اس کے ہر روا و ناروا عمل کے باوجود اس کی حمایت کی جاتی رہے۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ اصول دیانت کے امین تھے اس کے تحت وہ علامہ ارشد القادری صاحب کی ان کی بعض کوتاہیوں پر گرفت بھی فرماتے تھے جو بالیقین ان کی کمال شفقت اور غایت درجہ محبت کی علامت، ایک بار ایسی ہی کسی بات نے علامہ صاحب کو اس غلط فہمی میں مبتلا کروایا کہ حافظ ملت ان سے بیحد ناراض ہیں۔ اور ان کا رضا مند ہونا چنداں آسان نہیں۔ احباب و معاصر علماء کو معلوم ہوا تو انہوں نے درمیان میں پڑ کر رفع شبہات کی مساعی کیں۔ اس سلسلہ میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے مکتوب گرامی میں خطیب مشرق حضرت علامہ مشتاق احمد نظامی بانی دارالعلوم غریب نواز الہ آباد اور مولانا عبدالشکور اعظمی میرے خال مکرم سابق خطیب جامع مسجد جکسلائی جمشید پور کے نام ملتے ہیں ان علماء کرام نے حافظ ملت کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اور علامہ صاحب سے مل کر کوششیں کیں اس کے فوراً بعد حافظ ملت علیہ الرحمہ علامہ صاحب کی خدمت میں مکتوب تحریر فرماتے ہیں۔

۸۶ء

محب محترم وذوالمجد والکرم علامہ ارشد القادری صاحب سلمکم المولیٰ!

دعاء خیر و سلام مسنون!

عزیز محترم مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی نے آج بنارس میں آپ کی مخلصانہ محبت کی بڑی پورزور ترجمانی کی عزیز مکرم مولانا عبدالشکور صاحب سلمہ نے بھی مبارکپور میں بہت زوردار طریقہ پر حالات کا انکشاف کیا تھا مجھے آپ سے صرف یہی شکایت تھی کہ آپ نے مخالفین کو بار بار موقع دیا آپ جیسے دانشمند ایک سوراخ سے دوبار ڈسا جائے

نہایت افسوس ہے، آج مولانا مشتاق احمد صاحب نے فرمایا کہ ہم نے دربار خواجہ میں عہد و پیماں لیا ہے کہ آئندہ مخالفین کو ہرگز ایسا موقع نہ دیا جائیگا اور آپ ارشد صاحب کی طرف سے مطمئن رہیں اس لئے میں سب کچھ بھول جاتا ہوں اب کوئی بات نہیں مگر آپ اس پر ضرور قائم رہیں میں آپ کا مخلص دعا گو ہوں دعا کرتا ہوں خداوند کریم آپ کو بصحت وسلامتی اپنی حفاظت وحمایت میں رکھے باعزت وباوقار رکھے دین متین کی ممتاز ونمایاں خدمت انجام دلائے آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین والدعا والسلام

عبدالعزیز عفی عنہ۔

۷ شعبان ۱۳۸۰ھ

اس موضوع پر علامہ مشتاق احمد نظامی علیہ الرحمہ نے علامہ صاحب کی خدمت میں جو خط لکھا اسکے چند جملے بھی یہاں نقل کر دینا خالی از فائدہ نہ ہوگا

''برادر مخلص سلام مسنون!

آج بنارس بسلسلۂ تقریر آیا۔ مدرسہ فاروقیہ کا اجلاس ہے حضرت (حافظ ملت) بھی تشریف لائے ہیں تفصیلی گفتگو رہی۔ صدمہ حضرت کو ضرور تھا۔ اور یہ ان کی بے پناہ محبت کا تقاضا ہے آپ سے جس قدر حضرت کو وابستگی ہے مجھ سے کہیں زیادہ آپکو احساس ہے....... بہر حال اب ان کے دل میں کوئی ملال نہیں ہے۔ میں نے بار بار کہلوالیا۔ اب اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ بواپسی ڈاک حضرت کو خط لکھیں، دو چار خط و کتابت میں وہی رنگ آجائے گا۔

ان کا تو یہ حال ہے کہ تمہارا نام سنکر سر دھنتے ہیں، فرمانے لگے میں اکثر کہتا ہوں کہ اگر میرے پاس دولت ہوتی تو ہر سال ارشد کو سونے میں تولتا، میرے پیارے اس سے زیادہ اب اور کیا چاہتے ہو؟

نظامی، ۲۵ رجنوری ۶۱ء

غلط فہمیوں کا وہ مختصر سا وقت یقیناً استاذ و شاگرد دونوں کے لئے کتنا روح فرسا رہا ہوگا اس کا اندازہ لگانا آسان نہیں مگر جب صفائی ہوئی تو علامہ نے حافظ ملت کے قدموں میں سر رکھ کر ساری تلافی مافات کر دی۔ اور حافظ ملت نے انہیں گلے سے لگالیا۔

تم گلے مل گئے گلہ نہ رہا دل کا اب کوئی مدعا نہ رہا

الجامعۃ الاشرفیہ تحریک اور حافظ ملت کے تمام اسلامی منصوبوں میں علامہ ارشد القادری کلیدی مقام رکھتے ہیں۔ حافظ ملت کو ان پر اور ان کی گوناگوں صلاحیتوں پر بیحد اعتماد تھا۔ چنانچہ یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ دارالعلوم اشرفیہ کو الجامعۃ الاشرفیہ کی منزل تک پہونچانے کے تمام مراحل میں علامہ ارشد القادری حافظ ملت علیہ الرحمہ کے ساتھ قدم بہ قدم نظر آتے ہیں۔

اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور نیز حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے دینی اسلامی روحانی مشن کو آج بھی جب ضرورت پیش آتی ہے علامہ ارشد القادری پیش پیش رہتے ہیں۔

علامہ ارشد القادری اور حضور حافظ ملت کا موضوع نہایت وسیع اور دلچسپ ہے۔ اس کے متعدد گوشے ہیں جن پر مفصل لکھا جاسکتا ہے۔ فی الوقت راقم الحروم اتنے ہی پر قناعت کرتا ہے۔ اور آرزو رکھتا ہے کہ ہمارے اکابر کی زندگیوں کے تمام تاباں تاباں نقوش خدا کرے جلد جلد منظر عام پر آئیں اور دنیا اس سے فائدہ اٹھائے۔

مولاناغلام جابر شمس مصباحی
صدر شعبۂ فقہ حنفی، مرکز الثقافۃ السنیہ (کالیکٹ، کیرالہ)

علامہ ارشد القادری
اپنے مکاتیب کے آئینے میں

علم وادب اور فکر ونظر کی تجسیم کا نام ہے علامہ ارشد القادری۔ حضرت علامہ کی آبشار جیسی پر شور شخصیت کے کئی سدا بہار پہلو ہیں۔ علامہ پیدا ہوئے بلیا میں، پرورش پائی اپنے والدین کی گود میں اور علمی نشو نما ہوئی ''باغ فردوس'' میں۔ ''باغ فردوس'' کے بانی تھے حافظ ملت۔ حافظ ملت شخصیت ساز اور شیشہ گر تھے۔ اس شخصیت ساز کے ہنر مند ہاتھوں سے حضرت علامہ کی سیرت سنواری اور شخصیت نکھاری گئی۔ سنور گئے، نکھر گئے اور علوم اسلامیہ کے فاضل کہہ لائے۔ ناگپور پہونچے۔ مسند تدریس بچھائی۔ نوعمری کا دور، نشاط انگیز بہاریں، اس نوخیز دور تدریس کی حسین یادگار تھے مفتی جلال الدین امجدی کہ انہیں ان پر ناز تھا۔ بس یہی ایک مثال کافی ہے ان کے کشور تدریس کے شہر یار ہونے کی۔

۱۹۸۵ء کے بعد میرے دوران تعلیم وہ مبارک پور آئے۔ درجہ رابعہ کے لڑکوں کو بلایا۔ شرح جامی سے بحث حاصل محصول سمیت چند سوالات پوچھے۔ نتیجتاً طلبہ حیران تھے کہ شرح جامی کی دماغی نسیں چوسنے والی یہ بحثیں انھیں کیونکر ابتک یاد ہیں۔

حضرت علامہ کی زندگی قوس وقزح کی طرح از افق تا افق پھیلی ہوئی ہے۔ بلکہ مابعد میں تو وہ ایک عمودی نور اور شفق مستطیل بنکر مشرق ومغرب کے مطلع پر چھاگئے ہیں۔ ناگپور سے چلے، جمشید پور جاکر پڑاؤ ڈالا، دماغ نے سوچا، زبان نے آواز لگائی، لوگوں کی بھیڑ اکٹھی ہوگئی۔ اور تآل سے بے معلوم ہوکر ''فیض العلوم'' کی خشت اول کو سپرد زمین کردیا گیا۔ پھر فیاض درسگاہ سے علماء کی کھیپیں اور حفاظ وقراء کی ٹیمیں نکلیں۔ جو انسانی آبادیوں میں گھس گھس کر نور علم تقسیم کرنے لگیں۔ اسی ''فیض العلوم' کے بافیض بانی نے بعد میں روئے زمین پر سیکڑوں مدارس کا جال بچھادیا۔ حتی کہ شرق بعید شرق اوسط سے اٹھا۔ بحر الکاہل عبور کیا۔ انگلینڈ جاکر عیسائی عبادت گاہ ''چرچ'' خریدا۔ اور مدرسہ اسلامی کا پرچم اس ''چرچ' کی پیشانی پر نصب کردیا۔

قیام مدارس حضرت علامہ کی اولین ترجیحات میں سے تھا۔ مشرقی ہندوستان کا مرکزی شہر ''گوہاٹی'' اور اس کے جوانب میں لوگ سنی تھے۔ مگر قیادت مولانا اسعد مدنی کی تھی۔ علامہ کا سر ٹھنکا۔ تعاقب میں وہاں کا دورہ کیا۔ شخصیت کی سحر کاری نے، جادو اثر زبان کی تاثیر نے اور حقیقی اسلام کی کشش نے اہالیان شہر کو کھینچ کر علامہ کے اردگرد جمع کردیا، اور حضرت علامہ انسانوں کے ہالوں میں ماہ خیر و برکت ثابت ہوئے۔ ''ہاتھی گاؤں'' پہاڑ کی بلندی پر آسودۂ خاک ہیں۔ خدا کے ایک دوست اور درویش، حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔ حضرت علامہ نے اسی پہاڑ کی چوٹی پر اسی کرمنواز بزرگ کے نام سے ''دارالعلوم مخدومیہ'' قائم کردیا۔ جو مسلمانوں کے ایمان واعتقاد کی حفاظت کے لئے بنیان مرصوص ثابت ہوا۔ ایک بار میں گوہاٹی گیا، تو

مجھے یہ احوال معلوم ہوئے۔ اور علامہ کی خدمات سے میری آنکھیں اشک مسرت سے بھر گئیں۔ اس وقت دار العلوم کے سربراہ و صدر مدرس تھے مفکر اسلام مفتی محمد ایوب مظہر پورنوی۔

اسی ''فیض العلوم'' کی فیض بخش فضاؤں میں حضرت علامہ کا مرغ فکر پھڑ پھڑانے لگا اور تحریر کا طائرا چھلنے لگا جس کے نتیجے میں ''جام کوثر'' اور جام نور'' جیسے باوقار جرائد کا اجرا ہوا۔ جو پامال و بے جان سی صحافت کو صحت مند صحافت کی صف میں لا کھڑا کیا۔ مذہبی فکریں اور ادبی قدریں نئی نئی شاہراۂ حیات سے آشنا ہوئیں۔ اسلامی تعلیم گاہ کے پروردہ نے ایسا باغ و بہار ادبیانہ اسلوب اپنایا کہ ادب پاروں کے تخلیق کار بھی آفریں، آفریں کہنے پر مجبور ہو گئے۔ جبکہ مذہبی اقدار کے ٹھیکیداروں کو لکھ کر یہ اعلان کرنا پڑا کہ ان کتابوں، جنکی عبارتیں متنازعہ فیھا ہیں، کو چوراہے پر رکھ کر جلا دینے سے ہی گلوخلاصی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ علامہ کے قلم کی جوئے خاراشگاف نے کھر وندوں کی طرح ان کی دلائل ومباحث کو بہا دیا تھا۔

اور کسی بھی مناظرہ گاہ میں اپنے حریف کو تنکے کی طرح اڑا دیا ہے۔ یہ تمہیدا انکی کتاب حیات کے اولین باب کا کارنامہ بھی نہیں، اس سے میری غرض محض اتنی ہے کہ جس شخص کا دائرۂ کار اتنا پھیلا ہوا ہو تو انہیں ان فتوحات کے حاصل کرنے اور مہمات کو سر کرنے میں جہاں زبان وقلم کا سہارا لینا پڑا ہے۔ وہیں خط وکتابت کو بھی ذریعہ ابلاغ بنایا ہے۔ کسی انسان کی شخصیت کو پرکھنا ہو، اس کی جلوت وخلوت کو جانچنا ہو، فکر و خیال دیکھنا ہو، مسلک وعقیدہ کا پتہ لگانا ہو، علم وفن کی گہرائیاں، ادب وتمدن کی جلوہ طرازیاں تحریر وقلم کی بزم آرائیاں، اور سوچوں کی بلندیاں معلوم کرنی ہوں تو آپ اس کے خطوط پڑھئے اس کے آئینۂ خطوط میں جھانک کر دیکھئے آپ کو سب خشک وتر اور سیاہ وسفید نظر آجائیں گے۔ وہ تمام کچھ دیکھ لیں گے۔ جن تک خورد بینوں اور دور بینوں کی رسائی بھی ناممکن ہے۔

اس لیے کہ مکتوب ہی ایک ایسا کیمرہ ہے جو نہ صرف یہ کہ مختلف رنگوں اور جلوتوں کی تصویریں پیش کرتا بلکہ وہ تو بند کمروں کی سرگوشیوں اور سرسراہٹوں، خلوت گاہوں کی خلابازیوں اور تصور وتخیل کی اڑانوں تک کا عکس اتار کر رکھ دیتا ہے۔ آگے آرہی سطروں میں اسی رخ سے علامہ ارشد القادری کے خطوط کا جائزہ لیا گیا ہے۔

ہماری جماعت میں جو انتشار ہے، افراتفری اور اتھل پتھل ہے، چیختے تقاضوں سے گریز ہے۔ قومی مسائل اور ملی ضرورتوں سے چشم پوشی ہے۔ اسی سے علامہ کا دل کراہ رہا ہے، ان کی آنکھیں سوسو آنسوں بہارہی ہیں کیونکہ جماعتی درد وکرب سے ان کا دل لبریز ہے افتاد طبع کے اعتبار سے وہ حساس واقع ہوئے ہیں۔ احساس مسئولیت رکھتے ہیں۔ وقت کی ایک عظیم ترین شخصیت تاج الشریعہ حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری صاحب مدظلہ العالی کو اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''آپ سے ملاقات کو ایک عرصہ ہو گیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کے درمیان جماعت کی مشترک ضرورتوں کے تحت اتفاق سے اسٹیج پر ملاقات ہو بھی گئی تو بات علیک سلیک اور مزاج پرسی سے آگے نہیں بڑھ سکی''

جو انسان اپنی جماعت کا ذمہ دار ہو ان کے فرائض کیا ہیں ذمہ داریاں کیا ہیں۔ ماتحت افراد کے حقوق کیا ہیں۔ اس تعلق سے مکتوب کے اگلے پیراگراف میں لکھتے ہیں:

''آپ گہرائی میں اتر کر سوچئے کہ دس بارہ کروڑ افراد کی جماعت جن لوگوں کی سربراہی میں ملک کے اندر سواد اعظم کی حیثیت رکھتی ہو اسے باعزت طور پر زندہ رکھنے کے لئے اس جماعت کے سربراہوں پر جلسہ اور پیری مریدی سے آگے بھی کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے یا نہیں؟

اسی مکتوب کے ایک اور اقتباس میں ایک گونہ جرأت سے رقم

طراز ہیں:

''آدمی تنہا ہو تو ایک ذات کا کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن جن لوگوں کے ساتھ لاکھوں اور کروڑوں کا قافلہ ہو، انہیں اپنے قافلہ کو زندہ رکھنے کیلئے کتنے مسائل کا سامنا کرنا پڑیگا۔ یہ بات کسی دانشور سے مخفی نہیں ہے لیکن میں کھلی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ بریلی سے لیکر کچھوچھہ تک جبل پور سے لیکر مبارک پور اور ممبئی تک اہل سنت کے سارے علماء اور مشائخ (الا ماشاء اللہ) صرف جلسہ اور جلوس اور پیری مریدی کے اسیر ہوکر رہ گئے ہیں۔ کوئی بھی اس رخ پر نہیں سوچ رہا ہے کہ ہمارے داخلی اور خارجی مسائل کیا ہیں۔ طاقتور دشمنوں کے بیچ میں ہماری مسجدیں، ہمارے مدرسے اور ہماری درسگاہیں کیونکر محفوظ رہیں گی؟'' (قلمی مکتوب)

خطیب مشرق علامہ مشتاق احمد نظامی ''آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ' کے جنرل سکریٹری تھے اور اور مولانا اسرارالحق مرحوم ایم۔پی صدر اعلیٰ جبکہ علامہ ارشد القادری محض ناظم نشرو اشاعت تھے۔ حضرت علامہ نظامی جن کا ضمیر علم و اخلاص اور حرکت و عمل سے گوندھا گیا تھا، اور جنکی پہلو دار شخصیت بالیقین کاموں کی مشین تھی، اپنی کثرت کار مسلسل تقریری دوروں اور گوناگوں مصروفیتوں کی وجہ سے ''متحدہ محاذ'' کو کبھی کبھی زیادہ وقت نہیں دے پاتے تھے تو حضرت علامہ انہیں ان کے منصب سے آگاہ کرتے۔ ۲۸ر نومبر ۱۹۸۶ کا یہ محررہ مکتوب جہاں منصبی ذمہ داری کا احساس دلاتا ہے وہیں ادب عالیہ کا اعلیٰ ترین نمونہ بھی ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

زحمت نہ ہو تو اپنی شہرت و برتری کے عرش سے کبھی نیچے اتریئے تا کہ ہم خاکساران گوشۂ گم نامی آپ سے کچھ بات کرسکیں۔ خوشگوار لب و لہجہ میں جناب سے التماس کررہا ہوں کہ ''مسلم متحدہ محاذ'' جو ہماری ہمت و عزم کا آخری پیمان ہے۔ اس کی طرف آپ کی غفلت و سرد مہری اب نا قابل برداشت ہوتی جارہی ہے۔ یا تو اول قدم پر آپ کو حق رفاقت کی ادائیگی سے اپنی دست برداری کا اعلان کردینا چاہیئے تھا۔ یا اب آپ بیچ منجدھار میں چھوڑ کر ساحل کا لطف اٹھا رہے ہیں۔ حریفوں کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کرنا مرگ ننگ سے کم نہیں ہے میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہو کہ آپ کی صلاحیتوں سے ہماری جو توقعات وابستہ تھیں، انہیں آپ نے انتہائی بے دردی کے ساتھ کچل دیا، بیمارگی کے عالم میں مبادا ہماری ہمتوں نے دم توڑ دیا تو آپ اپنا منھ چھپانے کے لئے نامرادیوں کا کوئی مدفن تلاش کر لیجئے گا۔''

حضرت علامہ نظامی علامہ ارشد القادری کے رفیق و دم ساز تھے اور ہمعصر و ہمکار بھی، دونوں کے مابین رشتۂ محبت استوار تھا، دینی کاموں اور اپنے مسلک و مذہب کی ترویج و اشاعت میں دونوں سپہ سالاران سمیت تھے، آپ مکتوب کے تیور سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں کہ یہ محبت معاصرت کا عین تقاضا ہے۔ اسی تناظر میں اب آپ خط کا آخری پیراگراف بھی پڑھئے۔

''آپ کی مصلحت انگیز فراست پر میں کیا حرف رکھ سکتا ہوں کہ آپ کی بارگاہ بہت اونچی ہے مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ انفرادی اعجاز کی قیمت پر جماعت کی آبرو بھینٹ چڑھانا، کسی طرح بھی قرین مصلحت نہیں ہے، کاش! میرے قلم سے آتش سیال کے قطرے ٹپکتے اور میں آپ کی حریم ناز تک اپنے دل وارفتہ دار کی تپش پہونچا سکتا۔ میرے پیارے! مرگ انبوہ جشنے دارد، وقت آگیا ہے کہ ایک ساتھ اٹھیں، اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایمان و اعتقاد کی ہلاکتوں پر فتح پانے کی کوشش کریں۔''

علامہ جہاں اپنے ہمعصروں یا برتروں کا احتساب کرتے ہیں وہیں کسی کی مخلصانہ کارگزاری دیکھ کر بہت خوش ہوتے، بہت سراہنا کرتے۔ اور حسب حیثیت و توفیق رفاقت و تعاون بھی کرتے ہیں دعا اور ہمت افزائیوں سے نوازنا تو عام بات ہے، حضرت مولانا عبد اللہ عزیزی بستوی، جماعت اہلسنت کے منتخب علماء میں سے ایک ہیں، علوم شرقیہ کے متبحر عالم اور عربی زبان و ادب کے متمرس ادیب و نکتہ شناس۔ میرے اثناء تعلیم وہ مبارکپور سے ٹرانسفر ہوکر ''دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی بستی تشریف لے گئے، انکی آمد سے دارالعلوم نئی بہاروں اور نئی ارتقائی منزلوں سے ہمکنار ہوا۔ حضرت علامہ اپنی مسرت و خواہش کا اظہار اور انکی کامیاب تدریسی و انتظامی صلاحیتوں کا اعتراف یوں کرتے ہیں:

"آپ کے دم قدم کی برکت سے "دارالعلوم علیمیہ" میں جو فصل بہار آئی ہے۔ اس کی خوشبو دور دور تک پھیل گئی ہے میں سخت حیران ہوں کہ اپنی یہ انتظامی صلاحیتیں آپ نے کہاں چھپا رکھی تھیں۔

"آپ کے بارے میں ہم لوگ مبارک پور کے قیام میں یہی سمجھتے رہے کہ آپ صرف تدریسی میدان کے شہسوار ہیں لیکن اب یہ راز سربستہ کھلا کہ آپ بہت ساری خوبیوں کے ساتھ ساتھ بہترین منتظم بھی ہیں"۔

حضرت علامہ کو اس بات کی شدید آرزو رہی کہ ہماری جماعت کے نوجوان علماء عربی اور انگریزی زبان وادب میں گہری صلاحیت و بصیرت لیکر اٹھیں اور زمین کے ذروں تک پہونچ کر دعوت اسلامیہ کا فریضہ انجام دیں، افق اشرفیہ کے بلند اقبال ستارہ مولانا یٰسین اختر مصباحی کو اپنے ایک مکتوب، محررہ ۵ نومبر ۱۹۷۴ء میں ہمت افزائی کرتے ہوئے یوں مخاطب کرتے ہیں۔

"آپ عربی زبان کے جدید لیٹریچر کا مطالعہ جاری رکھیں، مجھے امید ہے کہ انگریزی کی تحصیل کے بعد آپ عالمی سطح کی ایک نمایاں شخصیت بن جائیں گے، خدائے قدیر آپکی مدد فرمائے۔ اہلسنت کے منتخب نوجوان علماء کو کسی ایک فن یا مختلف زبانوں میں درجۂ امتیاز و انفرادیت کے حصول کیلئے میں اپنے سارے ممکنہ وسائل استعمال میں لاؤنگا"۔ (حجاز جدید دہلی، شمارہ مئی، جون ۱۹۹۱ء)

ایک دوسرے خط، محررہ ۲۰ راگست ۱۹۷۵ء میں مولانا اختر مصباحی کو لکھتے ہیں:

"پاک وہند میں سارے علمی حلقوں کا جائزہ لینے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ اگر آپ اس فن میں مہارت تامہ حاصل کرلیں تو پوری جماعت کا آپ کفارہ بن جائیں گے جب تک مصر یا کسی عربی ملک میں جانے کے اسباب مہیا نہیں ہوتے، آپ جدید عربی لٹریچر کا مطالعہ جاری رکھیے۔ جدید عربی سے محرومی کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری پوری جماعت (تنظیمی سطح پر) عرب ممالک سے کٹ گئی ہے، کاش آپ اس کی اہمیت محسوس فرماتے اور اس راہ میں پیش قدمی کرکے ایک نئی فن کی برکتوں سے اپنی جماعت کو بہرہ مند کرتے عالمی سطح پر روابط اور تبلیغی جدوجہد نے فکر و تحقیق کی بہت سی راہیں کھول دی ہیں۔ اگر زبان وقلم کے وسائل میسر آجائیں تو نئے تجربات کی روشنی میں بہت بڑا کام کیا جاسکتا ہے"۔ (حجاز جدید دہلی شمارہ مئی جون ۱۹۹۱ء)

حضرت علامہ کے باب حیات کا یہ ایک حسین ورق ہے کہ آپ نے بہار کی پُر بہار فضاؤں سے پرواز کیا۔ ہزاروں میلوں کی زمینی مسافتیں طے کرتے، دریاؤں کی وسعتیں چیرتے، پہاڑوں کے کوہانوں سے اوپر فضائے آسمانی کی بلندیوں کو چھوتے ہوئے دیار فرنگ یورپ حاضر ہوئے "ورلڈ اسلامک مشن" انگلینڈ کی تاسیس و تنظیم کی جس کی اولین تاسیسی میٹنگ خیر خطہائے ارض "مکۃ المکرمہ" میں رکھی گئی۔ پھر اسی مشن کے پرچم تلے آپ نے "جامعہ مدینۃ الاسلام" اسلامک مشنری کالج ہالینڈ کا قیام عمل میں لایا۔ درجہ ذیل خطوط کے تراشے جو مولانا یٰسین اختر مصباحی کو ارسال کئے گئے ہیں۔ اسی مہم جوئی کا پتہ دیتے ہیں۔ محررہ ۱۹ راگست ۱۹۷۴ء کے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"یہ خبر باعث مسرت ہے کہ "اسلامک مشنری کالج" کے قیام سے اسلامی ممالک کے لوگ بہت متاثر ہیں جس دن "چرچ" کا نام اسلامک مشنری کالج میں تبدیل ہوا اس دن کویت ملیشیا، ترکیہ کے سفارتی نمائندے تشریف لائے تھے۔ ترکی سفارت خانے نے تو اپنا پرچم بھی بھیج دیا تھا۔ سارے عمائدین بیحد متاثر ہوئے۔ اہلسنت کے علمی و مذہبی مستقبل کے لئے یہ ایک اچھی علامت ہے" (حجاز جدید، دہلی مئی جون ۱۹۹۱ء)

ایک اور مکتوب محررہ ۲۰ راگست ۱۹۷۴ بنام مولانا مصباحی کا یہ تراشہ پڑھیے اور انکی پیہم کوششوں اور بے چین تمناؤں کا اندازہ لگایئے:

"دوسرے ملکوں میں ورلڈ اسلامک مشن" کے کاز سے لوگ دلچسپی کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔ بے حسی کی موت صرف ہندوستان کے علماء پر طاری ہوگئی ہے۔ کوشش کیجئے کہ یہ جمود ٹوٹے"۔ (حجاز جدید دہلی مئی جون ۱۹۹۱ء)

علامہ کی ذات خالص دینی ہے آج کی بے حیا سیاست، بے وفا اصول سیاست، دغاباز پالیسی اور مفاد پرست سیاسی گلیاروں سے وہ

پاک نظر آتے ہیں، باوصف اس کے عظیم سربراہان مملکت سے رابطوں کا نشان ملتا ہے اور یہ انکی ماہرانہ سیاست کاری ہی کہی جائے گی کہ سیاست کے حمام میں عریاں ہوئے بغیر اپنی قوم کے حقوق ومفادات کا تحفظ کرلیا کرتے ہیں۔ درج ذیل مکتوب جو جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہند کو لکھا گیا ہے، علامہ کی دانشمندانہ سیاسی حکمت وبصیرت پر دال ہے۔ آداب والقاب کے بعد لکھتے ہیں:۔

"غالباً آپ کو یاد ہوگا کہ ہم لوگ بتاریخ ۱۵/اکتوبر ۱۹۵۶ء آپ کے ٹیلی گرام ۲۱۸۲۵ کے مطابق بحیثیت نمائندہ وشوامتر گرام ادیوگ سنگھ آف چنڈیل ضلع سنگھ بھوم، نئی دہلی حاضر ہوئے تھے۔ اور ۲½ بجے دن آپ کی آفس ساؤتھ بلاک پیلس میں تقریباً ۳۵ منٹ تک چھوٹا ناگ پور کے صنعتی تعلیمی اور اقتصادی مسائل پر آپ سے بات چیت ہوئی تھی۔

اثنائے گفتگو میں جمشید پور کے ایک تعلیمی مرکز 'مدرسہ فیض العلوم'' کا تذکرہ بھی آیا تھا۔ جہاں خصوصیت کے ساتھ چھوٹا ناگپور کے پسماندہ علاقوں کے بچوں کے لئے تعلیم وتربیت کا مفت انتظام کیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم لوگوں نے آپ کی خدمت میں مدرسہ کی سنگ بنیاد کانفرنس میں شرکت کے لئے ایک دعوت نامہ حاضر کیا تھا جس کے جواب میں آپ نے عدیم الفرصتی کی معذرت ظاہر کرتے ہوئے یہ مسرت بخش وعدہ فرمایا تھا کہ میرا جمشید پور آنا ہوا تو مدرسہ ضرور دیکھونگا۔

اب جبکہ یکم مارچ ۸۵ء کو بتقریب جشن پنجاہ سالہ ٹاٹا آئیرن اینڈ اسٹیل کمپنی، آپ جمشید پور تشریف لا رہے ہیں۔ ہم آپ کا محترم وعدہ یاد دلاتے ہوئے صرف اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ بڑوں کا وعدہ پہاڑوں سے بھی زیادہ اٹل ہوتا ہے۔ ربع مسکوں پر عالمگیر شہرت رکھنے والی ایک زبان سے وفائے عہد کی جو توقع ہوسکتی ہے اس کے پیش نظر کیا ہم مراحم خسروانہ سے یہ امید رکھیں کہ جمشید پور کے قیام میں ہم غریبوں کے لئے بھی کوئی موقع ضرور مرحمت فرمایا جائے گیا؟'' (قلمی محررہ ۲/فروری ۱۹۵۸ء)

حضرت علامہ کے ذخیرہ خطوط میں سبھی طرح کے خطوط ملتے ہیں، علمی، ادبی، تنقیدی، اصلاحی، فکری اور ذاتی خطوط اور وہ سب کے سب مکتوب نگاری کی جملہ نزاکتوں سے پُر ہیں۔ یہ خطوط انکی حیات و خدمات کے راز ہائے سر بمہر کو افشاء کرتے ہیں جس زاویئے سے دیکھئے وہ عظیم وجلیل، فہیم وفریس، مخلص ومتحرک، بلند سے بلند تر اور بہت سے برتروں سے بھی برترین نظر آتے ہیں۔ میں مجبور ہوں کہ قلت وقت دامن کشاں ہے۔ اور یہ بھی خوف ہے کہ مقالہ طوالت کے گراں بار بوجھ سے بوجھل نہ ہوجائے اس لئے اب ہم اپنی اس حقیر تحریر کو ایک اہم ومہم مکتوب پر ختم کرتے ہیں جو قصر عارفاں بغداد کے صدر صدام حسین کو ۲۰/ستمبر ۱۹۹۰ء کو لکھا گیا ہے جس میں حضرت علامہ کو ہر طرح سے دیکھا، پڑھا اور پرکھا جاسکتا ہے، وہ مکتوب جلیل من وعن یہ ہے:

قائد عالم اسلام السید صدام حسین رئیس جمہوریہ عراق،

خدائے قادر وقیوم آپ کی حفاظت کرے۔

ہم صمیم قلب کے ساتھ آپ کو مبارکباد پیش کرتے ہیں کہ آپ نے نصرت خداوندی کے بھروسے پر امریکہ جیسے متکبر دشمن اسلام کو اپنے قدموں کا فٹ بال بنا کر عالم اسلام کا سر فخر سے اونچا کردیا ہے دور حاضر میں آپ مسلمانوں کے پہلے قائد ہیں، جس نے اسلام کے جھنڈے کے نیچے کھڑے ہوکر تن تنہا کفر کی ساری طاقتوں کو اس طرح للکارا ہے کہ ساری دنیا دم بخود ہے، کویت کے باشندوں کو ملوکیت کی غلامی سے آزاد کرکے آپ نے اسلام کے جمہوری نظام کی طرف جو پیش قدمی کی ہے ہم اسکا پرجوش خیر مقدم کرتے ہیں۔

نجد کا سعودی خاندان انگریزوں ہی کی مدد سے حجاز پر قابض ہوا تھا۔ اور اس نے اسے اپنی مملکت کا صوبہ بنالیا جس کے خلاف عالم اسلام میں بہت دنوں تک بے چینی رہی اور آج بھی چنگاریاں راکھ کے نیچے دبی ہوئی ہیں، اور آج بھی اپنی خاندانی بادشاہت کو بچانے کے لئے اس نے امریکہ اور یورپ جیسے دشمن اسلام ملکوں کی گود میں پناہ لی ہے۔ ارض مقدس پر امریکہ کی ناپاک فوجیں اتار کر سعودی عرب نے اسلام کی حرمتوں کو پامال کردیا ہے۔ اور اسرائیل کے جاسوس فوجیوں کے سہارے مدینہ اور خیبر پر قبضہ کرنے کے لئے

آزادی کے ساتھ مستقبل کے جنگ کا نقشہ تیار کر رہے ہیں، سعودی عرب کے اس ناپاک اقدام کے خلاف ہندوستان کے سارے خوش عقیدہ مسلمان کھلے بندوں اپنی نفرت وبیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔

سعودی عرب کے ساتھ ہمارا اختلاف دو بنیادوں پر ہے۔

پہلی بنیاد تو یہ ہے کہ نجد کے قاضیوں کا خود ساختہ مذہب، اس نے بزور شمشیر حجاز کے مسلمانوں پر مسلط کر دیا ہے اور اس نے اپنے ملک کے ہر خوش عقیدہ مسلمان کی مذہبی آزادی چھین لی ہے۔ ظلم کی انتہا یہ ہے کہ سعودی عرب میں ذکر رسول کی محفل منعقد کرنے والے یا تو ملک سے نکال دئے جاتے ہیں یا انہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا جاتا ہے۔ عقیدے کے سوال پر ہم نے نجدی حکومت کے ساتھ نہ کبھی سمجھوتہ کیا اور نہ کریں گے اور یہ بات اتنی واضح ہے کہ ہم بھی انہیں اپنا دشمن سمجھتے ہیں اور وہ بھی ہمیں اپنا مخالف گردانتے ہیں۔

اور اختلاف کی دوسری بنیاد بین الاسلامی سرزمین پر سعودی خاندان کا تسلط ہے۔ جس ملک پر اسلام کے عہد اول سے شورائی نظام حکومت قائم تھا اسے ملوکیت میں تبدیل کر دیا گیا پھر ملک کی دولت کا بہت بڑا حصہ سعودی خاندن کی عیاشیوں اور شاہانہ ٹھاٹ باٹ پر صرف ہوتا ہے۔ اور خدا کے بلائے ہوئے مہمانوں سے طرح طرح کے ٹیکس وصول کئے جاتے ہیں۔

رئیس جمہوریہ عراق! اگر آپ نے اپنے مجاہدانہ اقدامات اور حکمت عملی سے سعودی عرب میں جمہوری نظام کے قیام میں کامیابی حاصل کر لی تو ہمیشہ کے لئے ارض مقدس امریکی اور اسرائیلی سازشوں کے خطرات سے محفوظ ہو جائیگی اور آپ کی شجاعت وتدبر کا یہ ایک ایسا عظیم کارنامہ ہوگا جس پر رہتی دنیا تک لوگ فخر کرینگے۔

اسلام کے بطل جلیل! اپنے ملک کے حق میں ہندوستان کی مسلم رائے عامہ کو ہموار رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم آپ کو معلوم کرا دیں کہ ہندوستان میں کون طبقہ آپ کا مخالف اور سعودی عرب کا زرخرید غلام ہے اور کون طبقہ سعودی عرب کا مخالف اور آپ کا حامی ہے۔ جو طبقہ اپنے آپ کو سلفی یا اہل حدیث کہتا ہے وہ نجدیوں کا ہم عقیدہ ہونے کی حیثیت سے سعودی عرب کا پرجوش حامی اور عراق کا کٹر مخالف ہے سعودی عرب کی طرف سے انہیں اتنی وافر مالی امداد ملتی ہے کہ انکی دوستی کی جڑیں بہت مضبوط ہوگئی ہیں۔

دوسرا طبقہ وہ ہے جو اپنے آپ کو دیوبندی کہتا ہے، وہ بھی نجدیوں کا ہم عقیدہ ہے اور سعودی عرب مالی اعتبار سے ان کے اداروں کی پوری پوری کفالت کرتا ہے، یہ لوگ بھی سعودی عرب کے مقابلے میں کبھی آپ کی حمایت نہیں کر سکتے۔ اسی طبقے کے مشہور قائدین کے نام یہ ہیں۔ ابوالحسن علی ندوی، اسعد مدنی، منت اللہ رحمانی، جمیل الیاسی، اخلاق حسین قاسمی، ابواللیث ندوی، انعام الحسن، احمد علی قاسمی، سید احمد ہاشمی۔ آج پورے ملک کے اندر عراق کی مخالفت اور سعودی عرب کی حمایت میں یہی لوگ پیش پیش ہیں۔ اس کی تصدیق کرنا چاہیں تو آپ دہلی میں واقع اپنے سفارت خانہ سے کر سکتے ہیں۔

پورے ملک میں صرف ایک ہی طبقہ ہے جو اپنے آپ کو اہلسنت کہتا ہے اور جس کا مرکز ''بریلی'' ہے وہی حضرت غوث اعظم کے ساتھ سچی عقیدت رکھتا ہے اور مزارات اولیاء اللہ کا احترام کرتا ہے۔ وہ سعودی عرب کا کٹر مخالف اور عراق کا پرجوش حامی ہے اگر چہ آپ کی حکومت نے آج تک پورے ملک میں پھیلے ہوئے ان کے مذہبی اور تعلیمی اداروں کی کوئی مدد نہیں کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود عراق کا صرف اس وجہ سے حامی اور دوست ہے کہ عراق اولیاء اللہ اور ان کے مزارات کا احترام کرتا ہے۔

رئیس جمہوریہ عراق! آپ ہندوستان جیسے عظیم ملک میں اپنے ملک کی حمایت وتائید کا مشن متحرک رکھنا چاہتے ہیں تو اپنی وزارت اوقاف کو ہدایت کیجئے کہ وہ عراق کے مخالفین اور سعودی عرب کے دلالوں پر جن کے ناموں کی صراحت ہم نے اسی عرض داشت میں پیش کی ہے۔ ہر طرح کی امداد واعجاز کا دروازہ بند کریں تا کہ آپ کے حامیوں کو آپ کے حق میں ملک کی رائے عامہ ہموار کرنے اور رکھنے میں دشواریوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔''

☆☆☆☆

مولاناعبدالسلام رضوی
خادم التدریس جامعہ نوریہ، بریلی شریف

علامہ ارشد القادری کے دو مکتوبات گرامی

قائد اہلسنت، رئیس القلم، حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ مدظلہ العالی کا یہ مکتوب گرامی جو میں ہدیۂ ناظرین کررہا ہوں، میرے ان سوالات کے جواب میں ہے جو میں نے حضرت والا کی بعض تحریرات سے متعلق ارسال کئے تھے۔ یہ گرامی نامہ اگرچہ تاریخ کتابت کے اعتبار سے دوسرے نمبر پر آتا ہے لیکن چونکہ اس خط میں چند ضروری معلومات ہیں اور ان مکتوبات کی اشاعت کا محرک بھی یہی ہے لہٰذا اسکو پہلے ذکر کیا جارہا ہے۔ پہلے سوالات کا ذکر کردینا ضروری ہے تاکہ جوابات سمجھنے میں آسانی ہو۔

سوال اوّل :حضرت قبلہ مدظلہ العالی کی کتاب ''پاکدامن نوجوان'' میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ ''تین مجاہد بھائی گرفتار کرکے ایک عیسائی بادشاہ کے پاس لائے گئے۔ بادشاہ نے عیسائیت قبول نہ کرنے پر دو بڑے بھائیوں کو شہید کردیا۔ چھوٹے نوجوان بھائی کو وزیر نے یہ کہہ کر چھڑا لیا کہ میں اپنی حکمت عملی سے اس کو عیسائی بنا لونگا۔

گھر آکر وزیر نے اپنی حسین ترین لڑکی سے کہا اس نوجوان کو کسی طرح اپنے دام حسن میں گرفتار کرو تاکہ یہ عیسائیت قبول کرنے پر راضی ہوجائے۔ چنانچہ لڑکی خلوت میں نوجوان کے پاس جاتی رہی لیکن نوجوان نے آنکھ اٹھا کر بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔ اور آخر چالیس دن کے بعد نوجوان کی طہارت قلب ونظر سے متاثر ہوکر لڑکی خود بھی مسلمان ہوگئی۔ اپنے جان وایمان کی حفاظت کی غرض سے ایک رات خفیہ طور پر یہ دونوں وہاں سے چل دئے۔ ایک جگہ کچھ گھڑسوار آتے معلوم ہوئے، انہیں کچھ پریشانی ہوئی لیکن جب وہ قریب آئے تو معلوم ہوا کہ وہ نوجوان کے دونوں بھائی ہیں جن کو شہید کردیا گیا تھا۔

اس کے آگے کا واقعہ کتاب کے اندر ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ ''شہید بھائیوں میں سے بڑے بھائی نے کہا: جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ تمہارا عقد نکاح نومسلم شہزادی کے ساتھ کردیا جائے۔ شہیدوں کی یہ پاک روحیں تمہاری بزم نکاح میں شرکت کی غرض سے حاضر ہوئی ہیں۔ شہزادی وہیں کھڑی ساری باتیں سن رہی تھی۔ عالم غیب سے آنیوالوں کا یہ قافلہ دیکھ کر اسے اسلام کے کائنات گیر اقتدار کا یقین اور بڑھ گیا۔ جلد جلد بزم نکاح منعقد ہوئی۔ ارواح طیبات کی موجودگی میں ایجاب وقبول کی رسم ادا کی گئی۔ خطبۂ نکاح کے بعد تمام روحوں نے نئے جوڑے کو مبارکباد دی۔ بھائیوں نے دولہا دولہن پر جنت کے پھول نچھاور کئے۔ اس کے بعد روحوں کا یہ سارا مجمع دم کے دم میں نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔

اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان سطور میں بوقت عقد نکاح ارواحِ شہدا اور نوجوان شہید بھائیوں کے اجسام مثالیہ کے علاوہ کسی اور کی موجودگی کا ذکر نہیں ملتا۔ تو کیا ارواحِ شہدا یا ان کے اجسام مثالیہ کی موجودگی سے بوقت عقد نکاح حضور شاہدین کی شرط کا تحقق ہو جائیگا؟

سوال دوم:۔ میں نے حضرت قبلہ مدظلہ العالی کے کسی مضمون میں ایک واقعہ پڑھا ہے (یہ یاد نہیں آتا ہے کہ یہ مضمون کس رسالہ یا کتاب میں پڑھا ہے) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے شب معراج جنت میں ایک حور کو دیکھا۔ جو اس بنا پر رنجیدہ تھی کہ اس کو اس کی خواہش پر جنت میں اس کا ہونے والا ساتھی دکھا دیا گیا تھا جو یہ

قام تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: وہ تو میرا عاشق صادق بلال ہے جس کی عظمتِ شان کا یہ عالم ہے کہ اس کے بدن کی سیاہی تل بنا کر حوران بہشتی کے رخساروں پر لگائی جائیگی جو انکے حسن میں اضافہ کا سبب ہوگی۔ یہ سنکر وہ حور خوش ہوگئی۔ اس واقعہ سے حور کا جنت میں رنجیدہ وغمگین ہونا معلوم ہوتا ہے، حالانکہ جنت رنج وغم کا مقام نہیں ہے۔

سوال سوم:۔ حضرت قبلہ دامت برکاتہم العالیہ نے جو واقعات تحریر فرمائے ہیں وہ یقیناً اپنے اندر بڑی تاثیر رکھتے ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کے دل پر ان واقعات کو پڑھتے وقت رقت طاری نہ ہوتی ہو، آنکھیں اشکبار نہ ہوتی ہوں، بلاشبہ ان واقعات کو پڑھنے سے محبت خدا ورسول میں زیادتی ہوتی ہے، روح وقلب کا تزکیہ ہوتا ہے اور جذبات عمل بیدار ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا ماخذ ومرجع مذکور نہ ہونے کی وجہ سے بعض واقعات (مثلاً سوداگر کی بیٹی، دل کا یقین، چودہویں رات کی دوشیزہ) کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ واقعات حقیقی نہیں بلکہ فرضی ہیں جو عبرت ونصیحت کے لئے لکھے گئے ہیں۔ اور ان کی حیثیت طبع زاد ناولوں کی سی ہے۔ حلانکہ ان کے مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعات حقیقی ہیں۔ لہٰذا اگر ان واقعات کا ماخذ ومرجع بھی ذکر کردیا جائے تو بہتر ہو۔

اس خط میں میں نے یہ بھی گذارش کی تھی کہ حضرت کوئی ایسی کتاب بھی تصنیف فرمادیں جو مساجد میں نمازیوں کے لئے درس کے طور پر کام آئے۔ اس کے علاوہ چند اور امور بھی معروض تھے۔ اس سوالنامے کے جواب میں حضرت کا مکتوب گرامی مندرجہ ذیل ہے۔

''محترمی! زید احترامکم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ،

مزاج گرامی!

تقریباً دو مہینے سے بھاگلپور اور سہسرام میں قیام امن اور ریلیف کی مصروفیات کے باعث پٹنہ ہی میں مقیم ہوں۔ بھاگلپور کے دورے سے واپس آیا تو جمشید پور کی ڈاک میں آپ کا خط نظر سے گذرا۔ آپ کے سوالوں کا جواب دینے سے پہلے آپ کی گرانقدر توجہ اس نکتہ کی طرف مبذول کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ''لالہ زار'' نام کی کتاب حکایت کی زبان میں جذبہ واحساس کی تطہیر کے لئے لکھی گئی ہے۔ وہ امثال وقصص کی کتاب ہے فقہ کی کتاب نہیں۔ جس کی صحت کے لئے ماخذ کی صحت ضروری ہو۔

آخر مرشد رومی کی مثنوی، نظامی گنجوی کی تحفۃ الاحرار، سعدی کی گلستاں بوستاں اور فرید الدین عطار کی منطق الطیر میں جتنے قصص و حکایات بیان کیے گئے ہیں ان کا سلسلۂ سند کس کے پاس ہے۔ پھر کیا اس بنیاد پر انہیں ناول کہا جاسکتا ہے؟

جو لوگ ''لالہ زار'' پر ناول ہونیکا طنز کرتے ہیں انہیں پہلے ناول کا مفہوم سمجھنا چاہیے۔ ناول کی مذمت اس لئے نہیں کیجاتی ہے کہ وہ فرضی کہانیوں پر مشتمل ہوتی ہے بلکہ مذمت کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ ایسے مواد پر مشتمل ہوتی ہے جو شہوانی جذبات میں ہیجان برپا کر کے قاری کے اندر گناہ کی تحریک پیدا کرتے ہیں۔ ناول کے اس مفہوم کو نظر میں رکھ کر انصاف کے ساتھ فیصلہ کیجئے کہ کیا ''لالہ زار'' پڑھنے کے بعد بھی قاری کے اندر اس طرح کے ناپاک جذبات کی تحریک ہوتی ہے۔ مجھے نہایت افسوس ہے کہ جو کتاب نوجوانوں کو ناول کی لعنت سے بچانے کے لئے لکھی گئی ہے اس پر ناول ہونیکا طنز کیا جاتا ہے۔

یہاں تک تو آپ کے خط کے جواب میں ایک اصولی بحث تھی۔ اب اپنے سوالات کے اصل جواب کی طرف آیئے۔ لالہ زار میں جتنے قصص وحکایات درج کئے گئے ہیں ان کا ماخذ صرف اتنا ہی ہے کہ چھوٹا سا عبرت آموز واقعہ اپنے ثقہ علما کی زبانی سنا اور اپنے انداز میں اسے پھیلا دیا، اس کتاب کو اس نقطۂ نظر سے پڑھنا چاہئے کہ قاری کے جذبۂ احساس پر اس کا پاکیزہ اثر کیا پڑتا ہے۔

پاکدامن نوجوان کا ماخذ امام سیوطی کی ''کشف الصدور'' ہے۔ اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے ''اطیب البیان'' میں حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ والرضوان نے بھی ندائے غیر اللہ کی بحث میں اس واقعہ کو اپنے انداز میں بیان فرمایا ہے۔ لیکن بہت اختصار کے ساتھ۔

اب رہ گئی بات ارواح کی موجوگی میں عقد نکاح کی صحت کی، تو اس اصول شرعیہ سے آپ بھی واقف ہیں کہ عدم ذکر، ذکر عدم کو مستلزم نہیں ہے ہوسکتا ہے شریعت محمدی کے مطابق نکاح کی صحت کے لئے رجال الغیب میں سے کچھ لوگ وہاں پہونچادئے گئے ہوں، اور

انہوں نے شاہدین کا فرض انجام دیا ہو۔

اب رہا آپ کا دوسرا سوال، کہ جنت رنج والم کی جگہ نہیں ہے، یہ اپنی جگہ بالکل درست ہے۔ لیکن جہاں تک کسی امر میں اظہار حسرت و افسوس کا تعلق ہے تو حدیث کی مستند کتاب ''عمل الیوم واللیلہ'' میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ صریح حدیث موجود ہے کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد جب لوگ اذکار و تسبیحات کا اجر عظیم دیکھیں گے تو انہیں اس بات پر حسرت و افسوس ہوگا کہ دنیا میں ان کی عمر کا کوئی حصہ یاد الٰہی کے بغیر کیوں گذر گیا۔

اس حدیث کی روشنی میں اگر حور کے گریہ کو بھی اظہار حسرت و افسوس کے قبیل سے سمجھ لیا جائے تو اس میں کیا قباحت ہے امید ہے کہ اس مختصر تحریر سے آپ کی تشفی ہو جائیگی۔ میرا کتب خانہ جمشید پور میں ہے ورنہ کچھ اور حوالے پیش کرتا۔

''دروس اللغۃ العربیۃ'' کے بارے میں لوگوں کی رائے ہوئی کہ یہ کتاب ہندوستان میں نہیں مل سکے گی۔ البتہ اگر اسے سامنے رکھ کر اس کا چربہ اتارا جائے تو وہ زیادہ مفید ثابت ہوگی۔ میں نے یہ سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ ''لسان الفردوس'' کے نام سے دو حصے چھپ گئے ہیں۔ تیسرا حصہ زیر ترتیب ہے۔ آئینۂ اسلام کے نام سے اردو زبان میں اہل سنت کے مدارس کے لئے ایک دینی نصاب بھی تیار کر رہا ہوں۔ جس کا قاعدہ اور پہلا حصہ چھپ گیا ہے۔ دوسرا حصہ زیر ترتیب ہے۔ ان تصنیفات کی تکمیل کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ آپ کی تحریر کے مطابق دینی نصاب کی طرف متوجہ ہو جاؤنگا۔ جمشید پور کے پتہ پر آپ کے جواب کا انتظار کرونگا۔

آپ کا اپنا۔ ارشد القادری پٹنہ ۱۶۔۱۲۔۸۹''

میں نے جوابی عریضہ میں حضرت مدظلہ العالی کا شکریہ ادا کیا کہ مصروفیت کے باوجود میرے سوالات کے جوابات کی طرف توجہ فرمائی اور جوابات پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔ آخری سوال کے متعلق حضرت کے جواب سے کچھ برہمی جھلکتی تھی۔ لہٰذا اس بارے میں عرض کیا کہ یہ محض ایک نیاز مند کے نیاز مندانہ معروضات تھے طنز و اعتراض ہرگز مقصود نہ تھا۔ اور رہا بعض لوگوں کا ان واقعات کو ناول سے تشبیہ دینا تو اسکی وجہ صرف ان کے خیال میں ان واقعات کا غیر حقیقی ہونا تھا۔ ورنہ ان واقعات کی پاکیزہ تاثیرات کے وہ بھی معترف ہیں۔ پھر بھی میں بارگاہ عالی میں معذرت کا طالب اور دعاؤں کا خواستگار ہوں۔

(حضرت علامہ مدظلہ العالی کے دوسرے مکتوب گرامی کا پس منظر یہ ہے)

کہ محب مخلص حضرت حافظ الحاج محمد ثناء اللہ صاحب خطیبی رضوی رام نگری مدرس جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف نے اپنے نکاح مسنون سے چند ماہ قبل مجھ سے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ اس تقریب سعید پر ایک ایسا کتابچہ تقسیم کیا جائے جس میں اسی موقع ومحل کے مناسب مفید و کارآمد مضامین و منظومات ہوں۔ میں نے موصوف کی اس خواہش کی تحسین کی۔ اور انہوں نے ترتیب کتابچہ کی ذمہ داری میرے ہی سپرد فرمادی۔ چنانچہ میں نے اہل قلم علمائے کرام اور شعرائے عظام سے مراسلت کی اور انہوں نے ازراہ کرم اپنے بلند پایہ مضامین و منظومات عطا فرمائے۔

اسی سلسلہ میں حضرت علامہ مولانا ارشد القادری صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیہ کی خدمت اقدس میں بھی بذریعہ رجسٹری خط موقع مذکور کے مناسب ایک مختصر مضمون کی درخواست پیش کی۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا، کچھ ایام کے بعد یاددہانی کے لئے دوسرا عریضہ ارسال کیا۔

حضرت علامہ مدظلہ العالی کے تبلیغی اسفار اور تصنیفی و تنظیمی مصروفیت کے پیش نظر مجھے یہ خیال ہوا کہ اس بے نام کی درخواست شاید لائق اعتنا نہ سمجھی جائے۔ لیکن حضرت مدظلہ العالی کی ذرہ نوازی، کہ ایک مختصر مگر جامع اور فکر انگیز و بصیرت افروز مضمون ارسال فرمایا اور آپ کی اعلیٰ ظرفی اور بڑا پن کہ تاخیر کی معذرت کیلئے خط بھی لکھا جو مندرجہ ذیل ہے۔

''محترمی حضرت مولانا عبدالسلام صاحب زید کرمہٗ،

تحیہ تسلیمات

کافی آپ کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑی جس کے لئے معذرت چاہتا ہوں۔ سخت مصروفیت اور مسلسل اسفار کے باعث اتنی تاخیر ہوئی۔ شادی کے جوڑے کو میری طرف سے مبارکباد اور دعائے

خیر و برکت۔ اہل خاندان کو بھی۔۔۔والسلام

آپ کا اپنا۔۔۔ارشد القادری جمشید پور''

آپ کا یہ مضمون ''گلہائے رنگارنگ'' نامی کتابچہ میں شائع ہوا جو بتاریخ ۳۰ رمئی ۱۹۸۸ء کو حافظ صاحب موصوف کے عقد نکاح کی مجلس میں تقسیم کیا گیا۔لیکن کتابچہ کی تعداد اور دائرہ تقسیم بہت محدود تھا، لہٰذا اگر حضرت کا یہ مضمون نذر قارئین کر دیا جائے تو یقیناً فائدے سے خالی نہ ہوگا۔

اسلام میں شادی کا تصور

مرد وزن کے باہمی اجتماع سے انسانی زندگی کا قافلہ آگے بڑھتا ہے۔ اسی موقعہ کی فراہمی کی تقریب کو ہم عقد نکاح یا شادی کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔شادی کا تصور عہد قدیم سے لیکر آج تک دنیا کی ہر قوم میں پایا جاتا ہے۔لیکن شادی کا جو تصور اسلام نے دیا ہے وہ اپنی حکمت افادیت کے لحاظ سے سب پر فوقیت رکھتا ہے۔

اسلام کی نظر میں شادی مرد وزن کے درمیان ایک پاکیزہ معاہدہ کا نام ہے۔جو طرفین کی باہمی رضامندی سے وجود میں آتا ہے ۔اس معاہدہ کے حقوق وفرائض نہایت جامعیت کے ساتھ قرآن میں بیان کئے گئے ہیں۔طرفین کی حقوق وفرائض کو قرآن ''حدود'' کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔اپنی ازدواجی زندگی میں طرفین اگر ان حدود کی رعایت کریں تو اس معاہدہ کے ٹوٹنے کا کبھی کوئی موقعہ نہیں آسکتا ہے۔

مثال کے طور پر قرآن کریم مرد وزن، یا شوہر اور بیوی کے باہمی تعلقات کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔هُنَّ لِبَاسٌ لكم وأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ۔ عورتیں مردوں کا لباس ہیں اور مرد عورتوں کا لباس ہیں۔

لباس کے لفظ پر آپ غور فرمائیں تو عجیب عجیب نکتے آپ پر منکشف ہوں گے۔لباس جسم انسانی کے اس حصے کا بھی محرم ہے جسے کوئی دوسرا شخص نہ چھو سکتا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے۔قرآن نے شوہر اور بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیکر دونوں کو جسمانی قرب کی آخری حد تک پہونچا دیا ہے۔

اسی طرح لباس جسم انسانی کا محافظ بھی ہے۔قرآن نے شوہر اور بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیکر یہ تصور بھی دیا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے حقوق و مفادات، اور عزت ووقار کے محافظ بھی ہیں۔

لباس جسم انسانی کے عیوب اور داغ دھبوں کی پردہ پوشی بھی کرتا ہے۔قرآن نے شوہر اور بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دے کر اشارہ دیا ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے کے عیوب اور فروگذاشتوں کی پردہ پوشی کرنی چاہیے۔

لباس جسم انسانی کی زینت اور وقار کا بھی ذریعہ ہے لہٰذا قرآن نے مرد وزن کو ایک دوسرے کا لباس قرار دے کر متنبہ کیا ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے کی عزت ووقار اور حرمت وآبرو کا تحفظ بھی کرنا چاہیئے۔

لباس جب کہیں سے پھٹ جاتا ہے تو اس کی مرمت بھی کی جاتی ہے، یا گندہ ہو جاتا ہے تو دھو کر صاف وشفاف بنا دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے مرد وزن کو ایک دوسرے کا لباس قرار دے کر اس بات کی طرف اذہان کو متوجہ کیا ہے کہ ازدواجی زندگی میں کبھی طبیعتیں ایک دوسرے کی طرف سے میلی ہو جائیں تو مصالحانہ اقدام کے ذریعہ ان کی صفائی کر دینی چاہیے۔اور اگر دلوں میں کسی طرح کا شگاف پڑ جائے تو محبت والتفات کے مرہم سے اسے مندمل کرنیکی کوشش کرنی چاہیے۔

قرآن کریم نے جہاں مردوں کو عورتوں پر صنفی برتری عطا کی ہے وہیں عورتوں کے حقوق ومفادات کے تحفظ کے لئے ایک نہایت جامع اور متوازن قانون بھی ہمیں عنایت فرمایا ہے۔مثال کے طور پر قرآن کا یہ اخلاقی ضابطہ وقانون ملاحظہ فرمایئے۔لَهُنَّ مثل الذی علیهنَّ۔یعنی عورتوں کے فرائض کی طرح ان کے حقوق بھی ہیں۔

کتنی کے جن چار کلمات کے ذریعہ قرآن نے ایک وسیع وعظیم مفہوم کی تعبیر فرمائی ہے دنیا کی کسی زبان میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔سمندر کو کوزہ میں بھرنے کی جو مثل آپ اہل زبان سے سنتے رہتے ہیں وہ اسی کا نام ہے۔قرآن کی اس معجز بیانی پر فصحائے عرب نے حیران وششدر ہو کر اپنی مغرور گردنیں خم کر دی تھیں۔

رئیس القلم کا ایک اہم مکتوب گرامی!

ڈاکٹر محمد سرور
طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

رئیس القلم علامہ ارشد القادری نور اللہ مرقدہ کا انتقال پورے ملک کے مسلمانوں کے لئے عظیم خسارہ ہے۔ موصوف ایک تاریخ ساز شخصیت کے مالک تھے۔ تصنیف وتالیف اور فکری وتنظیمی ذہن کے وہ منفرد شخص تھے ان کی وصال سے جماعت اہل سنت میں جو خلا ہوا ہے اس کا تدارک شاید ممکن نہ ہو۔ وہ درجنوں مدارس کے بانی، نکتہ داں مدرس فکر انگیز خطیب، بے مثال مناظر، بالغ نظر قائد اور یگانۂ روزگار صاحب قلم تھے۔ حق وصداقت کے فروغ کے لئے وہ ہر لمحہ بیتاب اور اشاعت کلمۃ الحق کے لئے سراپا مضطرب رہتے تھے۔

۱۹۸۹ء کی بات جب انہوں نے "ماہنامہ حجاز جدید دہلی" کے اداریے میں انتہائی پر درد انداز میں افراد اہلسنت سے تحریر وتصنیف کی پذیرائی اور بالخصوص حجاز جدید کے خصوصی تعاون کی پرزور اپیل کی جس سے متاثر ہوکر راقم سطور نے علامہ موصوف کو جماعت اہلسنت کی تحریری زبوں حالی سے متعلق ایک طویل مکتوب تحریر کیا تھا اور اس کے تدارک کیلئے علامہ موصوف سے پرزور اپیل کی تھی۔ جواب میں علامہ نے ایک مختصر مکتوب مجھے تحریر فرمایا تھا۔ علامہ کا وہ مکتوب میرے پاس محفوظ ہے اور یہ میرے لئے ایک زریں یادگار ہے مکتوب کے لفظ لفظ سے علامہ کے خلوص وایثار اور اشاعت حق کی خاطر ان کی سوز دروں اور سچے درد کا عکاس ہے۔ اس مختصر مکتوب سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ موصوف جماعت اہلسنت کے فکری جمود پر حد درجہ مضطرب تھے اور جماعت کی تعمیر وترقی کے لئے بے پناہ متفکر ودردمند۔ افراد اہلسنت سے دعوت فکر وعمل کے ساتھ علامہ موصوف کا وہ مکتوب من وعن ہدیہ ناظرین ہے۔

حضرت مولانا المکرم زیدت مکارمکم
وعلیکم السلام ورحمۃ برکاتہ

مزاج گرامی!

آج کی ڈاک سے آپ کا کرم نامہ ملا۔ کسی کے نالۂ درد سے دردمند ہی متاثر ہوتا ہے پتھروں سے رقت قلب کی کیا توقع ہے۔ ملک کے طول وعرض میں اہلسنت کے کروڑوں افراد ہیں لیکن میرے گریۂ غم پر سوائے آپ کے کسی کی آنکھ نم نہ ہوئی۔

آپ اہلسنت کی اس روایت سے بخوبی واقف ہیں کہ ہمارے یہاں قیادت کا منصب خاندان ونسب کے محور پر گردش کرتا ہے۔ بریلی مارہرہ اور کچھوچھہ مقدسہ کے اصحاب اگر چاہیں تو اہلسنت کا جمود بھی ٹوٹ سکتا ہے اور زندگی کی نئی نئی راہیں بھی کھل سکتی ہیں۔ میں اپنی آہ پر سوز، فغاں آتش نوا اور نالۂ شبگیر سے پہاڑوں کی جگر میں سوراخ کر سکتا ہوں لیکن مریدین، متوسلین، اور معتقدین پر میری صدائے کرب کا کیا اثر ہوگا۔ اس لئے اہلسنت کے مذہبی مستقبل کی کوئی فکر اگر آپ کو بیچین کرتی ہو تو میرے زخموں پر نمک چھڑکنے کے بجائے اپنے مراکز کے آسودہ حال مسند نشینوں کی رگوں پر نشتر چلایئے۔ وہ جاگ اٹھے تو قبرستان کے مردے بھی جاگ اٹھیں گے لوگ انہیں کی زبان سمجھتے ہیں، عقیدتمندوں کی دنیا میں میری اجنبی زبان کون سمجھے گا۔ میرے بس میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہ اہلسنت کے مذہبی مستقبل کی تعمیر کے لئے میں اپنے خون جگر کا آخری قطرہ نچوڑ دوں۔

آپ کے جذبۂ اخلاص کی دارزئ عمر کے لئے دعاء کرتے ہوئے اس شعر پر میں اپنا یہ مکتوب ختم کرتا ہوں۔

یہ ہوگا ایک مشت خاک بڑھ جائیگی صحرا میں
وگر نہ ایک دیوانے کے مٹ جانے سے کیا ہوگا

آپ کا مخلص دعاگو
ارشد القادری
یکم اپریل ۱۹۸۹ء
مدرسہ فیض العلوم جمشید پور (بہار)

باب ۶

مشاہدات

(رئیس القلم کی رحلت پر تاثراتی نگارشات)

غبار راہ سے کہہ دو سنبھالے نشانِ قدم
زمانہ ڈھونڈے گا ان کو رہبری کیلئے

میں اپنے

کرم فرما محترم مولانا

خوشتر نورانی علیگ (چیف ایڈیٹر ماهنامه جامِ نور دهلی)

کو مبلغ اسلام حضرت علامه ارشد القادری علیه الرحمه کے عرس چهلم کے موقع پر دستاویزی تاریخی رئیس القلم نمبر نکالنے پر خلوص کی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ دلی مبارک باد پیش کرتے ہوئے انتهائی فخر و انبساط سے لطف اندوز هورهاهوں اس امید کے ساتھ که

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

سراپا نیاز مند

ابرار قیصر فیضی اورنگ آبادی

ہری گنج۔اورنگ آباد۔بہار

دین کا ایک مخلص خادم نہ رہا

مولانا آل مصطفیٰ مصباحی
استاذ فقہ اسلامی
جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی

علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی دینی وملی اور سیاسی خدمات کا اجمالی تعارف!

روزنامہ قومی تنظیم پٹنہ کے توسط سے مجھے یہ الم ناک خبر ملی کہ رئیس القلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان ۲۹ راپریل ۲۰۰۲ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ خبر کیا پڑھی، کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا دل رونے لگا اور ایک اضطراب انگیز کیفیت میں ڈوبا رہا۔ اور یہ احساس ذہن پر کچوکے لگاتا رہا۔

جو بادہ کش تھے پُرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

تحریر وتقریر کے ذریعے مسلک اہلسنت کی ترجمانی، جماعت کی قیادت اور فکر رضا کی ترویج واشاعت کا فریضہ اب کماحقہ کون انجام دیگا؟ دینی وسیاسی سطح پر قوم کے دکھ درد کا علاج کون کرے گا؟ وہ نہ رہا جو میدان تحریر میں اپنی مثال آپ تھا جن کی تحریر کی ندرت اور اچھوتا پن سے اپنے اور غیر سبھی متاثر تھے۔ میدان مناظرہ میں اپنے دعوے پر ان کے دلائل کی قوت وصلابت اور وفاداریٔ مصطفیٰ میں زبان سے نکلے ہوئے جملوں کی تاثیر سے مخالف مرعوب وشکست خوردہ رہ جاتا، حافظ ملت کا وہ عظیم معتمد جنہوں نے شجر اشرفیہ کی آبیاری میں زندگی بھر اپنے استاذ کا ہاتھ بٹایا اور حیات کے آخری لمحے تک اس عظیم دینی وعلمی قلعہ کے فروغ واستحکام کے لئے کوشاں رہا، اور کیوں نہ ہو کہ حضرت رئیس القلم نے کوئی آٹھ سال تک حضور حافظ ملت کی آغوش تربیت اور ظل ہمایونی میں تربیت پائی تھی۔ وہ خود فرمایا کرتے تھے ''میرے فکر وشعور اور علم وفن کی جو بھی پونجی ہے وہ انہیں کے علمی فیضان، روحانی توجہ اور ان کی مستجاب دعاؤں کی برکت ہے۔ ان کی دلنواز شفقت ورحمت نے میری فکر کو بالیدگی اور میری زبان کو گویائی اور میرے قلم کو امام احمد رضا خاں قادری فاضل بریلوی کے مسلک عشق وعرفان کی ترجمانی کا شرف بخشا'' یہی وجہ ہے کہ حضرت رئیس القلم کی علمی، دینی، تنظیمی، تبلیغی اور قلمی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

ان کی دینی وملی کارناموں کی وسعت کو دیکھ کر اس حقیقت کا برملا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وہ تنہا ایک فرد نہ تھے پوری انجمن تھے، درجنوں متحرک افراد ملکر جو کام کیا کرتے ہیں وہ تنہا اپنی محنت وکوشش اور جدو جہد سے انجام دیا کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ہندوستان میں کوئی اٹھارہ تعلیمی ادارے قائم کیے جن میں بہار، جھارکھنڈ بنگال آسام، اڑیسہ، بنگلور، یوپی اور دہلی کے مقامات شامل ہیں ان اداروں میں فیض العلوم جمشید پور اور جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی کا نام خصوصیت سے لیا جاتا ہے۔ اور تقریباً آٹھ مساجد کی تاسیس وتعمیر آپ کے ہاتھوں انجام پائی۔ ڈین ہاگ ہالینڈ میں جامعہ مدینۃ الاسلام، بریڈ فورڈ برطانیہ میں اسلامک مشنری کالج اور سوری نام امریکہ میں دار العلوم علیمیہ جیسے تعلیمی ادارے آپ نے اپنی کوششوں سے قائم کئے۔ بیرون ملک کے تبلیغی ادارے میں ورلڈ اسلامک مشن لندن اور دعوت اسلامی کراچی شامل ہیں۔ دعوت اسلامی کے امیر حضرت مولانا الیاس قادری عطار ہیں۔ آج انہیں کی سربراہی میں تزکیہ نفس کی خاطر لاکھوں افراد اس جماعت سے جڑے ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں آپ نے جو دینی، ثقافتی اور تنظیمی ادارے قائم فرمائے ان میں ادارۂ شرعیہ پٹنہ بہار، کل ہند مسلم پرسنل لا کانفرس سیوان اور کل ہند متحدہ محاذ رائپور، ایم پی، خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ آپ نے انتہائی نازک اور حساس موقع پر اہم کانفرنسوں کے انعقاد کا انتظام فرمایا۔ سیوان میں بہار صوبائی سنی کانفرنس، دہلی میں کل ہند سنی اوقاف کانفرس، سیوان میں کل ہند مسلم پرسنل لا کانفرنس، اور رام لیلا میدان نئی دہلی میں کل ہند سنی کانفرنس آپ کی دینی وسیاسی بصیرت اور انتظامی صلاحیت کی بین دلیل ہیں۔

حضرت رئیس القلم نے چھوٹی بڑی تقریباً تینتیس کتابیں

تصنیف فرمائی:
ا۔تبلیغی جماعت ۲۔ جماعت اسلامی ۳۔رسالت محمدی کا عقلی ثبوت ۴۔سیرت پاک پر ایک ولولہ انگیز تقریر ۵۔محمد رسول اللہ قرآن میں ۶۔دور حاضر کے منکرین رسالت ۷۔زلزلہ ۸۔زیر وزبر ۹۔انوار احمدی ۱۰۔دل کی مراد ۱۱۔عقیدۂ توحید پر عقلی دلائل ۱۲۔جلوۂ حق ۱۳۔شریعت ۱۴۔لسان الفردوس ۱۵۔مصباح القرآن۔ پہلا حصہ ۱۶۔مصباح القرآن۔ دوسرا حصہ ۱۷۔مصباح القرآن تیسرا حصہ ۱۸۔نقش خاتم ۱۹۔عربی گرامر ۲۰۔مطالعۂ دیوبندیت ۲۱۔فن تفسیر میں امام احمد رضا کا مقام ۲۲۔ایک سفر دہلی سے سہارنپور تک ۲۳۔لالہ زار ۲۴۔سرکار کا جسم بے سایہ ۲۵۔خطبۂ صدارت کل ہند مسلم پرسنل لاء ۲۶۔تاریخ فقہ حنفی ۲۷۔تاریخ فن حدیث ۲۸۔حیات خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ۲۹۔تفسیر سورۂ فاتحہ ۳۰۔تعزیرات قلم ۳۱۔میری دینی اور جماعتی خدمات ۳۲۔دعوت انصاف ۳۳۔عقیدۂ علم غیب پر قرآنی دلائل۔

کلکتہ سے ''ماہنامہ جام کوثر'' اور اس کے بعد ''ماہنامہ جام نور'' حضرت رئیس القلم کی ادارت میں ایک عرصہ تک شائع ہوتا رہا۔ یہ رسالہ اہل علم وادب میں کافی مقبول رہا جسکی ایک بنیادی وجہ مذہبیات پر مشتمل مضامین کی علاوہ عصری تقاضوں کے مطابق صحافت کے فرائض انجام دینا بھی تھا۔ دیگر کتابوں کی طرح اس رسالہ کا اداریہ اور علامہ موصوف کے دیگر مضامین پڑھ کر یہ یقین جھلکنے لگا کہ وہ ایک صاحب طرز ادیب اور زہرہ نگار انشاء پرداز تھے۔

آپ نے مذہب حق کی حمایت میں متعدد کامیاب مناظرے کئے، جن میں باقاعدہ چھ مناظرے ہیں۔ پہلے مناظرہ میں حضرت مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمٰن قادری قدس سرہٗ صدر مناظرہ کی حیثیت سے موجود تھے۔ دوسرا مناظرہ بھوابازار ضلع چھپرہ بہار میں ہوا جس میں صدارت کے فرائض سلطان المتکلمین علامہ مفتی رفاقت حسین صاحب اشرفی علیہ الرحمۃ والرضواں انجام دے رہے تھے تیسرا مناظرہ بنیر ضلع امراوتی، مہاراشٹر میں، چھوتھا مناظرہ بولیا مندسور پور، راجستھان میں پانچواں مناظرہ جھریا ضلع دھنباد بہار اور چھٹا مناظرہ کٹک، اڑیسہ میں آپ نے کیا۔ اور بفضلہ تعالیٰ تمام مناظروں میں آپ کامیاب رہے۔ دیکھنے والوں نے آپکی مناظرانہ مہارت کے جلوے اپنی آنکھوں سے دیکھے اور آپ کو داد تحسین سے نوازا۔ علماء اور مشائخ کی جانب سے متفقہ طور پر آپ کو مناظر اہلسنت کا خطاب بھی دیا گیا۔

جب بھی اسلام خلاف نظریات نے اسلام کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کیں، رئیس القلم نے سیاسی ومذہبی طور پر ان کا بھرپور دفاع کیا۔ کل ہند مسلم پرسنل لاء کانفرنس، کل ہند سنی اوقاف کانفرنس، بہار صوبائی کانفرنس اس کا واضح ثبوت ہیں کل ہند مسلم پرسنل لاء کانفرنس سیوان انتہائی تزک واحتشام کے ساتھ ایک ایسے وقت میں منعقد کی جب کہ شاہ بانو کیس میں مسلم مطلقہ کے نان ونفقہ سے متعلق سپریم کورٹ کے فیصلے پر ملک کے مسلمان اضطراب وبے چینی کا شکار تھے۔

خارجیت زدہ محمود عباسی نے جب ''خلافت معاویہ ویزید'' نامی کتاب لکھی۔ جس میں اس نے خارجیوں کی طرح امام حسین رضی اللہ عنہ کو باغی اور رجادۂ حق سے منحرف قرار دینے اور یزید پلید کو برحق ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی تو برصغیر ہندو پاک میں اس کتاب کے خلاف آواز بلند ہوئی۔ علماء اہلسنت نے تحریر وتقریر کے ذریعہ اس کے زہریلے مواد سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ علامہ مشتاق احمد نظامی پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں۔ انہوں نے ''ماہنامہ پاسبان'' کا ''حسین نمبر'' شائع کر کے جماعت کی اہم ذمہ داری نبھائی۔ اس گلدستہ مضامین میں ارباب علم نے جن تحقیقی مضامین کو پسند کیا اور داد وتحسین سے نوازا، ان میں علامہ موصوف کا مضمون بھی شامل ہے۔

ڈاکٹر عابد رضا بیدار ڈائریکٹر خدابخش لائبریری پٹنہ نے یورپی پروپگنڈہ سے متاثر ہوکر جب اسلام کے قانون طلاق پر اعتراض کیا، تو اخبارات ورسائل میں بڑی لے دے مچی اور اپنے اپنے طور پر ارباب علم ودانش نے اس کا جواب دیا، راقم الحروف کی نظر سے کئی دانشوروں کے جوابات گزر چکے ہیں لیکن یہ حقیقت نوک قلم پہ لانی ہی پڑتی ہے کہ اس تعلق سے علامہ ارشد القادری کا جواب محققانہ ہونے کے ساتھ بڑا ہی مُسکت اور دندان شکن تھا۔

نوپید مسائل کے حل کے لئے علامہ موصوف نے جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں ''شرعی بورڈ'' بھی قائم فرمایا تھا۔ اور ہندوستان کے جید علماء ومفتیان عظام کی توجہ اس کی طرف مبذول کرائی تھی اور مسئلے کی

فقہی تحقیق کے لئے کئی مجلس مذاکرہ بھی منعقد کرائی تھی۔ پھر یہ بورڈ سرد مہری کا شکار ہوگیا تو ۱۹۹۳ میں اسی مقصد کے لئے مجلس شرعی کا قیام عمل میں آیا۔ ووٹ کے حق استعمال کے لئے جب حکومت نے شناختی کارڈ کو لازمی قرار دیا تو مجلس شرعیہ جامعہ اشرفیہ مبارکپور کے فقہی سیمینار میں شناختی کارڈ کے لئے تصویر کشی کے مسئلے کو علماء کے سامنے پیش کرنے والے وہی تھے۔ اس کے مشروط جواز پر دستخط لیکر رسالوں میں شائع کرنے والے علامہ موصوف ہی تھے۔ یہ کارنامہ بھی ان کے قومی ملی درد وکرب کی آئینہ دار ہے۔

ثبوت رویت ہلال کے بعض جدید طریقوں پر جب شرعی بورڈ میں کوئی حتمی فیصلہ نہ ہوسکا تو اسی مقصد کے لئے قائم کی گئی ''مجلس شرعی'' کے ارکان کو علامہ ارشد صاحب نے مزید اس موضوع پر غور و خوض کی دعوت دی۔ ہم سبھی ارکان نے مل کر دوبارہ اس پر غور کیا۔ گو کہ کسی ایک نکتہ پر اتفاق نہ ہوسکا۔ بہار میں قضاء سے متعلق مسائل کے حل کے لئے انہوں نے پٹنہ میں ادارۂ شرعیہ قائم فرمایا جو آج پورے بہار میں دارالقضاء کی حیثیت سے معروف ہے۔

درس نظامی کے تکمیل کے بعد فارغین کو عربی وانگریزی زبان وبیان سے مسلح کرنے کی غرض سے دہلی میں ایک عظیم الشان ادارہ جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء قائم فرمایا جہاں سے محققین کے کئی قافلے عالم اسلام کی مشہور اسلامک یونیورسٹی جامع ازہر مصر میں زیر تعلیم ہیں۔

بساطِ سیاست پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ مسز اندرا گاندھی جیسی سیاست داں بھی علامہ موصوف کو قدر کی نگاہ دیکھتی تھی مگر سیاست کو انہوں نے اپنے ذاتی مفاد کے لئے استعمال نہیں کیا۔ بلکہ قومی وملی مسائل کے حل کی طرف پوری توجہ مرکوز رکھی اسلئے پیش کش کے باوجود کبھی کوئی سیاسی عہدہ قبول نہیں کیا۔

جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی میں سب سے پہلے جے پور فقہی سیمینار کے لئے جاتے ہوئے راقم الحروف کو ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ ادارہ کی خوبصورت عمارت، انگریزی وعربی تعلیم و تدریس کا معقول نظم دیکھ کر میری آنکھوں میں خوشی کے آنسو امنڈ آئے کہ ایک سنگلاخ زمین میں علم وفن کا یہ گلشن اسے خدا کا فضل اور علامہ موصوف کے اخلاص کی نتیجہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ دیر تک علامہ سے باتیں ہوتی رہیں۔ بعد مغرب معمول کے مطابق دلائل الخیرات شریف کی تلاوت میں مصروف ہوگئے۔ جب فارغ ہوئے تو جامعہ کے مجوزہ نصاب تعلیم پر تبادلۂ خیالات کیا۔

گھوسی میں متعدد بار ملاقات کا شرف حاصل رہا۔ عرس امجدی کے موقع پر فتاویٰ امجدیہ جلد سوم کی رسم اجراء انہوں نے خود کی تھی اور راقم کو فتاویٰ کی تحشیہ پر مبارک باد اور دعائیں دی تھی۔ صدرالشریعہ کے پچاسویں عرس مقدس کے موقع پر جب راقم الحروف نے سیمینار منعقد کرایا تھا وہ از اول تا اخیر سیمینار میں شریک رہے اور سوانح صدر الشریعہ لکھنے پر مجھے دعائیں دیں۔ ۲۰۰۰ء میں کلیر شریف مولانا غلام نبی نوری کی دعوت پر جامعہ صابریہ کے زیر اہتمام منعقدہ دوروزہ جلسے میں علامہ موصوف بھی دہلی سے تشریف لائے تھے۔ وہ منظر مجھے اب بھی یاد ہے کہ جب کوئی نعت خواں نعت رسول پڑھتا تو ان کی آنکھوں سے آنسوں جاری ہو جاتے۔ اور کبھی کبھی تو رونے کی آواز تک نکل جایا کرتی تھی۔ دواء علاج کے لئے علامہ کا پروگرام سہارنپور جانے کا ہوا۔ مجھ سے فرمایا کہ آپ بھی چلئے۔ علامہ کے ساتھ مولانا مقبول احمد مصباحی اور مولانا عبدالصمد وغیرہما بھی تھے۔ دوپہر کو ہمارا قافلہ جامعہ غوثیہ سہارن پور پہونچا۔ حکیم سید محمد احمد صاحب قبلہ سے ملاقات ہوئی، دوا لی گئی، پھر شام تک ہم لوگ واپس کلیر شریف آگئے۔ راستے میں مختلف دینی، علمی، سیاسی، سماجی موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی۔

مئی ۲۰۰۱ء کو عزیز القدر جناب خوشتر نورانی زید مجدہٗ ڈائیریکٹر جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی کی دعوت پر سیمینار سے متعلق میٹنگ میں شرکت کی غرض سے جب دہلی پہونچا تو ان دنوں علامہ موصوف کی طبیعت قدرے ناساز تھی پھر بھی بہت دیر تک مختلف موضوع پر گفتگو فرماتے رہے۔ یہ میری آخری ملاقات تھی اب جبکہ وہ اِس دنیا میں نہ رہے ان کی شفقت ومحبت رہ رہ کر کچوکے لگاتی ہے۔ اور جب بھی ان کے بے لوث علمی ودینی کارناموں کی یاد آتی ہے تو آنکھیں اشکبار ہوجاتی ہیں۔ دل کی گہرائی سے دعا نکلتی ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

رئیس القلم

غم نے جسے چین سے جینے نہیں دیا!

مولانا رکن الدین اصدق
چیف ایڈیٹر "جام شہود" کلکتہ

علامہ ارشد القادری

جن کے سینے میں ایک دھڑکتا ہوا دل تھا جو ہر دم انہیں جماعت کے غم میں بے چین رکھتا تھا۔۔۔۔وہ جب راتوں کو بستر پر لیٹتے تو یہی فکر ستاتی کہ جماعت کی شیرازہ بندی کس طرح کی جائے۔ دن میں جب تنہائی ہوتی تو یہی غم دامنگیر ہوتا کہ باطل کی یلغار کا دفاع کس طرح کیا جائے۔۔۔۔۔وہ پیل مست مولویوں سے گریزاں رہتے، متحرک وفعال افراد کی ان کو ہر وقت تلاش رہتی۔ انہیں وہ آدمی بہت پسند تھا جو جماعت کے لئے قربانی کا جذبہ رکھتا ہو۔

میں نے بارہا بہت قریب سے دیکھا ہے کہ انہوں نے جماعتی مفاد کے آگے ذاتی نقصان کی پرواہ نہیں کی ہے اس زمانے میں جب کہ ہر طرف دنیا پرستی کا دور دورہ ہے۔ حتی کی علماء بھی ذخیرہ اندوزی میں کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔۔ جماعتی درد میں ذاتی نقصان بطیب خاطر قبول کر لینا کسی کرامت سے کم نہیں۔۔۔خواہشات کے دروازے تو کبھی بند نہیں ہوتے۔ دین کے داعیوں کے لئے قناعت بڑی دولت ہے۔

ایک بار ادارۂ شرعیہ میں آکر ایک مولوی صاحب نے جو کہیں خدمت پر مامور تھے۔ تنخواہ کی کمی کا شکوہ کیا۔ حضرت علامہ نے سمجھانے کی کوشش کی کہ اس تھوڑے کو بہت سمجھو۔ تمہارے وہاں جے رہنے سے سنیت کا بڑا کام ہوگا۔۔۔۔مولوی صاحب نے ذرا ترش ہو کر کہا حضرت! پیٹ بھی تو ہے۔ بیوی، بال بچے بھی تو ہیں۔۔۔۔حضرت نے برہمی کے ساتھ فرمایا، مجھے پیٹ نہیں ہے۔ میرے بال بچے نہیں ہیں میں نے تو اپنا سارا وقت دین وملت کے خدمت میں لگا دیا ہے پھر بھی کھا، پہن رہا ہوں اور میرے بچے بھی بھوکوں نہیں مر رہے ہیں۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ مقابل کو خاموش کر دینے کے لئے یہ ایک مناظرانہ جواب تھا تو ذرا غلام ربانی بھائی ہی سے پوچھ لیجئے کہ آپ کا بچپنا کس خوش حالی میں گذرا ہے۔ علامہ نے بھوک نہیں مرنے کا دعویٰ کیا ہے اور معاملہ بھی بس اسی قدر تھا۔

اکتوبر ۱۹۷۴ء سے دسمبر ۱۹۸۳ء تک میں ادارۂ شرعیہ کا ایسا بااختیار مہتمم تھا کہ کوئی مجلس عاملہ مجھ پر مسلط نہیں تھی اس ادارہ میں میرے دستخط کے بغیر کوئی پانچ روپے کا خرچ بھی جائز قرار نہیں پاسکتا تھا۔ حضرت علامہ ان دنوں کثرت سے ادارہ تشریف لاتے اور کئی کئی روز قیام فرماتے تھے۔ کبھی ایک پروگرام سے دوسرے پروگرام پر جاتے ہوئے۔ کبھی کسی سیاسی مقصد کے تحت۔ اور بیشتر ادارہ کی ضرورت سے۔ مگر انہوں نے کبھی مجھ سے کوئی رقم طلب نہیں فرمایا۔

میری خدمات کے جو حد درجہ معترف تھے اسکی بنیادی وجہ بھی یہی تھی کہ میں نے مالیات کی فراہمی پر اپنا کوئی کمیشن نہیں رکھا تھا۔ رمضان المبارک کی وصولی پر بھی کچھ حق المحنت نہیں لیتا تھا۔ جس کا خود اپنا مزاج بھی یہی ہو ظاہر ہے کہ اسے ایسے معاملات کی قدر ہوگی۔ کھانا بھی ادارہ میں انہیں کھانے کی حاجت نہ تھی۔ اللہ سلامت رکھے حضرت الحاج منے میاں بریلوی کو علامہ کا جب تک قیام رہتا، کھانے کا انتظام ان کے ذمہ ہوتا۔ کھانا بھیجتے وقت وہ اس بات کا بھی لحاظ رکھتے کہ علامہ کے پاس ضرور کچھ ملنے والے بھی ہوں گے۔

۱۹۶۸ء میں جو غم ریاست کی راجدھانی پٹنہ آنے کا محرک بنا تھا وہی غم انہیں آخر میں کشاں کشاں ملک کی راجدھانی دہلی بھی لے گیا درگاہ حضرت محبوب الٰہی کے شمال میں پیر ضامن نظامی کی ایک چھوٹی سی مسجد کو ٹھکانہ بنایا اور مسجد کے سائز کا بورڈ بنا کر اپنی عظیم الشان تحریک کا آغاز فرمایا۔ ایک حافظ اور چند طلباء حفظ کرنے والے آپ کی تحریک کے ابتدائی ساتھی تھے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ قائد ملت حضرت مولانا سید شاہ اسرار الحق ایم پی صدر کل ہند قومی ایکتا دہلی کی مدد سے ادارہ کے لئے کسی افتادہ سرکاری زمین کی حصول کے لئے کوشاں رہے۔ لیکن کامیابی نہ مل سکی ابتدائی ایام ان کے کن مشکلات میں گذرے اس کا آپ کو کچھ اندازہ اس واقعہ سے ہوگا۔

ادارۂ شرعیہ پٹنہ سے علیحدگی اختیار کر لینے کے بعد بہار شریف پہونچکر میں اپنا خیمہ نصب کر چکا تھا ان ہی دنوں میرے بے تکلف دوستوں میں ایک صاحب بہار شریف پہونچے اور مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف کو دیکھ کر فرمایا۔ ماشاء اللہ آپ نے تو بہت بڑا کام کر لیا۔ پھر تمسخر کے انداز پر بولے ''علامہ تو دہلی میں پیاز چھیل رہے ہیں'' دہلی گیا تھا تو کھوج ڈھونڈ کر نظامی مسجد پہونچا، دیکھا کہ ایک مولوی اسٹوپ جلا رہا ہے اور مولانا پیاز چھیل رہے ہیں۔۔۔۔۔انہیں اپنے اس احمقانہ جملے پر مجھ سے داد تحسین کی توقع صرف اس لئے تھی کہ علامہ سے شکررنجی کے نتیجے میں کچھ دنوں پہلے میں ادارہ سے علیحدہ ہو چکا تھا۔ شاید انہیں معلوم نہیں تھا کہ اپنی جماعت کے مولویوں کی تن آسانی سے میں خود بھی علامہ ہی کی طرح ہمیشہ دکھی رہتا ہوں۔

لوگوں کی طرف سے بڑی بڑی پیش کش کے باوجود میں نے تو خود بھی بہار شریف کی ایک ویران شاہی مسجد میں جنوری کی سرد لہری کے دن کاٹے تھے اور اسی مسجد کی ایک کوٹھری میں تاریک راتیں تن وتنہا بسر کی تھیں۔ نہ کوئی ایک لوٹا پانی دینے والا تھا اور نہ کسی سے ایک پیالی چائے کی کوئی امید تھی میں نے ان سے کہا، میرے دوست! اس انداز تکلم سے پہلے ذرا آپ نے یہ سوچ لیا ہوتا کہ علامہ کے پاس پیاز چھیلنے کے علاوہ کیا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے؟

اگر وہ۔۔۔۔جامعہ فیض العلوم کے کشادہ کمرے میں بحیثیت مہتمم مسند نشین ہوتے تو کیا اس وقت بھی انہیں پیاز چھیلنے کی نوبت آتی اگر وہ ادارۂ شرعیہ کے آراستہ کمرے میں بحیثیت سربراہ اعلیٰ متمکن ہوتے تو کیا پھر بھی انہیں پیاز چھیلنے کی احتیاج باقی رہتی۔''

اگر وہ اپنے ماتحت چلنے والے درجنوں اداروں میں سے کسی کو بھی رونق بخشتے تو اس کے بعد بھی انہیں پیاز چھیلنے کی مشق کرنی پڑتی؟۔۔۔۔ سمجھ کا پھیر ہے میرے بھائی! جسے آپ پیاز چھیلنا کہہ رہے ہیں وہ پیاز نہیں چھیل رہا ہے۔ اس کے دونوں ہاتھ ملک کے کروڑوں سنیوں کا مستقبل سنوارنے میں لگے ہوئے ہیں۔

اگر وہ صرف اپنے لئے جیتا تو ملک کے دوسرے افراد کی طرح اس کے پاس بھی افراط زر ہوتا اور اس کے عشرت کدے بھی آباد ہوتے۔ مگر واللہ! وہ پیر ناتواں جھولی تھامے نگر نگر پھر رہا ہے اور ڈگر ڈگر کی ٹھوکر کھا رہا ہے۔ کس لئے؟ ملت کے درد میں، جماعت کے غم میں، اور سنیوں کی خوش حالی کی فکر میں۔ آپ قدر کریں نہ کریں لیکن آنے والا مورخ یہ کہے بغیر نہیں رہ سکے گا۔

غبار راہ سے کہہ دو سنبھا...

زمانہ ڈھونڈے گا ان کو رہبر...

تن آسانی ڈھونڈ ھنے والے جوان العمر مولو... جائے عبرت نہیں کہ..... بہتر سالہ ایک بوڑھ... کھڑا ہے۔ اس کے دامن پھیلے ہوئے ہیں۔... وہ اپنی جماعت کی بے حسی کا شکوہ ان الفاظ...

سب باندھ چکے کب کے...

ہم ہیں کہ گلستاں کی ہوا دیکھ...

وہ کہہ رہا تھا مکرانہ کے زندہ دل مسلمانوں! بہتر سال کا ایک بوڑھا آج تمہارے روبر... غرض لیکر تمہارے پاس نہیں آیا۔ وہ صرف ا... راجدھانی دہلی میں غیروں نے اپنے اپنے آ... سنیوں کے پاس درگاہوں کے سوا اپنی کوئی جگ... نہیں قوم کے جیالوں کے لئے دہلی میں ایک... تا کہ وہ وہاں انٹرنیشنل زبانوں کی تعلیم حاصل... اسلام کا فریضہ انجام دے سکیں۔ اگر تم بھی مح... آنے والی نسل کو جینے کے لئے اس کی ضرورت... کے قیمتی پتھروں سے ہمارے ہاتھ مضبوط کرو...

غموں کے بوجھ تلے دبی ہوئی اس پکا... دھندہ کرنے والوں کا دل آب ہو گیا انہوں... اس بوڑھے مجاہد کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ج... ''جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء'' کی پر شکو... رہے ہیں۔

ایک قابل تقلید عمل

بڑھاپے کی رقت انگیز داستان کے... آموز کہانی بھی سن لیجئے۔ ۱۲ر محرم ۱۴۲۳ھ ک... بیگھہ نگواں ضلع گیا نے بتایا کہ راور کیلا رائٹ... شہر میں سلائی کا دھندہ کرتے تھے۔ ہم چند... والے اور مزدور پیشہ لوگ سنی تھے بعض سرکا... تھے۔ مگر پتہ نہیں چل پاتا تھا۔ چونکہ پور... داری تھی۔

میلاد کی مجلس اور صلوٰۃ وسلام سننے... تھے۔ آخر ایک دن ہم لوگوں نے پلان بنا...

میلاد منعقد کی جائے اور جمشید پور سے علامہ ارشد القادری صاحب کو بلایا جائے۔ پروگرام ترتیب دے کر ہم لوگ دو آدمی جمشید پور پہنچے حسن اتفاق سے علامہ موجود تھے، پہلے ہم دونوں اپنی بے سروسامانی کا رونا روئے اس کے بعد میلاد شریف کی دعوت پیش کی۔

ہم دونوں کی فریاد سن کر حضرت علامہ کی رگ غیرت پھڑک اٹھی، انہوں فرمایا، تقریر کے لئے تو کسی کو بھی بھیج سکتا تھا مگر اب راور کیلا میں خود آؤنگا۔ غضب یہ ہوا کہ ہم لوگوں نے راور کیلا پہنچنے کے بعد جوش میں آکر اس خبر کو خوب خوب تشہیر کردی۔ اب کیا تھا، ہر طرف سے سیل رواں امنڈ پڑا۔ روکو، تھامو، ارشد القادری کو مت آنے دو، ہم لوگوں نے بھی اڑ دکھائی تب وہ لوگ کسی قدر نرم پڑے اور گذارش کے لہجے میں کہنا شروع کیا کہ میلاد کرو، مقرر بلاؤ، مگر ارشد القادری کو نہیں، کسی دوسرے بریلوی عالم کو دعوت دو۔ لیکن ہم لوگ اپنے فیصلے پر قائم رہے اور حضرت علامہ مقررہ تاریخ پر تشریف لے آئے۔

جب علامہ سے غیروں کا طرز عمل بیان کیا گیا تو فرمایا "گھبراؤ نہیں اب کوئی سامنے نہیں آئیگا۔ مارکیٹ کے اندر دکان میں جلسہ تھا اور دکان ہی میں علامہ کو ٹھہرایا گیا۔ ایک بڑے عالم کی پذیرائی کا ہم لوگوں میں سلیقہ نہیں تھا، مگر علامہ کو کسی طرح کی شکایت نہیں ہوئی۔ دو گھنٹے ایسی مفصل، مدلل اور پر مغز تقریر فرمائی کہ بیگانے بھی عش عش کہہ اٹھے۔ اس وقت علامہ کی عمر چالیس کے قریب تھی۔

صبح کے وقت ہم نے حقیر سا نذرانہ پیش کیا اور اپنی کم مائیگی کے لئے عذر خواہ ہوئے اور حضرت کے چہرے پر بل نہیں آیا خنداں پیشانی کے ساتھ فرمایا۔ اس کی بھی چنداں حاجت نہیں تھی۔ یہ معلوم کرنے پر کہ کس گاڑی سے واپسی کا ارادہ ہے، فرمایا کہ آج نہیں جاؤں گا۔ ناشتہ کے بعد پوچھ پوچھ کر شہر کے چیدہ سنی حضرات کے ناموں کی ایک فہرست تیار کی اور شام کے وقت ان سبھوں کو جمع فرما کر جماعتی شیرازہ بندی پر نہایت مؤثر گفتگو فرمائی اور اس کے لئے ایک سنی مسجد اور سنی مدرسہ کی ضرورت پر بھر پور توجہ دلائی۔

نالہ روڈ میں مدرسہ و مسجد کے قیام پر لوگوں سے اتفاق رائے کرایا۔ ادارہ کے نام تجویز کر کے کمیٹی تشکیل فرمائی۔ یہ پہلا دن تھا کہ راور کیلا میں سنیت کے فروغ کے لئے خشت اول رکھی گئی۔ مسجد و مدرسہ کے قیام کے بعد کبھی تیز کبھی سست مگر کام برابر جاری رہا۔ علماء و مشائخ کی بھی آمد شروع ہوگئی اور حضرت علامہ نے تو سرپرستی کا بوجھ اپنے کاندھے پر تاحیات اٹھائے رکھا۔

کچھ سمجھا آپ نے ۔۔۔ راور کیلا کے یہ دیابنہ اس بات پر مصر کیوں تھے کہ میلاد پڑھنے سنی عالم آئے مگر اس کا نام ارشد القادری نہ ہو۔ وہ جان رہے تھے کہ کوئی بھی بریلوی مقرر آئے گا تو اسے لچھے دار تقریر کے بعد صرف لفافہ مطلوب ہوگا مگر جس کا نام ارشد القادری ہے وہ اتنی آسانی سے اسٹیل نگری کی فیلڈ ہمارے لئے خالی چھوڑ کر واپس نہیں چلا جائے گا۔ وہ جاتے جاتے ایک ایسا مستحکم پائیدار اور دیر پا دروازہ تعمیر کر جائے گا۔ جس سے ہندوستان بھر کے سنی عالموں کا آنا جانا ہمیشہ قائم رہیگا۔

حضرت علامہ علیہ الرحمہ کا یہ وصف خاص بھی بھلائے جانے کے قابل نہیں ہے کہ۔ جن جن مقامات سے ان کا گذر ہوا، انہوں نے دوسروں کے لئے راہیں ہموار کیں۔ کبھی انہوں نے یہ نہیں چاہا کہ دنیا صرف ہمیں جانے اور کسی کو نہ پہچانے بہتوں کے بارے میں علم یقین کے ساتھ میں جانتا ہوں کہ حضرت علامہ نے انہیں جگہ دکھائی۔ لوگوں میں متعارف کرایا۔ نہایت ہی اخلاص سے ان کی ساکھ جمائی اور پھر زمام قیادت انہیں سونپ کر خود واپس چلے آئے۔

یہ کون نہیں جانتا ہے کہ میں ادارۂ شرعیہ سے کبیدہ خاطر ہو کر مستعفی ہوا تھا اور علامہ کو میری علیحدگی سے تکلیف بھی پہنچی تھی۔ لیکن بہار شریف میں مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف قائم کرنے کے کچھ دنوں بعد جب دہلی کی نظامی مسجد میں علامہ سے میری ملاقات ہوئی تو نہایت کشادہ قلبی کے ساتھ ملے اور فرمایا کہ ۔۔۔ آپ نے مخدوم جہاں کی نگری میں سنیت کا قلعہ قائم کر کے پوری جماعت کا قرض اتار دیا ہے۔ ادارہ سے آپ کی علیحدگی کا اب مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔ اگر میں آپ کی خدمت کے لائق ثابت ہوسکوں تو اس کے لئے حاضر ہوں۔ چنانچہ ۲۹/ اکتوبر ۱۹۸۶ء کی عظیم الشان سنگ بنیاد کانفرنس میں آپ میری دعوت پر تشریف لائے اور بہار شریف میں دو روز قیام فرمایا۔ واپسی کے وقت میں نے جو کچھ نظر کیا وہ سفر خرچ سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ پھر بھی میرے پیہم اصرار پر قبول فرمایا اسے کہتے ہیں جماعت کا درد۔ آج بھی ان کی خاک قبر سے یہی آواز آرہی ہے۔ مقصود عمرانی کی زبان میں۔

وہ کوئی اور ہی ہوں گے، جو تنہا پی گئے ساقی
جہاں ہم بیٹھتے ہیں، انجمن کی بات کرتے ہیں

مولیٰ تعالیٰ ان کی قبر پر رحمت و انوار کی بارش فرمائے اور جنت الفردوس میں انہیں جگہ عطا فرمائے (آمین)

مولانا ڈی کلیم م
جامعہ ملیہ اسلامیہ، ذاکر نگر

زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے!

اسے قدرت کی ستم ظریفی کہا جائے یا ملتِ اسلامیہ کی کم نصیبی کہ جہاں باصلاحیت افراد کی بہتات اور ریل پیل ہوتی ہے وہاں نئے نئے نوابغ روزگار جنم لیتے ہیں اور جہاں باصلاحیت افراد کی کمی ہو وہاں قدر آور اور عہد آفریں اشخاص اٹھتے چلے جاتے ہیں اور زمین انھیں اپنا لقمۂ تر بنا لیتی ہے، گذشتہ کچھ سالوں اور مہینوں کے اندر ملک کے سب سے زیادہ بلند قامت نفوس جس طرح ہمیں داغ مفارقت دے گئے اس سے نہ صرف کسی ایک طبقے ہی کو رنج و قلق ہوا ہے بلکہ پوری عالم اسلام ان عظیم ہستیوں سے محروم و مغموم ہو گئی۔
کارخانۂ قدرت کی یہ پرانی ریت رہی ہے کہ اس نے اس خاکدان گیتی پہ لوگوں کی رہبری و رہنمائی کے لئے ہر دور میں کچھ ایسے برگزیدہ اور صاحب فضل و کمال افراد کو پیدا فرماتا ہے جو اپنے پاکیزہ کردار و عمل، انقلابی فکر و نظر اور بے پناہ علمی قوت و سطوت سے مردہ دلوں میں زندگی کی حرارت اور قلوب کی اجڑی ہوئی کیفیتوں کو عشق و عرفان و ایمان جیسی دولت سے شادکام کرتے ہیں جنکا وجود پوری نوع انسانی کے لئے مینارۂ نور اور جنکی حیات کے مقدس لمحات مشعل راہ ہوتے ہیں اور جو اپنے علمی و عملی کارناموں اور اپنی روحانی عظمت و رفعت کے ذریعے کائنات کو ایسی روشنی عطا کرتے ہیں جس کے سہارے صدیوں تک انسانی قافلہ منزل مقصود کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔ سرزمین ہند بھی علم و فضل اور رشد و ہدایت کے ایسے آفتاب و ماہتاب سے روشن و تابناک ہے جس کی نورانی شعاعیں کفر و ضلالت کی دبیز چادر کی نقاب کشائی کرتے ہیں۔ انہی برگزیدہ ہستیوں میں زہد و تقویٰ کے بدر منیر، تحقیق و تدقیق کے در بے نظیر، سیاست صادقہ کے گوہر مستنیر و آسمان علم و فضل کے نیر درخشاں حضرت شہنشاہ قلم علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ کی ذات بابرکات ہے جنکی حیات و خدمات پر خامہ فرسائی کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے یہ حضرت مرحوم ہی کی

ذات ہے جنکی عظمت و رفعت کا پرچم مشرق و مغرب، شہ
بلکہ ہر سو لہرا رہا ہے۔ جن کے علمی تحقیقی شہ پاروں سے عر
مسلمانوں کے قلوب روشن ہیں۔ آپ نے پوری زندگی ا
قوم کی بے لوث خدمت کیلئے وقف کر دی آپ ہی کے دم ق
و بیرون ہند کی علم و فضل کی بزمیں آراستہ ہیں۔
آج ہم جس شخصیت کے متعلق بات کر رہے ہیں اس عظیم
نشان امتیاز علمی بصیرت اور روحانی رفعت ہے شہنشاہ قلم،
حضرت علامہ صاحب مرحوم نے اپنی پوری زندگی میں ملی
کے لئے تعلیمی، تنظیمی اور تصنیفی کام کی ایک قابل تقلید مثال ق
آپ نے اپنی معنی خیز جد و جہد کے لئے جن میدانوں کو چنا
اپنے خون جگر سے آبیاری کی ان سے کسی بھی قوم کی افراد ک
بنیاد رکھی جاتی ہے۔ یعنی تنظیم اور تعلیم آپ نے ان میدانو
خاموشی، سلیقہ، خلوص، للٰہیت اور یکسوئی کے ساتھ جو کار ہا
انجام دیے ان کا فائدہ انشاء اللہ العزیز رہتی دنیا تک ا
اٹھاتے رہیں گے۔
'بلیا' کی سرزمین (جو آپ کی جائے پیدائش ہے) سے
اسلام کی جو کرن پھوٹی اس نے چار دانگ عالم کو منور کر دیا
کے کونے کونے میں اسلام کا پیغام پہونچا۔ حضرت مرحوم
عظیم شخصیتوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی پوری زندگی اس
عام کرنے میں گذار دی۔ گذشتہ ہفتہ یہ ملک اس عظیم شخصیت
شفقت سے محروم ہو گیا جن کی وجہ سے آج پورا ملک سوگوار
فضائیں بھی مغموم ہیں کہ وہ آج حضرت مرحوم کی رحلت
کی زبان سے عشق رسول اور وحدانیت کے تذکرے سننے
ہو گئیں آج ملک کا ایک بطل جلیل داغ مفارقت دے گیا
حق ہماری صفوں سے اٹھ گیا ہے وہ ہستی اب اس دنیا میں

جس نے پورے 77 برس تک ہندستان کی فضاؤں میں رشد وہدایت کے نغمے بکھیرے۔ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کا انتقال صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری عالم اسلام کے لئے ایک سانحہ سے کم نہیں وہ ایک ایسی ہستی تھی جو صدیوں بعد پیدا ہوتا ہے ان کے انتقال سے بلاشبہ ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے جو شاید مشکل سے پورا ہو۔

حضرت علامہ مرحوم کی ذات گوناگوں صفات وکمالات کی جامع تھی علمی مرتبہ اتنا بلند کہ اپنے وقت کے مرجع علماء وفضلاء اور تبلیغی حیثیت کا یہ عالم کہ بلاتفریق ہر خاص وعام کے مصلح، ایسے ہی ہمہ جہت شخصیت کا فیض ہر زمان ومکان کے لئے یکساں ہوتا ہے آج ان کی ذات جسمیہ بھلے ہی ہمارے درمیان موجود نہیں مگر افادیت کے لحاظ سے ہر شد بدر کھنے والا شخص جب ان کی تصنیفات، تعلیمات اور تبلیغی خدمات اور ان کی صحبت میں تربیت یافتہ حضرات سے استفادہ کرتا ہے تو مرحوم کو اپنے درمیان پاتا ہے اور ایسا محسوس کرتا ہے گویا آپکا سحاب علم آج بھی باران رحمت کی طرح برس رہا ہے۔

آبروئے سنیت کے سرفروش مجاہد، اقلیم صحافت وخطابت کا عظیم مدبر، اخلاقی قدروں کا بہترین حامل، اسلاف کا سچا وارث، بے مثال و منفرد ناظم، قومی یکجہتی واتحاد کا مخلص علمبردار جس کی زندگی کا ہر ہر لحہ امت مسلمہ کی خدمت کے لئے وقف رہا اور جو اس خاکدان گیتی کو خیر آباد کہہ کر بھی امت مسلمہ کے نونہالوں اور وطن عزیز کے فرزندوں کو بھی اپنا یہ روحانی پیغام سنا رہا ہے۔

سینچا ہے اسے خون سے ہم تشنہ لبوں نے
تب جا کے اس انداز کا میخانہ بنا ہے

ملت اسلامیہ کی تاریخ نہ جانے کب تلک اس عظیم انسان اور پرستار سنیت کے کردار، کارناموں اور پیغام سے فیضیاب ہونے سے محروم رہے گی جس نے اپنا تن من دھن سب کچھ لٹا کر کچھ بھی حاصل کرنا قبول نہ کیا ہماری اسلامی، مذہبی اور قومی کشت زار کو اپنے خون دل سے سینچنے والی شخصیتوں کو کسی بھی حالت میں نظر انداز اور فراموش نہیں کیا جاسکتا اور شاید یہی وجہ ہے کہ برصغیر کی قوم مسلم کے جانباز مجاہد ایثار وقربانی کے حامل، سچے عاشق رسول، جرأت گفتار، علوئے کردار اور عملی زندگی کے پیکر رئیس القلم حضرت مرحوم علیہ الرحمہ اس دار فانی سے کوچ کر جانے کے باوجود ہمارے دل ودماغ پر اس طرح چھائے ہوئے ہیں کہ اپنے جذبۂ اخلاص وایثار کی وجہ سے کبھی نہ بھلائے جانے والے صاحب کردار رہنماؤں میں سے ایک عظیم رہنما ومعمار قوم ملت

شمار کئے جاتے ہیں آج قوم مسلم ان کی علمی، عملی، تصنیفی تنظیمی کارناموں کا احسان جتنا بھی مانے وہ کم ہے۔

حضرت علامہ مرحوم کی شخصیت علمی میدان کے ان علماء میں سے ایک ہے جہاں جوئے نشاط بہتی ہے، نسیم عدل چلتے ہیں، موت کی افسردگی نہیں بلکہ حیات کی تازگی یا یاس کی تیرگی نہیں بلکہ امید ورجائیت کی روشنی نمایاں ر طائران نواسنج فیض گل سے محروم نہیں، جہاں صیاد نہیں باغباں کا فیض عام ہے۔

آپ ہندوستان کے ان علماء میں سے ایک ہیں جن ـ یکجہتی اور اتحاد کے بغیر قوم مسلم کا فارغ البالی اور خوشح نہیں کیا جاسکتا آپ کی ذات قوم مسلم کے لئے ایک ا اور عملی تصویر تھی جسے ملک وقوم کی آنے والی نسلیں ناز ہ کریں گی۔ مادر گیتی نے ایسی مایہ ناز ہستی کو اس دنیا میں نور اور بقعۂ نور ہی نہیں بلکہ آنے والی نسلوں کیلئے مشعل آج ہمارے پاس اپنے پرخلوص مہربان مربی کی بارگا محبت کے نذرانے پیش کرنے کے لئے شایان شان اور زبان وبیان قلبی احساسات کی ترجمانی کرنے بلاشبہ آپکا ہر لحہ اسلام کے فروغ واستحکام اور قوم سربلندی وبہتری کے لئے وقف تھی آپ نے تعلیمی وترقی کو اپنا وطیرہ سمجھا اور اس کے فروغ واستحکام میں کیا اور ہماری منزلوں کی راہیں ہموار کیں اور شب گئے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کے لئے صبح درخشاں کا ا عزم واستقلال کا تذکرہ کہاں تک کیا جائے۔ دعا نسیم بہاراں ان کی قبر وروح کو ہمیشہ شاداب رکھے گلشن علم کی رعنائی قائم رہے۔ اور دعا ہے کہ م کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ہم سب کو آ چلنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے آمین!

جمال یار کی رعنائیاں بیان
بہت ہی کام لیا میں نے خوش

ورق تمام ہوا اور مدح با
سفینہ چاہیئے اس بحر بیکراں

اک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی

وہ لوگ ہم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
ڈھونڈھا تھا آسماں نے جنہیں خاک چھان کر

نمونۂ سلف حضرت علامہ محمد طریق اللہ صاحب نعیمی شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ مرادآباد، شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی، فقیہ ملت حضرت مفتی جلا ل الدین صاحب امجدی، رئیس القراء حضرت قاری احمد ضیاء صاحب ازہری، استاذ العلماء حضرت علامہ تجمل الہدیٰ صاحب قادری بیت الانوار گیا کے بعد رئیس القلم قائد ملت حضرت علامہ ارشد القادری صاحب (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کے وصال نے دنیائے اسلام وسنیت کو جس نقصان عظیم سے دوچار کیا ہے اس کا ازالہ ممکن نہیں ۔۔۔۔''خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را''

جو بادہ کش ہیں پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی

ایک ہما گیر، ہمہ جہت اور انقلابی شخصیت کا نام علامہ ارشد القادری ہے جس مجلس، جس بزم اور جس انجمن میں ہوتے میر مجلس، رونق بزم اور سرپرآرائے انجمن کی حیثیت رکھتے۔ گوناگوں خوبیوں کی حامل علامہ کی ذات خدائے قدیر کی جانب سے جماعت کے لئے بے مثال نعمت، انمول جوہر اور سرمایۂ افتخار تھی۔ موجودہ دور میں اگر کسی شخصیت پر ''ماہر علوم اسلامی'' ہونے کا اطلاق ہوسکتا تھا تو آپ کی شخصیت اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں تھی۔ ایک عظیم مدرس، لاجواب خطیب، دنداں شکن مناظر، بلند پایہ ادیب، اعلیٰ درجہ کا نقاد، متعدد ممالک کا سیاح، صالح قیادت کی صلاحیت اور نہ جانے کتنی

خصوصیات اس ایک ذات میں پنہ

ایں سعادت
تا نہ بخشد

ان اوصاف کے علاوہ آپ جن
صلاحیتوں کے حامل تھے وہ تو اپنی
موافق افراد، اور معاون اصحاب
تحریک کی بنیاد ڈالنا کس قدر مشکل
فکر ونظر بخوبی سمجھ سکتے ہیں تو پھر
درمیان درجنوں ادارے اور تنظیموں
سوزی وآبلہ پائی کی راہ ہوگی اس
پانی ہوجاتا ہے۔ مدرسہ فیض العلوم
اولیاء نئی دہلی تک اور دعوت اسلا
لندن تک ان کی تعمیری اور تحریکی کو
لمحہ یہی آواز دے رہی ہیں۔

تم نے خیرات میں یہ
خونِ دل صرف کیا

حضرت علامہ نے میدان
جوہر بکھیرے ہیں، تحقیق وتدقیق
زبان وبیان کی جو خوشبو پھیلائی ہے
راہ ہے۔ ''زلزلہ، زیروزبر اور تعزیر
باطل کے لئے برہنہ شمشیر اور ضرب
وفا'' وغیرہ ادبی تسکین کا پاکیزہ سا

مولانا سید سیف الدیـ
جامعہ رضویہ برکات العلوم، ممبئی

اک چراغ اور بجھا اور بڑھی تاریکی

وہ لوگ ہم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
ڈھونڈھا تھا آسماں نے جنہیں خاک چھان کر

نمونۂ سلف حضرت علامہ محمد طریق اللہ صاحب نعیمی شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ مرادآباد، شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق صاحب امجدی، فقیہ ملت حضرت مفتی جلا ل الدین صاحب امجدی، رئیس القراء حضرت قاری احمد ضیاء صاحب ازہری، استاذ العلماء حضرت علامہ تجمل الہدیٰ صاحب قادری بیت الانوار گیا کے بعد رئیس القلم قائد ملت حضرت علامہ ارشد القادری صاحب (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کے وصال نے دنیائے اسلام وسنیت کو جس نقصان عظیم سے دوچار کیا ہے اس کا ازالہ ممکن نہیں ۔۔۔۔ ''خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت را''

جو بادہ کش ہیں پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لا ساقی

ایک ہما گیر، ہمہ جہت اور انقلابی شخصیت کا نام علامہ ارشد القادری ہے جس مجلس، جس بزم اور جس انجمن میں ہوتے میر مجلس، رونق بزم اور سریرآرائے انجمن کی حیثیت رکھتے۔گوناگوں خوبیوں کی حامل علامہ کی ذات خدائے قدیر کی جانب سے جماعت کے لئے بے مثال نعمت، انمول جوہر اور سرمایۂ افتخار تھی۔موجودہ دور میں اگر کسی شخصیت پر ''ماہر علوم اسلامی'' ہونے کا اطلاق ہوسکتا تھا تو آپ کی شخصیت اس کے لئے سب سے زیادہ موزوں تھی۔ایک عظیم مدرس، لاجواب خطیب، دنداں شکن مناظر، بلند پایہ ادیب، اعلیٰ درجہ کا نقاد، متعدد ممالک کا سیاح، صالح قیادت کی صلاحیت اور نہ جانے کتنی خصوصیات اس ایک ذات میں پنہاں تھیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ان اوصاف کے علاوہ آپ جن فکری تربیتی، تنظیمی، تبلیغی اور صلاحیتوں کے حامل تھے وہ تو اپنی مثال آپ ہی ہے۔ہموار موافق افراد، اور معاون اصحاب کے درمیان بھی کسی ادارہ، تحریک کی بنیاد ڈالنا کس قدر مشکل اور صبر آزما کام ہے اسے ا فکر ونظر بخوبی سمجھ سکتے ہیں تو پھر ناہموار مقام اور ناموافق افرا درمیان درجنوں ادارے اور تنظیموں کا قائم کرنا اور چلانا کس قد سوزی وآبلہ پائی کی راہ ہوگی اس کے تصور سے ہی بڑے بڑوں پانی ہوجاتا ہے۔مدرسہ فیض العلوم جمشید پور سے جامعہ نظام ا اولیاء نئی دہلی تک اور دعوت اسلامی کراچی سے ورلڈ اسلامک لندن تک ان کی تعمیری اور تحریکی کوششوں کی قطار لگی ہوئی ہیں۔ لحہ یہی آواز دے رہی ہیں۔

تم نے خیرات میں یہ پھول نہیں پائے ہیں
خونِ دل صرف کیا ہے تو بہار آئی ہے

حضرت علامہ نے میدان تصنیف وتالیف میں جو فکر وفن جوہر بکھیرے ہیں، تحقیق وتدقیق کے جو انمول موتی لٹائے ہیں زبان وبیان کی جو خوشبو پھیلائی ہے وہ اہل قلم کے لئے نمونہ اور راہ ہے۔''زلزلہ، زیروزبر اور تعزیرات قلم'' جیسی کتابیں جہا باطل کے لئے برہنہ شمشیر اور ضرب یداللہی ہے وہیں ''لالہ زار او وفا'' وغیرہ ادبی تسکین کا پاکیزہ سامان فراہم کرتی ہیں۔کسی قلمکا

تحقیقی گہرائی وگیرائی، زبان وادب کی ندرت، اور طرز استدلال کی خوبی کا اگر اپنے اعتراف کریں تو یہ کوئی نئی بات نہیں لیکن جس قلم کی تعزیر نے جن کے اکابریں کو مجروح کیا ہو ان کے اصاغر اسی قلم کی عظمت کے آگے سر تسلیم خم کردیں تو یہ کمال ہے۔ جی ہاں، ایوان باطل میں زلزلہ برپا کرنے والی علامہ کی انقلابی کتاب ''زلزلہ'' پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب عامر عثمانی مدیر ماہنامہ تجلی دیو بند نے حقائق کے اظہار کی یوں جرأت کی ہے۔

''بات یقیناً تشویش ناک ہے۔ مصنف نے ہرگز ایسا نہیں کیا ہے کہ ادھر ادھر سے چھوٹے موٹے فقرے لیکر ان سے مطالب پیدا کئے ہوں بلکہ پوری پوری عبارتیں نقل کی ہیں اور اپنی طرف سے ہرگز کوئی معنی نہیں پیدا کئے ہیں۔ ہم اگر چہ حلقۂ دیو بند ہی سے تعلق رکھتے ہیں لیکن ہمیں اس اعتراف میں کوئی تامل نہیں کہ اپنے ہی بزرگوں کے بارے میں ہماری معلومات میں اس کتاب نے اضافہ کیا اور ہم حیرت زدہ رہ گئے کہ دفاع کریں تو کیسے؟ دفاع کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کوئی بڑے سے بڑا منطقی اور علامۃ الدہر بھی ان اعتراضات کو دفع نہیں کرسکتا۔ جو اس کتاب کے مشتملات متعدد بزرگان دیو بند پر عائد کرتے ہیں۔'' (تبصرہ بر زلزلہ تجلی ڈاک نمبر)

واضح رہے کہ حضرت علامہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''زلزلہ'' میں نہایت دلائل وبراہین سے یہ ثابت کیا ہے کہ علمائے دیو بند جن اختیارات، قوت مشاہدات اور غیبی تصرفات کو اپنے گھر کے بزرگوں کے لئے تسلیم کرتے ہیں ان تمام فضائل وکمالات کو رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شرک اور حرام و ناجائز قرار دے دیا جاتا ہے۔ علامہ کی علمی تحقیق اور قوت استدلال کے آگے مدیر ماہنامہ تجلی دیو بند نے گھٹنے ٹیکتے ہوئے علمائے دیو بند کو اپنے اکابرین کے اقوال کی غلطی تسلیم کرنے اور ان سے اظہار برأت کا مفید مشورہ دے ڈالا جسے مکتبۂ دیو بند کی ایک اور معتمد شخصیت جناب ماہر القادری ایڈیٹر فاران کراچی نے حق بجانب قرار دیتے ہوئے یوں تحریر فرمایا۔

''مولانا عامر عثمانی مدیر ماہنامہ تجلی دیو بند کے مشورے پر اگر علما دیو بند عمل کرتے اور اپنے اکابر کے غلط اقوال سے اظہار برات فر دیتے تو ''زلزلہ'' نام کی کتاب وجود میں نہ آتی۔''

(فاران صفحہ ۳۲ فروری ۷۷ء

''زلزلہ'' نے تو مدیر تجلی کی فکر کا زاویہ ہی تقریباً بدل دیا جو شخص اپنے بزرگوں کی قدروں کا بے باک ترجمان تھا، ان کے مبلغ علم، ا کے مقام ومراتب اور ان کی عظمتِ شان کے خطبے پڑھا کرتا تھ زلزلہ نے جب ان کے اکابرین کی قلعی کھول دی تو انہوں نے فو اپنے اسلاف کی کتابوں کو بیچ چوراہے پر آگ لگانے کا نیک مشو دے کر حق کی قبولیت کا بےلوث جذبہ پیش کیا اور علمائے دیو بند کو یو طنزاً مخاطب کیا۔

''ہمارے دار العلوم کے کوئی بلند قامت مناظر اور علامہ کے تعریضات کا جواب لائیں جو ''زلزلہ'' نامی کتاب میں جمع ک ہیں۔ مولانا ارشاد ہی یہ کام کردیں تو ان کے کلاہِ افتخار میں چار چ لگ جائیں گے۔'' (تجلی مئی ۷۳ء صفحہ ۹۵)

آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ دیو بند کا ایک مستند ذمہ دار اور پایہ عالم زلزلہ سے کس قدر متاثر نظر آرہا ہے تو پھر عام علماء اور الناس کے قلوب واذہان پر ''زلزلہ'' نے کیا انقلاب برپا کیا ہوگا۔ اعتراف زلزلہ کے جواب میں لکھی جانے والی کتاب ''بریلوی فتن روپ'' کے مصنف نے کچھ اس طرح کیا ہے۔

سارے ملک میں اس کتاب کی اثر سے علماء دیو بند کے با میں سخت بدگمانیاں پھیلنے لگی ہیں'' (صفحہ ۸ نیا اڈیشن)

حضرت علامہ کی صرف اس ایک کتاب نے سیکڑوں گم گش راہ کو صراط مستقیم پر گامزن کیا، ایمان وعقیدہ کی دنیا میں تبدیلیاں آئیں اور وادیٔ ضلالت میں بھٹکنے والوں کے لئے منا ثابت ہوئی۔

حضرت علامہ کا مقام علمی وادبی، تعمیری وتحریکی، دقیقہ سنج

رسی، حالات کی نباضی، وملت کی درد مندی سے فزوں ان کا خلوص وللّٰہیت اور دینی جذبوں کی فراوانی یقیناً یہ ہر شئی سے زیادہ قیمتی بے بہا اور زرنگار ہے۔ ربیع الاول شریف ۱۴۲۱ء حضرت علامہ سے ملاقات کی وہ ساعت میرے قلب و ذہن پر نقش کالحجر ہے جو ان کی آخری زیارت اور آخری میٹھے بول تھے جس نے میرے کانوں میں رس گھولا تھا، حوصلے کی پختگی، اخلاص کا جذبہ اور دینی وملی درد کا شعور نصیب ہوا تھا۔ عید میلادالنبی ﷺ کے موقعہ پر جمشید پور میں ایک جلسہ کی دعوت تھی۔ معلوم ہوا کہ حضرت فیض العلوم میں جلوہ فرما ہیں۔ مغرب کے وقت پہنچا تو جماعت ختم ہو چکی تھی، فیض العلوم کے سامنے ابھی چند سال پہلے جو چٹیل میدان ہوا کرتا تھا وہاں اب ایک عالیشان مسجد کی عمارت دعوت نظارہ دے رہی تھی یہ مکہ مسجد ہے جمشید پور ہی نہیں بلکہ صوبۂ بہار کی شاندار مسجدوں میں سے ایک اور سب سے نمایاں، جدید طرز تعمیر کا مرقع، علامہ کی تعمیری نشانیوں میں سے ایک نشانی غالبًا آخری یادگار ہے۔ لوگ اسی مسجد کے مرکزی گیٹ سے باہر نکل رہے ہیں اور ہملوگ داخل ہو کر نماز سے فارغ ہوتے ہیں۔ مسجد کے صحن میں سبزہ کی قالین پر حضرت آرام فرما ہیں۔ سلام ودست بوسی کے بعد حضرت نے ہم لوگوں سے دریافت فرمایا کہ کہاں سے تشریف لائے؟ میں نے عرض کیا حضور بہار شریف سے آیا ہوں اور سیف الدین اصدق میرا نام ہے۔ فوراً بولے اچھا آپ مولانا سید رکن الدین اصدق صاحب کے صاحبزادے ہیں؟ میں نے اثبات میں جواب دیا اور دوسرے لوگوں کا تعارف کرایا۔ والد گرامی کی خیریت وغیرہ پوچھنے کے بعد بڑی دیر تک مدرسہ اصدقیہ بہار شریف کے احوال وکیفیات معلوم کرتے رہے کہ مدرسے میں کتنے بچے ہیں؟ کہاں تک تعلیم ہے؟ کتنے اسٹاف ہیں؟ کتنی مسجدیں اختیار میں ہیں؟ سنیت کا اور کیا کام ہو رہا ہے؟ کیا منصوبے ہیں؟ میں جواب دیتا رہا اور آپ خوش ہوتے رہے۔ فرمانے لگے کہ آپ کے والد نے بڑی محنت کی ہے، بہار شریف میں سنیت کا قلعہ تعمیر کیا ہے۔ اب آپ لوگوں کو محنت

کرنے کی ضرورت ہے، آپ حضرات اس کے محا
زیادہ چاق و چوبند ہونا چاہئے۔ تھوڑی دیر کے بعد فر
مخدوم الملک پر جماعت سے نماز پڑھنا بھی ممکن نہ تھ
کا سامنا تھا نہ اپنا کوئی ادارہ، نہ تنظیم اور نہ کوئی مسج
جغرافیہ بدل گیا ہے، گفتگو کے درمیان میں نے کئی
مگر دین وسنیت کے جذبے سے مغلوب یہ پچھتر
قومی، دینی اور تبلیغی کار سے ہی متعلق محو گفتگو رہا۔
دعاؤں کے ساتھ رخصت ہوا تو میں ساری راہ ان
رہا کہ بڑی نامور ہستیاں جن کی مذہبی اور ملی درد ک
ہیں ذرا نزلے زکام کا شکار ہو جائیں تو وہ ہر ملاقا
درد لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔ لیکن جماعت کا یہ بوڑھ
بستر علالت پر دراز ہے، آئے دن ہسپتالوں کا منہ
سہارے کے چند قدم نہیں چل سکتا لیکن اب بھی
ہوا ہے۔ اسے فکر ہے تو قوم کی، درد ہے تو مسلک
تو وہ صرف دینی۔۔۔۔۔ ایسے کئی واقعات ذہ
محفوظ ہیں جو ان کے دل کا درد، احساس کی تڑپ
روح کے کرب پر غماز ہیں۔۔۔۔۔ صد حیف
معمار اب ہمارے درمیان نہ رہا اور بہت ساری
ساتھ گئیں۔

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا
مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں
مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے

رب قدیر ان کے حسنات کو قبول فرما
فرمائے، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فر
ابر رحمت تیرے مرقد پر گہرباری

آہ! علامہ ارشد القادری

آپ اس دنیا میں جب تک رہے صورت خورشید رہے

احمد جاوید
ایڈیٹر (انچارج) ہفت روزہ ''نئی دنیا'' دہلی

آنسو کی یہ بوند آنکھوں میں لرزاں ہے جیسے مغرب کے افق پر سورج۔ اے کاش! یہ اسی مقام پر ٹھہر جائے' اس تصور سے کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ اس موتی کو بھی آخر رزق خاک ہونا ہے جو چشم بصیرت کا نگینہ ہے مگر نوک مژگاں پر آنسو کی بوند دیر تک رک نہیں سکتی' اسے روک لینا انسان کے بس میں کہاں! اس آفتاب کو غروب ہونا تھا' غروب ہوا' مگر یہ کیا کہ وہ دھوپ بھی ساتھ گئی جس کے دم سے ایک عالم میں اجالا تھا۔

موت برحق ہے' جو اس دنیا میں آیا ہے وہ ایک دن ضرور جائے گا۔ اصل سانحہ تو یہ ہے کہ جانے والے جا رہے ہیں مگر ان کی جگہ لینے والا کوئی پیدا نہیں ہو رہا ہے۔ ملک و بیرون ملک درجنوں دینی و ملی اداروں' تحریکوں اور تنظیموں کے بانی و محرک قائد اہل سنت رئیس القلم علامہ ارشد القادری کی موت شارح بخاری فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی شریف الحق امجدی اور فقیہ ملت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی قادری کی وفات کے بعد جماعت اہل سنت کے لئے ایک سال کے مختصر عرصہ میں تیسرا اعصاب شکن صدمہ اور ملت اسلامیہ کا ناقابل تلافی نقصان ہے' ان کے انتقال سے ملک و ملت میں جو خلا پیدا ہوا ہے شاید کبھی نہ بھر سکے۔ ان کی یادیں ہمیشہ تازہ رہیں گی' یہ چمن جب تک رہے گا نرگسیں ان کے غم میں آبدیدہ رہیں گی کہ وہ دیدہ ور تھے۔

29 اپریل 2002ء کی شام جب یہ خبر نشر ہوئی کہ علامہ ارشد القادری کا آج قریب ساڑھے چار بجے آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز نئی دہلی میں انتقال ہو گیا' پہلے تو یہ یقین ہی نہیں آیا کہ عزم و ہمت کا وہ دھنی جس کی زبان و قلم سے باطل کے ایوانوں میں زلزلے برپا ہوا کرتے تھے' آج ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گیا۔ پھر آنکھوں میں آنسو کی وہی بوند تھی جسے ہم نوک مژگان پر سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ قطرہ جو بے شک ایک سمندر بھی ہے' وہ ذرہ جو بے شک ایک آفتاب بھی تھا دونوں آپس میں گلے مل رہے ہیں۔ سورج اور سمندر کا ملن جوار بھاٹا بنتا جا رہا ہے' جس میں تاریخ کا ایک موج در موج دور ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔

مولانا ارشد القادری 1925ء میں مشرقی یوپی کے مردم خیز قصبہ سید پورہ (ضلع بلیا) میں ملک کے ایک معروف دینی و علمی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی مولانا شاہ عبد اللطیف شیراز ہند جونپور کی تاریخی دینی درسگاہ مدرسہ حنفیہ کے نامور فاضلین میں تھے۔ قطب الاقطاب حضرت دیوان محمد رشید جونپوری (مصنف مناظرہ رشیدیہ) کی خانقاہ عالیہ کے سجادہ نشین' عظیم صوفی شاعر' بحر الاسرار مولانا شاہ عبد العلیم آسی غازی پوری کے مرید و خلیفہ مولانا شاہ عبد اللطیف نے اپنے چھوٹے بیٹے غلام رشید (ارشد القادری) کو ابتدائی تعلیم و تربیت کے بعد اکتساب علم و فضل کے لئے بلیا سے غازی پور بھیج دیا تھا۔ لڑکپن کا دور زیادہ تر یہیں گزرا۔ علامہ ارشد القادری کی ہمشیرہ بھی جونپور بیاہی گئی تھیں' جو پھر بیوہ ہو جانے کے بعد صدر الشریعہ مولانا امجد علی علیہ الرحمۃ (مصنف بہار شریعت) کے نکاح میں آئیں اور علامہ اپنی ہمشیرہ کے ہمراہ اعظم گڑھ چلے آئے۔

یہ وہ دور تھا جب ہندوستان کی سیاسی' سماجی' قومی اور ملی زندگی زبردست انقلاب سے دوچار تھی۔ ایک جنگ عظیم کے بعد دوسری

جنگ عظیم کے درمیان کا یہ عرصہ مسلمانوں کے لئے انتہائی پرآشوب تھا۔ آپ کے بڑے بھائی مولانا غلام آسی (مدظلہ العالی) آپ کو اپنے ساتھ مدرسہ اشرفیہ مبارکپور لے آئے جو آپ کی زندگی کا اہم ترین موڑ ثابت ہوا۔ 1944 میں آپ نے الجامعۃ الاشرفیہ سے فضیلت کی سند حاصل کی۔ آپ کی تعلیم وتربیت میں حافظ ملت مولانا شاہ حافظ عبدالعزیز محدث مرادآبادی رحمتہ اللہ علیہ کا بڑا اہم کردار تھا۔ آپ کی تقریر وتحریر نے زمانہ طالب علمی سے ہی اپنا رنگ دکھانا شروع کردیا تھا۔ حافظ ملت کی نگاہ دوربین نے دیکھ لیا تھا کہ یہ ذرہ آفتاب ہونے والا ہے۔

عملی زندگی میں قدم رکھا تو آپ کی سیمابی طبیعت نے آپ کو کبھی چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔ برصغیر ہی نہیں مشرق ومغرب کا چپہ چپہ چھان مارا' دنیا کی وہ کون سی زمین ہے جہاں آپ کا قدم نہ پہنچا ہوگا۔ دین وسنیت کا درد آپ کو ہمیشہ بے چین رکھتا تھا۔ ملک وبیرون ملک آپ نے درجنوں مدرسے' مسجدیں' ادارے اور تنظیمیں قائم کیں' عالمی پیمانے پر ورلڈ اسلامک مشن' لندن اور دعوت اسلامی' کراچی جیسی تحریکیں منظم کیں۔ ہندوستان میں جامعہ فیض العلوم جمشید پور' ادارۂ شرعیہ بہار پٹنہ' دارالعلوم ضیاء الاسلام ہوڑہ' دارالعلوم مخدومیہ گوہاٹی مدرسہ مدینۃ العلوم بنگلور' فیض العلوم ہائی اسکول جمشید پور' جامعہ حضرت نظام الدین اولیا' نئی دہلی آپ کی یادگاریں ہیں تو یوروپ کے قلب انٹرنیشنل سیٹی دی ہیگ میں جامعہ مدینۃ الاسلام کے منارے اسلام کی عظمت اور آپ کے عزم وہمت کا خطبہ پڑھ رہے ہیں۔

وہ غالبا 1983ء کی ایک صبح تھی' اچانک ایک جیپ مادر علمی جامعہ اسلامیہ امانیہ لوآم' دربھنگہ کے میدان میں آکر رکی' طلبہ اور اساتذہ نماز فجر ادا کر چکے تھے۔ متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ علمائے کرام کا ایک نورانی قافلہ ان کے سامنے ہے۔ درجن بھر علماء میں ایک چہرے پر ہماری نگاہیں ٹک گئیں' روشن چہرہ' کشادہ پیشانی' سفید نورانی داڑھی نہ بہت لمبی نہ حد شرع سے کم' آنکھوں میں بلا کی چمک بے پناہ ذہانت کی گواہ' اونچی ناک عظمت وعزیمت پر نازاں' پتلے پتلے ہونٹوں پر پان کی لالی' گندمی رنگ' اوسط قد' اس انتہائی خوبصورت' نفیس اور انتہائی نرم ونازک شخصیت کو اس دن میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ نام بہت سن

رکھا تھا' زلزلہ' زیروزبر' لالہ زار اور تعزیرات قلم وغیرہ بھی دیکھ
معلوم ہوا کہ ان معرکتہ الآرا کتابوں کے مصنف بہ نفس نفیس
سامنے ہیں تو مسرت کی انتہا نہ رہی۔ لوآم ان کی منزل نہ
ایک اتفاقی پڑاؤ تھا۔ وہ مدھوبنی سے ایک مدرسہ کا سنگ بن
واپس جارہے تھے۔ استاذ گرامی حسان العصر مولانا شبنم کمالی ق
العالی کی کشش انہیں یہاں لے آئی تھی۔ نماز فجر ادا کر کے ا
ہی پٹنہ کے لئے محو سفر ہوجانا تھا۔ زبان وقلم کی گھن گرج نے شخ
جو تصور قائم کیا تھا' اس سے یک گونہ مختلف پاکر حیرت بھی ہو
اس وقت تو حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ نما
کرنے کے بعد مصلے پر ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلا
ہے۔ ایک طالب علم کی طبیعت کے تجسس نے اس کمرے میں
کر دیکھنے پر مجبور کردیا تھا جس میں علامہ ارشد القادری چار
نماز فجر ادا کرنے کے لئے گئے تھے لیکن دیر سے باہر نہیں
دھیرے دھیرے یہ کیفیت ہچکیوں میں بدلتی جارہی تھی۔ وہ
پھوٹ کر رو رہے تھے اور میں مجسم حیرت تھا کہ دشمنوں کے نر
فولاد سے بھی سخت یہ شخص کس قدر رقیق القلب ہے۔ کیا یہ وہی
سنت ہے' جس کی للکار کے سامنے بڑے بڑوں کا پتہ پانی ہوتا۔
یہ وہی عالم دین ہیں جنہیں حکومت وقت کے خلاف اپنی بے با
لئے 1964' 1967 اور 1979 میں قید وبند کی صعوبتیں جھیلن
کیا یہ وہی بے باک صحافی ہیں جنہوں نے 1966 میں کلکتہ
کوثر' پھر اس کے بعد 'جام نور' جاری کیا تھا اور ارباب اقتد
خلاف جن کے قلم کی شعلہ فشانیاں اس قدر تیز تھیں کہ ج
پر پابندی عاید کردی گئی تھی۔

دراصل علامہ ارشد القادری کی شخصیت

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائے وہ طوفاں

کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھی۔ آپ اس دنیا میں جب تک
صورت خورشید رہے جہاں گئے دین وسنیت کی ایسی روشنی لے
کہ نگاہیں خیرہ ہوگئیں۔ جس میدان میں بھی قدم رکھا' قابلیت
بٹھادیا۔ مسند آرائے درس وتدریس ہوئے تو شہرت کا یہ عالم تھ

دراز سے طلباء کی جماعتیں آپ کے مدرسے میں کھینچی چلی آئیں۔ مدرسہ اسلامیہ شمس العلوم ناگپور اور اس کے بعد مدرسہ فیض العلوم جمشید پور میں آپ نے جن تشنگان علم دین کو براہ راست سیراب کیا ان میں علمائے کرام کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے متجاوز ہے۔ منبر خطابت پر رونق افروز ہوئے تو آپ کے سامنے وقت کا بڑا سے بڑا خطیب وواعظ گونگا ٹھہرا۔ مذاہب باطلہ کے وکیلوں اور مبلغوں کو للکارا تو ان کی بساطیں الٹ کر رکھ دیں۔ آپ کے نام سے ملحدوں کی جماعتیں اس طرح بھاگتی تھیں جس طرح فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سائے سے شیاطین پناہ مانگتے تھے۔ قلم اٹھایا تو ایسا کہ قلم آپ پر صدیوں ناز کرے گا۔ آپ نے اپنے قلم کو کبھی غیر اسلامی موضوعات سے آلودہ ہونے نہیں دیا ورنہ آپ ادب کے جس میدان میں آتے آپ ہی کا سکہ چلتا۔ زلزلہ، زیروزبر اور تعزیرات قلم کی نشر پر آپ کے ان بدترین دشمنوں کو بھی رشک آتا ہے جن کی آپ نے ان تصانیف میں خبر لی ہے۔ آپ کا نعتیہ کلام شاعری کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے، عہد حاضر کا بڑا سے بڑا شاعر ادیب اور انشاء پرداز آپ کی زبان و بیان کے سامنے بونا نظر آتا ہے۔ سلیس، مدلل اور شگفتہ نثر کے جو نمونے آپ نے پیش کئے اس نے دینی ادب کا اسلوب بدل دیا۔ ''لالہ زار'' کی کہانیاں گواہ ہیں کہ آپ کے قلم نے جس حکایت کو چھوا ہے اس میں نئی جان ڈال دی ہے۔ جلوۂ حق اور نقش خاتم میں آپ نے منظر نگاری کا وہ جوہر دکھایا ہے کہ بڑا سے بڑا فکشن نگار اس کے سامنے پانی بھرتا نظر آتا ہے۔ سفرنامے ایسے لکھے ہیں کہ قاری یہ محسوس کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ایک ایک چیز ایک ایک جگہ اس نے اپنی سر کی آنکھوں سے دیکھی ہے بلکہ اس سے بھی سوا۔ کیونکہ خود جاکر تو وہ صرف اپنی آنکھوں سے دیکھتا لیکن سفرنامے میں علامہ کی چشم بصیرت بھی اس کے ساتھ ہے۔ تاریخ کے میدان میں آئے تو تاریخ فقہ حنفی اور تاریخ فن حدیث جیسی شاہکار کتابیں تصنیف کیں۔ داد تحقیق دی تو ''حیات خواجہ قطب الدین بختیار کاکی'' اور ''فن تفسیر میں امام احمد رضا کا مقام'' جیسا عظیم تحقیقی کارنامہ انجام دیا۔ تفسیر کے موضوع پر تین جلدوں میں مصباح القرآن لکھا۔ جس موضوع سے آپ کو عشق کی حد تک شغف تھا وہ ہے اصلاح عقائد۔ اس میدان میں آپ نے نصف درجن سے زائد کتابیں لکھیں۔ آپ کا اشہب قلم مرتے دم تک رواں دواں تھا۔ آپ نے لکھا اور بے تکان لکھا' کیا دشت کیا دریا جدھر سے نکلے نئی راہیں نکالیں' آپ کا قلم طوبیٰ کی شاخ بھی تھی اور شمشیر بے نیام بھی تھا۔ ادارے اور تنظیمیں قائم کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تو دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک دین وسنیت کے بے شمار پودے لگاتے چلے گئے۔ جن میں بیشتر آج شجر ہائے سایہ دار بن کر اسلام کی بیش بہا خدمات انجام دے رہے ہیں۔

جہاں کسی کا جگر نہیں ٹھہرتا تھا وہاں آپ کی جرأت ایمانی کام آئی اور غوث وخواجہ کے نام کے مدرسے کھلتے چلے گئے۔ سہار نپور کے جامعہ غوثیہ اور گوہاٹی کے دارالعلوم مخدومیہ کے قیام کی جدوجہد کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ دی ہیگ (ہالینڈ) کے جامعہ مدینۃ الاسلام کی عالی شان عمارت آپ کی بے پناہ للّٰہیت' بے مثال خلوص اور بے انتہا جرأت ایمانی کی نشانی ہے۔ 80 کے دہے میں آپ ہالینڈ کے دورے پر تھے۔ آپ نے شدت سے محسوس کیا کہ یوروپ کے قلب میں ایک ایسی دینی درسگاہ کی ضرورت ہے جہاں مقامی زبان میں قرآن و حدیث کی تعلیم دی جائے۔ وہ ایک چرچ اور اس کے گرلس کالج کی عالی شان عمارت تھی جسے اس کے مالکان بیچنا چاہتے تھے۔ یہ علامہ ارشد القادری کا ہی حوصلہ تھا کہ ایک بوریا نشین فقیر نے دیار مغرب کے دی ہیگ جیسے عالمی شہر میں اس عالی شان عمارت کو خریدنے کی ہمت کرلی اور آخر کار اللہ نے ان کی سن لی۔ مشہور ہے کہ معاہدہ کے مطابق زرثمن کی ایک قسط غالباً 75000 ڈالر ادا کرنی تھی اور آپ بے حد پریشان تھے۔ ہاتھ میں پھوٹی کوڑی نہیں اور وقت بھی بہت کم۔ ایک دن فجر کی نماز کے بعد آپ مصلے پر زار وقطار رو رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو ایک مسلمان خدمت میں حاضر ہوا دوران گفتگو مدرسہ کے قیام کے لئے مطلوبہ رقم کی بات نکل آئی اور اس صاحب خیر نے یہ رقم یکمشت ادا کردی۔ پھر کیا تھا حسب پروگرام درس و تدریس کا کام شروع کر دیا گیا۔ علامہ علیہ الرحمۃ نے غالباً 85ء میں اپنی ایک روداد سفر میں تفصیل سے بیان کیا تھا کہ جامعہ مدینۃ الاسلام سے ڈچ مادری زبان کے حفاظ کرام کی پہلی جماعت جب فارغ ہوئی اور دی ہیگ میں جلسہ فراغت منعقد ہوا تو مغرب کے نہاخانوں میں

ہلچل مچ گئی۔ ہر طرف اسلام کی حقانیت کا وہ تذکرہ برپا تھا جو ماضی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا۔ یوروپی ممالک کے درجنوں ٹی وی چینلز دس دس اور گیارہ گیارہ سال کے ان حفاظ کرام کو ہفتوں دکھاتے رہے کہ یہ ننھے منے بچے وہ ہیں جنہیں قرآن کریم جیسی ضخیم کتاب مکمل ترتیب کے ساتھ ایک نقطہ یا کوئی حرف چھوڑے بغیر اول سے آخر تک ازبر ہے۔ یہ انسان کے بس کی بات نہیں، اگر ہے تو اس کتاب عظیم کا معجزہ ہے۔

خود مدرسہ فیض العلوم جمشید پور کے قیام اور اس کے عروج و ارتقا کی کہانی بھی ایک جگر خراش جدوجہد کی کہانی ہے۔ اپنے استاذ حافظ ملت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ الرضوان کی ایماء پر 1947ء کے اس طوفانی دور میں جب ملک کے سہل پسند علمائے دین و قائدین ملت بہار، بنگال، یوپی اور دوسرے صوبوں کے غربائے امت کو بے یارو مددگار چھوڑ کر 'مملکت خداداد' کو جارہے تھے، علامہ ارشدالقادری بہار و بنگال کے سنگم پر واقع شہر آہن جمشید پور تشریف لائے۔ کھلے آسمان کے نیچے مدرسہ فیض العلوم کے نام سے دینی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا۔ تقریباً دس سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد ٹاٹا کمپنی نے 1955ء میں مدرسہ کی تعمیر کے لئے زمین الاٹ کی۔ 1956ء میں حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے مقدس ہاتھوں سے مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا اور 1961ء میں اس عمارت کی تعمیر مکمل ہوئی۔ ابھی سکون کی سانس نہیں لینے پائے تھے کہ آلام و مصائب کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ مارچ 1964ء میں آپ کو ڈی آئی آر میں گرفتار کرلیا گیا۔ 21 اپریل 1964 کو جمشید پور میں فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے۔ سینکڑوں بے گناہ مسلمان شہید کردئے گئے۔ کروڑوں کا مالی نقصان ہوا۔ 1965ء میں آپ ابھی جیل سے رہا ہی ہوئے تھے کہ ہند و پاک جنگ چھڑ گئی۔ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے یہ بڑا صبر آزما دور تھا۔ آپ نے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ کے قیام میں آپ کا اہم رول تھا۔ مسلمانوں کو حوصلہ دینے کے لئے آپ نے پورے ملک کا دورہ کیا۔ جمشید پور کے ریگل میدان میں مسلم متحدہ محاذ کے تاریخی کشمیر کانفرنس کی صدارت آپ نے کی تھی۔ 1967ء میں ایک بار پھر آپ گرفتار کرلئے گئے اور ڈی آئی آر

کے تحت 9 ماہ تک بہار کے آرہ جیل میں
نہیں ہارا۔ قدم بہ قدم آگے ہی آگے بڑ
نے فیض العلوم ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ قائم ک
دارالاقامہ کی تعمیر کے لئے مدرسہ سے مت
سے حاصل کی اور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ
سنگ بنیاد رکھا۔ اسی سال فیض العلوم مڈل ا
جسے حکومت بہار نے 1975ء میں اقلیتی
کرلیا۔ 1979ء میں آپ تیسری بار گرفتار
جمشید پور ایک بار پھر فرقہ وارانہ فسادات ک
کے مسلمانوں پر مقامی پولیس اور اسلام د
اس کی یادیں آج تک تازہ ہیں۔ علامہ ا
رکھے گئے لیکن یہ علامہ کی ذات گرامی تھی ک
سے آپ ہر بار نئی توانائی اور نیا عزم و حوصلہ
کے استاذ گرامی جلالۃ العلم حضور حافظ ملت ع
قابلیت، بلند ہمتی، پختہ عزائم، ایثار و خلوص او
الفاظ میں دی ''علامہ ارشدالقادری دور حا
ہیں''۔

علامہ ارشدالقادری نے دنیا بھر کے
حل اور جملہ مصائب سے ان کی نجات کی را
دیکھی۔ آپ نے مسلمانوں میں تعلیم کا فروغ
قیام اپنی زندگی کا مشن بنالیا تھا اور اس را
برصغیر بلکہ یوروپ اور امریکہ تک گئے۔ لندن
دیکھیں، سرزمین امریکہ میں دارالعلوم علیمیہ
الاسلام ہیگ (ہالینڈ) کی عالیشان عمارت ملا
غیر بھی علامہ ارشدالقادری کی عظمت کا اع
سکیں۔ آپ کی اس بے مثال کامیابی کا راز آ
رقت قلبی اور وہی آنسو تھے جو خود میں نے ا
خداوندی میں ساون کی طرح برستے دیکھے۔
انکشاف فرمایا کہ وہ اپنے کسی بھی اہم ترین
جونپور جاتے۔ قطب الاقطاب حضرت دیوان

اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ پر چلہ و مراقبہ میں بیٹھتے۔ پھر اس کام میں ہاتھ لگاتے بقول خود آپ کی کامیابی کا راز اسی روحانی عمل میں مضمر تھا۔

آپ روایت پسند تھے لیکن قدامت پرست ہرگز نہیں۔ خاص طور پر تعلیم کے میدان میں آپ کی کوششیں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ آپ کا مدرسہ فیض العلوم جمشید پور شاید ہندوستان کا پہلا دینی مدرسہ تھا جہاں آپ نے ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ قائم کیا تھا۔ بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے قیام اور اس کی تشکیل و ترقی میں بھی آپ نے بڑا بنیادی اور اہم کردار ادا کیا تھا۔ پچھلے دنوں مدارس اسلامیہ اور عہد حاضر کے تقاضے کے موضوع پر ایک موقر جریدہ میں جب یہ بحث چھڑی ہوئی تھی کہ کیا ملک کے دینی مدرسوں میں جدید کاری کی ضرورت ہے' اس وقت مولانا کی طبیعت علیل تھی لیکن ملت کا درد انہیں کب چین لینے دیتا تھا' مسلم قیادت اور مدارس اسلامیہ کے موضوع پر آپ نے اپنا تفصیلی انٹرویو عنایت فرمایا تھا۔ آپ ملت کی موجودہ صورت حال سے انتہائی کبیدہ خاطر تھے۔ علامہ کا کہنا تھا کہ مدارس نے کبھی بھی علوم جدیدہ کی مخالفت نہیں کی البتہ افراد اور وسائل کی کمی کے سبب یہ دوہری ذمہ داری ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ انہیں اس کا شدید احساس تھا کہ ملک کی ملی قیادت انتشار کا شکار ہے۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمانوں کی مذہبی جماعتوں میں ایسے افراد کی کثرت ہے جو کسی کے ساتھ نہیں چل سکتے۔ یہاں تک کہ خود اپنی ہی جماعت کے دوسرے مولویوں کے ساتھ بھی نہیں چل سکتے یہ ایک ایسی بیماری ہے جس سے کوئی اپنا دامن نہیں بچا سکتا وہ دینی مدارس کو ہندوستان میں اسلام کے قلعے تصور کرتے تھے لیکن انہیں اس کا بڑا قلق تھا کہ آج کل اکثر مدارس میں پست ہمتی' بزدلی اور احساس کمتری پائی جاتی ہے' اقدام کی صلاحیت مفقود ہے اور اپنی ناکامیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے دوسروں کو کوستے رہتے ہیں۔

علامہ ارشد القادری نے کبھی مڑ کر پیچھے نہیں دیکھا' غیروں کی مخالفتیں ہوں یا اپنوں کی جفائیں' بے خوف و خطر آگے ہی آگے بڑھتے رہے۔ درجنوں کتابیں تصنیف کیں' انگنت مدرسے قائم کئے' بے شمار علماء اور قائدین پیدا کئے جس مٹی کو چھوا سونا بنا دیا لیکن ستائش کی تمنا یا صلے کی پرواقطعی نہیں کی۔ عمر کے آخری دور میں نئی دہلی میں جدید خطوط پر علمائے اہل سنت کی اعلیٰ تربیت کے لئے اپنی نوعیت کا واحد ادارہ جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء کی بنیاد رکھی تو اس میں ان کا یہ احساس کارفرما تھا کہ ''میری عمر کا بڑا حصہ یورپ اور مغربی ممالک کی خاک چھاننے میں گزرا' میں نے وہاں شدت سے محسوس کیا کہ ایسے علماء کی سخت ضرورت ہے جو بین الاقوامی زبانوں میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا فریضہ بحسن و خوبی انجام دے سکیں...... چنانچہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ ایک ایسا ادارہ ضرور قائم کروں گا جہاں قدیم نظام تعلیم و تربیت کے پروردہ علماء کو جدید علوم و فنون سے مسلح کرنے کا کام کیا جا سکے''۔

پچھلے سال دہلی کے ایک جلسے میں وہ تشریف لائے تو دو نوجوان علماء انہیں سہارا دے رہے تھے۔ میری آنکھوں میں آج سے 20 سال پہلے کا وہ منظر ناچ اٹھا جب وہ علمائے کرام کے قافلے میں مادر علمی میں تشریف لائے تھے اور ان کے رعب و جلال کے سامنے وقت کے جید علماء طالب علموں سے بھی زیادہ قابل رحم دکھائی دے رہے تھے۔ آج میں اس آفتاب کو مغرب کے افق پر دیکھ رہا تھا جسے کل چرخ نیم روز پر دیکھا تھا۔

30 اپریل کو آپ کا جنازہ ایر انڈیا کے طیارہ سے رانچی ایر پورٹ پر اترا' تو وہاں ہزاروں کا اژدہام تھا جس میں لالو یادو جیسے لیڈران بھی آبدیدہ تھے۔ جمشید پور میں ان کا آخری دیدار کرنے والوں کا یہ اژدہام لاکھوں میں بدل گیا۔ یکم مئی کو فیض العلوم کے احاطہ میں علمائے اہل سنت کے ہاتھوں جب انہیں سپرد خاک کیا جا رہا تھا تو لوگ حیران تھے کہ اپنے تو اپنے غیر بھی ان کے لئے کیوں آبدیدہ ہیں۔

موت اس کی ہے کرے جس کا زمانہ افسوس
ورنہ دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لئے

علم و عمل کی ایک نادر مثال

مولانا ممتاز احمد
ریسرچ اسکالر جامعہ ازہر شریف

حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ ان نادر روزگار شخصیتوں میں سے تھے جنہیں اللہ تبارک تعالیٰ نے علم و عمل اور خدمت دین کے جذبے سے نوازا تھا، ان کی زندگی علم حاصل کرنے اور پھر علم کے چراغ روشن کرنے میں صرف ہوئی، آپ نے اتنے شوق اور شغف سے علم حاصل کیا کہ مشیئت ایزدی نے لفظ علامہ کو آپ کے نام نامی کا جزو لاینفک بنا دیا، میدان تحریر میں اترے تو اہل دل نے آپ کو رئیس القلم کے لقب سے یاد کیا، آپ نے جمشید پور میں ایک دینی ادارے کی بنیاد رکھ کر علم کی وہ شمع روشن کی جس نے ہندوستان بھر میں علم کے ہزاروں چراغ روشن کئے اور یہ صدقۂ جاریہ صبح قیامت تک آپ کے نامۂ اعمال میں نیکیوں کے اضافے کا سبب ہوگا۔

حضرت علامہ صاحب نے دینی تعلیم کے فروغ کے لئے تقریباً پچیس کے قریب چھوٹے بڑے دینی اداروں کی بنیاد رکھی، ان درسگاہوں کا سلسلہ فیض العلوم جمشید پور سے شروع ہوتا ہے اور جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی تک پہنچتا ہے، حضرت اس جامعہ کو جدید و قدیم کا حسین امتزاج بنانے کے خواہشمند تھے، یہاں درس نظامی کے فاضل حضرات کو عربی اور انگلش بول چال اور تحریر کی تربیت دینے کا سلسلہ حضرت علامہ صاحب نے اپنی حیات مبارکہ میں ہی شروع کروا دیا تھا، اللہ تعالیٰ حضرت کے لگائے ہوئے پودوں کو تناور درخت بنائے، اور

رہتی دنیا تک حضرت کا فیض جاری رکھے۔

جہاں علم اور عمل کا امتزاج ہو وہاں
لازمی امر ہے، حضرت علامہ کو اللہ تعالیٰ نے بھ
اور اطمینان سے نواز رکھا تھا، توجہ الی اللہ حضرت
انتہائی تابناک پہلو ہے، یہ جستجو آپ کو اولیائے
پر کشاں کشاں کھینچ کر لے جایا کرتی تھی جہ
خصوصی رحمتوں اور تجلیات کا نزول ہوتا ہے، و
بتاتے ہیں کہ کسی بھی ولی اللہ کی خدمت میں حاض
طبیعت میں سوز و گداز کی کیفیت بڑی شدت ۔
گھنٹوں گریہ طاری رہتا، اس رقت کے عالم میں
دی اکثر پوری ہوئی، حضرت کی طبیعت میں دنیا
اللہ کریم کی یاد میں محویت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھ
واقف حال حضرات کے بقول حضرت علامہ کبھی کبھ
کے مزار پر دنیا و مافیہا سے منقطع ہو کر معتکف رہا کر
مجھے خود بھی یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت لاہور تشریف
گرامی حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ
لگے: کچھ دن حضرت سیدی علی ہجویری کے مزار شری
معتکف ہونا چاہتا ہوں، کیا محکمۂ اوقاف والے ا
دیں گے؟ حضرت والد صاحب نے اپنے ایک ج
دوست کی معرفت اجازت حاصل کر لی اور حضرت علا

دنیا ومافیہا سے کٹ کررب کریم کی عبادت اور یاد میں مشغول رہے۔لیکن حضرت علامہ نے اپنی تمامتر سوز وگداز کے باوجود صحو کوسکر پر ترجیح دی، انہوں نے تسبیح ومصلی کے بجائے عملی جدوجہد کوترجیح دی ایک ماہر تعلیم کا فریضہ سرانجام دیا، کسی خانقاہ کے کونے میں بیٹھنے پر عملی زندگی کے پرخار راستے پر قدم رکھا۔

حضرت علامہ نے دینی تعلیم کے فروغ کے لئے جوکوششیں کی ہیں یقیناً رہتی دنیا تک یادرکھی جائیں گی، لیکن حضرت نے اصلاح عقیدہ کے سلسلے میں جوکوششیں کیں وہ بھی ہمیشہ یادرکھی جائیں گی، آپ کی تنقید ہمیشہ اصلاحی رہی، کبھی مخالفین کو برا بھلا کہہ کران کی دل شکنی نہیں کی، بلکہ اپنے موقوف کوٹھوس دلیل اور انتہائی شائستگی سے ثابت کیا ہے۔حضرت علامہ نے اپنی تالیف زلزلہ میں علمائے دیوبند کی عبارتوں سے پوری دیانتداری کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ علمائے دیوبند کے انبیاء اوراولیاء سے متعلق بعض موقف تضاد کے شکار ہیں، جوانبیاء اور علماء کے لئے درست تصور نہیں کی جاتی اسے اپنے علماء کے لئے درست سمجھا جا رہا ہے ۔حضرت علامہ کی اس تصنیف پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب عامر عثمانی صاحب نے یوں کہا ہے: ہمارے نزدیک جان چھڑانے کی ایک راہ ہے اور وہ یہ کہ یا تو تقویۃ الایمان اور فتاوی رشیدیہ، فتاوای امدادیہ اور بہشتی زیور اور حفظ الایمان جیسی کتابوں کو چوراہے پر رکھ کرآگ دے دی جائے اور صاف اعلان کردیا جائے کہ ان کے مندرجات قرآن اور سنت کے خلاف ہیں اور ہم دیوبندیوں کے صحیح عقائد ارواح ثلاثہ اور سوانح قاسمی اور اشرف السوانح جیسی کتابوں سے معلوم کرنا چاہیے یا پھر ان مؤخر الذکر کتابوں کے بارے میں اعلان فرمایا جائے کہ یہ تومحض قصہ کہانیوں کی کتابیں ہیں جو رطب ویابس سے بھری ہوئی ہیں اور ہمارے صحیح عقائد وہی ہیں جو اول الذکر کتابوں میں مندرج ہیں"۔

ہمارے خیال میں یہ علمائے دیوبند کے ایک فرد کی سے حضرت علامہ کی اصلاحی کوشش اور بامقصد تنقید کا ایک مندانہ اعتراف ہے کیوں نہ ہو کہ حضرت علامہ نے کہیں د داری اور للّٰہیت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔کہیں بھی مخا کیچڑ اچھالنے کی کوشش نہیں کی، حق اگر چہ تلخ ہوتا ہے لیک گوئی میں صدق واخلاص کی چاشنی شامل کردی جائے او برائے تنقید کے بجائے تنقید برائے اصلاح کا راستہ اپنایا تو فرقہ واریت کی آگ کو اگر ختم نہیں تو بہت حد تک کم کیا ہے، اور ہمارے خیال میں ہمیں حضرت علامہ کا یہ ا اپنانے کی اشد ضرورت ہے تا کہ مخالفین برانگیختہ ہونے کی حق کوقبول کریں۔

حضرت علامہ کی شخصیت کا ایک اور تابناک اور قابل پہلو انکی انکساری ہے، راقم الحروف کے والد حضرت علا الحکیم شرف قادری مدظلہ کو حضرت علامہ نے ایک کتا طباعت پر حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بہت پر جوش مبارک بھیجی اور خط کے آخر میں حضرت علامہ نے لکھا "آپکا نیا ارشد القادری" حضرت علامہ کی اس انکساری نے ہمیں و حیرت میں مبتلا کردیا، حالانکہ حضرت والدہ گرامی علامہ مرحو وفضل میں اپنے آپ سے کہیں بڑا تصور کرتے ہیں۔لیکن حض علامہ نے بھی حیران کن تواضع اور انکساری کا اظہار کر ثابت کردیا کہ اللہ تعالی نے انکو حقیقی عظمت سے نوازا تعالی حضرت علامہ کے درجات بلند فرمائے اور انکے جل ہوئے چراغوں سے پرچم اسلام کوروشن وتابندہ کرے۔آمین

مولانا رفیع احمد فیضی۔دھلی

اتنا کرم کیا کہ مقدر بنا دیا

قائداہلسنت ،رئیس القلم، فاتح ایشاء ویوروپ حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات گرامی خداداد صلاحیت، جاہ وجلال، علم وفضل شہرۂ آفاق تھی ۔آپ کی زبان وکلام حسن بیان، درس وتدریس سے مذہب حق (اہل سنت وجماعت) کی تبلیغ ہوتی تھی بد عقیدہ اور بد مذہب افراد محض آپکا نام سن کر لرزہ براندام ہو جاتے تھے۔

فرمان رسول ﷺ ،من یرد اللہ بہ خیرا یفقهه فی الدین ، کے تحت انہیں خیر کثیر سے نوازا تھا، کہاں تک ان کے علمی کارنامے اور فکری کمالات کا ذکر کیا جاے ۔جس جہت سے دیکھیں آپکی ذات اقدس اپنے آپ میں بے مثال نظر آتی ہے ۔اپنے تو اپنے غیر بھی انکی وسعت علمی، جودت طبع، قوت تخلیق، جذم واحتیات، ژرف نگاہی، بلند فکری اور علم وآگہی کا اعتراف کرتے ہوے نظر آتے ہیں۔

قائد اہل سنت نے اپنی پوری زندگی اسلام وہ سنیت کی تبلیغ واشاعت کے لئے وقف کردی تھی ۔انہوں نے برصغیر ہند وپاک میں ہی نہیں بلکہ افریقہ، یوروپ وغیرہ کے ممالک میں جہاں آپنے اسلام کی جوت جگائی اور سینوں میں عشق وایمان کی شمعیں روشن کیں۔ان صعوبتوں کا اندازہ لگایئے جوان اجنبی ملکوں کے اسفار میں انہیں پیش آئے ہونگے ۔پھر یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ ان کو وسائل سفر اور رابطے کی وہ تمام سہولیتیں بھی میسر نہ تھیں جو آج کے دیگر دنیادار افراد کو حاصل ہیں ۔لیکن اپنی راہ کی ساری کلفتوں کو حضرت علامہ قادری علیہ الرحمۃ والرضوان نے صرف اس جذبے میں خوشی خوشی برداشت کرلیا کہ وہ زمین کے کناروں تک دین کی اشاعت کا عزم لے کر اٹھے تھے ۔اور زمانہ گواہ ہے کہ جس مشن کو لے کر وہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ سے چلے تھے اسے پایۂ تکمیل تک پہچانے کے بعد ہی انہوں نے آخرت کا اپنا سفر شروع کیا۔

حضرت علامہ قادری علیہ الرحمۃ الرضوان کے علمی جاہ وجلال اوران کے فکری کمالات کے واقعات کہاں تک بیان کروں مختصر یہ کہ انکی نگاہ کیمیا اثر نے جہاں ایک طرف سیکڑوں لوگوں کو کمالات کے آسمان ہفتم تک پہنچادیا وہیں دوسری طرف ہزاروں بدعقیدہ اور گمراہ اشخاص کو گمراہی کے دلدل سے باہر نکال کر حقیقی نور وعرفان کی شاہراہ پر گامزن کردیا انہی خوش نصیب لوگوں میں راقم السطور بھی ایک ہے جس کی ہدایت پانے کے واقعہ کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

میں ایک ایسے خاندان سے متعلق تھا جو غیر مقلد مکتبۂ فکر کے پیروکار میں سے ہے بایں وجہ ابتدائی ایام میں میں بھی اس مذہب کو ماننے والا تھا تاہم اس مذہب اور اسکی تعلیمات سے قلبی طور پر غیر مطمئن بھی تھا اور میں ایک ایسے مکتبۂ فکر کی تلاش میں تھا جو برحق ہو، جسکی تعلیمات صراط مستقیم کی جانب لے جاتیں ہوں آخر کار میں دینی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے مشرقی ہند کی ممتاز ترین درس گاہ جامعہ فیض العلوم جمشید پور میں داخلہ لیا جہاں سے میری زندگی میں ایک نیا انقلاب برپا ہوا اور حقیقی مذہب کی ہدایت نصیب ہوئی۔ان دنوں میرا نئے نئے مسائل سے سابقہ پڑا۔مذہبی اور اختلافی مسائل میں جہاں جہاں مجھے انقباض تھا اس کے متعلق میں اپنے سینئر ساتھیوں سے وقتاً فوقتاً بحث ومباحثہ کرتا رہتا۔ایسی بات نہیں تھی کہ میں صرف اہلحدیث سے ہی غیر مطمئن تھا بلکہ جزوی طور پر اہلسنت وجماعت سے بھی غیر مطمئن تھا۔

اسی سلسلے میں میں ایک بار رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اہلحدیث اور اہلسنت وجماعت کے تعلق سے چند سوالات کئے ۔قائد اہلسنت نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا اور فرمایا کہ ’’بیٹا مسلک اہلسنت ہی حق ہے، تیری دنیا وآخرت کی بھلائی اسی میں ھیکہ تو اسے

اپنالے، یہی وہ راستہ ہے جو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین اور رسول گرامی وقار ﷺ سے جاملتا ہے'' حضرت کے ان جملوں کو سننے کے بعد کچھ حد تک میں مطمئن ہوگیا، مگر میں نے کوئی جواب نہ دیااور اجازت لیکر وہاں سے چلا آیا۔ان کے (CHAIMER) قیام گاہ سے باہر نکلتا تھا کہ پھر وہی شکوک وشبہات دل میں جنم لینے لگے اور میں مطمئن ہوکر بھی غیر مطمئن ہو گیا۔

ظاہر ہیکہ میں بچپن ہی سے اہلحدیث (غیر مقلد) والدین کے سایے میں پروان چڑھا تھا کچھ تو اسکا اثر تھا اور دوسری طرف یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مذہب اور عقیدہ بدلنے میں جلد بازی کرنا کوئی آسان کام تو ہے نہیں۔اسی کشمکش کے عالم میں مبتلا ہوکر میں اپنی قیام گاہ میں پہنچا اور بستر پر لیٹ گیا اور انہیں خیالات میں گم ہو کر سوچتا رہا کہ آخر صحیح کون سا مذہب ہے مذہب اہلسنت یا مذہب اہلحدیث؟ اور اپنے تئیں میں یہ فیصلہ کرلیتا ہوں کہ وہی مذہب صحیح ہے جس پر میرے آباواجداد قائم ہیں مجھے مذہب وعقیدہ نہیں بدلنا ہے، تاہم علامہ صاحب سے کل پھر مسلک اہلسنت کے حق اور اہلحدیث کے باطل ہونے پر سوالات کرنا نہ بھولوں گا، ہاں اگر تشفی بخش جوابات برآمد ہوئے تو آگے سوچا جائیگا۔اس نیک ارادے کی نیت کے ساتھ ہی نیند نے مجھے اپنے آغوش میں لے لیا۔اچانک اس وقت میں بیدار ہوا جب مؤذن حی علی الصلاہ حی علی الفلاح صدائیں بلند کررہا تھا اور نماز فجر ادا کیا۔ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ حضرت علامہ صاحب قبلہ کی بارگاہ میں حاضر خدمت ہوکر ان شکوک وشبہات کا ازالہ کرلوں کہ اتنے میں ایک طلب علم آتا ہے اور کہتا ہے کہ علامہ صاحب نے آپ کو یاد فرمایا ہے۔حضرت کا حکم سنتے ہی ان کی قیام گاہ میں حاضری دی سلام کیا دست بوسی کی اور اجازت کے بعد مؤدب انداز میں بیٹھ گیا۔خود قائد اہل سنت علیہ الرحمہ نے پوچھا مطمئن ہوگیا تو؟ قدرے وقفہ کے بعد میں نے نفی میں جواب دیا اور ساتھ ہی ساتھ میں نے یہ بھی عرض کیا کہ مسلک اہل سنت کے حق اور اہلحدیث کے باطل ہونے پر جناب کیا دلائل وبراہین ہیں؟ اور اگر آپ اعلیٰ حضرت کی بات کرتے ہیں تو میں کوئی اعلیٰ حضرت کو نہیں جانتا! ہمیں قرآن وحدیث کی روشنی میں دلیل چاہئے اور مذہب سنت کے تعلیمی اثرات کے تحت چند خشک جملے اور کلمات سرکار کائنات ﷺ کی شان میں بھی کہدیا جسکی وجہ سے حضرت علامہ قادری علیہ الرحمہ کو سخت غصہ آگیا اور آثار ناگواری چہرے پر نمایاں ہوگئے۔اور شیر کی طرح گرجتی ہوئی آواز میں بولے ,,بھاگ جلدی بھاگ ہماری نظروں سے اجھل ہوجا'' بڑی تیزی کے ساتھ لرزتے ہوئے حضرت کے Chaimber سے نکلا اور غیر مطمئن ہونے کے ساتھ ساتھ اب مایوسی بھی چھاگئی۔اس کے بعد میں نے یہ تہیہ کرلیا کہ اب مدرسہ فیض العلوم چھوڑ دوں گا مگر کیا معلوم تھا کہ میری زندگی کا ستارہ روشن وتاباں ہونے والا ہے اور حضور قائد اہلسنت کی نظر کرم سے میں اہل حق کے قافلہ میں شامل ہونے والا ہوں۔

سورج غرب ہوگیا اور رات نے گردوپیش کو اپنے سائے میں لے لیا۔علامہ کی ناراضگی کے اثرات تو دل پر تھے ہی لہٰذا رات کافی بڑی بے چینی سے گذری۔صبح اٹھا دل نے اپنے تلاش حق کا سفر جاری رکھا اور پھر علامہ کی علمی صحبت اور اپنے اسلاف کی کتب کے مطالعہ سے میرا دل خود بخود گواہی دینے لگا کہ عقیدۂ اہلسنت وجماعت ہی وہ عقیدہ ہے جو ہمارے اسلاف یعنی صحابۂ کرام سے لیکر اب تک متوارث چلا آرہا ہے لہٰذا اگر ہم واقعی ''سلفی'' ہیں تو ہمیں اپنے اسلاف کے عقیدے کو تسلیم کرکے اپنا مقدر سنوار لے نا چاہئے۔بفضلہ تعالیٰ دل مطمئن ہوگیا اور آج میں جماعت اہلسنت کے ایک فرد کی حیثیت سے اپنی کاروان حیات کا سفر جاری رکھا ہوا ہوں یہ اللہ ورسول کا بڑا کرم اور علامہ ارشد القادری صاحب کا ہی فیضان نظر ہے۔

لیکن بہت ہی افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ ۲۹/اپریل بمطابق ۱۵/صفر المظفر بروز پیر چار بجکر پینتیس 4.35 منٹ پر (آل انڈیا میڈیکل انسٹیوٹ روم نمبر ۲۰۵) علم وعمل کا نیر تاباں پوری امت مسلمہ کو غم گین چھوڑ کر غروب ہوگیا (انا للہ وانا الیہ راجعون) میں رب تعالیٰ کے حضور دست بدعا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب پاک صاحب لولاک ﷺ کے صدقے علامہ کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔۔(آمین۔۔بجاہ سید المرسلین ﷺ)

جسے چاہا اپنا بنا لیا جسے چاہا درپہ بلا لیا
یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے

......☆☆☆☆......

غلام قادر فیضی و محمد عارف

رئیس القلم

برادر اکبر حضرت فیض العارفین کی نظر

سفید ریش بارعب اور وجیہ بیضاوی چہرہ سر پر ابوالعلائی ٹوپی گلے میں زعفرانی رنگ کا طویل رومال لمبا کرتا اور تہبند میں ملبوس یہ انوکھا شخص کون ہے؟ جہاں بھی جاتا ہے لوگ عقیدت واحترام سے دست بوسی اور قدم بوسی کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ انتہائی ادب واحترام اور تعظیم کیساتھ خلق خدا کی ایک جم غفیر ارد گرد پروانہ وار منڈلا رہی ہے۔ مسلم غیر مسلم بھی اپنی عقیدتوں کا نذرانہ اس شخص کی بارگاہ میں حسب حیثیت پیش کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں اجنبی نگاہیں بار بار تجسسانہ طور پر یہ جاننے کی کوشش کر رہی ہیں کہ آخر یہ شخص ہے کون؟ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ عوام وخواص کے مرکز احترام بنا ہوا یہ شخص پیر طریقت تاج شریعت رہبر سلوک ومعرفت شیخ المشائخ حضرت علامہ غلام آسی پیا حسنی صاحب مدظلہ العالی ہیں جو رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری فاتح یوروپ وایشیاء مناظر اعظم اہلسنت کے برادر اکبر ہیں۔

اس عقیدت مندانہ تعرف کے بعد پھر تو حضرت کی ذات دل کیلیے باعث کشش بنتی چلی گئی حضرت جب کبھی اپنی تبلیغی مصروفیت سے کچھ وقت نکال کر علامہ سے ملنے جمشید پور آتے یا جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی تشریف لاتے تو دونوں بھائیوں کے ملنے کا سما ں ہی دیکھنے کے لائق ہوتا یوں تو شیخ المشائخ حضرت علامہ کے برادر اکبر ہیں عمر میں دونوں کے درمیان تقریبا چھ سال کا وقفہ ہے باوجود اس کے ہم نے دیکھا شیخ المشائخ کا بے حد احترام بجالاتے اور انکی عزت وتعظیم کا خاص خیال فرماتے مگر برادر اکبر ہونے کے باوجود شیخ المشائخ حضرت علامہ کا جو احترام کرتے اسے دیکھ کر ایسا

ہرگز ہرگز محسوس نہیں ہوتا کہ وہ اپنے چھوٹے
ہیں بلکہ انکے احترام وعزت کرنے کا انداز ا
عبقری شخصیت کا احترام کیا جارہا ہے بڑے
باوجود علامہ کا یہ احترام اور قدر ومنزلت کا انداز د
پیدا ہونے لگتا علامہ کے ساتھ برادر اکبر کا جذبہ
اور بے مثال رہا ہے ہر معاملے میں علامہ کی را
المشائخ کی زندگی کا اولین مقصد دیکھائی دیتا۔

یوں تو غلام آسی پیا حسنی خود ایک جید اور با
ومعروف پیر طریقت اور جماعت اہلسنت کے مو
کئے جاتے ہیں۔ حضرت غلام آسی پیا حسنی نسبتا
مسلکا حنفی مشربا ابوالعلائی حسنی قادری چشتی ہیں آ
صدر الشریعہ، محدث اعظم پاکستان، حافظ ملت اور ح
رضا خاں فرزند اکبر فاضل بریلوی کی ذات گرامی
ذکر ہیں آپکو عوام وخواص کی جانب سے شیخ المشا
کے لقب سے نوازا گیا۔ اور آپکی شہرت بھی فیض ا
زیادہ ہوئی۔

علامہ آپکی ذات سے دیرینہ تعلقات رکھتے جب کبھی
کسی مصیبت میں گرفتار ہوتے تو فوراً بھائی صاحب
کی صدائے بیتابانہ لگاتے علامہ بھائی صاحب کو دیکھکر
پاتے ہی تھے بلکہ زیارت کے فوراً بعد چہرے پر لطف
کیفیت چھا جاتی وہ دیکھنے کے لائق ہوتی برادر اکبر
العارفین کی ذات جہاں علامہ کیلیے باعث تسکین تھی و

برادر اکبر فیض العارفین کیلئے وجہ طمانیت قلب تھے علامہ کی ذرا سی بچینی کو بھائی صاحب بالکل برداشت نہیں کر پاتے بے چین ہو جاتے روز مرہ کی معمول کی نمازوں کے علاوہ تہجد، اشراق، چاشت اور دیگر نوافل نماز وروزے کے پابند فیض العارفین اپنی ہر عبادت کی تکمیل کے بعد حضرت علامہ کیلئے ہمیشہ دعا مانگتے رہتے ہیں۔

علامہ ارشد القادری کو حافظ ملت کے آغوش تربیت میں لے جا کر ڈالنے والے برادر اکبر فیض العارفین ہی کی ذات گرامی ہے جن کی فیضان نظر نے غلام رشید کو شہرہ آفاق شخصیت علامہ ارشد القادری بنا دیا۔

فیض العارفین کی دعاؤں کا ہی نتیجہ ہے کہ اللہ کریم نے اپنے حبیب کے طفیل حضرت علامہ کو شہرت کی ان بلندیوں تک پہنچا دیا جہاں ناقص العقل انسان تصور ہی نہیں کر سکتا ایک بار ۱۹۶۷ء میں علامہ کو حکومت بہار نے ڈی۔آئی۔آر کے تحت گرفتار کر لیا اور جمشید پور سے انہیں آرہ جیل بھیج دیا ۹ رماہ کی طویل عرصہ گذر جانے کے بعد بھی رہائی کی کوئی صورت ممکن نظر نہیں آرہی تھی۔

فیض العارفین علامہ کی رہائی کیلئے بہت پریشان تھے۔دریں اثنا آپ نے مخدوم پٹنہ حضرت مخدوم منعم پاک علیہ الرحمہ کے مرقد پاک پر بستر استقلال ڈال دیا۔اور مخدوم پاک کی بارگاہ میں اس عزم کے ساتھ بیٹھ گئے کہ جب تک میرا بھائی رہا نہیں ہوگا در اقدس سے ٹلوں گا نہیں۔آخر مخدوم پاک کو اپنے غلام صادق پر پیار آ ہی گیا اور آپ نے ایسا کرم کیا کہ دوسرے دن کے بعد ہی علامہ کی رہائی کا پروانہ حکومت بہار نے جاری کر دیا۔مخدوم پاک کا یہ فیض علامہ کی زندگی کا ایک ناقابل فراموش واقعہ ہے جو فیض العارفین کی آہ وزاری توسل واستمداد کے نتیجے میں ظاہر ہوئی۔اللہ تعالیٰ فیض العارفین کے سایہ کو ہم اہل سنت کے سروں پر تادیر قائم ودائم رکھے۔آمین بجاہ سید المرسلین۔

فیض العارفین اور حضرت علامہ کے درمیان اخوت ومحبت کا رشتہ تمام عمر قائم رہا اسکی نظیر بہت مشکل سے ملتی ہے۔ویسے حضرت علامہ شروع سے ہی بہت چاق وچوبند طبیعت کے مالک تھے۔اس کے برعکس فیض العارفین کا مزاج بچپن سے ہی صوفیانہ رہا ہے۔فیض العارفین جب بریلی میں تعلیم پا رہے تھے تو ایک بار چھٹیوں کے درمیان گھر گئے۔اور انہوں نے علامہ کو بریلی جا کر تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ کر لیا۔وقت اور حالات کی بنا پر اس وقت علامہ کے گھر کی اقتصادی حلات کچھ ٹھیک نہیں تھی پھر بھی دونوں بھائی حصول تعلیم کے شوق میں کشاں کشاں بریلی کے لئے گھر سے چل پڑے قریبی ریلوے اسٹیشن سے بریلی کیلئے ریلوے کا ٹکٹ خریدا گیا اور علامہ نے اسے اپنی شیروانی کی جیب میں رکھ لیا سوئے اتفاق شیروانی کی جیب پھٹی ہوئی تھی اور علامہ اپنے بچپنے کے مزاج کے مطابق اس سے فکر مند بھی نہیں تھے' خدا خدا کر کے دونوں بھائی بریلی اسٹیشن پہنچ گئے مگر جب یہ لوگ سوداگراں جانے کے لئے اسٹیشن سے باہر نکلنے لگے تو ٹی'ٹی نے ان سے ٹکٹ مانگا۔علامہ نے بے خوفی کے ساتھ پاکیٹ میں ہاتھ ڈالا مگر ٹکٹ ندارد۔اور پیسے بھی پاس میں نہیں اب کیا ہو۔فیض العارفین نے ٹی ٹی سے مہلت مانگی علامہ اور اسباب کو ریلوے اسٹیشن پر بطور ضمانت ٹی ٹی کے تحویل میں چھوڑا اور سیدھے مفتی اعظم کے پاس آ کر پوری روداد سنائی۔مفتی اعظم نے لاپرواہی کے پاداش میں پہلے تو ڈانٹ لگائی۔پھر اپنے پاس سے مطلوبہ رقم دیدیا اس طرح یہ دونوں حضرات سوداگراں وارد ہوئے اور پڑھائی میں لگ گئے۔

علامہ اپنی کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں ہم دونوں کی خدمت سے بہت خوش رہتے تھے۔حضرت فیض العارفین بھی ہمیشہ اپنی نوازشات وکرم سے ہملوگوں کو نوازتے رہتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت علامہ علیہ الرحمۃ والرضوان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ہمیں ان کے روحانی فیوض برکات سے مالا مال کردے اور ہمیں توفیق دے کہ ہم اشاعتی میدان میں مزید دین متین کی خدمت کر سکیں۔آمین۔

علامہ ارشد القادری کی زندگی کے آخری چند سال

مولانا فیضان المصطفیٰ قادری

جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی

وہ بڑی کیف آور گھڑی تھی جب گناہوں سے بوجھل راقم الحروف کے سر پر دستار فضیلت لپیٹی جاتی تھی۔ ہر طرف گہما گہمی مسرت وشادمانی، نور ہی نور تھا۔ ۲۸، اکتوبر ۱۹۹۵ء کی حسین شب تھی۔ الجامعۃ الاشرفیہ کے اسٹیج پر علم وحکمت کے بڑے بڑے تاجدار رونق افروز تھے۔ ملت کے مدبرین ومفکرین اور ارباب علم ودانش کی ایک بڑی تعداد موجود تھی جونہی میرا نام پکارا گیا ایک بزرگ مسکراتے ہوئے بڑھے جیسے میرے سر پر دستار باندھنا اپنا حق سمجھتے ہوں نحیف ونزار انگ انگ سے بڑھاپے کے آثار نمایا مگر چہرے پر وقار اور تمکنت کے آثار ہویدا۔ پیشانی پر برگزیدگی کی علامت اور دل ودماغ قوم وملت کے درد وفکر سے لبریز جن کے سرہانے عالمگیر رعب وجلال ٹپک رہا ہو۔ یہ علامہ ارشد القادری تھے۔ مختلف موقعوں پر کئی بار حضرت کے رعب وجلال کا نشانہ بن چکا تھا۔ مگر اس نوازش پر وہ سرور ملا جس سے پورا وجود جھوم اٹھا آپ نے راقم کے سر پر دستار سجادی۔ فراغت کے بعد ایک سال کے لئے بین الاقوامی زبانوں میں دعوت وتبلیغ کے تربیت حاصل کرنے حضرت کی بارگاہ میں جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء، نئی دہلی پہنچا یہاں کی تعلیم وتربیت زیادہ تر حضرت کے فیض صحبت سے عبارت ہے۔

صبح وشام بارگاہ میں حاضری ہوتی اپنی خدمت کم کراتے اور ہماری مشق وتربیت پر زیادہ توجہ دیتے کبھی فجر بعد اور کبھی ظہر بعد پوری جماعت کو بلاتے اور جدید دینی تقاضوں کے مطابق مختلف موضوعات پر مناظرہ کرواتے جب بحث گرما گرم ہونے لگتی تو جاتے۔ مختلف بحثیں کبھی اردو میں کبھی انگری ہوتیں۔ تبلیغ کے کام کو کس طرح موثر بنایا جاسکتا سمجھاتے۔ طلبہ سے فارغ ہوتے تو مختلف دینی جاتے ایک سے زیادہ بار میں نے آپ سے یہ فر بہت کم ہے اور کام بہت زیادہ ہے"۔

اس کا مطلب اب سمجھ میں آیا۔ ذاتی مفاد کی خا کرنے والے بہت لوگ ہیں مگر عالمگیر سطح پر حسب مدارس کون قائم کریگا۔ وہابیہ اور دیابنہ کے بیجا اعتراض شکن جواب کون دیگا مسلمانوں کے خلاف سیاسی اور نظر رونا رونے والے بہت لوگ ہیں مگر ان کے دفاع میں جدوجہد کے لئے کامیاب کانفرنسیں کون کریگا۔ عالمگیر تبلیغ کے لئے بین الاقوامی زبانوں میں داعی اور مبلغین کریگا، اہل سنت کے آپسی اختلاف وانتشار کو ہوا دینے و لوگ ہیں مگر ملت کی شیرازہ بندی کون کریگا۔ تبلیغی جماعت کوششوں کے پس پردہ عقیدے کا فساد پھیلانے کا سب کو اسکے توڑ کے لئے دعوت اسلامی جیسی تنظیموں کا قیام کون کریگا

ایک ذات ہے جو ہر سطح پر قوم کی فکر لئے ہوئے ہیں ا اور ہر آن اپنی قوم کی فکر رہتی اور یہ فکر انہیں کچھ نہ کچھ کرتے ابھارتی رہتی ہے۔

ہم سوچتے تھے کہ جو شخص ملت کے مفاد کی خاطر شب و روز اس بھری دنیا میں دوڑ بھاگ کر رہا ہو بڑے بڑے وزراء افسران سے ملتا ہو اسے نوافل اور اوراد وظائف سے چنداں لگاؤ نہیں ہوگا مگر حیرت ہوئی دیکھ کر کے بعد نماز فجر ایک گھنٹہ اور بعد نماز مغرب ایک گھنٹہ بلا ناغہ وظیفہ کرتے عالم یہ تھا کہ حکم کے مطابق حجرہ بند کر دیا جاتا اور اس دوران کسی کو ملنے کی اجازت نہ ہوتی۔

ایک بار علاج کے سلسلے میں حضرت سہارن پور تشریف لے گئے خدمت کے لئے راقم الحروف کو بھی ساتھ لے لیا۔سہارن پور میں حکیم سید احمد صاحب بڑے مشہور حکیم ہیں سنی صحیح العقیدہ اور حضرت کے بڑے شیدائی ہیں۔ ہمارا قیام مدرسہ غوثیہ سہارنپور میں رہا یہ وہ مدرسہ ہے جسے حضرت نے ہی دیوبندیوں کے گڑھ سہارنپور میں قائم کیا جس سے وہاں سنیت کا خاصا کام ہو رہا ہے اور اب لوگ اہل سنت کی طرف مائل ہو رہے ہیں اس کی عمارت بڑی شاندار ہے اور اس سے متصل ایک عظیم الشان مسجد بھی تعمیر ہو رہی ہے جو اب تکمیل کو پہنچ چکی ہوگی یہاں دو دن قیام رہا یہاں دیوبندیوں کی ایک بڑی اور مرکزی درسگاہ مظہر العلوم ہے دوسرے دن حضرت ایک مقامی آدمی کے ساتھ مجھے مظہر العلوم اور اسکے نظام تعلیم وتربیت دیکھنے کے لئے بھیجا میں نے وہاں بہت سی بظاہر پرکشش چیزیں دیکھیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہاں پر طالب علم کو اچھا وظیفہ ملتا ہے تعلیمی وقف نہ ہو نے کی وجہ سے درسگاہ کا جائزہ نہ لے سکا ایک قابل ذکر چیز جو دیکھنے میں آئی وہ نوٹس بورڈ پر لگی ہوئی ایک لسٹ تھی جس میں دیوبندی ،بریلوی اختلافات سے متعلق مختلف موضوعات درج تھے جن پر طلبہ کو مناظرہ کی مشق کرنی تھی جو ہفتہ وار یا پندرہ روز پر ہوتے ہیں واپس آکر میں نے تفصیل عرض کر دی۔

دوران سفر میں نے حضرت سے پوچھا کہ آپ کبھی دیوبند گئے ہیں؟ فرمایا ہاں دار العلوم دیوبند کے جشن صد سالہ میں خفیہ طور پر صرف یہ دیکھنے کے لئے گیا تھا کہ جو لوگ بزرگان دین سے متعلق کسی قسم کے جشن منانے کے سخت مخالف ہیں وہ اس جشن میں آخر کیا کرتے ہیں۔

ہم نے بہت سارے بزرگوں کو دیکھا ہے جو کہ عہد پیرانہ سالی میں انکے حجرے ہی کل کائنات ہوتے ہیں مگر ہمت مرداں مدد خدا چل نے پھرنے سے مجبور ہونے کے باوجود حضرت پورے ہندوستان کا سفر کرتے اور شاید ہی کوئی ایسا سفر ہو جو خالص ذاتی غرض کے لئے ہو۔ایک باکمال اور شیریں مقال خطیب ہونے کے باوجود جلسے جلوس سے نسبتاً کم دلچسپی رکھتے تھے جب کبھی عرس امجدی میں گھوسی یا عرس حافظ ملت میں مبارک پور تشریف لاتے تو لوگ سوچتے کے شاید اہم مشن ہوگا جس کے لئے حضرت تشریف لائے ہیں زندگی کے آخری چند سالوں کی اہم ترین خدمت جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء نئی دہلی کا قیام اور اس کا جامعہ ازہر (مصر) سے الحاق ہے برصغیر ہندو پاک میں اہل سنت کا عالم عرب سے کوئی رابطہ نہیں تھا عالم عرب میں بریلویوں کی شبیہ اس قدر مسخ کر کے پیش کی گئی تھی کہ عالم عرب کے بیشتر سنی مسلمان بھی نفرت کرنے لگے تھے عالم عرب کی کسی بین الاقوامی کانفرنس نے شیخ ازہر (شیخ طنطاوی) سے آپ کی ملاقات ہو گئی مذاکرے کے نتیجے میں دلچسپیوں کا سلسلہ بڑھا۔چنانچہ چند سالوں کے بعد جب آپ نے جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء نئی دہلی کے الحاق کیلئے ضروری دستاویزات بھیجے تو شیخ ازہر کو کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوئی جس کے نتیجے میں جامعہ سے فارغ شدہ علما ء کی تین چار کھیپ جامعہ ازہر پہونچ چکی ہیں اور وہ علماء زبان وادب میں تربیت حاصل کرنے کے علاوہ شب و روز اہل سنت اور خصوصاً امام احمد رضا کے تعارف کے سلسلے میں جدو جہد میں لگے ہوئے ہیں ان لوگوں کی ازہر میں موجودگی کے بعد سے ہندو پاک کے متعدد علماء جامعہ ازہر کا موثر دورہ کر چکے ہیں جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء

جامعہ از ہر سے ملحق ہونے والا پورے ہندوستان کا واحد ادارہ ہے جس کے لئے ہر سال کوٹہ متعین ہو چکا ہے۔

دو سال قبل جب حضرت شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کا انتقال ہوا تو حضرت پٹنہ میں زیر علاج تھے حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب سربراہ اعلی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور فرماتے ہیں۔

جب میں علامہ ارشد القادری کی عیادت کے لئے پہونچا اور حضرت مفتی صاحب کے انتقال کا تذکرہ ہوا تو بڑے ہی کرب انگیز لہجے میں فرمایا ''اب کیا ہوگا'' بیماری کی وجہ سے جنازہ میں شرکت نہ ہوسکی مگر قدرے افاقہ ہوا تو چہلم میں گھوسی تشریف لائے مفتی صاحب کے چہلم کا جلسہ گھوسی کی جامع مسجد میں ہوا آپ کو اس قدر کمزوری تھی کہ دو آدمی پکڑ کر آپ کو کھڑا کرتے تو آپ کھڑے ہوتے اس حالت میں آپ جلسہ گاہ پہونچے اور اسی حالت میں کھڑے ہو کر تقریر بھی کی۔

یکم اپریل ۲۰۰۲ء کو جمشید پور میں گرامی قدر محترم خوشتر نورانی صاحب کی شادی تھی جس میں شرکت کے لئے میں جمشید پور پہونچا حضرت کئی مہینے سے یہیں قیام پزیر تھے پیشاب میں پریشانی کی شکایت کئی سال سے تھی یہاں آپریشن ہوا جس سے آرام ہو گیا مگر آپریشن کی وجہ سے ڈاکٹر نے مستقل آرام کرنے کو کہا خادم بارگاہ میں حاضر تھا محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفی صاحب اور فیض العارفین حضرت علامہ غلام آسی صاحب بھی تشریف فرما تھے آبائی وطن سید پورہ ضلع بلیا میں حضرت کے قائم کردہ عظیم الشان ادارہ کے انتظام وانصرام کی بات چل رہی تھی اسی سلسلے میں تینوں بزرگوں میں تبادلہ خیال ہو رہا تھا جس کے نتیجے میں حضرت نے ایک تحریر تیار کی جس کا آخری جملہ یہ تھا۔

''یہ میری آخری تحریر ہے اس کے بعد کوئی تحریر قابل قبول نہیں ہوگی'' یہ تحریر جب لکھی جارہی تھی تو میں موجود تھا لیکن یہ جملہ کتنا معنی خیز اور حقیقت پرمبنی تھا اب سمجھ میں آرہا ہے کیوں کہ یہ یکم اپریل کی تحریر ہے دوسرے دن ہم بھی دہلی کو روانہ ہوئے تیسرے اپریل کو دہلی پہونچے جسکے بعد حضرت کے مرض میں شدت آگئی چار تاریخ کو ہاسپٹل میں داخل کئے گئے جس سے باحیات واپس نہیں آئے دو اپریل کو نیلانچل اکسپریس سے جب حضرت دہلی کے لئے روانہ ہوئے تو ساتھ میں ہم لوگ بھی تھے پوری زندگی سفر میں گزارنے والے دنیا بھر کا دورہ کرنے والے مشرق ومغرب کی دوریاں طے کرنے والے کی زندگی کا یہ آخری سفر تھا اب طائر خیال کہیں اور مائل پرواز ہے ایک وقت وہ تھا جب حضرت صدرالشریعہ کا سفر حج کے دوران بمبئی میں انتقال ہو گیا ان کا جنازہ گھوسی لایا گیا چنانچہ بمبئی سے بذریعہ ٹرین روانگی ہوئی اس وقت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ ناگپور میں تھے خبر ہوئی تو وہ اسٹیشن آئے اور شریک سفر ہو گئے اس سفر کی پوری داستان حضرت کے قلم سے آج بھی صدرالشریعہ نمبر اور حیات و خدمت اور دیگر رسالوں میں مل جائے گی آج ان کی زندگی کے آخری سفر میں ناچیز خاندان امجدی کے ایک فرد کی حیثیت سے ان کا شریک سفر تھا حضرت کی خدمت کا یہ آخری موقع تھا مگر کسے معلوم تھا کہ اب موقع نہیں ملیگا۔

آپریشن کا زخم پریشان کن تھا جس کی وجہ سے حضرت بڑی مشکل سے بیٹھ سکتے تھے ٹرین میں اترنے چڑھنے میں کچھ ہلکے جھٹکے لگے جس کی وجہ سے زخم بگڑ گیا دہلی پہونچنے کے بعد مرہم پٹی کرائی گئی پھر بھی پریشانی بڑھتی رہی چنانچہ ہاسپٹل میں داخل کیا گیا اعلی سے اعلی قسم کے علاج کا انتظام کیا گیا مگر زندگی کا وقت پورا ہو چکا تھا بالآخر ۲۹؍ اپریل کو شام پونے پانچ بجے آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا گویا علم وحکمت کے نور سے ایک کائنات کو روشن کرنے والا آفتاب ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

علامہ ارشد القادری

دورِ حاضر کی ایک عبقری شخصیت

ڈاکٹر مفتی مکرم احمد نقشبندی مجددی
شاہی امام مسجد جامع فتحپوری دہلی

اہل سنت کے محسن حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ایک ماہ قبل ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون" وہ ایک بہترین مناظر، بے مثال خطیب، نادر الوجود قلم کار اور دور اندیش قائد تھے۔ وہ ہمیشہ ہی امت کی تربیت و تنظیم کے لئے فکر مند رہتے تھے اور تمام زندگی انہوں نے اسی جذبہ کے تحت صرف کردی۔ ان کی زندگی کا ہر گوشہ قابل تقلید ہے۔ مثال کے طور پر انکی یہ عادت تھی کہ جہاں بھی جاتے وہاں مدرسہ ضرور قائم فرماتے تھے۔ دیکھنے میں یہ ایک معمولی سی بات ہے لیکن اگر بنظر عمیق اس حکمت عملی پر غور کیا جائے تو اس عادت میں بھی بے شمار فوائد ہیں۔

مدرسہ قائم کرنے میں علامہ ارشد القادری کے مدنظر جو باتیں رہی ہوگی ان میں سے چند یہ ہیں:

ا۔ علامہ چاہتے تھے کے ہر نونہال کو دین کی اور بالخصوص قرآن کریم کی تعلیم سے آراستہ کیا جائے تا کہ یہ اس حدیث شریف کے مصداق بن سکیں۔ خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ (اوکما قال علیہ السلام) یعنی (اے مسلمانو!) تم میں سب سے بہتر انسان وہ ہے جو قرآن کریم کو سیکھے اور اسے سکھائے۔ یعنی قرآن شریف کو پڑھنا اور پڑھانا دونوں ہی افضل عمل ہیں۔ علامہ نے مدرسہ قائم کر کے پوری بستی کو خیر جماعت بنادیا۔

قرآن کریم کی تلاوت نماز میں فرض ہے۔ اگر کسی کو قرآن شریف ہی نہیں پڑھنا آتا ہوگا تو وہ نماز کیسے پڑھے گا۔ جب نماز نہیں پڑھے گا تو گمراہی میں پڑ جائیگا۔ اگر قرآن شریف کی تلاوت آجائیگی تو نماز سے انسان جی نہ چرائیگا۔ اور اس کی نماز درست ہو جائیگی۔

قرآن کریم کی تلاوت سے بلائیں دور ہوتی ہیں اور دعائیں قبول ہوتی ہیں لہٰذا علامہ نے مدرسہ کی بنیاد ڈالکر پورے علاقہ اور پوری بستی کو بلاؤں سے محفوظ کر دیا۔ اور دعائیں قبول ہونے کا سامان مہیا کر دیا۔ سبحان اللہ، کیا بہترین خیر خواہی ہے۔

مدرسہ میں سب سے پہلے قرآن کریم کی تلاوت سکھائی جاتی ہے اور قرآن کریم پڑھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ حروف تہجی ا، ب، ت، ث، وغیرہ پڑھنے آتے ہوں اور عربی عبارتیں پڑھنے کا ملکہ پیدا ہو جائے جسے قرآن شریف پڑھنا آجاتا ہے اُسے نماز میں پڑھی جانے والی مسنون دعائیں، درود شریف وغیرہ بھی پڑھنی آجاتی ہے۔ لہٰذا اس طرح ہر مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں میں دینی رجحان پیدا ہو جاتا ہے اور وہ کسی بھی وقت پسندیدہ دُعائیں بآسانی پڑھنے کے قابل ہو جاتے ہیں اور زندگی کے کسی بھی حصہ میں وہ دوسروں کے محتاج نہیں رہتے۔

علامہ صاحب کی نظر میں ایک بات یہ بھی رہی ہوگی کہ اسکول وغیرہ تو ہر کس و ناکس کھول لیتا ہے۔ اس سے آمدنی بھی ہوتی ہے اور اُس کے لئے ضروری نہیں کہ اسکول مسلمان کھولے۔ علامہ نے مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھ کر مُسلم بچوں کی تعلیم کی راہ متعین کردی کہ تمکو پہلے قرآن کریم کی تعلیم اور مذہبی تعلیم کی طرف توجہ دینی چاہیئے جب ایک مدرسہ کُھل جاتا ہے تو دوسرے مدارس بھی کُھل جاتے ہیں۔ اسکول میں داخلہ دلانا، پڑھوانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ کہیں داخلہ میں پیسے زیادہ لگتے ہیں تو کہیں اسکول کا کورس اور نصاب تعلیم مہنگا آتا ہے۔ فیس بھی زیادہ دینی پڑتی ہے یونیفارم بھی سلوانی

پڑتی ہے۔بچوں کو گھر کا کام اور اسکول کے کام کو پورا کرنے کے لئے پن، پنسل، ربر، کاپیاں وغیرہ بھی دلوانی پڑتی ہیں۔بستی کے غریب مسلمان تو اتنا خرچ آسانی سے برداشت نہیں کر پاتے اس لئے وہ پڑھائی سے دور رہ جاتے ہیں۔ مدرسہ میں دینی ضروری تعلیم بھی ہو جاتی ہے اور خرچ بھی نہیں ہوتا۔غریب بستی اور غریب بچوں کی تربیت بھی ہو جاتی ہے اور قوم میں سے بآسانی جہالت بھی دور ہونے کا سامان بن جاتا ہے۔

آج مسلمانوں کو دیگر مذہب کے لوگ اور سیاسی رہنما جاہل قوم کی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں اور کھلے عام کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنے حالات کا شکوہ دوسروں سے کرنے کے بجائے خود اپنے حالات کو سدھارنے پر غور کرنا چاہئے۔ آئے دن اخبارات میں اس طرح کے بیانات آتے رہتے ہیں علامہ نے اس کمی کو پہچانتے ہوئے اسکی اصلاح فرمائی اور مدرسہ کھولکر تعلیم کا ماحول بنانے کی پہل کی۔

تعلیم کو کسی بھی سماج کی ریڑھ کی ہڈی کہا جاتا ہے۔جیسے انسان ریڑھ کی ہڈی کی تندرستی کے بغیر تندرست نہیں رہ سکتا۔اگر ریڑھ کی ہڈی کے کسی بھی حصہ میں کسی بھی جوڑ میں نقص آجاتا ہے تو انسان کا اٹھنا، بیٹھنا، چلنا پھرنا دوبھر ہو جاتا ہے اسی طرح اگر کسی قوم میں تعلیم کی کمی ہوتی ہے تو وہ کبھی صحتمند قوم اور تندرست سماج نہیں بنا سکتی۔

کوئی یہ سمجھ سکتا ہے کہ مدرسہ میں قرآن کریم پڑھایا جاتا ہے اس سے جدید تعلیم کیسے آسکتی ہے؟ بات یہ ہے کہ پڑھنے کا ماحول اگر قائم ہو جائے اور دلچسپی پیدا ہو جائے تو پھر طلبہ اپنے شوق سے بھی آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں اور جھجک ختم ہو جاتی ہے۔علامہ نے اس جھجک کو ختم کرانے کے لئے جگہ جگہ مدرسوں کی بنیاد رکھی اور تعلیمی ماحول بنایا جو مسلمانوں کی ترقی کی بنیادی کڑی ہے۔

جدید دنیا میں عصری علوم سے اگر مسلم بچوں کی تعلیمی ابتدا ہو جاتی ہے تو پھر ان کا ذوق وشعور دنیاوی بن جاتا ہے اور پھر وہ اُسی تعلیم کو اہم سمجھنے لگتے ہیں۔دینی تعلیم کو وہ غیر ضروری سمجھ کر ثانوی درجہ دیدیتے ہیں۔ظاہر ہے کہ اگر کسی چیز کی اہمیت دل سے نکل جائے تو بچوں کا رجحان اُس طرف لگانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔آج کل وہ گھرانے جو اپنے بچوں کی تعلیمی ابتدا اسکولی تعلیم سے اور دنیاوی تعلیم سے کرتے ہیں وہ آخر وقت تک اپنے بچوں میں قرآن کریم اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت جگانے میں ناکام ہی رہتے ہیں۔اُن کے بچے اسکولی تعلیم میں اتنے مصروف ہو جاتے ہیں کہ انہیں قرآن کریم اور دینی علوم کے لئے وقت ہی نہیں ملتا۔یہ محبت نہیں بچوں سے دشمنی ہے۔یہ تہذیب نہیں تخریب ہے۔ایک گھر بھٹکتا ہے تو دوسرے اُس کے حالی موالی بھی بھٹکتے چلے جاتے ہیں۔علامہ صاحب نے کسی بستی میں مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھ کر پوری بستی کو ان سب گمراہیوں سے بچادیا۔علم ایک نور ہے جو علم حاصل کر لیتا ہے وہ نورانی بن جاتا ہے اور دوسروں کو علم سکھا کر نورانی بنا دیتا ہے۔

موت اور زندگی کا تو ہمیشہ سے ہی ساتھ ہے۔جو زندہ ہوتا ہے اسے مرنا تو ضرور ہوتا ہے۔زندگی کے ساتھ فنا لازمی ہے دیر یا سویر۔ مرنے کے بعد انسان کو پتہ لگتا ہے کہ کیا اچھا تھا اور کیا بُرا۔کونسی تعلیم مفید ہے اور کونسی تعلیم مُضر۔علامہ نے مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھ کے مسلمانوں پر احسان عظیم کر دیا۔اُن کی زندگی بھی سُدھاری اور اُن کی آخرت بھی سدھارنے کا سامان کر دیا۔

ماں باپ یا بزرگ جب مرتے ہیں تو وارثوں کے دل میں ایصال ثواب کی ضرورت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔حدیث شریف میں آتا ہے (مفہوم) مرنے کے بعد انسان اعمال صالحہ کے لئے اس طرح سے بے چین اور بے قرار ہو جاتا ہے جیسے سمندر میں ڈوبتا ہوا انسان، تنکے کا بھی سہارا ڈھونڈتا ہے۔اگر کوئی قل ھو اللہ شریف بھی بخشدیتا ہے تو عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔اس موقعہ پر مرنے والے کو یہ احساس ہوتا ہے کہ ہائے افسوس! میں نے تو اپنے بعد کے لئے نیک اولاد ہی نہیں چھوڑی جو میرے لئے ایصال ثواب کرتی۔ لیکن اب مرنے کے بعد پچھتانے سے کیا فائدہ؟ علامہ صاحب نے مرنے کے بعد کے پچھتاوے سے والدین کو بچالیا اور اُن کی اولاد کو قرآن کریم کی تعلیم کا ماحول دے کر انہیں ایصال ثواب کے قابل بنا دیا۔کچھ لوگ اپنے بزرگوں کے انتقال کے بعد رسمی طور پر کچھ بچوں کو بُلا کر قرآن خوانی کرا لیتے ہیں لیکن یہ نہیں سوچتے کہ وہ لڑکے باوضو بھی ہیں یا نہیں۔قرآن شریف درست پڑھ بھی رہے ہیں یا نہیں۔ علامہ صاحب نے ان سب بُرائیوں کا قلع قمع کرنے کے لئے گھر کے

بچوں کو ہی اس قابل بنا دیا کی وہ ہر وقت صبح و شام، ہر موقعہ پر اپنے مرحومین کے لئے ایصال ثواب کر سکیں۔ اس طرح مرحومین اللہ کے یہاں کی باز پرس سے بھی بچ جاتے ہیں اور یہ علامہ کی تربیت یافتہ اولادان کے لئے صدقہ جاریہ بن جاتی ہے۔

مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھنے سے اپنا ماحول بن جاتا ہے۔ بچے ٹوپی پہن کر صاف ستھرا لباس پہن کر جب مدرسہ میں جاتے ہیں تو راستہ میں دیکھنے والوں میں بھی دینی جذبہ پیدا ہوتا ہے، فرشتے اُن کے لئے پر بچھاتے ہیں تو پوری بستی پر رحمت برستی ہے۔ دوسرے بچے بھی اُن جیسا رہن سہن، پہناوا اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں بھی دینی تعلیم کی سہولت میسر آجاتی ہے تو کیسا بھی دنیادار شقی القلب انسان کیوں نہ ہو۔ کبھی نہ کبھی اس کے دل میں بھی دینی کرن پیدا ہو جاتی ہے۔

مدرسہ کھل جانے سے علاقہ اور محلہ کے لوگوں پر باہمی محبت پیدا ہوتی ہے اور تنظیمی جذبہ قائم ہو جاتا ہے جو صالح معاشرہ کے لئے بیحد ضروری ہے۔ جب ایک جگہ مقرر ہو جاتی ہے تو پھر اہل خیر حضرات اُسپر کئی کئی منزلہ عمارتیں بنوا کر تعلیمی سہولیات فراہم کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ پہلے جگہ ہوتی ہے تبھی تو تعمیر ہوتی ہے۔ علامہ نے مدرسہ کی بنیاد رکھ کر محلّہ والوں پر احسان کیا کہ دینی تعلیم کا سامان مہیا کر دیا۔ اور اہل خیر پر احسان عظیم کیا کہ جو پیسہ وہ اس راہ خیر میں لگاتے ہیں وہ اللہ کے یہاں کئی گنا بڑھ کر جمع ہو جاتا ہے۔ سچ ہے، حدیث شریف میں فرمایا گیا۔ انسان جو کھالیتا ہے وہ اس کا ہوتا ہے۔ جو پہنتا ہے وہ اس کا ہوتا ہے۔ جو اپنے ہاتھ سے راہ خدا میں خرچ کر دیتا ہے وہ اُس کا ہوتا ہے۔ جو جمع کر کے رکھتا ہے وہ تو اُس کے وارثوں کا ہے جسکی وہ حفاظت کراتا ہے۔ ایسا ہی ہے جیسے آپ کہیں بیٹھے ہوں اور راہ گیر کوئی آکر آپ سے کہے، بھائی ذرا میں اپنا سامان آپ کی نگرانی مین رکھ کر اپنے کام سے جارہا ہوں۔ آپ اس کی حفاظت کرتے رہنا۔ تو میرے خیال میں آپ اس کے لئے تیار نہیں ہوں گے اور کوئی بھی اس بیکار ذمہ داری اُٹھانے کیلئے تیار نہیں ہوگا۔ لہٰذا انسان اپنے وارثوں کے لئے جائز اور ناجائز طور پر مال جمع کرے اور آخرت خراب کرے اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے ہاتھ سے راہ خدا میں لگا دے۔ علامہ نے مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھ کے سماج کے مختلف لوگوں کی مختلف صلاحیتوں کا بہترین استعمال کر دیا یہ انکی دوراندیشی کا بہترین مثال ہے۔

سچ ہی ہے۔ کہا جاتا ہے بڑوں کی باتیں بھی بڑی ہوتی ہیں۔ یہی علامہ کی شان تھی وہ اہم معاملات میں بہت جلد فیصلے لے لیا کرتے تھے اور اُن پر استقامت فرماتے تھے۔ اُن کا ذہن اس مشکل سے مشکل اور مغلق سے مغلق کام میں بہت کم وقت میں فیصلہ لے لیا کرتا تھا۔ اب یہی دیکھئے کہ علامہ کی پسندیدہ عادت تھی کہ وہ جہاں بھی جاتے تھے موقعہ محل کی مناسبت سے مدرسہ ضرور قائم فرماتے تھے۔ یعنی وہ سوسائٹی میں ہر اک شخص کو ایک نظر میں بھانپ لیا کرتے تھے کہ یہ شخص کتنی ذمہ داری نبھا سکتا ہے اور اس کے کاندھوں پر کتنا بوجھ لادا جا سکتا ہے۔ مدرسہ قائم کرنا دیگر بات ہے مدرسہ کی بہتر کارکردگی کے لئے ٹیم تیار کرنا، انہیں نظم سکھانا اور اس قابل بنانا کہ وہ علامہ کی تفویض کی گئی ذمہ داریوں کو بحسن و خوبی انجام دے سکیں یہ علامہ کی خصوصی شان تھی۔

میں علامہ کے ساتھ ایک پروگرام میں گوالیار میں شریک تھا۔ علامہ صبح پہنچ گئے تھے اور میں ظہر کے بعد پہنچا تھا۔ علامہ نے گرمجوشی کے ساتھ احقر کا استقبال کیا۔ معانقہ فرمایا اور حاضرین کے سامنے میرا شاندار تعارف کرایا۔ یہ اُن کی کرم نوازی اور ذرہ نوازی تھی جس پر میں اُن کا مشکور ہوں۔ اس طرح کے کئی واقعات علامہ کے ساتھ دیکھنے میں آئے۔ انہواں نے ہر موقعہ پر احقر کو گرمجوشی سے خوش آمدید کہا اور حاضرین کے دلوں میں میری عظمت راسخ کی۔

گوالیار میں شام کو بعد عصر ایک جگہ چائے پر جانا تھا۔ وہ جگہ کچھ فاصلہ پر تھی۔ ہم کار میں سوار تھے۔ علامہ صاحب میزبان سے ہر ہستی کے بارے میں پوچھتے جاتے تھے۔ یہاں کتنے مسلمان ہیں۔ تعلیم یافتہ ہیں یا غیر تعلیم یافتہ انکے کاروبار کیا ہیں۔ ان کے شوق کیا ہیں۔ یہاں کتنی مسجدیں ہیں کتنے مدرسے ہیں۔ کتنی کتنی دور پر قائم ہیں۔ کیا نظام ہے؟ بچوں میں تعلیمی رجحان کیسا ہے۔ سروسز میں مسلمان کتنے ہیں۔ اہم عہدوں پر کون لوگ نافذ ہیں وغیرہ وغیرہ آپ اندازہ فرمالیا کرتے تھے سنی صحیح العقیدہ مسلمان کس حالت میں

ہیں۔ان میں کتنا جذبہ ہے؟ اگر جذبہ نہیں ہے تو کیسے پیدا کیا جائے وغیرہ وغیرہ۔علامہ نے کار میں سفر کے دوران اس طرح کی جستجو کی۔ جب ہم گاڑی سے اترے تو وہاں پر آپنے چاروں طرف نظر ڈالی میزبان کے گھر پر تشریف لے گئے میرا تعارف کرایا باتوں باتوں میں انھیں تیار کرلیا۔ یہاں مدرسہ قائم کیا جائے۔ وہ لوگ راضی ہو گئے۔ علامہ نے فوراً چائے پینے کے بعد اس علاقہ میں چہل قدمی شروع فرما دی اور یہ اندازہ فرمانے لگے کہ مدرسہ کس جگہ پر قائم کرنا مفید ہوگا۔ کچھ فاصلہ پر ایک بنجر سا قطعہ زمین پڑا تھا۔ خودرو گھاس پودے اگے ہوئے تھے۔علامہ کی نظر اس زمین پر پڑی اور اپنے زمین کے بارے میں پوری معلومات فرمائی۔ اگر عام آدمی ہوتا تو وہ کبھی اس جگہ کو مدرسہ کے لئے منتخب نہ کرتا۔لیکن یہ علامہ کی دور اندیشی اور فکری مہارت کی دلیل تھی۔تھوڑی ہی دیر میں آپنے مدرسہ کا تنظیمی وتعمیری خاکہ وہاں کھڑے کھڑے تیار فرما لیا۔احقر سے معلوم فرمایا۔ کہیئے مولانا۔ یہ جگہ کیسی ہے؟ احقر نے ان کی پسندیدہ زمین کی تصدیق فرمادی اور مدرسہ کا نظم قائم ہو گیا۔وہاں پر کچھ لوگ ذرا پس وپیش میں تھے تو مولانا نے یہ بھی فرمایا میں یہاں دوبارہ بھی آسکتا ہوں آپ مشورہ کرلیں اور بسم اللہ کر کے مدرسہ کو جاری کریں،۔ مجھے امید ہے کہ علامہ صاحب کی نظر دوررس نے جس جگہ کا انتخاب فرمایا تھا وہاں مدرسہ ضرور قائم ہوا ہوگا۔ جب میں علامہ کے ساتھ ہوتا تھا تو علامہ دوسروں کی ہمت بندھانے کے لئے فرماتے تھے۔ دہلی کے شاہی امام ہمارے ساتھ ہیں۔ ان سے ہمیں بہت تقویت حاصل ہے" وغیرہ وغیرہ، یہ علامہ کی دعائیں تھیں جو مجھے دیا کرتے تھے۔بے شک یہی بات ہے۔ بزرگوں کی دعاؤں نے ہی قدم قدم پر سہارا دیا ورنہ یہ ناچیز تو۔من دانم کہ آنم۔کا مصداق ہے۔

سنگم وہار دہلی میں علامہ صاحب نے مدرسہ قائم فرمایا تو احقر سے سنگ بنیاد رکھوایا یہ ان کی بے پناہ عنایت تھی۔ ورنہ احقر اس قابل کہاں۔

علامہ صاحب مدرسہ کی بنیاد ڈالنے کے بعد اس کی خیر گری ضرور فرماتے رہتے تھے جیسے ایک پودا لگا کر مالی اسکی دیکھ بھال کرتا رہتا ہے۔ قائدین اہل سنت تو بہت ہیں لیکن اس طرح مدارس قائم کرنا اور دینی محافظین کی فوج قائم کرنا علامہ کا امتیازی وصف آج یہی مدارس دینیہ دین کی روشنی پھیلا رہے ہیں اور علامہ صـ کے لئے صدقہ جاریہ ہیں۔

علامہ کے انتقال کی خبر نے بیحد صدمہ پہنچایا۔ جیسے ہی احقـ جانکاہ خبر ملی۔ احقر نے مسجد فتحپوری میں نماز عصر کے بعد ایصال ثـ کرایا۔ پھر اگلے روز مسجد فتحپوری میں جامعۃ العلوم کے طلبہ نے قر خوانی کا اہتمام کیا۔ کثیر تعداد میں مسلمان شریک ہوئے۔احقر علامہ کی شان اور عظمت پر جامع تقریر کی حاضرین نے پرنم آنکھ سے اپنے مرحوم قائد کو ایصال ثواب کیا اس خبر کو دہلی سے شائع ہو والے متعدد کثیر الاشاعت روزناموں نے شائع بھی کیا چنانچہ آواز دہلی صفحہ اول پر اس خبر کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر ہوئے لکھتا ہے۔

"علامہ ارشد القادری کا انتقال ملت اسلامیہ کے لئے صدمہ رمفتی مکرم نئی دہلی ۳۰ راپریل آج فتحپوری دہلی میں علامہ ا القادری کے انتقال پر جلسہ تعزیت کا اہتمام ہوا جسمیں بڑی تعداد مسلمانوں نے شرکت کی قرآن خوانی کے بعد حضرت مفکر ملت مـ ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد شاہی امام مسجد فتحپوری نے حاضرین کو خطا فرماتے ہوئے مرحوم کی دینی وملی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ان سانحہ ارتحال کو ملت اسلامیہ کے لئے عظیم صدمہ فرمایا آپ نے فـ مرحوم اپنے آپ میں ایک جہان تھے جن کا فیض ایشیاء ویورپ افریقہ میں بھی عام تھا۔ان کی تصانیف ہر جگہ مقبول اور مستند مانی جـ ہیں۔مرحوم کے لئے مغفرت کی دعا کی گئی اور پسماندگان کے لئے جمیل کی دعا کی گئی۔جامعۃ العلوم کے طلبا نے قرآن خوانی کی"۔

(روزنامہ قومی آواز نئی دہلی مؤرخہ ۱۷ رصفر المظفر ۱۴۲۳ مطابق یکم مئی ۲۰۰۲ء بروز بدھ)

(روزنامہ راشٹریہ سہارا اردو نے بھی اسی تاریخ کے شمارہ صفحہ ۶ پر اس خبر کو نمایاں طور پر شائع کیا۔

(روزنامہ اخبار مشرق نے بھی اس تاریخ کے شمارہ میں صفحہ اس خبر کو تفصیل سے شائع کیا اور علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ الرضوان کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا۔ان اخباروں کے ع

دیگر اخبارات نے اردو، ہندی، انگریزی میں اس خبر کو شائع کیا ہوگا جسکی تفصیل فی الحال دستیاب نہیں ہوسکی۔۔

مؤرخہ ۳ مئی ۲۰۰۲ء بروز جمعہ، نماز جمعہ سے قبل حسب معمول احقر نے ہزار ہا مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے نہایت مفصل انداز میں علامہ کی حیات اور خدمات پر تقریر کی۔ جمعہ کی نماز کے بعد ایصال ثواب کیا اس کے بعد حجرہ میں سلسلے کی روحانی و نورانی محفل ختم خواجگان شریف میں بھی علامہ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کیا گیا اور ایصال ثواب کیا گیا اس خبر کو مختصر طور پر روزنامہ قومی آواز نئی دہلی مؤرخہ ۴ مئی ۲۰۰۲ء کو صفحہ ۶ روزنامہ عوام نئی دہلی نے صفحہ ۶ پر ۴ مئی ۲۰۰۲ء کو، روزنامہ اخبار مشرق نے بھی اس تاریخ میں صفحہ ۵ پر اس خبر کو مختصر طور پر شائع کیا۔ حلقۂ مریدین و حلقۂ احباب میں برابر ایصال ثواب کا سلسلہ جاری ہے۔

علامہ کی شخصیت ہمہ گیر تھی۔ وہ عبقری شخصیت کے مالک تھے۔ اہل سنت کو ان پر فخر بھی تھا اور ان پر ناز بھی تھا۔ علامہ سے پوری جماعت کو ڈھارس تھا۔ وہ اپنے پاس پہرہ داروں کی جماعت نہیں رکھتے تھے بلکہ ان کی بارگاہ میں عقیدتمندوں کا ہجوم رہتا تھا۔ وہ بہترین مناظر تھے اور ایک بے مثال کہنہ مشق فاضل قلمکار بھی۔ ان کا طرز استدلال بہت عام فہم تھا۔ تقریر کے دوران وہ روزمرہ کی زندگی سے زیادہ تر مثالیں دے کر حاضرین کو اپنی بات سمجھاتے تھے۔ جیسے ایک تقریر میں انھوں نے فرمایا۔

"اہل قبور سنتے ہیں۔ ان میں سننے کا ملکہ بہت قوی ہوتا ہے۔ ہر مسلمان خواہ گناہ گار ہی کیوں نہ ہو وہ اپنی قبر میں سنتا ہے۔ وہ دیکھتا بھی ہے۔ وہ تم سے زیادہ سننے اور دیکھنے کی طاقت رکھتا ہے۔ جب عوام کی یہ حالت ہے تو اولیاء اللہ کا کیا کہنا۔ دیکھو حدیث شریف میں آتا ہے جب قبرستان جاؤ تو کہو السلام علیکم یا اھل القبور الخ وہاں کرنے کا حکم ہے۔ اگر یا اھل القبور نہ کہا جاتا تو چالاک لوگ کہہ دیتے کہ فرشتوں کو سلام کیا جارہا ہے۔ اب متعین ہوگیا کہ قبر والوں کو ہی مخاطب کیا جارہا ہے۔ قبر والوں کو مخاطب کیا جاسکتا ہے۔ وہ سنتے ہیں۔ وہ جواب دیتے ہیں لیکن تم نہیں سن سکتے، تم عاجز ہو اور وہ صاحب اختیار۔ وہ قبر پر آنے والوں کو دیکھتے ہیں۔ تدفین کے بعد جب تک مرحوم کے وارث قبر پر رہتے ہیں تو انھیں تسکین ہوتی ہے سے معلوم ہوا وہ دیکھتے بھی ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ مرکر مٹی میں جاتے ہیں تو وہ سراسر حدیث شریف کا انکار کررہے ہیں وہ گناہ گ رہے ہیں۔ وہ خود خلاف شریعت عمل کررہے ہیں اور دوسروں پر ا لگاتے ہیں۔ علامہ کے الفاظ تو بعینہ یاد نہیں رہے اسلوب اور مفہو رہ گیا۔

علامہ صاحب کا انداز بہت پیارا اور سہل دل میں اثر کرنے ہوتا تھا۔ وہ واقعہ میں سے واقعہ اور دلیل میں سے دلیل نکالکر جواب دیا کرتے تھے جس سے سننے والا خاموش رہ جاتا تھا ان انداز ان کی تصنیفات زلزلہ، زیر و زبر، انوار احمدی، تبلیغی جما وغیرہ میں ظاہر و باہر ہے جید عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ وہ مش ملت محسن اہل سنت تھے۔ ان کی صلاحیتیں بے شمار تھیں اور ان فضائل و مناقب احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے۔

احقر سے ان کا لگ بھگ ۲۵ سال سے تعلق تھا۔ وہ میر دل سے بہت قریب تھے۔ وہ بالکل اپنے عزیزوں کی طرح مجھ سلوک فرماتے تھے۔ ہر محفل میں وہ حد درجہ تکریم فرماتے تھے اور بار شاہی امام صاحب مفتی صاحب فرما کر مخاطب فرماتے تھے۔ ا کے والد ماجد سراج الاصفیاء حضرت شاہ مولانا مفتی محمد احمد رحمة شاہی امام مسجد فتحپوری دہلی (م ۱۳۹۱ھ رمضان المبارک مطا اکتوبر ۱۹۷۱ء) سے ان کا قلبی تعلق تھا۔ احقر کے عم محترم ماہر رضویا مسعود ملت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ (کرا سے ان کا والہانہ قلبی تعلق تھا۔ احقر بھی علامہ سے بار بار ملتا رہا۔ فون پر بھی رویت ہلال وغیرہ کے سلسلہ میں آپ رابطہ فرماتے تھے۔ علامہ کے ساتھ احقر نے سفر بھی کئے۔ علامہ کے ساتھ جلسوں میں د اور دہلی سے باہر بھی شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ بارہا میں نے انھ قریب سے دیکھا اور مشورے لئے۔ آج وہ بے حد یاد آرہے ہیں۔

پروردگار عالم اپنے حبیب ﷺ کے صدقہ میں علامہ ا القادری کی مغفرت فرمائے ان کو جنت الفردوس میں جوار رحمت عظیم الشان محل عطا فرمائے۔ ان کے پسماندگان، صاحبزادگان ا اہل خانہ کو نیز اہل سنت والجماعت کے سب ہی حضرات کو صبر جمیل فرمائے اور علامہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

یادوں کے چند نقوش

مولانا مبین ال
بانی و مہتمم مدرسہ گلشن حسین

ایک ہنگامۂ محشر ہو تو اسکو بھولوں
سیکڑوں باتوں کا رہ رہ کے خیال آتا ہے

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کی ذات سے وابستہ ایسے بہت سارے واقعات ہیں جو انکی شخصیت کی انفرادیت پر دال ہیں اور وہ واقعات یہ ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت علامہ اپنے علم وفضل میں اپنے ہم عصروں میں اونچا مقام رکھتے ہیں اور انکی قومی وملی خدمات تو ایسی ہیں جن میں وہ دوسروں سے ممتاز نظر آتے ہیں۔

یوں تو علامہ کا تعلق پوری دنیائے سنیت سے تھا لیکن میرے والد گرامی سراج ملت علامہ شاہ سراج الھدیٰ گیاوی علیہ الرحمہ کی خانقاہ بیت الانوار گیا جو صوبۂ بہار کی ایک قدیم خانقاہ ہے اس خانقاہ سے حضرت علامہ کا لگاؤ انتہائی قدیم بھی تھا اور گہرا بھی۔ بیت الانوار سے انکی یہ گہری وابستگی کیوں تھی؟ اس کے بارے میں علامہ کا وہ قول پیش کر رہا ہوں جو انہوں مجھ سے فرمایا کہ ,,میرے بچپن کا وہ زمانہ جب میں اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدہ عبد الطیف رشیدی علیہ الرحمہ کیساتھ بہار کا مشہور کولری علاقہ دھنباد کیندوا میں تھا اس وقت پورے بہار میں اہلسنت وجماعت کا دو ہی مرکز تھا ایک مرکز پوکھریرا شریف ضلع مظفر پور اور دوسرا مرکز بیت الانوار گیا۔

واضح رہے کہ بیت الانوار کا دینی تصلب جہاں ایک طرف اعلیٰحضرت فاضل بریلوی سے وابستگی کا نتیجہ تھا وہاں دوسری طرف اس خانقاہ کے مورث اعلیٰ میرے جد کریم مولانا شاہ نور الھدیٰ علیہ الرحمہ کے مرشد گرامی اور استاذ محترم قطب ربانی حضرت مولانا حافظ وقاری

سید شاہ عین الھدیٰ لکھنوی ثم بنارسی علیہ الرحمہ
الکفار کی مظہر تھی انسے نسبت روحانی کا فیضان تھا۔
وجہ سے حضرت علامہ کو بھی بیت الانوار سے گہرا
متعدد بار یہاں تشریف لاتے اور ایسا بھی ہوتا
فرماتے جد کریم کے عرس نوری میں اکثر شرکت فر
گرامی سراج ملت، حضرت علامہ کی شرکت کا یہ
قائم تھا جب کہ وہ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں
حضور حافظ ملت کیساتھ نعت خواں کی حیثیت
تھے۔ بعد میں یہ رشتہ اتنا قوی ہوگیا کہ میرے وا
میں ہفتہ عشرہ رہ جاتے اور کبھی مہینہ بھی ہو جاتا۔ میر
حضرت علامہ سے بے پناہ محبت فرماتے دونوں طر
بنیاد صرف رشتۂ دینی اور عشق رسالت تھی میرے وا
الشان کتب خانہ تھا جس میں نادر ونایاب کتابیں
بیت الانوار گیا۔ جب قیام پزیر ہوتے تو اپنی عادت
کا اکثر حصہ کتابوں کے مطالعے میں گزارتے اور وا
خانہ سے استفادہ کرتے جب صبح ہوتی تو والد ماجد کیا
علامہ نے الماریوں سے کچھ کتابوں کو نکال کر الگ ر
فرماتے کہ ان کتابوں کی ہمیں سخت ضرورت ہے
مناظرہ میں بھی کام آئے گی حضرت علامہ کی زبان۔
،مناظرہ، احقاق حق اور ابطال باطل کی بات سنکر والد
جاتے اور بطیب خاطر اور انشراح صدر کیساتھ ان کت

حوالہ فرمادیتے اور حضرت علامہ ان کتابوں کو لے کر جمشید پور تشریف لے آتے۔

والد ماجد کا پہلا سفر حج ۱۳۷۵ھ میں حضرت علامہ ارشد القادری اور الحاج عبد الباری (بانی باری مسجد آزاد نگر جمشید پور و دارالعلوم فیض الباری نوادہ) کی معیت میں ہوا، اور دوسرا سفر حج ۱۳۷۸ھ میں الحاج نثار احمد صاحب ولد حاجی عبدالباری کے ہمراہ ہوا والد ماجد کا بیان ہے کہ پہلے سفر حج میں جبکہ حضرت علامہ میرے شریک سفر تھے، مدینہ طیبہ کے قیام میں ہم دونوں کی دربار رسالت کی حاضری شب کے آخر حصہ میں ہوئی تو رقت انگیز انداز میں اشکبار آنکھوں کے ساتھ برجستہ حضرت علامہ نے یہ اشعار مواجہ شریف میں پیش کیے۔

یا نبی یاد تیری دل سے مرے کیوں جائے
بخت بیدار مرا جاگ کے کیوں سو جائے
جب نظر ہی میں نہیں لاتے دو عالم کا جمال
ان کے دیوانوں کو فردوس بھی کیوں بہلائے
ٹوٹ جائے غم و کلفت کی چٹانوں کا غرور
سبز گنبد سے اگر دل کی صدا ٹکرائے
صبح کا وقت ہے آقا میری جھولی بھر دو
کٹ گئی رات یونہی دست طلب پھیلائے
آگئے والئی بطحا کی اماں میں ارشدؔ
کہدو آنا ہے تو اب پیک اجل آجائے

حضرت علامہ ایک بہترین نعت گو شاعر تھے اور انکے بہت سارے نعتیہ اشعار ہیں لیکن ان کے تمام نعتیہ کلاموں میں مندرجہ بالا اشعار کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ جس آقا کی مدح وثنا کر رہے ہیں انکا دربار نگاہوں کے سامنے موجود ہے اور انکے دل کی آواز اشعار کی شکل میں زبان پر جاری ہے۔

جمشید پور میں اہلسنت کی بہت ساری مسجدیں اور مدارس حضرت علامہ کی کوششوں کی مرہون منت ہیں لیکن جمشید پ
علاقہ جو گاندھی میدان سے شروع ہوکر ہائی وے روڈ تک پھ
ہے جسے جواہر نگر کہا جاتا ہے اس پوری مسلم آبادی میں اہل
جماعت کا کوئی بھی تعلیمی ادارہ نہ تھا اور یہاں ایک سنی تعلیمی ا
سخت ضرورت تھی جسکا اعتراف پہلے ہی حضرت علامہ نے کی
بعد میں بھی اس سخت ضرورت کو اپنے قلم سے بھی تحریر فرمایا۔

مقام شکر ہے کہ اس اہم ضرورت کی تکمیل میری ذا
ہوئی اور یکم محرم الحرام ۱۴۰۸ھ مطابق ۲۷؍اگست ۱۹۸۷
جمعرات اس محلے میں میں نے اہل سنت و جماعت کا ایک اد
کردیا اس ادارے کے قیام پر حضرت علامہ نے قوم کے نام
تحریر فرمائی وہ یہ ہے۔

''مولانا حافظ مبین الہدیٰ صاحب نورانی بہار کی
شخصیت ہیں، دین وسنت کے فروغ کیلئے انکے دل کے در
والہانہ تبلیغی سرگرمیوں سے اہل جمشید پور اچھی طرح واقف
جذبہ کی تحریک پر حضرت موصوف نے جمشید پور کے ایک ا
میں جہاں مسلمانوں کی نئی آبادی بس رہی ہے، اور جسے جوا
نام سے جانا پہچانا جاتا ہے وہاں یکم محرم الحرام ۱۴۰۸ھ کو م
حسین کے نام سے ایک دینی تعلیمی ادارہ کی بنیاد رکھی جسک
لوگوں نے نہایت پرتپاک خیر مقدم کیا کیوں کہ نئی نسل
تعلیمات سے باخبر کرنے کیلئے اس طرح کے ادارے کی
ضرورت تھی حضرت موصوف کی نظر میں دینی تعلیم و تربی
نہایت شاندار منصوبہ ہے جسے وہ عمارت بن جانے کے
تکمیل تک پہونچاسکیں گے اسلئے میں ملک کے تمام دردمن
سے مخلصانہ اپیل کرتا ہوں کہ وہ دین کی بنیادی ضرورت سمجھ
کام میں دل کھولکر حصہ لیں۔ اور مسلم آبادی کے ایک نئے
وسنت کی روشنی سے منور کرنے کیلئے اپنی فراخ دلی اور حو
شاندار مظاہرہ کریں۔ اور دین ودنیا میں بے پایاں اجر

فیاضی ونیکنامی کی دولتوں سے مالا مال ہوں''

ارشد القادری

تاریخ ۷؍شعبان ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۰؍جون ۱۹۸۰ء کو حضور مفتی اعظم ھند نے مجھ خاکسار کو اپنی خلافت واجازت سے نوازا اور خلافت نامے پر اپنا دستخط فرما کر عنایت فرمایا حضرت علامہ سے جب میں نے اس کا ذکر کیا تو فرمانے لگے کہ یہ آپکو ایک بہت بڑا اعزاز حاصل ہوا ہے حضور مفتی اعظم ھند کی ایک خلافت دوسروں کی دس سجادگی پر بھی بھاری ہے۔ حضرت علامہ کے یہ وہ کلمات ہیں جو میرے لئے انتہائی حوصلہ افزا ہیں۔

مولانا نصیر الدین صاحب پلاموی راوی ہیں کہ حافظ ملت نے فرمایا کہ ''بخاری شریف تو مجھ سے بہت سارے علماء نے پڑھی ہے لیکن ارشد القادری جب میری درسگاہ میں بخاری شریف کی عبارت پڑھتے تو میرا دل یہ چاہتا کہ میں انکا منہ چوم لوں''

واضح رہے کہ حضور حافظ ملت سیکڑوں علماء کے استاذ ہیں اور انہوں نے بہت سارے علماء کو بخاری شریف پڑھائی ہے لیکن یہ بات کہ ''میرا دل یہ چاہتا ہے کہ میں انکا منہ چوم لوں'' یہ بات صرف اور صرف علامہ ارشد القادری کے بارے میں فرمائی ہے۔

حافظ ملت کا وہ مکتوب جو میرے والد ماجد سراج ملت کے نام ہے۔ جسے میں نے ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور کے حافظ ملت نمبر کے صفحہ نمبر ۳۰۵ پر بعنوان'' حافظ ملت اپنے مکتوب کے آئینے میں'' نقل کیا ہے اس مکتوب میں حافظ ملت نے حضرت علامہ کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ ''علامہ ارشد القادری دور حاضر میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ علمی قابلیت کیساتھ، تدبر، بلند ہمتی، عزائم میں پختگی، ایثار واخلاص اور دین پروری میں انکو وافر حصہ ملا ہے'' حضرت علامہ کی تعریف ایک دنیا کر رہی ہے لیکن حافظ ملت جیسی مردم شناس شخصیت جو کچھ فرما رہی ہے وہ الفاظ سب سے زیادہ باوزن اور حقیقت پر مبنی سمجھے جائیں گے اور حضرت علامہ کے بارے میں حافظ ملت کے یہ الفاظ آب زر سے

لکھے جائیں گے۔

حضرت علامہ کی ذات گرامی بہت ساری خوبیوں کی ج
بے شمار محاسن وکمالات کی حسین وجمیل گلدستہ ہے۔ اپنے تو ا
ہیں الفضل ماشھدت بہ الاعداء کے مطابق سب سے بڑی بات
کہ انکی بعض خوبیاں ایسی ہیں جنکے معترف انکے کٹر مذہبی حر
ہیں، اس دعوے کی شہادت میں مندرجہ ذیل واقعہ ھدیہ قارئی

جناب شرف الدین خان صاحب ساکن دھتکیڈیہ ج
راوی ہیں کہ علامہ ارشد القادری کی جمشید پور تشریف آوری کے
ایام کی بات ہے کہ دھتکیڈیہ کے مشہور میدان کیمونیٹی
قادیانیوں نے اپنا ایک تبلیغی جلسہ کیا جس میں انکے علماء
عقائد کے استدلال پر زبردست تقریریں کی اور قادیانیت ک
جماعتوں پر زبردست حملے کئے جس سے عام طور پر جمشید پور
چینی اور اضطراب کا ماحول پیدا ہوگیا اور لوگ سوچنے لگے ک
حملوں کا جواب کون دے سکتا ہے؟ دھتکیڈیہ جمشید پور میں
جماعت کے سرخیل حاجی عبدالحکیم صاحب حضرت علامہ ارشد
صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے قادیانی علم
باتوں کا جواب آپ ہی دے سکتے ہیں دوسرے کے بس کی ب
۔ یہاں تک کہ حاجی عبدالحکیم صاحب وغیرہ نے جوابی جلسہ
اور پنڈال بنایا اور حضرت علامہ ارشد القادری نے ایسی جو
فرمائی کہ قادیانیت کے پرخچے اڑادئے اور اس کے بعد سے
جمشید پور میں قادیانیوں کو سر اٹھانے کی بھی ہمت نہ ہو
موضوع پر حضرت علامہ صاحب کی کتاب نقش خاتم ہے
موضوع پر حرف آخر ہے اس کتاب میں حضرت علامہ صا
قادیانیوں کیساتھ ساتھ دیوبندیوں کی بھی خبر لی ہے اور اسی ک
حضرت علامہ نے دیوبندیوں کی ایک کتاب کا ایسا اقتباس
ان دیوبندیوں کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی ہے۔

مکتبہ جام نور

Maktaba Jaam-e-noor

۴۲۲ مٹیا محل، جامع مسجد، دھلی ۔ ۱۱۰۰۰۶

422, Matia Mahal ,Jama Masjid, Delhi - 110006

Ph:-(011)3281418-3243019-3243013(Res)2443516 Fax:-(011)3243019 E-mail : jaamenoor@vsnl.net

ہماری مطبوعات

۱۔	زیروزبر	65-00
۲۔	زلزلہ	45-00
۳۔	لالہ زار	60-00
۴۔	انوار احمدی	35-00
۵۔	تبلیغی جماعت	45-00
۶۔	جماعت اسلامی	25-00
۷۔	نقش کربلا	25-00
۸۔	مصباح القرآن ۔اوّل	15-00
۹۔	مصباح القرآن ۔دوم	12-00
۱۰۔	مصباح القرآن ۔سوم	30-00
۱۱۔	تعزیرات قلم	25-00
۱۲۔	دعوت انصاف	15-00
۱۳۔	شریعت ۔	10-00
۱۴۔	نقش خاتم	10-00
۱۵۔	جلوۂ حق	10-00
۱۶۔	محمد رسول اللہ قرآن میں	10-00
۱۷۔	دل کی مراد	10-00
۱۸۔	دور حاضر میں منکرین رسالت	10-00
۱۹۔	آیئے حج کریں	10-00
۲۰۔	ایک سفر دہلی سے سہارنپور تک	7-00
۲۱۔	فن تفسیر میں امام احمد رضا	7-00
۲۲۔	سرکا کا جسم بے سایہ	7-00
۲۳۔	لسان الفردوس	5-00
۲۴۔	روداد مناظرہ	5-00
۱۔	مرأۃ اسرار	200-00
۲۔	ہشت بہشت	160-00

۳۔	جامع کرامات اولیاء	160-00
۴۔	سچی حکایات (مکمل)	160-00
۵۔	حقیقت گلزار صابری	150-00
۶۔	بہجۃ الاسرار	155-00
۷۔	مشارق الانوار (اوّل)	110-00
۸۔	دین مصطفیٰ	90-00
۹۔	جاء الحق	100.00
۱۰۔	بارہ ماہ کے مضائل	90-00
۱۱۔	قرآنی تعلیم (اوّل)	90-00
۱۲۔	قرآنی تعلیم (دوم)	95-00
۱۳۔	سنی بہشتی زیور	80-00
۱۴۔	شمع شبستان رضا	80-00
۱۵۔	سچا خواب نامہ	75-00
۱۶۔	555 کھانے	70-00
۱۷۔	مقالات کاظمی	60-00
۱۸۔	بیس تقریریں	80-00
۱۹۔	شہید ابن شہید (اوّل)	70-00
۲۰۔	شہید ابن شہید (دوم)	70-00
۲۱۔	تذکرۃ اولیاء	65-00
۲۲۔	قصید بردہ شریف	65-00
۲۳۔	ارشادات غوث الااعظم	55-00
۲۴۔	آنا جانا نور کا	55-00
۲۵۔	واعظ (اوّل)	70-00
۲۶۔	واعظ (دوم)	65-00
۲۷۔	واعظ (سوم)	60-00
۲۸۔	واعظ چہارم	55-00

۲۹۔	زیارات مقدسہ	60-00
۳۰۔	شام کربلا	60-00
۳۱۔	عقائد الاسلام	60-00
۳۲۔	فوائد الفواد	50-00
۳۳۔	خاک کربلا	55-00
۳۴۔	نمازیں اور دعائیں	50-00
۳۵۔	اسلام میں پردہ	50-00
۳۶۔	شریعت وطریقت	50-00
۳۷۔	احکام شریعت	65-00
۳۸۔	سچی حکایات (اوّل)	40-00
۳۹۔	سچی حکایات (دوم)	40-00
۴۰۔	سچی حکایات (سوم)	40-00
۴۱۔	سچی حکایات (چہارم)	30-00
۴۲۔	سچی حکایات (پنجم)	30-00
۴۳۔	نقش سلیمانی	45-00
۴۴۔	راحت المحبین	40-00
۴۵۔	قرآنی علوم	40-00
۴۶۔	شان حبیب الرحمان	40-00
۴۷۔	شان صحابہ	50-00
۴۸۔	فضائل درود	50-00
۴۹۔	بارہ تقریریں	35-00
۵۰۔	محمد عربی میدان جنگ میں	40-00
۵۱۔	اسرار الاولیاء	30-00
۵۲۔	راحت القلوب	30-00
۵۳۔	مجرب تعویزات سیفی	20-00
۵۴۔	غوث الوریٰ	25-00

باب ۷

گلہائے عقیدت

(منظوم خراج)

وہ کوئی اور ہی ہونگے جو تنہائی کے گلے ساقی!
جہاں ہم بیٹھتے ہیں انجمن کی بات کرتے ہیں

اعجاز بک ڈپو کلکتہ

دنیائے اہل سنت کے عظیم فرزند اسلام ملت اسلامیہ کے بے باک قائد، حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے انتقال پر ملال پر ہمیں ذاتی طور پر جو تکلیف پہنچی ہے اس کا اظہار الفاظ کے وسیلہ سے کر پانا ہمارے لئے ممکن نہیں۔ اللہ رب العزت علامہ کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے

تاریخی رئیس القلم نمبر نکالنے

پر اعجاز بک ڈپو کلکتہ کی جانب

سے دلی مبارکباد پیش ھے

ہمارے یہاں جملہ کتب اہل سنت درسی کتابیں دستیاب ہیں۔ علاوہ ازیں کلکتہ میں رئیس القلم نمبر۔ ماہنامہ جام نور کے لئے براہ کرم رابطہ کریں

اعجاز بک ڈپو

ناخدا مسجد، گیٹ نمبر 1 زکریا اسٹریٹ، کلکتہ

جامعہ فیض العلوم اور علامہ ارشد القادری

مولاناعبد الرحمن فیضی
صدرالمدرسین جامعہ سعیہ، بڑھیا کھاد
ضلع گریڈیہہ (جھارکھنڈ)

یہی ٹاٹا کبھی دشت وجبل تھا جس کا ہر حصہ
ضرورت ہے کہ لکھوں اس کے ہست وبود کا قصہ

ابھی یہ شہر ٹاٹا ہے کبھی کوہ و بیاباں تھا
بجائے آدمی آباد خوں آشام حیواں تھا

ہوئی جب مرضی مولیٰ کہ بدلا جائے اس بن کو
تو بھیجا اس جگہ اللہ نے اک مرد آہن کو

اٹھا گجرات سے جمشید جی نوشیرواں ٹاٹا
یہاں آکرانھوں نے جنگلی اشجار کو کاٹا

محبت سے وہ یاد آئے گا سب کو ہر زمانے میں
کہ دشت وکوہ کو بدلا انھوں نے کارخانے میں

بنا پھر شہر دل کش آئی دولت کی فراوانی
زن وزر دیکھ کر پھر آگئی تہذیب شیطانی

کبھی تھا سیکڑوں الّو کا مرکز جس کا ویرانہ
وہیں پر آگیا حسن وشباب ورنگ ومیخانہ

مسلمان تھے مگر باقی نہ تھی خوئے مسلمانی
یہاں تھی دیدنی گیسوئے ملت کی پریشانی

ہوا جب داخلہ پھر اگلے حیوانی خصائل کا
نظر آنے لگا جب نقشہ ایام اوائل کا

دعا مانگی یہاں پر خاک تاخاشاک نے روکر
دعا مانگی یہاں فولاد سے تا خاک نے روکر

کہ اے رب جہاں ٹاٹا غریق رنگ مستی ہے
بظاہر خوش ہیں سب لیکن قدم مائل بہ پستی ہے

دعا مانگی کہ ٹاٹا بھیج اپنے نور کو یارب
سحر میں جو بدل ڈالے شب دیجور کو یارب

فلک کو چیرکر پہنچی اجابت تک دعادل کی
پڑی اسی شہر گرہ پر نظر اک مرد کامل کی

وہ جن کا نام لوح دہر پر مرقوم ہے اب تک
جہان علم میں جس شخصیت کی دھوم ہے اب تک

وہ جن کو حافظ ملت سے دنیا یادکرتی ہے
ضیا جنکی جہاں میں بن کے مصباحی برستی ہے

دیاٹاٹا کو اس محسن نے ایسا قیمتی ہیرا
کہ جسکی تابشوں کو دیکھ کر آنکھیں ہوئی خیرا

وہ چارہ ساز ہیرا نام نامی جن کا ارشد ہے
نبی پہ مرنا جنکی زندگی کا خاص مقصد ہے

وہ آئے جن کو برج علم کا معمار ہو نا تھا
وہ آئے جن سے قلعہ جہل کا مسمار ہونا تھا

یہاں کے لوگ تھے مدت سے مصروف خذف چینی
بھلا کیسے اچانک ان کو آجاتی گہر بینی

دوا دی کور چشمی کی اسی نباض ملت نے
دلوں میں تب جگہ پائی گہر کی قدروقیمت نے

یہ دل سوزی نہ تھی ذاتی زروجاگیر کی خاطر
نہ تھی کاہش یہ تاج وتخت کی تسخیر کی خاطر

یہ قربانی تھی ملّی ذہن کی تعمیر کی خاطر
یہ سب کچھ ہو رہا تھا قلب کی تطہیر کی خاطر

یہ وہ ایام تھے جب جہل کا بادل برستا تھا
یہ دھنکیڈیہہ خو دایک دینی مکتب کو ترستا تھا

خدا کا نام لیکر ابتداء تدریس کی کردی
دلوں میں آتش شوق علوم وآگہی بھر دی

جگہ کم تھی جہاں پر دھوپ بھی شدت سے پڑتی تھی
اسی میں بیٹھ کر تعلیم دیتے علم وحکمت کی

انہوں نے پر اثر خطبوں کا بھی آغاز فرمایا
سبھوں کی سرد نبضوں کو بڑی مشکل سے گرمایا

مسائل کردیئے پیچیدہ کچھ دینی معاندنے
مگر صد آفرینی ہمت نہ ہاری اس مجاہد نے

عقابی شان سے جھپٹے تو ہر مشکل نے رہ دیدی
انہیں کا جہد پیہم تھا کہ ناٹا نے جگہ دیدی

زبان اشک سے مانگی دعا اے خالق اکبر
یہاں پر علم کا اک چشمہ سیال جاری کر

وہ دن آیا کہ یہ فریاد نہ ٹالی گئی اک دن
فصیل علم کی بنیاد یوں ڈالی گئی اک دن

عمارت کے لئے چندے کا جس دم مرحلہ آیا
ہزاروں در پہ خود جاکر انہوں نے ہاتھ پھیلایا

کہیں عزت ملی ان کو کہیں پر چوٹ بھی کھائی
ہوئی سرمایۂ تعمیر کی اس طوریکجائی

یہ چندہ سنگ سے تاخشت پھر دیوار تک پہنچا
بایں رفتار بام وقبہ ومینار تک پہنچا

یہی فیض العلوم اب علم کا دریا بہاتا ہے
یہیں سے مشرقی ہندوستان اب فیض پاتا ہے

یہاں بارات ہر سال سجتی ہے افاضل کی
یہیں عقدہ کشائی ہوتی ہے دینی مسائل کی

یہیں قائم ہیں نفس وقلب کی تطہیر کے شعبے
یہیں پر حفظ قرآں یہیں تفسیر کے شعبے

یہیں شعبہ تفقہ کا یہیں درس امامت کا
یہیں تجوید کاشعبہ یہیں مشق کتابت کا

یہیں تربیتیں تیکنیک کی نسلوں کو ملتی ہیں
علوم عصر کی کلیاں اسی گلشن میں کھلتی ہیں

نہیں ہیں قادری بس درسگاہ علم کے بانی
ہزاروں رنگ میں ہے قادری ہیرے کی تابانی

یہ ہیرا بن گیا باد بہاری لالہ زاروں میں
یہی ہیرا بنا طوفاں کبھی بدلاشراروں میں

یہ ہیرا زلزلہ بن کراٹھا ایوان باطل میں
خطیب الہند بن کے چمکا تقریری محافل میں

اسی نے نجدیت کو رکھ دیا زیروزبر کرکے
شب ظلمت کواس ہیرے نے چھوڑا ہے سحر کرکے

صدف بن کر بہت قطروں کوگوہر کرکے چھوڑا ہے
بدوں کارشتہ ولیوں سے اسی ہیرے نے جوڑا ہے

جرس بن کر جگایا ہے کبھی خفتہ نصیبوں کو
بتایا نسخۂ نادر کبھی ملی طبیبوں کو

کبھی مہکا یہی ہیرا صحافت کا چمن بن کر
کہیں چمکا یہ ہیرا ورلڈ اسلامک مشن بن کر

پلایا ہے کبھی جی بھر کے جام نور رندوں کو
کیا ہے جام کوثر سے کبھی مخمور رندوں کو

اٹھا کر خامہ کردی جس جگہ بھی گوہرا فشانی
پسینے سے وہیں نم ہوگئی اردو کی پیشانی

عطا عمر خضر کرحضرت علام کو یارب
بدل صدیوں میں ان کی عمر کے ایام کو یارب

یہی خوبی ہے بس فیضی کی اس شعری نگارش کی
کہ اسمیں بھی جھلک ہے قادری ہیرے کی تابش کی

قطعۂ تاریخ

برسانحۂ ارتحال مفکرِ ملت محافظ شریعت حضرت علامہ ارشد القادری نور اللہ مرقدہٗ

از... پروفیسر سید شاہ محمد طلحہ رضوی برق

میں کہ اپنے وظائف میں مشغول تھا
دفعتہً یہ خبر بن کے بجلی گری

مسلکِ اعلیٰ حضرت کا کوہ گراں
مذہبِ اہل سنت کا مردِ جری

بیشۂ علم و دانش کا اِک شیرِ نر
بدعقیدوں میں جس سے رہی کھلبلی

آہ صد آہ دنیا سے رخصت ہوا
رحمت حق اسے خلد میں لے گئی

وہ رئیس القلم حیف! جاتا رہا
ختم جس پر صحافت کی تھی خسروی

جس کو حاصل رہی بے شک و بے گماں
زندگی بھر خطابت کی شاہنشہی

قوم کا درد جس کی رگ و پے میں تھا
ملک وملّت سے غافل نہ بیٹھا کبھی

حاملِ حسنِ اخلاق وعلم وعمل
عزم بالجزم کا پیکر آہنی

نابغہ وقت کا تھا وہ بطل جلیل
شخصیت جس کی لاریب تھی عبقری

''زلزلہ'' سے ہوئی جس کے ''زیروزبر
گھومتی پھرتی ہر ٹولی شیطان کی

اک مناظر کہ تھے جس سے ہیبت زدہ
نجدی و رافضی شاتمانِ نبی

وہ مبلغ جہانگشت اسلام کا
عاشقِ اسوۂ حسنۂ احمدی

ورلڈ اسلامک اس کا مِشن یا خدا
چمکے جب تک کہ سورج میں ہے روشنی

تجربہ کاری ودور اندیشی میں
بے مثال اس کی ثابت ہوئی رہبری

نوجوانانِ ملّت میں پیدا کیا
ذوق و شوقِ ہنر، رغبت تلنگی

عالم و صوفی وصاحب فقر وجذب
تھی عیاں جس سے شانِ ولی اللہی

روحِ پاکیزہ پر صد سلام ودرود
تا قیامت رہے سلسلۂ ارشدی

مغفرت ان کی فرمائے ربِّ غفور
قبر انور پہ ہو رحمت اللہ کی

ہے بڑا حادثہ فاجعہ برق یہ
کیوں نہ پھر ہو مجھے فکر تاریخ کی

بولا ہاتف ہوئے گم بہ ''یادِ خدا''
۶۲۰

آہ علامۂ ارشد القادری
۸۰۳+ ۶۲۰=۱۴۲۳ھ

نذر علامہ

پروفیسر فاروق احمد صدیقی

بہار یونیورسٹی، مظفر پور (بہار)

السلام اے حضرت علامہ ارشد القادری — ذات عالی مغتنم اِس دور میں تھی آپ کی

علم کے کوہ ہمالہ، فضل کے چرخ بریں — عبقریٔ وقت، اولوالعزم، ہمّت کے دھنی

وارثِ علم نبوت، خادمِ دین متیں — نازشِ لوح وقلم، وصّاف ومدّاحِ نبی

زندگی کا آپ کی بس ایک ہی مقصد رہا — حفظِ ناموس رسالت، شرح تعظیم نبی

آج تک سہمے ہوئے ہیں آپ کی تحریر سے — دیوبندی، وہابی، رافضی و خارجی

''زلزلہ'' ایسا پڑا، ایوانِ باطل میں شدید — ہوگئے ''زیروزبر'' سارے بتانِ آزری

آپ تھے روشن دماغ وباشعور و دیدہ ور — عقل وحکمت میں یگانہ، پیکر دانشوری

آپ نے دینی ادارے درجنوں قائم کیے — جن کی عظمت پہ ہے شاہد، گنبد نیلوفری

ملک میں بے مثل پٹنہ کا ادارۂ شرعیہ'' — آپ کے حسنِ تدبر کا ہے نقش دائمی

جامعہ حضرت نظام الدین اور فیض العلوم — چشمۂ فیضان رحمت ہیں یہ دونوں واقعی

مغربی ملکوں میں بھی دینی مشن جاری کیا — ''ورلڈ اسلامک مشن'' ہے اک ادارہ عالمی

آپ نے تعمیر کی مسجد نہایت شاندار — یعنی جنت میں بنایا اک قصرِ اخضری

ملتِ بیضا رکھے گی یاد ہر دم آپ کو — اپنے محسن کو کہیں بھولا ہے کوئی آدمی

قدسیوں میں غل پڑا ہے، آگئے! ہاں آگئے — باغِ جنت کے مکیں علامہ ارشد قادری

ہے دعا فاروق صدیقی کی یہ صبح ومسا
بھیج دے یا رب کوئی ثانی ارشد قادری

سینوں کا حوصلہ علامہ ارشد قادری

مولانا ملک الظفر سہسرا
مدیر ماھنامہ الکوثر سھ

حسرتا واحسرتا علامہ ارشد قادری — چھا گئی غم کی گھٹا علامہ ارشد قادری
دین کی تقدیس کی خاطر لڑے جو عمر بھر — ہوگئے ہم سے جدا علامہ ارشد قادری
خون کے آنسو رلائے عالم اسلام کو — تیرے جانے کی ادا علامہ ارشد قادری
آسماں روئے ، زمین روئے ، فضا ہر سوگوار — ہے غموں کا سلسلہ علامہ ارشد قادری
ورلڈ اسلامک مشن یا جامعہ فیض العلوم — سب کے سب ہیں غمزدہ علامہ ارشد قادری
نغمۂ توحیدان کی روح کی تسکین تھی — مدح خوان مصطفیٰ علامہ ارشد قادری
قائد اہل سنت وہ فاتح بہار تھے — سینوں کا حوصلہ علامہ ارشد قادری
اشکبار آنکھوں سے میں ان کا قصیدہ کیا لکھوں — پیکر علم و وفا علامہ ارشد قادری
کس کی آغوش محبت میں کروں گا جذب میں — اشک غم کا سلسلہ علامہ ارشد قادری
ملت اسلام کا ہر فرد ہے نمناک آج — ہے ہر اک دل کربلا علامہ ارشد قادری

فکر وفن علم وادب یا محفل شعر وسخن
سب فسردہ ، غمزدہ علامہ ارشد قادری

آج ہم سے بچھڑ گئے

مولانا ذاکر حسین لطیفی
استاذ دارالعلوم سرکار آسی سکندر پور، با

جو تھے ارشد رہ غوثیہ ،وہی آج ہم سے بچھڑ گئے
جو تھے اِس زمانے کے پیشوا،وہی آج ہم سے بچھڑ گئے
جو امیر اہل علوم تھے جو امام بزم عموم تھے
جنہیں دنیا کہتی تھی مقتدا، وہی آج ہم سے بچھڑ گئے
ابھی ڈھونڈھتے وہ جدھر گئے کبھی تھے ادھر وہ کدھر گئے
تھا سہارا جن کے وجود کا وہی آج ہم سے بچھڑ گئے
جنہیں پاسبانِ علم کہا جنہیں شاہکار قلم کہا
جو تھے راہ بر کے بھی رہنما وہی آج ہم سے بچھڑ گئے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قطعہ

شیر دل مردحق یک بیک سوگئے   حکم رب آتے ہی ارشد القادری
راہ تکتی رہی رہنما کھوگئے   سوئے ملک عدم منتقل ہوگئے

وہ ستارہ جو ٹوٹ گیا

مولانا نعمان اختر فائز
نوادہ (بہار)

چاندنی رات تھی
بہہ رہی تھی ہوا
اور
ہم
دوستوں کے جلو میں چہکتے رہے
ساغر و جام کے دور چلتے رہے
زلف جاناں
نے
اپنی طرف کھینچ کر
فکر امروز سے
اور
فردا سے بھی
کر دیا بے خبر، ہو گئے بے خبر
چاندنی رات میں
میں نے
دیکھا ستاروں کی بارات میں
ایک تارہ
جو سب میں تھا سب سے جدا
اس کا ثانی
نہیں تھا کوئی دوسرا
جس طرف کرتا رخ
اک نئی چاندنی

اک نئی روشنی
میں نے چاہا ہی تھا
روئے جاناں کی
تشبیہ
اس سے ہی دوں
دفعتہ
دیکھتا ہوں کہ
تارہ وہی خوبرو
جس سے تاروں کی قائم تھی
ناموس اور آبرو
ٹوٹ کر گر پڑا
چاندنی رات ہے
بہہ رہی ہے ہوا
لیکن
اب دوستوں کی وہ صحبت کہاں
چاندنی رات میں اب وہ رنگت کہاں
زلف جاناں میں بھی پیچ و خم اب نہیں
کھو گئی
روئے جاناں کی طلعت کہیں
آسمان ادب کا وہ تارہ نہیں
میر مجلس نہیں شمع محفل نہیں

علامہ ارشد القادری

نازاں فیضی گیاوی
عارف نگر گیوال بیگھہ، گیا (بہار)

سرحد شوق مدینہ کا سپاہی کہیے — نجد کی راہ کے قلعوں کی تباہی کہیے
حسن احوال محبت کی تمناؤں کا — گلشن زیست تھا وہ درد کی آشاؤں کا
مدح سرکار دوعالم کی مجالس میں ہجوم — ان کے دم سے تھا خلاف رخ سرور موہوم
لطف تحریر پہ اغیار بھی سردھنتے ہیں — پھول گلزار محبت سے شفق چنتے ہیں
معرکے ہوں تو پلٹ دیتے تھے دشمن کی صفیں — سجنے لگتی تھیں وہیں پیار کے آنگن کی صفیں

ہند سے چل کے ہے یورپ تلک انکی خوشبو
اہل ہمت کو ہے مہمیز چمک ان کی خوشبو

دور سے دیکھ کے اعدا کا جگر جلتا تھا — راستہ چھوڑ کے وہ اور طرف چلتا تھا
گرمیٔ عشق مدینہ کے سماں کی خاطر — صبح ہو شام ہو جس وقت کہو تھے حاضر
دولت دین کو رکھا تھا مقدم سب پر — چھایا رہتا تھا گل عشق کا نغمہ لب پر
شہہ کے کوچے کی غلامی کا یہ دم بھرتے تھے — یہ غبارہ طیبہ کے لئے مرتے تھے
اہلسنت میں نمایاں ہے جو ان کا چہرا — ان کے سر ہی رہا ہر فتح مبیں کا سہرا

قدر جوہر کو سمجھتے ہیں کچھ اہل فن ہی
باغ تو باغ ہے پھولوں سے سجایا بن ہی

نور ونکہت کی انہیں پھول سحر کہتے ہیں — اہلسنت کا انہیں شیر ببر کہتے ہیں
فکر کا کوئی ہو ماحول نکل جاتے تھے — موم کی طرح غم آ آ کے پگھل جاتے تھے
مست رہتے تھے رخ نطق غزالی لے کر — ناز کرتے تھے سدا جذب بلالی لے کر
ابر نیساں کی طرح جب یہ برس جاتے تھے — پھر صدف سطح سمندر سے چلے جاتے تھے
کبھی مہتاب کبھی لوح وقلم سے گذرے — یہ جو خاک قدم شاہ امم سے گزرے

منظر حق کا طلبگار تھا انکا خامہ
خیمۂ شوق کا معمار تھا ان کا خامہ

کبھی دلی تو کبھی ساحل ہگلی کے قریب — غم طیبہ کا یہ سلطان پھر امثل غریب
شہر یاری گل عشق مدینہ کہئے — ناخدائے دل ارباب سفینہ کہئے
مدتوں روئے گی دنیا وہ ملاسوزوفراق — یادرکھے گی پڑھائے جوانہوں نے اسباق
چاشنی حرف محبت میں یہ بھردیتے تھے — دستِ اعدا میں بھی یہ ''زیروزبر'' دیتے تھے
''زلزلہ'' نام سے ایوان لرز جاتے تھے — مکر کے سارے ہی امکان لرز جاتے تھے
ہر قدم نقش کف پائے رضا لگتا تھا — حوصلہ حافظ ملت کی ادا لگتا تھا

ان کے دم سے ہے رخ حسن نظام ملت
لوگ کہتے ہیں انہیں قائد اہلسنت

شوکتِ دین کی خاطر جو مچائیں دھومیں — رہ گئے بن کے سمن پیار کے رنگ وبو میں
قدر ہے اہل طریقت میں اسی طرح سے آج — جیسے دیتے رہے وہ اہل شریعت کو خراج
غوث وخواجہ پہ فدا ایسے تھے ہردم دل سے — آشنا ہوگئے احسان کی ہر منزل سے
تھے نچھاور رخ انوار رضا پر ایسے — کہ جماعت بھی ہے مسحور اب انکی لَے سے

بلبل باغ رضا ان کی نوا پر نازاں
ہے مہ جام صبوحی بھی اب ان سے تاباں

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆
☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆
☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆
☆ ☆ ☆ ☆ ☆
☆ ☆ ☆ ☆
☆ ☆
☆

مکتبہ جام نور

laktaba Jaam-e-noor

۴۲۲ مٹیا محل، جامع مسجد، دهلی ۔ ۱۱۰۰۰۶
422, Matia Mahal ,Jama Masjid, Delhi - 110006
Ph:-(011)3281418-3243019-3243013(Res)2443516 Fax:-(011)3243019 E-mail : jaamenoor@vsnl.net

۵۵۔ درود تاج پر اعتراضات کے جوابات	25-00
۵۶۔ کرامات صحابہ	25-00
۵۷۔ شان خطابت	30-00
۵۸۔ خطبات اعظمی (اوّل)	25-00
۵۹۔ خطبات اعظمی (دوم)	25-00
۶۰۔ خطبات ربانی (اوّل)	25-00
۶۱۔ خطبات ربانی (دوم)	25-00
۶۲۔ خطبات ہاشمی	20-00
۶۳۔ خطبات ابوالحقانی	20-00
۶۴۔ اسلامی زندگی	20-00
۶۵۔ سچی نماز	15-00
۶۶۔ راہ حق	20-00
۶۷۔ معراج النبی	25-00
۶۸۔ فتوح الغیب	20-00
۶۹۔ نماز کی تعلیم	15-00
۷۰۔ ذکر رضا	15-00
۷۱۔ سلطنت مصطفیٰ	20-00
۷۲۔ اسلام اور جہاد	15-00
۷۳۔ اسلام اور شادی	15-00
۷۴۔ قصیدہ غوثیہ	15-00
۷۵۔ تمہید ایمان	12-00
۷۶۔ مسائل رمضان	15-00
۷۷۔ رحمت خدا بوسیلۂ اولیاء	15-00
۷۸۔ رسول کریم	15-00
۷۹۔ جوانی کی حفاظت	15-00
۸۰۔ عورتوں کی نماز	15-00
۸۱۔ انیس الارواح	10-00

۸۲۔ دلیل العارفین	10-00
۸۳۔ مفتاح العاشقین	10-00
۸۴۔ فوائد السالکین	10-00
۸۵۔ میلاد النبی	10-00
۸۶۔ ماہ شعبان اور شب برأت	15-00
۸۷۔ میاں بیوی کے حقوق	15-00
۸۸۔ احکام قربانی	5-00
۸۹۔ حاضر وناظر کا ثبوت	10-00
۹۰۔ میلاد وقیام کا ثبوت	10-00
۹۱۔ قادیانی دھرم	25-00
۹۲۔ سات مسائل	10-00
۹۳۔ زکوۃ کی اہمیت	10-00
۹۴۔ پنج پیر	25-00
۹۵۔ عقائد علمائے دیوبند	10-00
۹۶۔ طریقۂ تجہیز وتدفین	10-00
۹۷۔ رہبر ورہنما	5-00
۹۸۔ میلاد شریف اور علامہ اقبال	7-00
۹۹۔ مسائل حج	40-00
۱۰۰۔ عرفان شریعت	25-00
۱۰۱۔ اسلامی نام	20-00
۱۰۲۔ سوانح خواجہ	15-00
۱۰۳۔ تین نورانی راتیں	7-00
۱۰۴۔ طریقۂ فاتحہ	5-00
۱۰۵۔ زیارت قبور	5-00
۱۰۶۔ تعمیر ادب (قاعدہ)	2-00
۱۰۷۔ تعمیر ادب (اوّل)	3-00
۱۰۸۔ تعمیر ادب (دوم)	4-00

۱۰۹۔ تعمیر ادب (سوم)	6-00
۱۱۰۔ چہارم	8-00
۱۱۱۔ تعمیر ادب (پنجم)	9-00
۱۱۲۔ الوظیفۃ الکریمہ	2-00
۱۱۳۔ خواب نامہ فالنامہ (خرد)	0-00
۱۱۴۔ تاریخ کا پہلا ورق	0-00
۱۱۵۔ نغمۂ حبیب	0-00
۱۱۶۔ مناقب غوث الاعظم	0-00

ہماری نعتیہ کت

۱۱۷۔ انتخاب اعلیٰ حضرت	.0-00
۱۱۸۔ سفینۂ بخشش	10-00
۱۱۹۔ کلام اجمل	5-00
۱۲۰۔ کلام بیل	5-00
۱۲۱۔ نور کا ساغر	5-00
۱۲۲۔ سلام ہی سلام	5-00
۱۲۳۔ عقیدت کے پھول	5-00
۱۲۴۔ باران رحمت	5-00

ہماری ہندی مطبوعا

۱۲۵۔ شمع شبستان رضا	20-00
۱۲۶۔ سنی بہشتی زیور	)0-00
۱۲۷۔ جاء الحق	55-00
۱۲۸۔ زلزلہ	35-00
۱۲۹۔ اسلامی زندگی	25-00
۱۳۰۔ قرآنی علاج	20-00
۱۳۱۔ درود نورانی	12-00
۱۳۲۔ اسلامی نام	20-00

باب ۸

نالۂ درد

(تعزیتی کلمات)

جو بادہ کش ہیں پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لا ساقی

مبلغ اسلام حضرت علامہ ارشد القادری رئیس القلم

کی رحلت کے سانحہ سے ہم
سب کا دل بڑا ہی افسردہ اور رنجیدہ ہے۔
میں جملہ وابستگان سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی
جانب سے ماھنامہ جامِ نور کے اراکین کو
تاریخی رئیس القلم نمبر نکالنے پر دلی
مبارک باد دیتا ہوں۔

ڈاکٹر مفتی محمد مکرم احمد مجددی نقشبندی
شاہی امام، مسجد جامع فتح پوری، دہلی ٦

نالۂ درد

(تعزیتی کلمات)

بیرون ممالک

علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری
مکتبہ قادریہ، داتا دربار مارکیٹ، لاہور (پاکستان)

• • • • • • • • • • • • • • • • •

اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ سے بین الاقوامی مبلغ اور مفکر اسلام ملک التحریر، تدریس، تصنیف، خطابت اور مناظرہ کے امام، ملت اسلامیہ کے لئے سراپا درد اور فکر علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ وقدس سرہ الاقدس کی رحلت کی خبر سے اہل سنت کے دل ودماغ ہل گئے اور دنیائے سنیت میں صف ماتم بچھ گئی ہر دردمند سنی اپنے دوسرے بھائی سے تعزیت کر رہا ہے، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کی کلاسوں میں الگ الگ پھر تمام اساتذہ اور طلباء نے اجتماعی طور پر حضرت کے لئے ایصال ثواب کیا ترقی درجات کی دعائیں مانگیں۔ دعائیں کی گئیں کہ مولائے کریم تمام پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، ان کی جسمانی اور روحانی اولاد کو ان کا مشن آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے قائم کردہ اداروں جامعہ فیض العلوم جمشید پور اور جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء دہلی اور دیگر اداروں کو صبح قیامت تک لہلہاتا اور شاہراہ ترقی پر گامزن رکھے۔

آپ جانتے ہیں کہ حضرت مجھ پر حد درجہ شفقت فرماتے تھے، پاکستان تشریف لاتے تو فقیر کو ضرور شرف زیارت سے مشرف فرماتے، ہندوستان حاضر ہوا اور فون پر رابطہ ہوا تو اسی وقت اپنے پاس جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء، بلالیا۔ سچی بات یہ شفقت ومحبت کا پیکر مجسم تھے، مجھے کئی کئی گھنٹے نہیں کئی کئی د خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا، خلوت وجلوت میں ان رہا، ہر وقت ان کی سوچ اور گفتگو کا محور ملت اسلامیہ اور م سنت کی اشاعت اور فلاح وبہبودی تھی۔

جب بھی انکا خیال آتا ہے دل پر ایک نئی چوٹ لگتی تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

Dr. Muhammad Masood Ahmed

Karachi (pakistan)

• • • • • • • • • • • • • • • • •

ıe sorrowful news of the sad demise ama Arshd-al-Qudri on 29th April ʋas very alarming and shocking for us .y Allah Frogive him and bestow His nt blessings upon him and give him a ace in jannat al-Firdous. Amin !

lama Arshad-al-Quadri was a scholar calibre. He was a best writer, best r, best orator, best planner, best strator and best organizer. He saw dustrious and laborious. When he d to do something he completed it. n determination and resolution was He was an embodiment of many s of head and heart. He was very nd sincere to me. He never

disappointed any khadim-i-Ahl-i-Sunnat. He encouraged and appreciated and did his best. He will be remembered by Ahl-i-Sunnath-wa-al-jam'at and rewarded by almighty Allah Insha-Allah.
Please convey our deep and sicere condolences to all borthers, relatives, Ulam'a-i-Ahl-i-Sunnath and Awam-i-Ahl-i-Sunnath.

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اقبال احمد اختر القادری، کراچی (پاکستان)

• • • • • • • • • • • • • • • • • •

سیدی وسندی استاذی ماہر رضویات ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہٗ العالی کی معرفت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے سانحۂ ارتحال کی خبر ملی (انا للّٰہ وانا الیہ راجعون)

حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ عہد حاضر کے جلیل القدر عالم اور ایک بڑے مصنف تھے، انکا جانا علم کا جانا ہے، ان کا اٹھنا علم کا اٹھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم ﷺ کی رفاقت وشفاعت نصیب فرمائے، مرحوم کے درجات بلند فرمائے (آمین)۔ ۱۹۹۱ء میں حضرت کراچی کی دیوان مشتاق مسجد میں معتکف تھے تو فقیر روزانہ رات کو حضرت کی خدمت میں رہتا اور ان سے اپنے مضامین و مقالات کی اصلاح لیتا۔ حضرت بڑا کرم فرماتے اور ہر طرح رہنمائی فرماتے۔ اس واسطے سے فقیر کو علامہ صاحب مرحوم سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ فقیر حضرت کے صاحبزادگان اور معتقدین کی خدمت میں دلی تعزیت اور ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قاری محمد اسمٰعیل

ڈربی (انگلینڈ)

• • • • • • • • • • • • • • • • • •

محب مکرم جناب مولانا خوشتر نورانی صاحب سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ.......................مزاج شریف!

خیریت نیک طرفین مطلوب!

۱۵ر صفر ۱۴۲۳ھ بروز پیر آپ کے دادا جان اور دنیائے اسلام کے عظیم عالم دین، قائد اہلسنت رہنمائے مذہب وملت، حضرت علامہ الحاج ارشد القادری صاحب قبلہ قدس سرہٗ العزیز کی رحلت کی خبر برطانیہ کے مسلم حلقہ میں انتہائی رنج وغم کے ساتھ سنی گئی۔ فی الفور اہلسنت کی تمام مساجد میں حضرت علامہ مرحوم ومغفور کے لئے دعائے مغفرت اور جنت الفردوس میں بلندئ درجات کی دعا کی گئی۔

حضرت کے وصال سے جماعت اہلسنت میں ایک بہت بڑا خلاء پیدا ہوگیا جس کا بظاہر پُر ہونا آج کے قحط الرجال اور پرآشوب دور میں دشوار نظر آرہا ہے۔ انکی کثیر الصفات شخصیت نے بہت سارے دینی وملی محاذوں پرنا قابل فراموش خدمات انجام دے کر ملت اسلامیہ پر بڑا احسان فرمایا ہے۔

باطل تحریکوں کے مکروفریب سے قوم کو بچانے کے لئے جو تحریری خدمات انجام دیں اس کا مجموعہ ہزاروں صفحات کو محیط ہے۔

قوم کی عملی پسماندگی اور زبوں حالی کا خاتمہ فرمانے کے لئے جگہ جگہ علمی مراکز قائم کئے مدرسہ فیض العلوم جمشید پور اور جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء نئی دہلی موصوف کی تعمیری خدمات کے عظیم شاہکار آج بھی قوم کے نوجوانوں کی قسمت کو بام عروج پر پہنچانے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

انکا دل ملت اسلامیہ کو عالمگیر پیمانے پر سرخ رود یکھنے کے لئے ہمہ وقت بیقرار رہتا تھا۔ انہوں نے ورلڈ اسلامک مشن تنظیم کو قائم

فرما کر پوری دنیا میں اس کی برانچیز قائم کی۔ اور اس سلسلہ میں انہوں نے برطانیہ، ہالینڈ، امریکہ اور افریقہ کے دور دراز ملکوں کا متعدد بار سفر فرمایا، بس پروردگار کی بارگاہ پناہ میں ہماری دعا ہے کہ عالمین کا پروردگار انہیں انکی جملہ دینی، ملی خدمات کی عظیم الشان جزاء انکی برزخی و آخرت کی زندگی میں عطا فرمائے۔ عشق مصطفیٰ علیہ السلام جو انکے سینہ میں موجزن تھا اس کے صلہ میں پروردگار انہیں انکی قبر میں حضور کے رخ زیبا کی زیارت سے مشرف فرمائے۔ جیسا کہ اس تمنا کا اظہار موصوف نے سرکار کی شان میں کہی گئی ایک نعت کے مقطع میں فرمایا ہے......

شام غربت ہے اور شہر خاموش ہے ایک ارشد اکیلا کفن پوش ہے
خوف کی ہے گھڑی وقت ہے پرخطر دونوں عالم کے سرکار آجایئے

پروردگار آپ کو اور تمام متعلقین کو صبر جمیل عطا کرے اور دنیائے اسلام کو موصوف کا نعم البدل عطا فرمائے ان کی تصانیف اور قائم فرمودہ عملی مراکز کے فیوض و برکات سے قوم کو مستفیض فرمائے۔ آمین!

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا منظر الاسلام

جامعہ ازہر شریف، قاہرہ مصر

• • • • • • • • • • • • • • • •

مکرمی مولانا خوشتر نورانی صاحب ــــــ ہدیہ تسلیمات!

مزاج گرامی!

حضرت رئیس القلم علیہ الرحمہ کے سانحۂ ارتحال کی خبر قیامت سے کم ثابت نہیں ہوئی، اور یہ ایسا نہیں ہے کہ صرف ایک تعزیتی خط لکھ کر دور کیا جا سکے، کیونکہ یہ سانحۂ ارتحال پوری دنیائے سنیت کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے، بالخصوص ہم نظامی طلبہ اپنے آپ کو اس وقت جتنا تنہا محسوس کر رہے ہیں، شاید پہلے کبھی نہیں کیا، یہ خواہش دل کی دل ہی میں رہ گئی کہ ہم علامہ صاحب علیہ الرحمہ کی خواہش اور حکم کے مطابق از ہر شریف سے اکتساب فیض کر کے واپس ہوتے ا حضرت کی قدم بوسی کر کے سعادت حاصل کرتے۔

اس جانگداز خبر کے بعد ہم سب طلبہ نے یہاں قرآن خوانی ا رسم فاتحہ کا پروگرام رکھا تھا جس میں برصغیر کے علاوہ دیگر کئی مما لک کے طلبہ نے بھی شرکت کی، پھر حضرت کی وفات کی خبر یہاں مشہور اخبارات اور ماہناموں میں بھی ہم نے دی، بعض اخبارا نے اسے شائع بھی کر دیا ہے۔

تعزیت کے رسمی کلمات سے قطع نظر اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے آپ تمام حضرات کو صبر و شکیب عطا فرمائے، اور آپ کو حضرت کا جانشین بنائے، اور حضرت علامہ صاحب کے چھوڑے ہوئے مشن تکمیل آپ کے ہاتھوں انجام پائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا سلطان رضا قادری

اسلامک سینٹر منظر اسلام، ہالینڈ

• • • • • • • • • • • • • • • •

حضرت مفتی عبد الواجد صاحب قبلہ سے مناظر اعظم و شہنشاہ قلم، سرپرست اہل سنن حضرت علامہ کے وصال اور انتقال ملال کی جانکاہ خبر ملی۔ اس خبر کو سنکر دماغ چکرا گیا اور پاؤں کے سے زمین نکل گئی اور کیوں نہ ہو کہ مسلک اہل سنت کا ایسا حامی و ہم سے رخصت ہوا کہ جو اپنے دور میں اپنی مثال آپ تھا۔

حضرت کے وصال سے اہلسنت کا جو نقصان ہوا ہے مشکل ہے کہ اس کا بدل مل سکے لیکن مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ ایزدی کو کوئی ٹال نہیں سکتا اس راہ سے ایک نہ ایک دن سب کو ہے۔

ناچیز آپ سبھی بھائی بہنوں کے اس غم میں شریک ہے ا کرتا ہے کہ مولا تعالیٰ حضور والا کو اپنے خاص جوار رحمت میں

فرما کر ان کے مراتب و درجات کو بلند سے بلند فرمائے اور آپ سبھوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

محب من صرف آپ ہی لوگ یتیم نہیں ہوئے حضرت کے وصال سے ہر سنی یتیم ہوا ہے! دنیا جب تک قائم رہے گی ہند و پاک، یورپ و ایشیاء اور امریکہ و افریقہ میں مقیم اہلسنت انہیں یاد کرتے رہیں گے کہ ان ممالک میں حضرت علامہ نے دین و مسلک کی ترویج و اشاعت کے لئے ایسے ایسے ادارے قائم فرما دیئے ہیں کہ جن کا شمار باقیات الصالحات میں یقیناً ہوگا اور جب تک یہ ادارے قائم رہیں گے ہر شخص کی زبان پر حضور کا نام و ذکر جاری و ساری رہے گا۔

ہالینڈ کے تمام سنی تنظیموں میں حضرت کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے اور ایصال ثواب کی غرض سے محفل ذکر اور محفل قرآن خوانی کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ جنوبی امریکہ سرینام سے بھی ایسی خبریں ملی ہیں یہ حضور والا کے مقبول عام و خاص ہونے کی دلیل ہے۔

اب آپ اور ہم اہل سنت کے لئے یہ ضروری ہے کہ حضرت علامہ علیہ الرحمہ نے جو کچھ تحریر کیا ہے بار بار اس کی اشاعت کرواتے رہیں اور ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر اپنے دین و ایمان کی حفاظت کریں۔ پروردگار ہم اہل سنن کو نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین!

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

اندرون ملک

پیر طریقت حضرت مولانا شاہ سید نعیم اشرف جیلانی

سجادہ نشین آستانہ اشرفیہ جائس رائے بریلی

• • • • • • • • • • • • • • • • • •

ابھی اخبار آیا اور نہایت غم انگیز خبر پڑھنے کو ملی کہ حضرت علامہ ارشد القادری کا وصال ہوگیا۔ مولیٰ تعالیٰ مغفرت فرمائے، درگاہ حضرت مخدوم صاحب میں قائم مدرسہ احمدیہ میں یہ سلسلہ ایصال ثواب حضرت علامہ قرآن خوانی فوراً شروع کرادی گئی۔ جماعتی نقطۂ نظر سے مولانا کا وصال سنیت کا بہت بڑا المیہ ہے۔ رب کریم جماعت کے لئے کوئی قائد مرحمت فرمائے۔ علامہ کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا عبد الرحمٰن رضوی قادری مونگیری

مدرس دار العلوم فیض الاسلام کیشکال

• • • • • • • • • • • • • • • • • •

29/اپریل 2002ء بروز پیر یہ خبر انتہائی کرب کے ساتھ سنی گئی کہ حضرت مولانا علامہ ارشد القادری اہلسنت کی مجلس سونی کر کے جنت الفردوس کو روانہ ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! افسوس صد افسوس ہم اصاغر علماء، مفکر ملت مجاہد دوراں کی رہنمائی سے محروم ہو گئے ہماری جماعت کا یہ خلا پر ہونا مشکل ہے۔

مدرسہ فیض العلوم جمشید پور۔ ادارہ شرعیہ سلطان گنج پٹنہ۔ جامعہ نظام الدین اولیاء دہلی کے اراکین و منتظمین کے غم میں کمتر برابر کا شریک ہے ان حضرات کو علامہ مرحوم نے جس امتحان گاہ میں بے سہارا چھوڑا ہے امید کہ امتحان کی اس گھڑی میں پورے اتریں گے اور

تجارت کی منڈی بننے سے بچائیں گے۔

رب قدیر علامہ کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری

شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور اعظم گڈھ

• • • • • • • • • • • • • • • •

کل صبح زمباوے افریقہ سے جیسے ہی ممبئی ایئرپورٹ پہونچا حضرت علامہ ارشد القادری صاحب کے وصال پر ملال کی خبر سنکر سکتہ طاری ہوگیا اور فوراً ایصال ثواب کیا۔ علامہ مغفور اپنے معاصرین کے درمیان متعدد خوبیوں میں ممتاز تھے، ردو مناظرہ اور احقاق حق میں فکرِ رازی وطرز غزالی کے سچے وارث تھے، مضمون نگاری ونعت گوئی صاحب طرز ورنگ خصوصی کے مالک تھے، اشاعت علم وقیام مدارس و مساجد اور ذہن سازی میں آپ کا کوئی جواب نہ تھا، مزاج غایت درجہ تعمیری تھا آپ ہمیشہ اہلسنت وجماعت کی فلاح وبہبود پر نظر رکھتے بنجر زمین کو علم وادب کا گلزار بنانا آپ کی خصوصیت تھی۔ مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج کے علمی قلعے یورپ وامریکہ وافریقہ میں آپ ہی نے تعمیر کیے قومی کاموں کی پلاننگ اوراس کی ذہن سازی میں جو آپ کو ملکہ حاصل تھا وہ اب کسی میں نظر نہیں آتا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا سید انوار اشرف مثنیٰ میاں

سجادہ نشین کچھوچھہ مقدسہ وبانی جامعہ قادریہ اشرفیہ، ممبئی

• • • • • • • • • • • • • • • •

حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ کے انتقال کی خبر وحشت اثر پاکر مجھے سخت صدمہ ہوا، آپ اہل سنت والجماعت کے ایک بیدار مغز ممتاز عالم دین تھے ان کی صلاحیتوں کا لوہا غیروں نے بھی مانا ہے، ان کی دینی خدمات برصغیر سے لیکر امریکہ ویورپ تک پھیلی ہوئی ہیں۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی دین وسنیت کے ایک سچے خادم کی حیثیت سے گزاری ہے۔ مولانا مرحوم سے عرصے اچھے تعلقات تھے، خوش خلقی ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی علم وحکمت فکر وفن کے لحاظ سے وہ اپنی ذات میں تن تنہا ایک ادارہ اور انجمن تھے ان کا ہمارے درمیان سے جانا قوم وملت کا عظیم سانحہ ہے اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت عطا فرمائے۔ پسماندگان اور آپ سبھی حضرات کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ آمین!

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ڈاکٹر مفتی مکرم احمد نقشبندی مجددی (شاہی امام)

شاہی مسجد جامع فتحپوری، چاندنی چوک، دہلی

• • • • • • • • • • • • • • • •

محسن الملت حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر ملال کی کی خبر نے صدمہ پہنچایا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون، مرحوم ومغفور احقر کے مشفق اور سرپرست کی جگہ تھے۔ بہت محبت فرماتے تھے۔ اکثر وبیشتر مسلک اہل سنت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت کے لئے آپ کے مشورے مشعل راہ ہوتے تھے۔ تقریباً پچیس سال سے متواتر احقر کا علامہ صاحب سے رابطہ تھا۔ سفر میں بھی کئی بار ساتھ رہا۔ جب بھی احقر کو دیکھتے تھے چہرے پر مسکراہٹ جلوہ گر ہو جاتی تھی۔ ان کا انتقال پوری ملت کے لئے عظیم سانحہ ہے۔ پوری ملت اسلامیہ آج غمگین ہے آپ کے صدمہ کا تو اندازہ ہی نہیں لگایا جاسکتا۔ احقر اس عظیم حادثہ کے موقعہ پر آپ کے غم میں شریک ہے اور تعزیت پیش کرتا ہے۔ مسجد میں کئی بار مرحوم کے لئے ایصال ثواب ہوا اور بعد نماز جمعہ دعائیں ہوئیں۔ آپ ہر خدمت میں احقر کو یاد رکھیں اور تنہائی محسوس نہ فرمائیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

پروفیسر سید محمد طلحہ رضوی برق

ویر کنور سنگھ یونیورسٹی، آرا (بہار)

• • • • • • • • • • • • • • • • •

برادر عزیز والاشان خوشتر نورانی سلام مسنون!

حادثۂ جانکاہ کی خبر نے حواس باختہ کردیا، انا للّٰہ و انا الیہ راجعون کن الفاظ میں آپ کی تعزیت کروں اور تسلی دوں۔ سر سے باپ کا سایہ اٹھ جانا عظیم سانحہ ہے۔ایک فرد ہی نہیں افراد قوم وملت کو درد یتیمی کا احساس ہے مگر مرضیٔ مولی از ہمہ اولیٰ" جو آیا ہے اسے جانا ہے" یہیں قانون قدرت ہے مگر صبر وشکر کی تلقین کے سوا کر ہی کیا سکتا ہوں۔

دست بہ دعاء ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ حضرت مرحوم کی مغفرت فرمائے، کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور فردوس بریں میں اپنی رحمت کا زیر سایہ بلند مقام عطا فرمائے آمین۔ نیز جمیع پسماندگان اور افراد ملت کو صبر کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین!

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مفتی مطیع الرحمان مضطر رضوی

شیخ الجامعہ الجامعۃ الرضویہ پٹنہ (بہار)

• • • • • • • • • • • • • • • • •

حضرت قائد ملت رئیس القلم علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال نہیں ہوا۔ اہل سنت کی سچی قیادت ہم سے رخصت ہوگئی اور مخالفین اہل سنت کے خلاف رواں دواں قلم خشک ہوگیا۔ مولیٰ تعالیٰ ان کی روح پاک کو اعلیٰ علیین میں جگہ عنایت فرمائے اور ہم اہلسنت کو نعم البدل عطا فرمائے، گو بظاہر اس کی امید نہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مفتی قاسم براہیمی صاحب

سابق وزیر حکومت بہار

• • • • • • • • • • • • • • • • •

ایک تحریک رخصت ہوگئی، ایک تعمیر مرگئی۔ ملت اسلاف کی ایک امانت عصر حاضر کی ایک صالح قیادت سے محروم ہوگئی۔ مولائے قدیر حضرت علامہ علیہ الرحمہ کی روح پاک کو اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل، ساتھ ہی ملک وقوم کو نعم البدل۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

شہزادۂ صدر الشریعہ مولانا فداء المصطفیٰ قادری

مدرسہ شمس العلوم گھوسی

• • • • • • • • • • • • • • • • •

حضرت رئیس القلم مناظر اعظم علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ ہم لوگوں کو داغ مفارقت دے گئے۔ آج دنیائے اہلسنت میں کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آتی جو انکی جانشینی کا حق ادا کر سکے۔ مسلک اعلیٰ حضرت کا پاسبان وعلمبردار جس نے ہر محاذ پر مسلک اعلیٰ حضرت کی حفاظت کی اس کا رخصت ہونا ملک کا عظیم نقصان ہے۔ اداروں کا قائم کرنا اور پھر انہیں آناً فاناً بام عروج تک پہونچا دینا انہیں کا حصہ تھا۔ آپ کی نگاہ ہمہ وقت اس نکتہ پر مرکوز ہوتی کہ اسوقت دنیائے اہلسنت کو کس چیز کی ضرورت ہے فوراً اس کا انتظام کرنا اور اسے پایۂ تکمیل تک پہونچانے کا انتظام کرنا یہ آپ کی اولین ترجیح ہوتی تھی، مولیٰ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور جو خلا پیدا ہوگیا ہے اسے جلد از جلد دور فرمائے۔ آمین!

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

حضرت مولانا سید غلام محمد حبیبی

سجادہ نشین آستانہ حضور مجاہد ملت دھام نگر (اڑیسہ)

• • • • • • • • • • • • • • • •

افسوس صد افسوس حضرت علامہ ارشد القادری صاحب علیہ الرحمۃ جنکی ذات خدمت مسلک اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے لئے وقف تھی اورلکل امة اجل اذاجاء اجلهم لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون کے تحت سبھوں کا جانا ہوا تو انکا بھی ہوا، اس میں دورائے نہیں کہ حضرت مرحوم دن رات خدمت دین ہی کی سوچتے رہے اور بوقت وصال جو عالم بھی ان سے ملنے آتے ان کو انہوں نے یہی وصیت فرمائی ۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کے صدقہ غریق جنت فرمائے اور ہم لوگوں کو انکا نعم البدل عنایت فرمائے ۔ بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلوۃ والتسلیم۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا آل مصطفٰے مصباحی

خادم تدریس وافتاء جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو، (یوپی)

• • • • • • • • • • • • • • • •

گھر کی واپسی پر یہ جانکاہ خبر ملی کہ قائد ملت رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ رحمۃ الباری 29 رمئی کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ یہ الم ناک خبر کیا ملی کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، دل رونے لگا اور ایک عجیب اضطراب و بے چینی میں ڈوب گیا۔ اور یہ احساس کچوکے لگا تا رہا۔

جو بادکش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

اب جماعت اہلسنت کی قیادت کون کریگا؟ تحریر وتقریر کے ذریعہ مسلک اہلسنت کی ترجمانی کا کما حقہ فریضہ کون انجام دے گا؟ وہ نہ رہا جو میدانِ فکر وقلم میں اپنی مثال آپ تھا، میدان مناظرہ کا شہسوار تھا، جن کی تحریر کی ندرت اور اچھوتا پن نے اپنوں کو بھی متا غیروں کو بھی ۔ جو تنہا نہیں ایک انجمن تھے، ایک تاریخ ساز و شخصیت تھے، جنہوں نے تحریر، تقریر، تدریس، تحریک ا ومناظرہ کے ذریعہ سیکڑوں افراد کو علم و یقین سے آراسۃ ہندوستان سے لیکر یورپ تک اپنی تحریر وتحریک کے ذریعہ گر خدمات انجام دی۔ ایسی ہمہ جہت شخصیت کا اٹھ جانا بلاشب نا قابل تلافی نقصان ہے ۔ مولیٰ تعالیٰ ان کی قبر پر رحمت وا بارش برسائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے ۔ آمین

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا ملک الظفر سہسرامی

مدیر اعلیٰ سہ ماہی ''الکوثر'' خادم دار العلوم خیریہ نظامیہ، سہسرام (

حسرتا واحسرتا علامہ ارشد آہ، آہ

• • • • • • • • • • • • • • • •

قائد اہل سنت حضر علامہ ارشد القادری کی وفات حسرت یات اعظم اہل سنت و جماعت کا ایک نا قابل تلافی نقصان ہے ۔ حض علامہ کی ذات بابرکات اپنی گونا گو خصوصیات کی بنیاد پر عالم ا کے لئے ایک عظیم سرمایہ تھی ۔ وہ اپنے آپ میں ایک انجمن، ایک ا، ایک تحریک اور ایک متحرک تنظیم تھے ۔ جامعہ فیض العلوم سے لیکر ا شرعیہ تک ورلڈ اسلامک مشن سے جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء آپ کی بے پناہ تنظیمی صلاحیتوں کے مظاہر ہیں ۔ آپ کے وص سے عالم اسلام سوگوار ہے ۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا صغیر احمد رضوی جوکھن پوری بریلوی

بانی وناظم اعلیٰ الجامعۃ القادریہ، رچھا اسٹیشن ضلع بریلی شریف (یو پی)

• • • • • • • • • • • • • • • •

قائد اہلسنت حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان کی ہمہ گیر ہشت پہلو شخصیت ایسی آفاقی شخصیت تھی جسکی دینی خدمات عالمگیر ہیں اور انکی ہر خدمت بے مثال ہے آج انکا انتقال پر ملال موت العالم موت العالم کی زندہ تصویر ہے انکے جنازہ مبارکہ کو دیکھ کر ہر دل بیقرار اور ہر آنکھ اشکبار ہے حضرت علامہ صاحب سنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی چلتی پھرتی جیتی جاگتی روشن دلیل اور برہان قاطع تھے جن کے نام ہی سے ایوان باطل میں زلزلہ آجاتا تھا باطل پرستوں کے محل زیروزبر ہوجاتے تھے آج قائد اہل سنت کو رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہوئے جگر کانپ رہا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

رب کریم ہم اہل سنت کو حضرت علامہ صاحب قبلہ کا نعم البدل عطا فرمائے۔اور انکو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام مرحمت فرمائے اور پسماندگان اور جملہ اہل سنت کے صبر و اجر عطاء فرمائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا جمال احمد قادری

مہتمم دارالعلوم فیض الباری، نوادہ وصدر ادارۂ شرعیہ، بہار

• • • • • • • • • • • • • • • •

15رصفر 1423ھ مطابق 29اپریل بروز دوشنبہ بعد نماز عصر دارالعلوم فیض الباری نوادہ بہار کو ادارۂ شرعیہ بہار پٹنہ نے فون پر اطلاع دی کہ دنیائے اسلام وسنیت کی عبقری شخصیت معمار قوم وملت قائد اہل سنت رئیس القلم حضرت علامہ الحاج شاہ ارشد القادری صاحب قبلہ آج دلی میں راہیٔ ملک بقاء ہوگئے سنتے ہی ہم اہل ادارہ کلمۂ استرجاع کے ساتھ گریۂ بے اختیار اور اشکبار ہوگئے، اور دل ودماغ پر گہرے رنج وغم کے آثار چھا گئے، اور ادارہ میں تعطیل کا اعلان کردیا گیا، بزم قرآن خوانی منعقد ہوئی اور ستر ہزار کلمۂ طیبہ کا ورد بھی ہوا۔

یقیناً حضرت قائد اہلسنت علیہ الرحمۃ والرضوان کا سانحۂ ارتحال ملت اسلامیہ کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے ہمارے ممدوح مکرم ومعظم کی ذات گرامی ہمہ جہت خدمات جلیلہ کا آئینہ دار تھی۔خاک ہند سے جنون خیز دل ودماغ لیکر اٹھنے والی شخصیت ایشیاء سے لیکر یورپ اور شرق سے لیکر غرب تک تبلیغی، تعلیمی، تنظیمی اور تعمیری سرگرمیوں کے نقوش ثبت کرگئی۔حضرت ممدوح کی خدمات کا اعتراف دنیا بھر کے علم ودانش کی انجمنیں تقریراً اور تحریراً کرتی رہی ہیں اور اب بھی منصفانہ اہل ضمیر حضرات کرتے رہیں گے انشاء اللہ المولیٰ نہ سعادت لوح وقلم خاموش رہیگی نہ ادارے چپ ہوں گے اور نہ ملی فلاحی اور ساجی تنظیمیں مہر برلب ہونگی۔

فیض العلوم جمشید پور، ادارہ شرعیہ بہار، جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء، نیو دہلی، ورلڈ اسلامک مشن انگلیڈ کے علاوہ ملک اور بیرون ملک چھوٹے بڑے مدارس کا قیام، ملی جماعتی مسائل کا حل طلب اقدام پاکیزہ فکر ونظر کا چراغ روشن رکھنے والی درجنوں کتابوں کی تصنیف وتالیف، جام کوثر، جام نور، رفاقت جیسے جرائد ورسائل کا اجراء حضرت ممدوح کو زندہ رکھیں گے۔

مت سہل ہمیں جانوں پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

مولائے کریم حضرت ممدوح کی خدمات جلیلہ کو قبول فرمائے اور رحمت وغفران سے شادکام کرے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل اور جزائے جزیل بخشے۔آمین!

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا مفتی محمد ایوب مظہر
دارالعلوم وارثیہ لکھنؤ

حضرت علامہ ان عظیم ہستیوں میں تھے جن کا نام مسلک اعلیٰ حضرت کے شارحین میں بہت نمایاں ہے اور نمایاں رہے گا۔ وہ ایک بیدار مغز، عالی دماغ اور روشن فکر شخصیت کے حامل تھے۔ جماعت میں، مدبر و مفکر اور راسخ فی العلوم علماء کے صف میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ ان کی فکری اصابت اور قائدانہ صلاحیت کے سبھی مداح رہے۔ خدا نے ایک بوٹے سے قد میں کیا اوصاف رکھے تھے۔ قلب مضطر، دل بینا، چشم پرنم، جاں پرسوز۔

ان کی سنجیدہ دلآویز تحریریں اپنوں، بیگانوں، دانشوروں اور بلند پایہ عالموں غرض ہر طبقہ کے لئے بڑی کشش رکھتی تھیں۔ ان کے اٹھ جانے سے متاع فکر و دانش لٹ گئی، قرطاس وقلم سوگوار ہو گئے اور نہ جانے کتنے علمی دائروں پر غموں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے حضرت کا ارتحال صرف آپ کے اور آپ کے خاندان کے لئے سانحہ نہیں بلکہ پوری جماعت کے لئے عظیم حادثہ ہے۔ پروردگار ہم سبھی کو صبر جمیل اور جماعت کو ان کا سچا جانشین اور قائم مقام عطا فرمائے۔ آمین!

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا شمس الدین احمد رضوی
پرنسپل جامعہ اشرفیہ مسعود العلوم، چھوٹی تکیہ، بہرائچ شریف (یوپی)

آسمان غم واندوہ سے یہ خبر بجلی بن کر قلب وجگر پر گری کہ 29، مئی 2002ء کو شام ساڑھے چار بجے علم وادب کا تابندہ ستارہ اپنے کروڑوں عقیدتمندوں کو روتا بلکتا چھوڑ کر غروب ہو گیا یعنی مناظر اعظم فاتح بہار یورپ وایشیاء قائد اہلسنت حضرت علامہ مولانا شاہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان واصل بحق ہو گئے زبان سے بیسا؛ استرجاع جاری ہوا یہ ایک ایسا سانحہ ارتحال ہے جس کا زائل ہونا؛ نہیں مگر مشکل ضرور ہے۔ آپ کے ساتھ لا تعداد روحانی اولاد روحانی سرپرست سے بظاہر محروم ہو گئے۔ آہ میدان مناظر کا تا مسلک اعلیٰ حضرت کا بے باک ترجمان ملک وملت کا عظیم سپوت ہم میں بظاہر نہ رہا جامعہ فیض العلوم، جمشید پور، ادارۂ شرعیہ، پٹنہ، حضرت نظام الدین اولیاء دہلی کے بام ودر اپنے بانی وسرپرست کو اداس وسوگوار ہیں مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب پاک کے صدقے ان مراتب کو مزید بلندی عطا فرمائے۔ آپ کو جملہ پسماندگان واہل عقیدتمندوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا اسرار الحق قاسمی

محترم علامہ ارشد القادری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ارتحال سے قلبی صدمہ ہوا۔ مرحوم سے میرے دیرینہ پہچان تھی۔ آ تفصیلی ملاقات وگفتگو مذہبی بل کے تعلق سے اجلاس جمشید پور ہوئی تھی جس کی صدارت علامہ مرحوم نے کی تھی۔ میں ان کی مغفر کی دعا کرتا ہوں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا محمد ایوب نعیمی
جامعہ نعیمیہ، بازار دیوان، مرادآباد (یوپی)

عالم اسلام کی عظیم المرتبت اور عبقری شخصیت افتخار اہلسنت ملت حضرت علامہ ارشد القادری صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان سانحہ ارتحال کی جانکاہ خبر سنکر بے حد صدمہ ہوا اللہ تعالیٰ موصوف اپنے خصوصی جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے آمین۔ حقیقت یہ

کہ آج حضرت ہمارے درمیان نہیں رہے لیکن آپ کی بے مثال ملی خدمات رہتی دنیا تک مشعل راہ بنکر قوم وملت کی رہنمائی کا کام انجام دیتی رہیں گی، دعا ہے کہ مولیٰ تبارک وتعالیٰ جماعت اہلسنت کو آپکا نعم البدل عطا فرمائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا محی الدین احمد ہشام جعفری

مدرسہ حنفیہ، نواب یوسف روڈ، جون پور

• • • • • • • • • • • • • • • •

بذریعہ ٹیلیفون خبر جانکاہ یعنی رئیس القلم سید المناظرین آبروئے سنیت حضرت علامہ ارشد القادری قدس سرہ القوی کے رحلت کی روح فرسا اطلاع ملی حضرت کے وصال کے چند گھنٹے قبل ہم لوگ حضرت علامہ کے متعلق مذہبی ودینی خدمات پر گفتگو کر رہے تھے اور دل کی گہرائیوں سے دعاء کر رہے تھے کہ مولیٰ تعالیٰ پاسبان ملت کے سایہ کو دراز فرما۔ یقیناً حضرت کا انتقال ایک غیر معمولی اور نا قابل تلافی نقصان ہے جو ذات گرامی ایک طویل عرصہ سے اپنے سراپا وجود سے مسلک حقہ کی اشاعت اور استحکام و پاسبانی میں لگی تھی آج وہ ہمارے درمیان نہ رہے۔ دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ حضرت کو جنت الفردوس کے مقام اعلیٰ میں اقامت عطا فرمائے اور آپ سب کو صبر جمیل عطا کرے اور مرقد انور پر نور ونکہت کی بارش ہو۔

کہاں تک عرض کروں دل رو رہا ہے آنکھیں اشک بار ہیں پورا ادارہ حضرت کے وصال پر غمگین ہے۔ یہی غم کھائے جا رہا ہے کہ اللہ اب ملت اسلامیہ کا کیا ہوگا؟ غیروں کو کون جواب دے سکے گا؟۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا مفتی شاہ محمد حبیب مظفر احمد (نائب مہتمم)

جامعہ مظفریہ برکات العلوم وسجادہ نشین درگاہ قادریہ متوریہ

داتا گنج، بدایوں، (یوپی)

• • • • • • • • • • • • • • • •

حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے انتقال کی خبر اخبار راشٹریہ سہارا، دہلی اور قومی آواز، دہلی میں پڑھی فوراً جامعہ کی تعطیل کر کے محفل ایصال ثواب منعقد کی اور یہ سلسلہ ایک ہفتہ چلے گا۔ جیسا کہ دوسرے پرچہ سے ظاہر ہے علامہ کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا اس کا پر ہونا مشکل ہے خدائے پاک ان کی قبر پر رحمت وغفران کی بارش فرمائے اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ڈاکٹر محمد سرور

مسلم یونیورسٹی، علیگڈھ

• • • • • • • • • • • • • • • •

عزیزم مولانا خوشتر نورانی!

سلام ورحمت

اچانک اخبار کے ذریعے علامہ کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی۔ مولیٰ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

علامہ نے پوری زندگی جس شوق کے ساتھ دین کی خدمت کی ہے وہ آپ تمام افراد کے لئے لائق فخر ہے اور بالخصوص آپ لوگوں کے لئے نمونہ عمل بھی۔ ان کی خدمات کے جملہ پہلوؤں کو موثر طریقے سے اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ کے پاس اس کی صلاحیت بھی ہے اور وسائل بھی۔ آپ سے گذارش ہے کہ اس ذمہ داری کو بہتر طریقے سے انجام دیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قاری دلشاد احمد رضوی القادری

خادم شعبہ تجوید وقرأت مدینۃ العلوم عربی کالج، جلالی پورہ (بنارس)

• • • • • • • • • • • • • • • •

صد افسوس کہ فکر وفن میں یکتائے روزگار میدان مناظرہ کا منفرد المثال مجاہد اس دنیائے فانی سے کوچ کر کے دارالبقا کا مکین ہوگیا۔

دنیائے اہل سنت اس نعمت غیر مترقبہ کے لئے ترستی رہے گی مگر انکے کارنامے اور انکا عطا کردہ سوز عشق رسول ﷺ اہلسنت کے دلوں کی دھڑکن بنا رہے گا اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل پر اجر جزیل عطا فرمائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

قاری جان محمد رضوی

نائب مہتمم مدرسہ اسلامی مرکز، ہند پیڑھی، رانچی (جھارکھنڈ)

• • • • • • • • • • • • • • • •

آہ! قائد اہل سنت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان کا وصال کسی ایک فرد کی جدائی نہیں بلکہ ان کی شخصیت ایک مکمل تحریک تھی گویا ایک تحریک سے دنیائے سنیت محروم ہوگئی۔ دعوت اسلامی جو الحمد للہ عالم گیر تحریک کی صورت اختیار کر چکی ہے اُس کے موجد حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے۔ خداوند قادر وقیوم سے التجا ہے کہ اپنے حبیب پاک کے صدقے انہیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور اُنکے قائم کردہ تمام اداروں اور تحریکوں کو عروج وارتقا کی منزلیں عطا فرمائے (آمین)

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا ابرار احمد امجدی

مرکز تربیت افتاء دار العلوم امجدیہ اہل سنت ا
مقام ر پوسٹ اوجھا گنج، ضلع بستی (یو پی

• • • • • • • • • • • • • •

آہ! وہ صاحب فکر وقلم چل بسا

بتاریخ 16 ر صفر المظفر 23 ھ مطابق 30 اپریل کی صبح یہ المناک خبر تاخیر سے پہونچی کہ رئیس التحر علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ علیہ الرحمہ اس دار فانی واصل مولیٰ ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ غمناک سارا ماحول بدل گیا اساتذہ، علماء تربیت الافتاء اور طلبہ بے چینی کی لہر دوڑ گئی اور ہر شخص سوگوار نظر آنے لگا کہ یتیم ہوگئی۔ ابھی فقیہ عصر شارح بخاری وصاحب تصا ملت علیہا الرحمہ کے وصال سے ہمارا زخم مندمل ہونے بھ اہل سنت کا یہ تیسرا سرخیل اعظم اور صاحب فکر وقلم بھی چل علامہ موصوف نے عالمی سطح پر جو دینی، ملی، تبلیغی، تحریر خدمات جلیلہ انجام دی ہیں ان کو کبھی فراموش نہیں کیا جا رہتی دنیا تک یاد کیا جاتا رہے گا۔

آپ کی خدمات ہمارے لئے مشعل راہ ہیں کہ جن دین وسنیت کی خدمات انجام دیتے رہیں گے، آمین۔ ح کے وصال سے عالم اسلام کا ایک زبردست نقصان ہوا او ہوگیا ہے جو ناقابل تلافی ہے۔ مولیٰ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کانعم البدل عطا فرمائے اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل ع آمین۔ اراکین، طلبہ اور اساتذہ ہم سبھی آپ کے غم میں شریک ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

अर्जुन मुंडा

मंत्री कल्याण (अध्यक्ष कल्याण सहित)
झारखण्ड सरकार, (राँची)

• • • • • • • • • • • • • • • • •

आज दिनांक १ मई २००२ सुबह जब अखबार में यह देखा कि कादरी साहब का देहान्त हो गया। समाचार पत्र के अन्य खबर पढ़ने का ध्यान ही नहीं गया। अपने जीवन काल में सदैव रचनात्मक दिशा देने वाले एक महान व्यक्ति का अचानक हुये देहान्त से में अर्न्तमन से दुखी हूँ। शायद ही इसकी भरपाई आने वाले दिनों में उम्मीद तो नहीं है। मैं अपनी ओर से ऐसे व्यक्ति को शत शत नमन् करते हुए ईश्वर से प्रार्थना करता हूँ कि उनकी आत्मा को चिर शांति प्रदान करे एंव परिवार के समस्त सदस्यों को ईश्वर इतनी शक्ति दे कि इस दुख:द क्षण से उभर सकें। मेरी ओर से भावभिनी श्रद्धांजलि।

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

के.पी. सिंह

अखिल भारतीय कांग्रेस ई.
E/131 सुनारी, जमशेदपुर

• • • • • • • • • • • • • • • • •

मौलाना साहब एक फ़रिश्ता थे। अपनी सारी जिन्दगी उन्होंने ज़ाति धर्म और भाषा से हटकर इन्सान और क़ौमी एकता कायम रखने के साथ देश सेवा में अपने को अर्पित कर रखा था। उनके निधन से भारत में रहने वाले भरत वासियों को एक आपर छति हुई है जिसका पूर्ती असम्मभव है।

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا عبدالرحمٰن رضوی قادری مونگیری

مدرس دارالعلوم فیض الاسلام کیشکال

• • • • • • • • • • • • • • • •

29/اپریل 2002ء بروز پیر یہ خبر انتہائی کرب کے ساتھ سنی گئی کہ حضرت مولانا علامہ ارشد القادری اہلسنت کی مجلس سونی کر کے جنت الفردوس کو روانہ ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! افسوس صد افسو ہم اصاغر علماء مفکر ملت مجاہد دوراں کی رہنمائی سے محروم ہو گئے ہماری جماعت کا یہ خلا پر ہونا مشکل ہے۔

مدرسہ فیض العلوم جمشید پور۔ ادارہ شرعیہ سلطان گنج پٹنہ۔ جامعہ نظام الدین اولیاء دہلی کے اراکین و منتظمین کے غم میں کمتر برابر کا شریک ہے ان حضرات کو علامہ مرحوم نے جس امتحان گاہ میں بے سہارا چھوڑا ہے امید کہ امتحان کی اس گھڑی میں پورے اتریں گے اور مرحوم کی عظیم یادگار قطب مینار کو بازیچۂ اطفال، سیاسی کونسل اور تجارت کی منڈی بننے سے بچائیں گے۔

رب قدیر علامہ کو جوار رحمت میں جگہ فرمائے۔ آمین!

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا محمد رحمت علی مصباحی

ناظم مدرسہ قادریہ ضیائے مصطفیٰ، نوری مسجد تلجلہ روڈ کلکتہ

بلاشبہ حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات ستودہ صفات پورے عالم اسلام کیلئے خالق کائنات کی طرف سے ایک عظیم نعمت تھی۔ آپ کے علم وفن کا سکہ ہمارے خواص کے دلوں پر بیٹھا۔ آپ کی موت یقیناً موت عالم کی مترادف ہے خدائے پاک آپ کے مرقد انوار میں انوار وتجلیات کی بارشیں برسائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا نعمت حبیبی صاحب، امام ہاسٹل مسجد کلکتہ

جنرل سکریٹری مجلس علماء اسلام مغربی بنگال

• • • • • • • • • • • • • • • •

قائد اہلسنت حضرت علامہ الحاج ارشد القادری علیہ الرحمہ کے وصال پر ملال سے جو خلاء پیدا ہوا ہے اس موقع پر موت العالم موت العالم کا جملہ پورا پورا صادق آتا ہے۔ دنیائے تعمیر وتحریر، تقریر وتدریس

ان کے وصال پر مسلسل ماتم کناں رہے گی۔

اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرما کر ان کے درجات کو بلند سے بلند تر فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل، نیز متعلقین واحباب علما وقائدین ملت کو ان کے مشن کی تکمیل کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا خالد حسین مصباحی

خادم مدرسہ غوثیہ فیض الاسلام غوث نگر بھرہ بوکارو

• • • • • • • • • • • • • • • • •

شیر یزداں، شب تاباں، فاتح بہار وایشیاء حضرت علامہ الحاج ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان ایک عبقری فقید المثال شخصیت تھی جنکی خدمات عظیمہ کے نقوش افق عالم پر درخشاں رہا ہے۔ اپنے تو اپنے اغیار بھی معترف رہے، بہر حال حضرت علامہ کی خبر ارتحال سے دنیائے سنیت میں ایک عظیم نعمت کا آفتاب و ماہتاب غروب ہوگیا، حیف صد حیف! مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ سلم کے صدقے ان کے مرقد انور پر گہرباری کرے۔ ہم جملہ اراکین ومسلمانان بوکارو شریک غم ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا محمد راشد القادری نظامی

صدر المدرسین مدرسہ اسلامیہ فیض عام گوملا (جھارکھنڈ)

• • • • • • • • • • • • • • • • •

آہ! رئیس القلم الحاج حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ دنیا میں نہ رہے، مناظر اہلسنت کی قربانیوں کو رہتی دنیا تک بھلایا نہیں جاسکتا علامہ کی خوبیاں ومحاسن ایسے ہیں جو بہت کم لوگوں میں یکجا ہوتے ہیں بیک وقت علامہ کی ذات میں کئی کئی خوبیاں مشترکہ طور پر جمع تھیں، علامہ محقق بھی تھے مدرس بھی، مفکر بھی، مقرر بھی، مناظر بھی، معمار بھی اور مصنف بھی علامہ کی ذات ملک وملت کے سرمایہ تھی اس قیمتی سرمایا کے انتقال سے ملک وملت کو جو وہ خلا کبھی بھی پر نہیں ہوسکتا۔

اے خطیب دین وملت اے مجاہد باوقار
تیری فرقت کر رہی ہے ہم سبھوں کو اشکبا

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا غلام مذکر مصباحی

دار العلوم حنفیہ غریب نواز سیونڈیہہ، بکارو، (جھ

• • • • • • • • • • • • • • •

دنیائے سنیت کی عظیم المرتبت شخصیت مفکر ملت حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ کی رحلت آج لئے باعث رنج وکلفت ہے۔

آنکھیں نہ کیوں بہائیں نظامی جگر کا خ
ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا چلا

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا وجہ القمر رضوی

مدرسہ مدینۃ العلم، دیوانی بازار، کٹک (اڑ

• • • • • • • • • • • • • •

رئیس المناظرین قائد اہلسنت نازش علم وح دنیائے اہلسنت کے لئے ایک عظیم سرمایہ افتخار تھی۔ ا پوری دنیا سوگوار اور ہر قلب بے قرار ہے۔ مولی تبا پیاروں کے طفیل اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرما

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا محمد عمر نورانی

بیت الانوار گیوال بیگھہ، گیا (بہار)

• • • • • • • • • • • • • • • • • •

رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان کا سانحہ ارتحال پوری دنیائے سنیت کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے حضرت علامہ کی پوری زندگی ملت اسلامیہ کے لئے ایک پرسوز قلب سے عبارت ہے جنھوں نے نہ صرف برصغیر ہندو پاک بلکہ یورپ و امریکہ نیز ممالک افریقہ میں جس طرح اسلام وسنیت کے عروج وارتقاء، اشاعت دین کے لئے مسلسل اور کامیاب جدوجہد کی ہے وہ کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

حضرت علامہ موصوف کی منفرد شخصیت ہزار اجتماعیت پر بھاری تھی۔ رب قدیر علامہ موصوف کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور موجودہ نسل کو ان کے قائم کئے خطوط پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا مفتی محمود اختر

خادم الافتاء، دارالعلوم محمدیہ ممبئی

• • • • • • • • • • • • • • • • • •

یہ لکھتے اور کہتے ہوئے کلیجہ منہ کو آرہا ہے کہ قائد اہلسنت آبروئے سنیت ناشر مسلک اعلیٰ حضرت مناظر اعظم رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ والرضوان بظاہر ہمارے درمیان سے رخصت ہوگئے ۔ مجھے ہر وقت استاذ العلماء جلالۃ العلم حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کا وہ جملہ یاد آتا ہے کہ حضرت فرماتے تھے ''اگر میرے پاس دولت ہوتی تو میں علامہ ارشد القادری کو سونے پر تول دیتا''۔ یہ ایک استاذ گرامی کا تاثر اپنے شاگرد رشید سے متعلق تھا جس سے حضرت علامہ کی گرانقدر شخصیت کی اہمیت و افادیت کا پتہ لگتا ہے۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے وصال کے وقت حضرت علامہ سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا یہ شعر پڑھا تھا آج میں ان کے وصال پر یہی عرض کرتا ہوں...

کیوں رضا آج گلی سونی ہے

اٹھ مرے دھوم مچانے والے

رب قدیر اپنے حبیب ﷺ کے صدقہ میں حضرت کے فیوض و برکات ہمیشہ جاری وساری رکھے اور ہم تمام اہلسنت و جماعت کو ان سے مستفیض فرمائے۔ آمین!

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا محمد خورشید جمال

مدرسہ وارث العلم، نیا بازار، چھپرہ

• • • • • • • • • • • • • • • • • •

آج بذریعہ اخبار حضرت علامہ ارشد القادری صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان کے سانحہ ارتحال کی خبر ملی جس سے بے حد غم وافسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ اپنے جوار رحمت میں وافر جگہ عطا فرمائے اور درجات بلند تر فرمائے۔ آمین! عالم سنیت میں ایک عظیم خلا پیدا ہوگیا جس کا پر ہونا ممکن نہیں ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

الجامعۃ الامجدیہ

غیبی پیر روڈ بھیونڈی، ضلع تھانہ (مہاراشٹر)

• • • • • • • • • • • • • • • • • •

آج شام یہ اندوہ ناک خبر موصول ہوئی کہ مناظر اہلسنت حضرت علامہ ارشد القادری صاحب کا انتقال ہوگیا۔ آپ الجامعۃ الامجدیہ کے بانی تھے اور اس کا نام ''امجدیہ'' بھی آپ نے رکھا تھا۔ حضرت جامعہ امجدیہ کے مستقل ٹرسٹی بھی تھے۔ حضرت کے انتقال کی

وجہ سے جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ ناپید ہے۔

اراکین ادارہ وطلباء اس غم میں برابر کے شریک ہیں اور حضرت کے اہل خانہ و برادران اہلسنت کے لئے صبر وتحمل کے لئے دعا گو ہیں۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

آستانہ چشتیہ چمن پیر بیگھہ شریف ضلع نالندہ (بہار شریف)

• • • • • • • • • • • • • • • •

حضرت علامہ ارشد القادری ــــ عالم اسلام کی وہ عبقری شخصیت تھی جو پچاس سال سے زائد عرصہ تک رحمت خداوندی بن کر انفس وآفاق پر سایہ فگن رہے ــــ اور آج ان کے سانحۂ ارتحال پر پوری دنیائے سنیت خود کو یتیم محسوس کرنے پر مجبور ہوگئی ہے۔ مولائے کریم ہمیں ان کے نشانِ راہ پر چلنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ ندگان کو صبر جمیل، نیز متعلقین واحباب علماو قائدین ملت کو ان کے مشن کی تکمیل کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

جامعہ فاروقیہ

ریوڑی تالاب، وارانسی (یوپی)

• • • • • • • • • • • • • • • •

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب کے انتقال پر ملال کی جانکاہ خبر 29/اپریل رات دس بجے جامعہ فاروقیہ کو موصول ہوئی اس خبر سے علماء وارکان وطلبہ غمزدہ وافسردہ خاطر ہوگئے۔ ارکان جامعہ نے بلا تاخیر تعزیتی نشست کی اور اداس چہروں کے ساتھ یہ طے کیا کہ صبح قرآن خوانی وایصال ثواب ودعائے مغفرت کے بعد جامعہ بند کردیا جائے اس فیصلہ کے مطابق 30/اپریل کو صلاۃ وسلام کے بعد قرآن خوانی وایصال ثواب کے بعد جامعہ بند کردیا گیا۔

حضرت علامہ کے انتقال سے دنیائے سنیت اور قوم
زبردست نقصان ہوا ہم اہلسنت وجماعت ایک عظیم مبلغ دین
ومناظر اہلسنت سے محروم ہوگئے۔

حضرت علامہ علیہ الرحمہ نے مختلف فنون میں متعدد کتا
فرمائی اور ملک وبیرونِ ملک میں بڑے بڑے ادارے قائم فر
وملت پر احسان عظیم فرمایا۔

حضرت علامہ علیہ الرحمہ کے سینہ میں ملت اسلامیہ کا د
مسلک اعلیٰ حضرت کا عشق تھا اور ہم جملہ ارکان وعلماء وطلب
کرتے ہیں اور بارگاہ خداوند کریم میں دعاء کرتے ہیں کہ ا
حضرت علامہ علیہ الرحمۃ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا
اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا مرغوب حسن قادری

خادم مدرسہ بحر العلوم، مئوناتھ بھنجن

• • • • • • • • • • • • • • • •

۲۹ اپریل ۲۰۰۲ء دوشنبہ مبارکہ کو میں گھوسی میں تھا۔
شام کو قادری منزل کے ذریعہ حضرت کے وصال کی خبر ملی۔
کیا دنیا کا ہر فرد اپنی جگہ مضطرب وبے چین ہے کہ یا اللہ یہ کیا ہو
حضرت کا وصال ملک وبیرون ملک کے لئے سوہان رو
آپ کے وصال سے جہاں رضوی اور مصباحی چمنستان کی آ
گل ہوگئی ہے وہیں پرانی قیادت کا ایک عظیم دور ہی ختم ہوگی
البدل کی تو بظاہر امید نظر نہیں آتی مگر اللہ ان کا بدل
عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین) اور آپ حضرات کو صبر جم
فرمائے۔ محترم اب اس وقت آپ ہی ان کے صحیح جانشین ہیں
العلوم کو کس طور پر اور کیسے حضرت علامہ نے بام عروج پر پہونچ

کسی پر مخفی نہیں ہے۔اب آپ ہی پر اس کی ساری ذمہ داریاں ہیں۔ہمیں امید ہے کہ حقیقی معنوی میں آپ ان کی جانشینی کا حق ادا کریں گے۔آمین!

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا محمد حنیف خاں رضوی القادری

سنی تبلیغی جماعت،شیرانی آباد،ناگور(راجستھان)

• • • • • • • • • • • • • • • •

سنی تبلیغی جماعت باسنی کے جنرل سکریٹری حضرت مولانا ابوبکر صاحب اشرفی کی زبانی یہ اندوہ ناک خبر ملی کہ دنیائے سنیت کی عبقری شخصیت سلطان المناظرین رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری صاحب دار فانی سے دارالبقاء کی جانب چل دیئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون!

دنیائے سنیت میں جو عظیم خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا ممکن نہیں،خداوند قدوس آپ لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

ابر رحمت انکے مرقد پہ گہر باری کرے
حشر تک شان کریمی ناز برداری کرے

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

نازبک ڈپو

محمد علی روڈ،ممبئی

• • • • • • • • • • • • • • • •

مولانا کی وفات کی قبر پڑھ کر بہت ہی افسوس ہوا۔اللہ تعالیٰ انہیں جنت نصیب کریں اور آپ سب لوگوں کو صبر کی توفیق عطا کرے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا محمد یونس رضوی سکریٹری

واراکین ومدرسین دارالعلوم اہلسنت،شاہی مسجد گھاس بازار(ناسک)

• • • • • • • • • • • • • • • •

29/اپریل کو قائد اہلسنت حضرت علامہ ارشد القادری صاحب علیہ الرحمہ کے انتقال پر ملال کی غمناک خبر سے ہملوگ بہت غمگین ہیں لیکن کیا کرسکتے ہیں جو مرضی مولا ہوتی ہے وہی ہوتا ہے۔کیونکہ

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

حضرت علامہ اپنی دینی ہمدردی وشہرہ آفاق شخصیت ہونے کی وجہ سے صبح قیامت تک یاد کئے جاتے رہیں گے انکی بیش بہا گرانقدر تصانیف مصنفین کی تصانیف پر مفید وکارآمد تقریظات وکلمات تکریم کچھ ایسی اہمیت کے حامل ہیں جس کے سبب قرطاس تاریخ میں جگمگاتے رہیں گے۔آپ حضرات ایک عظیم باپ کی عظیم اولاد ہیں انکی دینی سرگرمیوں کی تکمیل آپ حضرات پوری لگن وتوجہ سے فرماتے رہیں گے آخر میں دعا ہے کہ حضرت علامہ علیہ الرحمہ کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور آپ حضرات کو انہی جیسا بنائے اور صبر جمیل سے مالامال فرمائے۔آمین!

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا سید قمر علی قادری آسوی

لعل صاحب روڈ،ٹمکی،ناگپور

• • • • • • • • • • • • • • • •

حضرت علامہ ارشد القادری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی خبر سے بہت ہی گہرا صدمہ پہنچا ہے۔حضرت علامہ ملت اسلامیہ اور بالخصوص جماعت اہلسنت کا وہ قیمتی سرمایہ تھے جس کے گم ہوجانے سے پوری جماعت اہل سنت اپنا بہت بڑا نقصان تصور کرتی ہے۔

حضرت علامہ کی دینی، علمی، قلمی، ملی خدمات کو صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ پورا عالم اسلام ہمیشہ صبح قیامت تک یاد کرتا رہے گا۔

علم وعرفاں تحریر وقلم کی بنیاد پر جو خلا جماعت اہل سنت میں پیدا ہوگیا ہے اس کا پر ہونا بہت ہی مشکل ہے۔ اللہ رب العزت اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقے میں حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی قومی و ملی خدمات کو قبول فرما کر انکی قبر انور پر رحمتوں کی بارش فرمائے اور ان کے درجات کو بلند تر فرمائے۔ آمین!

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

مولانا شیر محمد خاں رضوی

ناظم تعلیمات و جملہ اساتذہ دار العلوم اسحاقیہ، جودھ پور (راجستھان)

• • • • • • • • • • • • • • • • •

علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ کے سانحۂ ارتحال کی اندوہ ناک خبر سنکر پورا ادارہ رنج والم میں ڈوب گیا۔ تعلیم بند کروا کر قرآن خوانی کروائی گئی۔ قرآن خوانی کے بعد مجلس تعزیت منعقد ہوئی۔ جسمیں حضرت علامہ علیہ الرحمہ کی عالمگیر و ہمہ جہت شخصیت پر تفصیلاً روشنی ڈالی گئی۔ آخر میں مخدوم ملّت حضور مفتی اعظم راجستھان صاحب قبلہ کی رقت انگیز دعا پر مجلس تعزیت اختتام کو پہونچی۔

حضرت علامہ علیہ الرحمہ کی زندگی پچھلی نصف صدی تک دینی و ملّی خدمات کا ایک تابندہ مرقعہ تھی۔ سیکڑوں مدارس دینیہ و تنظیماتِ اسلامیہ آپ کی پر خلوص مساعی جلیلہ سے معرض وجود میں آکر اسلام و مسلک حقہ کی فقید المثال خدمات انجام دیتی رہی ہیں۔ نہ یہ صرف خطۂ ایشیاء بلکہ یورپ وافریقی ممالک بھی آپ کی قائدانہ و مجاہدانہ کاوشوں سے فیضیاب وسیراب ہوتے رہے ہیں۔ ''ورلڈ اسلامک مشن آف انگلینڈ'' اس کی ایک ادنی جھلک ہے۔

اسی تنظیم تاباں کے سبب یورپ وافریقہ میں آج سنیت کا ہلالی پرچم لہراتا ہوا نظر آتا ہے۔ آپ کی عبقری وقابل صدر شک شخصیت سے پورا عالم سنیت پچھلے پچاس سال سے مستفیض ہوتا رہا ہے۔ آپ اپنی ذات میں نہ صرف ایک بالغ نظر مفکر و عالم متبحر، دور اندیش مدبر، روشن دماغ قائد، جادو بیاں خطیب، صاحب طراز محقق، قابل رشک متکلم وفلسفی، صاحب بصیرت واعلیٰ فراست کے حامل فقیہہ، حاضر دماغ مناظر، علوم قدیمہ وجدیدہ کے سنگم تھے۔ بلکہ ایک انسائیکلو پیڈیا آف اسلام تھے۔ آپ کی دینی وملی وملکی خدمات زریں حروف میں لکھی جائے گی۔

فرزندان توحید بالعموم و برادران اہلسنت بالخصوص وفدایان امام احمد رضا بالیقین صدیوں تک سلام عقیدت پیش کر کے یاد کرتے رہیں گے۔

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

ربّ العزت محبوب عربی علیہ التحیات والتسلیمات کے صدقے میں آپ کی دینی وملی خدمات کو قبول فرما کر دارین میں بہتر سے بہتر اجر مرحمت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے آمین۔ اور آپ کے سبھی فرزندگان واعزاء واقارب و پوری ملّت اہلسنت کو صبر وسکون کی دولت نصیب فرمائے۔ آمین!

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

کے۔ ایچ۔ اعجاز احمد حسینی

ناظم مرکز اہلسنت جامعہ حضرت بلال، بلال نگر (بنگلور)

• • • • • • • • • • • • • • • • •

لحد میں عشق رُخِ شہ کا داغ لے کے چلے

علامہ ارشد القادری کا وصال دنیائے سنیت کے لئے عظیم سانحہ ہے۔ اس صدی کے مایۂ ناز جیّد عالم دین، عظیم مفکر، دوراند

مصلح بے مثال فقیہہ، بالغ نظر دانشور، مناظر اہلسنت، رئیس القلم
حضرت علامہ ارشد القادری مدظلہ العالی 16 رصفر المظفر 1423 رھ
مطابق 29 راپریل بروز پیر کو اس دار فانی کو چھوڑ کر اپنے ربّ حقیقی
سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔حضرت کے وصال سے سنّی دنیا
ایک عظیم قائد سے محروم ہو چکی ہے۔(موت العالم موت العالم) اللہ
رب العزت نے حضرت کو خداداد صلاحیتوں سے سرفراز فرمایا تھا تقریر
وتحریر، تصنیف ومناظرہ میں مہارت تامہ حاصل تھا۔ ملک و بیرون ملک
میں دینی خدمات اشاعتِ دین وسنّیت ناموس رسالت ﷺ کے
لئے انہوں اپنی پوری زندگی وقف کردی اپنی زندگی میں انہوں نے
مختلف موضوعات پر تقریباً 30 کتابیں تصنیف فرمائی۔ جو بہت ہی
اہمیت کی حامل اور دستاویزی حیثیت رکھتی ہیں خصوصاً مشہور زمانہ
اورایوان باطل مین تہلکہ مچا دینے والی لاجواب کتابوں میں زلزلہ،
زیروزبر وغیرہ شامل ہیں اللہ رب العزت نے کئی مناظروں میں آپ
کو فتح ونصرت کامیابی و کامرانی عطا فرمائی ۔حضرت کو مرکز اہلسنت
جامعہ حضرت بلال سے بڑا قلبی لگاؤ تھا۔ بنگلور تشریف لاتے تو چیر مین
جناب امیر جان صاحب قادری کے دولت کدہ پر قیام کرتے اور
جامعہ حضرت بلال کے اساتذہ کرام اور طلبہ کو ناصحانہ کلمات اور خصوصی
دُعاؤں سے نوازتے تھے۔ ہماری دیرینہ خواہش شہر بنگلور میں ادارۂ
شرعیہ قائم کرنے کے لئے انہوں نے اجازت عطا فرمائی اور اپنے
زریں مشوروں سے نوازا جس کے لئے جامعہ حضرت بلال میں بالائی
حصے پر ایک وسیع وعریض ہال تعمیر ہوا ہے حضرت ہی کے ہاتھوں اس
کے افتتاح کی توقع تھی مگر مرضی مولیٰ تھی کہ ”کل نفس ذائقة
الموت کے مطابق حضرت نے داعی اجل کو لبیک کہا یقین کامل ہے
کہ اپنے روحانی فیوض و برکات سے ہمیں نوازیں گے۔ ادارہ اس
موقع پر اپنے گہرے غم کا اظہار کرتا ہے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

آصف فہمی (جنرل سیکریٹری)
دہلی اسٹیٹ اردو پبلشرز ایسوسی ایشن
دین دنیا ہاؤس، جامع مسجد دہلی ٦

• • • • • • • • • • • • • •

دہلی اسٹیٹ اردو پبلشرز ایسوسی ایشن کا مجلس
ایسوسی ایشن کے ممبر جناب غلام ربّانی صاحب (مالک
کے والد حضرت علامہ ارشد القادری صاحب کے
گہرے رنج وغم کا اظہار کرتا ہے۔
حاضرین مجلس عاملہ خداوند قدوس سے مرحوم
لئے دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحم
فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین
یہ قرارداد ایسوسی ایشن کی مجلس عاملہ کی میٹنگ
۲۰۰۲ء بروز جمعہ) میں حاضرین کے سامنے پڑھی گئ
اور حاضرین کی جانب سے صدر اجلاس کے دستخط
بھجوائی گئی۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆
☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆
☆ ☆ ☆ ☆ ☆
☆ ☆ ☆ ☆
☆ ☆ ☆
☆ ☆
☆

ہم عالم اسلام کی عبقری شخصیت

حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان کی حیات وخدمات کو ایک گرانقد

شکل میں پیش کرنے پر ماہنامہ جام نور دہلی کو مبارک باد پیش کر

مرکز اہل سنت جامعہ حضرت بلال ریاست کرناٹک کے

شہر بنگلور میں عقائد اہل سنت کا خالص ترجمان ہے۔ جہاں ایک سو مقا

مہمانان رسول دینی ودنیاوی تعلیم سے فیضیاب ہو رہے ہیں ۔ یہاں د

دار المطالعہ اور دار الافتاء بھی قائم ہے ۔ ہفتہ واری اجتماعات کا مردوں

کے لئے اہتمام کیا جاتا ہے۔ انگلش میڈیم اسکول بھی قائم ہے، مستقبل کے

میں ٹیکنیکل شعبہ جات اور ادارۂ شرعیہ بھی شامل ہے۔

تحفظ ناموس رسالت، ترویج واشاعت عقائد اہلسنت

اکابرین کی خدمات کو اجاگر کرنا ادارے کا نصب العین ۔

کی ترقی کے لئے دعاؤں کا طالب.....

مرکز اہل سنت

جامعہ حضرت بلال سنی ٹرسٹ رجسٹر

ٹیانری روڈ، بلال نگر، بنگلور-۴۵، فون: 5467153 -3147

عالم اسلام کی نابغۂ روزگار شخصیت

رئیس القلم مناظر اسلام فاتح ایشیاء و یورپ بانی مدارس کثیرہ

حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان

کی ذات گرامی جماعت اہل سنت کے لئے انتہائی اہمیت کی حامل تھی۔
آپ کی رحلت کے غم سے کوئی فرد یا ادارہ نہیں بلکہ پوری جماعت متاثر ہوئی ہے۔

رضا اکیڈمی ممبئی

ماہنامہ جام نور دہلی کو ملت کے اس عظیم قائد کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے تاریخی رئیس القلم نمبر نکالنے پر مبارکباد پیش کرتی ہے۔
رضا اکیڈمی ممبئی کی تمام تر جدو جہد اور عزم مسلسل کا بس ایک ہی مقصد اور اسکا نصب العین یہ ہے کہ۔

خاک ہو جائیں عدو جل کر مگر ہم تو رضا
دم میں جب تک دم ہے ذکر ان کا سناتے جائیں گے

محمد سعید نوری (چیئرمین)